بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست عنوانات

نمبر شمار	مضمون	صفحہ نمبر

کتاب البیوع

باب البیع الصحیح

(بیع صحیح کا بیان)

باب البیع الباطل والفاسد والمکروہ

الفصل الأول في البیع الباطل

(بیع باطل کا بیان)

الفصل الثانی فی البیع الفاسد

(بیع فاسد کا بیان)

الفصل الثالث في البيع المكروه

(بیع مکروہ کا بیان)

باب حطّ الثمن وزیادتہ نقداً ونسیئۃً

(نقد و ادھار میں قیمت کے اتار چڑھاؤ کا بیان)

باب بیع الحقوق المجرّدة

(حقوق مجردہ کی بیع کا بیان)

باب مایتعلق بالحصص

(حصص کی خرید وفروخت)

فصلٌ فی بیع الاستجرار

(بیع استجرار کا بیان)

فصلٌ فی بیع الفضولی

(بیع فضولی کا بیان)

باب المرابحة والسَّلَم

الفصل الأول فی المرابحة

(بیع مرابحہ کا بیان)

الفصل الثانی فی السَّلَم

(بیع سَلَم کا بیان)

فصل فی الاحتکار

(ذخیرہ اندوزی کا بیان)

باب الصرف

(نقدی کی بیع کا بیان)

باب البیع بالوفاء

(بیع بالوفاء کا بیان)

باب الربوا

(سود کا بیان)

باب القرض

(قرض کا بیان)

باب القمار

(جوئے کا بیان)

کتاب الوکالۃ

(وکالت کا بیان)

کتاب الدعوی والتحکیم

باب الدعوی

(دعویٰ کا بیان)

باب التحکیم

(حکم مقرر کرنے کا بیان)

کتاب الهبة

(ہبہ کا بیان)

کتاب الضمان والودیعة

باب فی الضمان

(ضمان کا بیان)

باب فی الودیعة

(امانت کا بیان)

فصلٌ فی الضمان بہلاک الودیعۃ

(امانت کے ضائع ہونے پر ضمان کا بیان)

کتاب الاجارۃ

باب الاجارۃ الصحیحۃ

(اجارۂ صحیحہ کا بیان)

باب الإجارة الفاسدة

(اجارۂ فاسدہ کا بیان)

باب أجرة الدلال والسمسار

(دلالی کی اجرت کا بیان)

باب في فسخ الإجارة

(اجارہ کو فسخ کرنے کا بیان)

☆ ☆ ☆

کتاب البیوع

باب البیع الصحیح

(بیع صحیح کا بیان)

مچھلی کی بیع

سوال[۷۷۲۸]: مچھلیوں کی تجارت جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جائز ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "ویجوز بیع جمیع الحیوانات سوی الخنزیر، وهو المختار". (الفتاوی العالمكيرية: ۳/۱۱۴، كتاب البيوع، الباب التاسع فيما يجوز بيعه وما لا يجوز، الفصل الرابع في بيع الحيوانات، رشيدية)

"ويصح بيع الكلب والفهد وسائر السباع، علمت: الكلب والفهد والسباع أو لا". (مجمع الأنهر: ۳/۱۵۴، كتاب البيوع، مسائل شتى، غفارية كوئٹہ)

"ويصح بيع الكلب والسباع وسائر أنواعها". (الدر المختار مع رد المحتار: ۵/۲۲۴، كتاب البيوع، باب المتفرقات، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۴/۵۳۶، كتاب البيوع، باب المتفرقات، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في البحر الرائق: ۶/۲۸۹، كتاب البيع، باب المتفرقات، رشيدية)

(وكذا في الهداية: ۳/۱۰۴، كتاب البيوع، مسائل منثورة، مكتبة شركت علمية ملتان)

کتے کی بیع

سوال [۷۷۲۹]: مسلمان کے لئے کتے کی بیع جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کتا نجس العین ہے، خنزیر کی طرح اس کی بیع ناجائز ہے(۱)۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کے نجس العین ہونے کی کوئی دلیل نہیں(۲)۔ شکار کے لئے کتا پالنا جائز ہے، کتے کے ذریعہ شکار کی اجازت قرآن کریم میں ہے:

﴿وما علمتم من الجوارح مكلبين تعلمونهن مما علمكم الله فكلوا مما أمسكن عليكم﴾(۳)۔

نیز کھیت اور جانوروں کی حفاظت کے لئے کتا پالنے کی اجازت ہے، حدیث شریف میں مذکور ہے(۴)۔ جب کتا پالنا اور نفع اس سے اٹھانا اور اس کو تعلیم دینا اور اس کے ذریعہ حاصل شدہ شکار کھانا نصوص قرآن وحدیث سے ثابت ہے تو پھر اس کی بیع کا مسئلہ خود بخود ثابت ہو جاتا ہے۔ اور کتب فقہ

---

(۱) "فذهب الشافعي رحمه الله تعالى لعمدته شيئان: أحدهما ثبوت النهي الوارد عن ثمن الكلب عن النبي صلى الله عليه وسلم. والثاني: أن الكلب عنده نجس العين كالخنزير". (بداية المجتهد ونهاية المقتصد: ۲/۲۸۶-۲۸۹، من نهى بيع الكلب، دار الكتب العلمية بيروت)

"فقال الشافعي رحمه الله تعالى: "لايجوز بيع الكلب أصلاً". (بداية المجتهد، المصدر السابق: ۲/۲۸۳، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) "وليس الكلب بنجس العين، ألاترى أنه ينتفع به حراسةً واصطياداً بخلاف الخنزير". (الهداية ۱/۴۰، كتاب الطهارة، باب الماء الذي يجوز به الوضوء وما لايجوز، شركت علميه ملتان)

(۳) (سورة المائدة: ۴)

(۴) "عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "من أمسك كلباً فإنه ينقص كل يوم من عمله قيراط إلا كلب حرث أو ماشية". وقال ابن سيرين وأبو صالح عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم: "إلا كلب غنم أو حرث أو صيد". (صحيح البخاري: ۱/۳۱۲، باب اقتناء الكلب للحرث، قديمي)

البحر الرائق (۱)، درمختار (۲) میں اس کی بیع کو درست لکھا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۹/۸۹ھ۔

کتے کی تجارت

سوال [۷۷۲۰]: مسلمان کے لئے کتے کی بیع جائز ہے کہ نہیں؟ ایک شخص کتا پالتا ہے، یا کتے کے بچے کو بھی فروخت کرتا ہے، کتے کے بچے کے بدلے میں بکری کا بچہ لیتا ہے اور پھر اس بکری کے بچے کو پال کر بیچتا ہے، یعنی بچے سے اس کے بکریوں کی نسلیں بڑھتی ہیں، اسی میں سے بیچتا ہے اور قربانیاں بھی کرتا ہے اور خیرات بھی دیتا ہے۔ ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بعض جگہوں سے معلوم ہوا کہ کتے کی بیع وشراء حرام ہے۔ حرام کس کے نزدیک ہے اور حرام کی علت کیا ہے؟ اور اگر حلال ہے تو احناف کی دلیل تحریر فرمائیں۔ کیا عام طریقہ سے کتوں کی تجارت کا رواج پیدا کرنا جائز ہے؟ مع حوالہ کتب تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کتا نجس العین ہے خنزیر کی طرح (۳)، اس کی بیع ناجائز ہے (۴)۔

---

(۱) "وصح بیع الکلب والفهد والسباع والطیور". (البحر الرائق، کتاب البیع، باب المتفرقات: ۲۸۶/۶، رشیدیہ)

(۲) "وصح بیع الکلب والفهد والفیل والقرد والسباع". (الدر المختار: ۲۲۹/۵، کتاب البیوع، باب المتفرقات، سعید)

(وکذا فی تکملة فتح الملهم: ۵۳۱/۱، کتاب البیوع، باب تحریم ثمن الکلب، دار العلوم کراچی)

(وکذا فی مجمع الأنهر: ۱۱۵/۳، کتاب البیوع، مسائل شتی، غفاریہ کوئٹہ)

(وکذا فی إعلاء السنن: ۲۲۳/۱۴، کتاب البیوع، باب جواز بیع الکلب، ادارة القرآن کراچی)

(۳) "فأما الشافعی رحمه الله تعالیٰ فعمدته شیئان: أحدهما ثبوت النهی الوارد عن ثمن الکلب عن النبی صلی الله علیه وسلم. والثانی: أن الکلب عنده نجس العین کالخنزیر". (بدایة المجتهد ونهایة المقتصد: ۲۹۵/۳-۲۹۶، من نهی بیع الکلب، دار الکتب العلمیة بیروت)

(۴) "فقال الشافعی رحمه الله تعالیٰ: لا یجوز بیع الکلب أصلاً". (بدایة المجتهد، المقصد السابق: ۲۸۴/۳، کتاب البیوع، ما اختلفوا فی بیعه وإن لم یکن نجس العین، دار الکتب العلمیة بیروت)

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کے نجس العین ہونے کی کوئی دلیل نہیں۔ شکار کے لئے کتا پالنا جائز ہے(۱)، کتے کے ذریعہ شکار کی اجازت قرآن کریم میں ہے:

﴿وما علمتم من الجوارح مکلبین تعلمونهن مما علمکم الله فکلوا مما أمسکن علیکم﴾ الآیۃ(۲)۔

نیز کھیت اور جانوروں کی حفاظت کے لئے کتا پالنے کی اجازت حدیث شریف میں مذکور ہے(۳)۔

کتا پالنا اور اس سے نفع اٹھانا اور اس کو تعلیم دینا اور اس کے ذریعہ حاصل شدہ شکار کھانا نصوص قرآن وحدیث سے ثابت ہے۔ تو پھر اس کی بیع کا منعقد ہونا خود بخود ثابت ہو جاتا ہے۔ اور کتب فقہ رد المحتار(۴) و البحر الرائق وغیرہ میں اس کی بیع کو درست لکھا ہے(۵)۔

---

(۱) "ولیس الکلب بنجس العین، ألا تری أنه ینتفع به حراسة واصطیاداً بخلاف الخنزیر". (الهدایة: ۱/۲۳، کتاب الطهارة، باب الماء الذی یجوز به الطهارة ومالا یجوز، مکتبه شرکت علمیه بیروت)

"واعلم أنه لیس الکلب بنجس العین عند الإمام، وعلیه الفتوی". (الدر المختار مع رد المحتار: ۱/۲۰۸، کتاب الطهارة، باب المیاه، سعید)

(۲) (سورة المائدة: ۴)

(۳) "عن أبي هریرة رضي الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: "من أمسك كلباً، فإنه ینقص كل یوم من عمله قیراط، إلا كلب حرث أو ماشیة". وقال ابن سیرین وأبو صالح، عن أبي هریرة رضي الله تعالیٰ عنه: "إلا كلب غنم أو حرث أو صید". (صحیح البخاري: ۱/۳۱۲، باب اقتناء الکلب للحرث، قدیمی)

(۴) "وصح بیع الکلب والفهد والقرد والسباع". (رد المحتار: ۵/۲۲۶، کتاب البیوع، باب المتفرقات، سعید)

(۵) "وصح بیع الکلب والفهد والفیل والقرد والسباع". (البحر الرائق: ۶/۲۸۶، کتاب البیع، باب المتفرقات، رشیدیه)

(وکذا في تکملة فتح الملهم: ۱/۵۳۱، کتاب البیوع، باب تحریم ثمن الکلب، دار العلوم کراچی)

(وکذا في مجمع الأنهر: ۳/۱۲۱، کتاب البیوع، مسائل شتی، غفاریه کوئٹه)

(وکذا في إعلاء السنن: ۱۴/۲۲۰، کتاب البیوع، باب جواز بیع الکلب، إدارة القرآن کراچی)

بیع خواہ نقد کے عوض میں ہو یا کسی اور شی بکری وغیرہ کے عوض میں ہو، اس کی قیمت (نقد) کو جس طرح کام میں لانا درست ہے اسی طرح اس کو بکری کے عوض فروخت کیا ہو تو اس بکری کو اس کی نسل کو سب کو کام میں لانا درست ہے، جیسا کہ زیلعی میں تصریح ہے(۱):

"عن جابر رضي الله تعالى عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم نهى عن ثمن السنور والكلب، إلا كلب صيد". نسائي شريف: ۲/ ۲۳۰(۲)، وجمع الفوائد: ۱/ ۶۳۸(۳)، والأعلام بأحاديث الأحكام، ص: ۲۰۴(۴)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

کتے کی خرید وفروخت

سوال[۷۷۳۱]: کتے کی تجارت جائز ہے یا نا جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

محض شوق کے طور پر بلا ضرورت حفاظت وشکار وغیرہ کتا پالنا منع ہے اور بضرورت جائز ہے(۵)

---

(۱) "أن الشرع أباح الانتفاع به حراسة واصطياداً فكذا بيعاً، ولأنه يجوز تمليكه بغير عوض كالهبة والوصية، فكذا بعوض". (تبيين الحقائق، كتاب البيوع، باب المتفرقات: ۳/ ۵۳۱، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) (سنن النسائي: ۲/ ۲۳۰، كتاب البيوع، باب بيع الكلب، قديمي)

(۳) (جمع الفوائد، كتاب البيوع، ۲/ ۶۳۸، إدارة القرآن كراچي)

(۴) (لم أجده)

(۵) "عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "من اقتنى كلباً، فإنه ينقص من عمله كل يوم قيراط، إلا كلب حرث أو ماشية". عن سفيان بن أبي زهير، قال: سمعت النبي صلى الله عليه وسلم يقول: "من اقتنى كلباً، لا يغني عنه زرعاً ولا ضرعاً، نقص من عمله كل يوم قيراط". فقيل له: أنت سمعت من النبي صلى الله عليه وسلم؟ قال: أي ورب هذا المسجد!". (سنن ابن ماجة، ص: ۲۳۱، أبواب الصيد، باب النهي عن اقتناء الكلب، قديمي)

(وصحيح البخاري: ۱/ ۳۱۲، باب اقتناء الكلب للحرث، قديمي)

(والصحيح لمسلم: ۲/ ۲۰، كتاب المساقات والمزارعة، باب الأمر بقتل الكلاب وبيان نسخه وبيان —

اور کتے کی بیع بھی درست ہے(۱)۔

"(قوله: نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن ثمن الكلب) وهذا التحريم كان إذ أمر بقتل الكلاب وحرم الانتفاع بها، فإذا استثنى كلب الماشية والصيد وغيره، جاز بيعه اهـ".

الکوکب الدری: ۱/ ۳۳۷(۲)۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔ صحیح: عبد اللطیف، ۱۸/ ۵/ ۶۰ھ۔

حرام جانوروں کی بیع

سوال[۷۶۳۲]: بندر، بلی، چوہا وغیرہ جیسے حرام جانوروں کی تجارت کر کے روزی کمانا کیسا ہے؟

کرمہ اللہ نفع پورے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر ان حرام جانوروں کی کھال، ہڈی وغیرہ کارآمد ہوں، یا ان سے دوا بنائی جائے تو ان کی خرید و فروخت کرنا جائز ہے:

قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالى: "وصح بيع الكلب والفهد والفيل والقرد والسباع بسائر أنواعها حتى الهرة، وكذا الطيور سوى الخنزير - وهو المختار - للانتفاع بها

= تحريم اقتنائه، الخ، فليحمل)

(۱) "وصح بيع الكلب والفهد والفيل والقرد والسباع". (الدر المختار مع رد المحتار: ۵/ ۲۲۶، كتاب البيوع، باب المتفرقات، سعيد)

"صح بيع الكلب والفهد والسباع والطيور، لما رواه أبو حنيفة رحمه الله تعالى أنه صلى الله عليه وسلم رخص في ثمن كلب الصيد، ولأنه مال متقوم آلة الاصطياد، فصح بيعها". (البحر الرائق: ۶/ ۲۸۲، كتاب البيع، باب المتفرقات، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۳/ ۱۵۱، كتاب البيوع، مسائل شتى، غفاريه كوئته)

(۲) (الكوكب الدري، أبواب النكاح، باب كراهية مهر البغي: ۱/ ۳۳۷، المكتبة اليحيويه سهارنپور)

وبحلد ها"۔ درمختار، کتاب البیوع، باب المتفرقات(۱)۔

"ویجوز بیع جمیع الحیوانات سوی الخنزیر، وهو المختار"۔ عالمگیری(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

مینڈک، گوہ وغیرہ کی بیع اور کھانا

سوال[۷۷۲۳]: مینڈک، گوہ، پانی کا سانپ، ریچھ، گیدڑ وغیرہ احناف کے نزدیک کھانا یا فروخت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ ان سب چیزوں کے بارے میں دیگر ائمہ و مجتہدین کی کیا رائے ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ان جانوروں کا کھانا احناف کے نزدیک جائز نہیں(۳)۔ اگر یہ چیزیں کسی ضرورت میں مثلاً دوا کے

---

(۱) (الدر المختار: ۵/۲۲۹، کتاب البیوع، باب المتفرقات، سعید)

(۲) (الفتاوی العالمکیریة: ۳/۱۱۴، کتاب البیوع، الباب التاسع فیما یجوز بیعه وما لا یجوز، الفصل الرابع فی بیع الحیوانات، رشیدیه)

"ویصح بیع الکلب ولو جرواً أو عقوراً، والفهد والفیل والقرد وسائر السباع بسائر أنواعها حتی الهرة". (الدر المنتقی علی هامش مجمع الأنهر: ۳/۱۵۰، کتاب البیوع، مسائل شتی، غفاریه کوئٹه)

"ویجوز بیع الکلب والفهد والسباع ... وجه روایة الجواز أنه یمکن الانتفاع بجلده، وهذا هو وجه روایة إطلاق بیع الکلب والسباع، فإنه مبنی علی أن کل ما یمکن الانتفاع بجلده أو عظمه یجوز بیعه". (فتح القدیر: ۶/۱۱۸، کتاب البیوع، مسائل منثورة، مصطفی البابی الحلبی مصر)

(۳) "ویحرم أکل کل ذی ناب ... والضب والیربوع وابن عرس والسلحفاة والحشرات". (ملتقی الأبحر). قال فی المجمع: "(قوله: والحشرات) کالفأرة والوزغة وسام أبرص والقنفذ والحیة والضفدع". (مجمع الأنهر: ۴/۱۶۰-۱۶۱، کتاب الذبائح، غفاریة کوئٹة)

"(ولا یؤکل من حیوان الماء) وهو الذي مثواه وعیشه فی الماء عندنا، لقوله تعالیٰ ﴿ویحرم علیهم الخبائث﴾ إلا السمک بأنواعه". (مجمع الأنهر، المصدر السابق: ۴/۱۶۲، غفاریه کوئٹه)

طور پر خارجی استعمال میں مفید ہوں، یا کوئی عمل کارآمد ہو تو ان زندہ جانوروں کی بیع وشراء شرعاً درست ہے(۱)۔ دیگر ائمہ کرام کے مذہب کی تحقیق ان کے محققین اہلِ فتویٰ سے کی جائے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۸/۱۱/۹۳ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۲۸/۱۱/۹۳ھ۔

کانجی ہاؤس سے جانور خریدنا

سوال[۷۷۷۴]: کانجی ہاؤس وغیرہ میں جب جانور زیادہ دنوں تک رہ جاتے ہیں تو سرکار کی جانب سے اس کو فروخت کر دیتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ جو لوگ اس جانور کو خرید کرتے ہیں، کیا شرعاً ان کی ملک ہو جاتی ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس جانور پر سرکار کو استیلاءً ملک حاصل ہو جاتی ہے تو اب خریدنے والا مالک سے ہی خریدتا ہے اور مالک سے خریدنے میں ثبوتِ ملک میں کوئی اشکال نہیں "وإن غلبوا (أي أهل الحرب) على أموالنا

---

(۱) "الحاصل أن جواز البيع يدور مع حل الانتفاع". (الدر المنتقى مع مجمع الأنهر: ۳/۱۰۴، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، غفاريه كوئته)

"يجوز بيع الحيات إذا كان ينتفع بها للأدوية، وما جاز الانتفاع بجلده أو عظمه: أي من حيوانات البحر أو غيرها. قال في الحاوي: ولا يجوز بيع الهوام كالحية والفأرة والوزغة والعضب والسلحفاة والقنفذ وكل ما لا ينتفع به ولا بجلده، وبيع غير السمك من دواب البحر إن كان له ثمن كالسقنقور وجلود الخز ونحوها يجوز". (رد المحتار: ۵/۶۹، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، سعيد)

"ويجوز بيع الحيات إذا كان ينتفع بها في الأدوية، وإن كان لا ينتفع بها، لا يجوز، والصحيح أنه يجوز بيع كل شيء ينتفع به. ويجوز بيع جميع الحيوانات سوى الخنزير، وهو المختار". (الفتاوى العالمكيرية: ۳/۱۱۴، كتاب البيوع، الباب التاسع فيما يجوز بيعه وما لا يجوز، الفصل الرابع في بيع الحيوانات، رشيديه)

"الحاصل أن جواز البيع يدور مع حل الانتفاع". (الدر المختار مع رد المحتار: ۵/۲۵، باب البيع الفاسد، سعيد)

گوشت کی تجارت

سوال[۷۷۳۵]: کیا یہ تجارت شرعاً جائز ہے کہ ہر روز ایک دو یا دس یا پانچ گائے ذبح کرکے گوشت فروخت کرے؟ اس میں نفع زیادہ ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جائز ہے، لأنه متوارث من خیر القرون شرعاً عرفاً من غیر نکیر(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مظاہر علوم، ۲۹/۱۰/۶۱ھ۔

صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۲۹/شوال/۶۱ھ۔

ہڈی کی خرید وفروخت

سوال[۷۷۳۶]: جو شخص ہڈیوں کی خرید وفروخت سوکھی اور گیلی دونوں کی کرتا ہے، ان کے یہاں کھانا کیسا ہے؟

محمد یوسف گنگوہی، امام مسجد قریشیان، گنگوہ، ضلع سہارنپور۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ہڈی کی خرید وفروخت جائز ہے گیلی ہو یا سوکھی، اس کی آمدنی درست ہے، اس کا کھانا

---

(۱) "کل ما ینتفع به تجوز بیعه و الإجارة علیه" (القواعد الفقهیة، ص: ۱۰۲۸، دار القلم دمشق)

"والحاصل أن جواز البیع یدور مع حل الانتفاع" (الدر المختار: ۵/۶۹، کتاب البیوع، باب البیع الفاسد، سعید)

(وکذا فی الدر المنتقی علی هامش مجمع الأنهر: ۳/۸۳، کتاب البیوع، باب البیع الفاسد، غفاریہ کوئٹہ)

"ویجوز لحم حیوان بلحم حیوان غیر جنسه متفاضلاً" (ملتقی الأبحر مع مجمع الأنهر: ۳/۲۵، باب الربا، غفاریہ کوئٹہ)

(وکذا فی تبیین الحقائق: ۴/۴۴۵، کتاب البیوع، باب الربا، دار الکتب العلمیة بیروت)

(وکذا فی الهدایة: ۳/۸۶، کتاب البیوع، مکتبہ شرکت علمیہ ملتان)

درست ہے(۱)، لیکن خنزیر کی ہڈی نہ ہو کہ اس کی خرید وفروخت جائز نہیں (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۳/۸۹ھ۔

کرایہ پر لی ہوئی زمین میں تعمیر بنا کر مالکِ زمین سے زمین کو خریدنا

سوال[۷۶۴۷]: زید نے ایک زمیندار سے زمین سالانہ کرایہ پر لے کر اس پر مکان تعمیر کیا جس کو ۳۰/ برس کا عرصہ گزرا، اب زمیندار بوجہ ضروریات اپنی زمین کو فروخت کرنا چاہتا ہے علاوہ ملبہ کے، لہٰذا اس کا ملبہ چھوڑتے ہوئے بیع جائز ہوگی یا نہیں؟ فقط۔

---

(۱) "وشعر الميتة وعظمها وصوفها وقرنها لابأس بالانتفاع بها، وبيع ذلك كله جائز؛ لأنه لاحياة في هذه الأشياء، فلايحلها الموت، فلاينجس". (المحيط البرهاني: ۷/۴۰۲، كتاب البيع في بيع المحرمات، غفاريه كوئٹه)

"ولابأس ببيع عظام الميتة وعصبها وصوفها وقرنها وشعرها ووبرها، والانتفاع بذلك كله؛ لأنها طاهرة لايحلها الموت لعدم الحياة". (الهندية: ۳/۱۱۵، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، مكتبه شركت علميه ملتان)

"ويباع عظمها، وينتفع به، وكذا عصبها وقرنها وصوفها وشعرها ووبرها، وكذا عظم الفيل".

(ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر: ۳/۹۶، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، غفاريه كوئٹه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۴/۳۷۷، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، دارالكتب العلمية بيروت)

"وشعر الميتة وعظمها". (الدر المختار). "قوله عليه السلام في شاة ميمونة: "إنما حرم أكلها". وفي رواية: "لحمها". فدل على أن ماعدا اللحم لايحرم، فدخلت الأجزاء المذكورة".

(رد المحتار: ۱/۲۰۶، كتاب الطهارة، باب المياه، مطلب في أحكام الدباغة، سعيد)

(۲) "لابأس ببيع عظام الفيل وغيره من الميتات، إلا عظم الآدمي والخنزير". (الفتاوى العالمكيرية: ۳/۱۱۵، كتاب البيوع، الباب التاسع فيما يجوز بيعه ومالايجوز، الفصل الخامس في بيع المحرمات، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۴/۳۷۸، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في رد المحتار: ۵/۷۱، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، سعيد)

الجواب حامداً ومصلیاً:

مالک کو اپنی زمین فروخت کرنے کا حق حاصل ہے(۱)، پھر خریدار اس کرایہ دار سے کہے کہ تم اپنا ملبہ یہاں سے ہٹا کر زمین خالی کردو، یا میرے ہاتھ فروخت کردو(۲)۔ بہتر یہ ہے کہ زمین فروخت کرنے سے پہلے کرایہ دار سے مالک خود ہی معاملہ کرلے، اس کے بعد فروخت کرے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۸/۳/۲۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۸/۳/۲۵ھ۔

---

(۱) "كل يتصرف في ملكه كيف شاء". (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۶۵۴، (رقم المادة: ۱۱۹۲)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(۲) "وتصح إجارة أرض للبناء والغرس ... فإن مضت المدة، قلعهما وسلمها فارغة، لعدم نهايتهما، إلا أن يغرم له المؤجر قيمته: أي البناء مقلوعاً ويتملكه". (الدر المختار مع رد المحتار: ۶/۳۰، كتاب الإجارة، باب ما يجوز من الإجارة، سعيد)

"وصح استئجار الأرض للبناء والغرس، وإذا انقضت المدة، لزمه أن يقلعهما ويسلمها فارغة، إلا أن يغرم المؤجر قيمة ذلك مقلوعاً برضى صاحبه". (مجمع الأنهر: ۳/۵۴۲، كتاب الإجارة، باب ما يجوز من الإجارة وما لا يجوز، غفاريه كوئٹه)

"وصح أيضاً للبناء والغرس وسائر الانتفاعات، كطبخ آجر وخزف ومقيلاً ومراحاً، حتى تلزم الأجرة بالتسليم ... وإذا انقضت المدة، لزمه أن يقلعهما ويسلمها فارغة من البناء والغرس، لعدم نهايتهما، إلا أن يغرم المؤجر للمستأجر قيمة ذلك مقلوعاً، لكن برضى صاحبه". (الدر المنتقى على هامش مجمع الأنهر: ۳/۵۴۲، كتاب الإجارة، باب ما يجوز من الإجارة وما لا يجوز، غفاريه كوئٹه)

لیکن خریدار کو مدت اجارہ پوری ہونے سے زمین خالی کرانے کا حق نہیں ہے:

"لو باع الآجر المأجور بدون إذن المستأجر، كان البيع نافذاً بين البائع والمشتري، وإن لم يكن نافذاً بحق المستأجر، حتى أنه بعد انقضاء مدة الإجارة يلزم البيع في حق المستأجر، وليس له الامتناع عن أخذ المبيع، إلا أن يطلب تسليمه له من البائع قبل انقضاء مدة الإجارة". (شرح المجلة لخالد الأتاسي، ص: ۲/۶۰۵، (رقم المادة: ۵۹۰)، الفصل الثاني في تصرف العاقدين في المأجور بعد العقد، حقانيه پشاور)

(وكذا في الفتاوى الكاملية، ص: ۱۹۳، كتاب الإجارة، دار الكتب العربية پشاور)

بیٹے کے نام پر مکان خریدنے سے وہ مالک نہیں ہوتا

سوال[۷۷۳۸]: زید نے اپنے بیٹے بکر کو اپنے روپیہ سے تجارت کرائی اور ایک مکان بھی اس کے نام خریدا، لیکن زید کی نیت اس کو مالک بنانے کی نہیں تھی، بلکہ اپنی مصلحت کی بناء پر ایسا کیا تھا اور بعد میں تجارت کو بکر سے دوسرے کے نام منتقل بھی کردیا اور بکر بطور ملازم کام کرتا رہا، باقاعدہ دستاویز تحریر کی گئی ہے۔ اب بکر کا انتقال ہوگیا، اب اس کے ورثاء کو کوئی حق وراثت پہونچتا ہے یا نہیں؟

معرفت: مولانا منظور احمد صاحب مدرس مدرسہ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

بیع کا رکن "ایجاب وقبول" ہے(۱)، اگر زید نے اپنے لئے مکان خریدا ہے اور بکر سے اس کا ظاہر کردیا کہ میں اپنے لئے مکان خریدتا ہوں اور کسی مصلحت سے تیرے نام سے خریدتا ہوں تو اس کا مالک زید ہے، پس اگر اس کے بعد زید نے ہبہ وغیرہ نہیں کیا تو اس میں بکر کے ورثہ کا حق نہیں، کیونکہ محض بکر کے نام خریدنے سے زید کی - جو اصل مشتری ہے - ملک زائل نہیں ہوئی (۲)۔ علی ہذا القیاس جب کہ بکر بطور ملازم تجارت میں کام کرتا تھا اور اس کا ثبوت بھی زید کے پاس موجود ہے، نیز زید نے مالک ہونے کی حیثیت سے

---

(۱) "البیع ینعقد بایجاب وقبول". (شرح المجلة لسلیم رستم باز، ص: ۳۵، رقم المادة: ۱۶۷، مکتبہ حنفیہ کوئٹہ)

"ویکون بقول أو فعل، أما القول فالإیجاب والقبول". (تنویر الأبصار مع الدر المختار، کتاب البیوع: ۴/۵۰۴، سعید)

"وینعقد بإیجاب وقبول". (ملتقی الأبحر مع مجمع الأنهر، کتاب البیوع: ۳/۴، غفاریہ کوئٹہ)

(۲) چونکہ اسباب ملک تین ہیں، ان میں سے کسی ایک کے پائے جانے سے ملک ثابت ہوجاتی ہے، اور چونکہ صورتِ مسئولہ میں کوئی ایک سبب بھی نہیں پایا گیا، لہذا اصل مشتری (زید) کی ملک زائل نہیں ہوئی:

"[علم] أن أسباب الملک ثلاثة: ناقل: کبیع وهبة. وخلافة: کإرث. وأصالة: وهو الاستیلاء حقیقةً بوضع الید، أو حکماً بالتهیئة کنصب شبکة الصید". (الدر المختار مع رد المحتار: ۶/۴۶۳، کتاب الصید، سعید)

(وکذا فی إمداد الفتاوی: ۳/۱۲، دار العلوم کراچی)

اس تجارت کو بکر نے دوسرے کے نام منتقل بھی کردیا تو اب بعد انتقال بکر کے ورثاء اس تجارت کے مالک نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۵/۱۲/۵۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۲۶/ذی الحجہ/۵۶ھ۔

گورنمنٹ کی زمین کا نیلام خریدنا

سوال[۷۷۴۹]: ایک زمین ہے جس کی مالک گورنمنٹ ہے، اب اگر اس زمین کی بولی بغیر گورنمنٹ کی اجازت کے بولی جائے تو اس کو لینا درست ہوگا یا نہیں؟ اور جتنے میں نیلام ہو، وہ روپیہ مسجد یا مدرسہ میں دے سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب زمینداری ختم کرکے گورنمنٹ مالک ہوگئی(۱) تو اس کی اجازت سے اس کا نیلام درست ہوگا، پس اگر پردھان کو اجازت تھی(۲) اور اس نے نیلام کیا تو خریدنے والے کو خریدنا درست ہے(۳)۔ اور اس کی قیمت کا روپیہ اگر بہ نیت ثواب مسجد کے لئے دیا جائے تو اس کا مسجد میں خرچ کرنا بھی درست ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۵/۶/۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۵/۹/۸۷ھ۔

---

(۱) ہندوستانی حکومتوں نے مختلف اوقات میں زمینداروں کی ملکیتیں ختم کرکے زمینیں اپنی تحویل میں لے لی ہیں، اور یہ صورت "استیلاء" کی ہے اور اس "استیلاء" سے ملک ثابت ہوتا ہے:

"اعلم أن أسباب الملک ثلاثة: ناقل: كبيع وهبة، وخلافة: كإرث، وأصالة، وهو الاستيلاء".

(الدر المختار مع رد المحتار: ۶/۴۶۳، کتاب الصید، سعید)

"الأسباب ثلاثة يثبت التملک، وهو: الاستيلاء، وناقل للملک، وهو: البيع ونحوه، وخلافة، وهو: الميراث والوصية". (غمز عيون البصائر شرح الأشباه والنظائر: ۳/۱۳۳، القول في الملک، إدارة القرآن كراچي)

(۲) "پردھان، رئیس، صدر، مکھیا"۔ (فیروز اللغات، ص: ۲۸۹، فیروز سنز، لاہور)

(۳) "لا يجوز لأحد أن يتصرف في ملک غيره بلا إذنه ..... أو وكالة منه أو ولاية عليه". (شرح

تقابض ہبہ کے لئے کافی ہے، جدید قبضہ کی ضرورت نہیں (۱)، لہذا فریق ثانی کا یہ دعویٰ کہ "یہ ہبہ مشاع ہے" غلط ہے، چنانچہ اولاد کا بائع نے ہبہ نہیں کیا ہے تاکہ مشاع ہونے کی وجہ سے ناجائز قرار دیا جائے، بلکہ ہبہ زرِ ثمن کیا ہے جو شرعاً قبل قبضہ ثمن کے بھی درست ہے:

"وجاز التصرف في الثمن بهبة أو بيع أو غيرهما لو عيناً: أي مشاراً إليه، ولو ديناً فالتعيين كمكيل، أو لا كنقود، ومثال التمليك بغير عوض هبة ووصية له، فإذا وهب منه الثمن ملكه بمجرد الهبة، لعدم احتياجه إلى القبض، وكذا الصدقة". در مختار (۲) طحطاوی (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد سعید احمد غفرلہ مدرس مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۴/ جمادی الاولیٰ/ ۶۲ھ۔

ایک روپیہ میں ڈیڑھ روپیہ کا سامان دینا

سوال [۷۷۴۱]: اگر کوئی بائع کسی کو رعایۃً ایک روپیہ میں ۸/ کا مال دیوے تو مشتری آئندہ نہ کر اس بہانہ سے کہ مجھ پر قرض ہے، بائع کو دیوے جبکہ بائع کسی دوسری صورت سے لینے کو تیار نہ ہو تو یہ قرب جائز ہے کہ نہیں؟

---

(۱) "والأصل أن القبضين إذا تجانسا، ناب أحدهما عن الآخر، وإذا تغايرا، ناب الأعلى عن الأدنى لا عكسه". (الدر المختار مع رد المحتار: ۵/ ۶۹۴، كتاب الهبة، سعيد)

(۲) (الدر المختار: ۵/ ۱۵۲، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية، فصل: في التصرف في المبيع والثمن قبل القبض والزيادة، سعيد)

(۳) "وجاز التصرف في الثمن بهبة أو بيع أو غيرهما ولو عيناً: أي مشاراً إليه، ولو ديناً، فالتصرف فيه تمليكه ممن عليه الدين ولو بعوض". (الدر المختار). قال الطحطاوي: "(قوله: ولو بعوض) كأن اشترى البائع من المشتري شيئاً بالثمن الذي له عليه، أو استأجر به عبداً أو داراً للمشتري. ومثال التمليك بغير عوض هبته ووصيته له منه. فإذا وهب منه الثمن، ملكه بمجرد الهبة لعدم احتياجه إلى القبض، وكذا الصدقة". (حاشية الطحطاوي على الدر المختار: ۳/ ۱۰۱، كتاب البيوع، فصل في التصرف في المبيع، دار المعرفة بيروت)

(وكذا في شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۱۲۷، رقم المادة: ۲۵۲، مكتبه حنفيه كوئٹه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب بائع قصداً رعایت کرکے ایک روپیہ میں ڈیڑھ روپیہ کا مال دے دیتا ہے تو گویا تحفہ تھا، اس کے قرض نہیں(۱)، اس کو قرض کہنا غلط ہے اور قواعد کے خلاف ہے، اگر رعایت کا بدل کرنا ہی ہے تو ہدیہ کچھ اس کو دیدے(۲) جس سے اس کا ذہن بھی منتقل نہ ہو۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۲۰/۶/۹۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین، دار العلوم دیوبند۔

بیش قیمت چیز کو کم قیمت پر خریدنا

سوال [۷۶۰۸]: ایک فرضی مسئلہ دریافت ہے، کہ اس کے ذریعہ اس کی مثال کا جواب مستنبط ہوجائے جو وقتاً فوقتاً پیش آتی رہتی ہے، وہ یہ کہ مثلاً ایک شخص زید عمرو کے پاس ایک قیمتی چیز (جس کی قیمت تقریباً سو دو سو تک ہوگی) لایا اور کہا کہ یہ میری چیز ہے، مجھ کو ضرورت کی بناء پر اس کو فروخت کرنا چاہتا ہوں، تم خرید لو۔

---

(۱) "وكما صح الزيادة في المبيع، ولزم البائع دفعها إن قبل المشتري ذلك، لأنه تصرف في حقه وملكه، ويستحق بما بعقد، فيصير حصته من الثمن" (مجمع الأنهر: ۳/۱۱۶، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية، غفاريه كوئٹه)

"اعلم أن الزيادة في الثمن والمثمن صحيحة ثمناً ومثمناً، ويلتحق بأصل العقد، ويصير كأن العقد في الابتداء ورد على الأصل والزيادة" (المحيط البرهاني في الفقه النعماني: ۷/۴۴، في الزيادة المشروطة، غفاريه كوئٹه)

"ما زاده البائع في المبيع بعد العقد، يكون له حصة من الثمن المسمى، مثلاً: لو باع ثماني بطيخات بعشرة قروش، ثم بعد العقد زاد البائع في المبيع بطيختين، فصارت عشرة، وقبل المشتري في المجلس، فكأنه باع عشر بطيخات بعشرة قروش، حتى لو تلفت البطيختان المزيدتان قبل القبض، لزم تنزيل ثمنهما قرشين من أصل ثمن البطيخ، فليس للبائع حينئذ أن يطلب من المشتري سوى ثمن ثماني بطيخات" (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۱۴۴، رقم المادة: ۲۵۸، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۴/۲۴۳، كتاب البيوع، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) قال الله تعالى: ﴿هل جزاء الإحسان إلا الإحسان﴾ (سورة الرحمن: ۶۰)

عمرو نے انکار کیا کہ میرے پاس اتنی رقم نہیں ہے، میں نہ لوں گا۔ اس پر زید نے کہا کہ جو کچھ تم اس کی قیمت دیدو، میں اسے فروخت کردوں گا۔ عمرو نے کہا: میں پانچ روپیہ میں لے سکتا ہوں، زید نے فروخت کردیا اور چلا گیا۔

اس کے چلے جانے کے بعد عمرو کو شبہ ہوا کہ مال کہیں چوری کا تو نہ ہو، لیکن اب معاملہ کو رد کرنے کی صورت نہیں ہے، زید پتہ نہیں کہاں کا ہے اور کہاں گیا۔ اب سوال یہ ہے کہ یہ مشتری عمرو کے لئے حلال اور درست ہے یا نہیں، اگر درست نہیں تو اب عمرو کیا کرے؟

محمد عبدالقدوس رومی، مدرسہ فرقانیہ حسن منزل، امین آباد۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر ظن غالب یہ ہے کہ یہ شئی چیز چوری کی ہے جو اس قدر ارزاں فروخت کرتا ہے تو اس کا خریدنا جائز نہیں (۱)، فتاویٰ رشیدیہ، ص: ۵۰۹ میں اس کی تصریح ہے (۲)۔ اگر خرید لی اور واپسی دشوار ہے اور مالک کا پتہ نہیں تو صدقہ کردے (۳)۔

---

(۱) "إن علم أن المبيع الذي يغلب على الظن أنهم أخذوها من الغير بالظلم قائمة، وبيعوها في الأسواق فإنه لا ينبغي شراؤها منهم وإن تداولته الأيدي". (حاشية الطحطاوي على الدر المختار: ۴/۲۰۴، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، دار المعرفة بيروت)

"لا يحل للمسلم أن يشتري شيئاً يعلم أنه مغصوب أو مسروق أو مأخوذ من صاحبه بغير حق، لأنه إذا فعل يعين الغاصب أو السارق أو المعتدي على غصبه وسرقته وعدوانه، قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "من اشترى سرقة (أي مسروقاً) وهو يعلم أنها سرقة، فقد اشترك في إثمها وعارها" البيهقي". (الحلال والحرام في الإسلام ليوسف القرضاوي، الفصل الرابع، الحلال والحرام في الحياة العامة للمسلم في المعاملات، ص: ۲۴۶، المكتب الإسلامي)

(وكذا في رد المحتار: ۵/۹۹، ۶/۳۸۵، سعيد)

(۲) "جواب: جب چوری کا مال تحقیق معلوم ہے تو اس کا خریدنا درست نہیں"۔ (فتاویٰ رشیدیہ، باب تجارت کا بیان، ص: ۵۰۱، سعید)

(۳) "ويردونها على أربابها إن عرفوهم، وإلا تصدقوا بها؛ لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد على صاحبه". (رد المحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۶/۳۸۵، ۵/۹۹، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس عشر في الكسب: ۵/۳۴۹، رشيدية)

اگر ظن غالب یہ ہو تو اس کا خریدنا شرعاً درست ہے(۱)۔

"ألا یری أن أسواق المسلمین لا تخلو عن المحرم والمسروق والمغصوب، ومع ذلك یحل التناول اعتماداً علی الغالب، وهذا لأن القلیل لا یمکن الاحتراز عنه، ولا یستطاع الامتناع، فسقط اعتباره دفعاً للحرج" اھ. "مجمع الأنهر: ۲/ ۲۷۳"(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۵/ صفر المظفر/ ۱۷ھ۔

قسطوں پر کوئی شئی خریدنا

سوال[۷۶۶۳]: ایک موٹر سائیکل ہے جو نقد لینے سے پانچ ہزار روپیہ میں ملتی ہے، اور قسطوار لینے سے پانچ ہزار پانچ سو روپیہ میں ملتی ہے، تو کیا قسطوار لینا جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نقد اور ادھار کی قیمت میں فرق ہونا منع نہیں، مگر قسطیں متعین ہو جائیں(۳)۔ اور یہ بھی طے ہو کہ کسی قسط

---

(۱) "متی اعتقد المشتری أن الذي مع البائع ملکه، فاشتراه منه علی الظاهر، لم یکن علیه إثم في ذلك. وإن کان في الباطن قد سرقه البائع، لم یکن علی المشتري إثم ولا عقوبة، لا في الدنیا ولا في الآخرة . . . فمن فرق بین من یعلم ومن لا یعلم، فقد أصاب. ومن لا، أخطأ". (مجموعة الفتاویٰ لابن تیمیة رحمه الله، قواعد جامعة في عقود المعاملات والنکاح، فصل في المحرمات في الشرعیة ترجع إلی الظلم: ۲۹/ ۲۶۲، مکتبة العبیکان)

"ولهذا حل التناول منها في الأسواق مع أنها لا تخلو عن محرم ومسروق ومغصوب، فالقلیل من المحرم لا یمکن الاحتراز عنه، کقلیل نجاسة . . . في الخانیة وغیرها: لیس زماننا زمان اجتناب الشبهات" (الدر المنتقی علی هامش مجمع الأنهر: ۲/ ۴۰۵، مسائل شتی، غفاریه کوئته)

(۲) (مجمع الأنهر: ۲/ ۴۰۵، مسائل شتی، غفاریه کوئته)

(۳) "البیع مع تأجیل الثمن وتقسیطه صحیح، یلزم أن تکون المدة معلومة في البیع بالتأجیل والتقسیط" (شرح المجلة لسلیم رستم باز، ص: ۱۲۵، رقم المادة: ۲۴۵، ۲۴۶، مکتبه حنفیه کوئته)

"إن الأئمة الأربعة وجمهور الفقهاء والمحدثین، فقد أجازوا البیع المؤجل بأکثر من سعر النقد، بشرط أن یبت العاقدان بأنه بیع مؤجل بأجل معلوم وبثمن متفق علیه عند العقد" (بحوث في —

کے وقت متعین پر وصول نہ ہونے سے مزید اضافہ قیمت میں کیا جاتا ہے، وصول شدہ رقم ضبط ہو جائے اور موٹر سائیکل بھی ہاتھ سے چلی جائے، ایسی صورت ہو تو شرعاً یہ معاملہ درست نہیں، بلکہ اس میں سود (۱) اور جوا ہوگا (۲)، ان دونوں کی ممانعت نصوص میں مذکور ہے (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/۱۰/۱۴۰۹ھ۔

— قضایا فقہیۃ معاصرۃ، ص: ۷، مکتبہ دارالعلوم کراچی)

"لأن للأجل شبهاً بالمبيع، ألا ترى أنه يزاد في الثمن لأجل الأجل". (الهداية: ۳/۷۹، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية، شركت علميه ملتان)

"ولأن للأجل شبهاً بالمبيع، ألا يرى أنه يزاد في الثمن لأجله، والشبهة ملحقة بالحقيقة". (الدر المختار مع رد المحتار: ۵/۱۴۲، باب المرابحة والتولية، سعيد)

(۱) "أما ما تفعله بعض البنوك من تحديد الثمن للبضاعة على أساس سعر النقد، وذكر تقسيط الزائد على أساس أنه جزء من غرامة التأخير في الأداء، فإنه ربا صريح". (بحوث في قضايا فقهية معاصرة، ص: ۲۰، مكتبه دار العلوم كراچی)

"كان الرجل في الجاهلية إذا كان له على إنسان مائة درهم إلى الأجل، فإذا جاء الأجل ولم يكن المديون واجداً لذلك المال، قال: زدني في المال حتى أزيد في الأجل، فربما جعله مائتين". (تفسير كبير، سورة آل عمران: ۱۳۰، ۹/۲، دار الكتب العلمية طهران)

"مالك عن زيد بن أسلم أنه قال: كان الربا في الجاهلية أن يكون للرجل على الرجل الحق إلى أجل، فإذا حل الحق قال: أتقضي أم تربي؟ فإن قضى أخذ، وإلا زاده في حقه وأخر عنه في الأجل". (موطا الإمام مالك، كتاب البيوع، باب ما جاء في الربا في الدين، ص: ۶۰۹، مير محمد كتب خانه)

(۲) "ولا خلاف بين أهل العلم في تحريم القمار وأن المخاطرة من القمار". (أحكام القرآن للجصاص: ۱/۳۲۹، باب تحريم الميسر، سورة البقرة، دار الكتب العلمية بيروت)

(۳) قال الله تعالى: ﴿وأحل الله البيع وحرم الربا﴾ (سورة البقرة: ۲۷۵)

وقال الله تعالى: ﴿يا أيها الذين آمنوا إنما الخمر والميسر والأنصاب والأزلام رجس من عمل الشيطان فاجتنبوه لعلكم تفلحون﴾ (سورة المائدة: ۹۰)

تجارت میں نفع کی حد

سوال [۷۷۰۳]: مال تجارت پر منافع لینے کی کوئی تعداد اگر ہو تو ضرور تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

شرعاً کوئی تعداد مقرر نہیں (۱)، مگر زیادہ نفع لینا مروت کے خلاف ہے (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۵/۱۰/۹۰ھ۔

---

(۱) "عن أنس بن مالك رضي الله تعالى عنه قال: غلا السعر على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم، فقالوا: يا رسول الله! قد غلا السعر فسعر لنا، فقال: "إن الله هو المسعر القابض الباسط الرازق". (سنن ابن ماجة، ص: ۱۵۹، أبواب التجارات، باب من كره أن يسعر، قديمي)

"من اشترى شيئاً وأغلى في ثمنه جاز". (الفتاوى العالمكيرية: ۱۹۱/۳، الباب الرابع عشر في المرابحة والتولية، كتاب البيوع، رشيديه)

"هو مبادلة المال بالمال بالتراضي". (كنز الدقائق، ص: ۲۳۴، كتاب البيوع)

(۲) نفس جواز میں تو کوئی کلام نہیں، لیکن بعض اوقات خریدنے والا اپنی انتہائی مجبوری کی حالت میں ہوتا ہے تو وہ اپنی مجبوری کی وجہ سے سامنے والے شخص کی مرضی کے مطابق معاملہ کرتا ہے، اور کسی کی ایسی اضطراری حالت سے فائدہ اٹھا کر اپنی مرضی کے مطابق اس کے ساتھ خرید و فروخت کا معاملہ خلاف مروت ہو کر ممنوع ہے:

"عن علي بن أبي طالب رضي الله تعالى عنه قال: "سيأتي على الناس زمان عضوض يعض الموسر على ما في يديه، ولم يؤمر بذلك، قال الله تعالى: ﴿ولا تنسوا الفضل بينكم﴾ ويبايع المضطرون، وقد نهى النبي صلى الله عليه وسلم عن بيع المضطر ...... الخ". (سنن أبي داؤد ۱۳۴/۲، باب في بيع المضطر، امداديه ملتان)

"أي من لا يعطف عليهم ولا يرأف بهم، والظاهر أنه إخبار، ويحتمل أن يكون دعاء. والمعنى أنه لا يكون من الفائزين بالرحمة الكاملة، والسابقين إلى دار الرحمة ..... قال الطيبي: الرحمة الثانية محمولة على الحقيقة، والأولى على المجاز، لأن الرحمة من الخلق التعطف والرقة، وهو لا يجوز على الله تعالى، والرحمة من الله الرضا عمن رحمه؛ لأن من رق له القلب فقد رضي عنه، أو الإنعام وإرادة الخير، لأن الملك إذا عطف على رعيته ورق لهم أصابهم معروفه وإنعامه". (مرقاة المفاتيح، كتاب الآداب، باب الشفقة والرحمة على الخلق، الفصل الأول: ۶۸۰/۸، رشيديه)

=

بائع ومشتری کے درمیان قیمت کا اختلاف

سوال [۷۷۴۵]: زید کے پاس قصاب کا لڑکا آیا، اس نے گوشت کی قیمت چار روپیہ سیر بتائی، زید نے کہا کہ تین روپیہ سیر دیں گے، لڑکا جانے لگا مگر خاموش رہا اور پھر آ کر گوشت دے دیا، لڑکا کچھ بولا نہیں۔ تھوڑی دیر بعد پھر سری پائے دیدیا اور قیمت دو روپیہ بتایا، زید نے قیمت ۴/ روپیہ بتائی اس سے زائد نہیں۔ تو اس کا کیا حکم ہے؟ زید نے گوشت کی قیمت ۳/ روپیہ کے حساب سے دیکر بات ختم کردی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

سری پائے کی قیمت تو طے ہوگئی تھی، اس میں تو کوئی شبہ نہیں۔ گوشت کی قیمت زید نے اپنی طرف سے طے کر کے بتادی کہ تین روپیہ سیر، جس پر لڑکا خاموش ہو گیا اور گوشت لے آیا، لہذا یہ بیع فاسد نہیں ہوئی (۱)، پھر چار روپیہ سیر کے حساب سے بتانا غلط ہے، ہم تین روپیہ سیر کے حساب سے دیکر بات ختم کردی تو بہتر ہوا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفی عنہ، ۲۵/۵/۸۹ھ۔

– "عن جریر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "لا یرحم اللہ من لا یرحم الناس". (مشکوٰۃ المصابیح، ص: ۴۲۱، باب الشفقۃ والرحمۃ علی الخلق، قدیمی)

(۱) "رجل ساوم رجلاً بثوب، فقال البائع: أبیعہ بخمسۃ عشر، وقال المشتری: لا آخذہ إلا بعشرۃ، فذهب بہ، ولم یقل البائع شیئاً، فهو بخمسۃ عشرۃ إن کان المبیع فی ید المشتری حین ساومه، وإن کان فی ید البائع، فأخذہ منه المشتری ولم یمنعه البائع، فهو بعشرۃ". (شرح المجلۃ لسلیم رستم باز، ص: ۹۳، رقم المادۃ: ۱۷۷، مکتبہ حنفیہ کوئٹہ)

"لو قال: أبیعہ بخمسۃ عشر فقال: لا آخذہ إلا بعشرۃ، فذهب ولم یقل البائع شیئاً، فهو بخمسۃ عشر إن کان المبیع فی ید المشتری حین ساومه، وإن کان فی ید البائع فأخذہ منه المشتری، ولم یمنعه البائع، فهو بعشرۃ". (البحر الرائق: ۵/۴۷۴، کتاب البیع، رشیدیہ)

(وکذا فی الفتاوی العالمکیریۃ: ۳/۷، کتاب البیوع، الباب الثانی فیما یرجع إلی انعقاد البیع وفی حکم المقبوض علی سوم الشراء، الفصل الأول فیما یرجع إلی انعقاد البیع، رشیدیہ)

زیادہ بھاؤ پر خریدنا

سوال [۷۷۳۹]: ۱... گیارہ آدمی ساڑھے اٹھائیس من دھان خرید کر لے جارہے تھے جس کی قیمت گیارہ سو بارہ سو روپے ہوئی۔ جب وہ گیارہ آدمی ہمارے گاؤں پہونچے تو گاؤں کے کچھ لوگوں نے ان کے تمام دھان تیل کی چیز سے اتار لیا اور کہا کہ تم لوگوں نے تیس روپے من دھان کیوں خریدا، حالانکہ بازار کا بھاؤ اٹھائیس روپے تھا، تم لوگوں نے دو روپیہ زیادہ کردیا، تو آج چھوڑیں گے نہیں، تمام لوٹ لیں گے۔ سارا دن ان گیارہ آدمی کے اوپر ظلم کیا۔ کیا اس طرح پر شریعت نے جائز رکھا ہے کہ دوسرے مسلمان بھائی کو اس طرح پریشان کیا جائے؟

۲... جب لوگوں نے گیارہ آدمیوں کے دھان روک لئے تو مذکورہ عالم صاحب زور سے کہنے لگے کہ ان کے تمام دھان روک لو، کیونکہ انہوں نے بھاؤ زیادہ کردیا۔ کیا شرعاً کوئی ایسا قانون ہے کہ لوگوں کے مال کو غصب کرنے کے لئے حکم دیا جائے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱... یہ سخت ظلم کیا گیا، ظالم کو مرنے سے پہلے دنیا میں بھی ظلم کا وبال بھگتنا پڑتا ہے، اس پر لعنت بھی آئی ہے:

"عن أبي بكر الصديق رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "ملعون من ضار مؤمناً أو مكر به" اهـ". مشكوة شريف، ص: ۴۲۸(۱)۔

---

(۱) (مشكوة المصابيح، كتاب الآداب، ص: ۴۲۸، باب ما ينهى عنه من التهاجر والتقاطع واتباع العورات، قديمي)

(وفيض القدير: ۱۱/۵۵۲۳، (رقم الحديث: ۸۲۰۹)، مكتبه نزار مصطفى الباز رياض)

"عن ابن عمر رضي الله تعالى عنهما قال: صعد رسول الله صلى الله عليه وسلم المنبر فنادى بصوت رفيع فقال: "يا معشر من أسلم بلسانه ولم يفض الإيمان إلى قلبه، لا تؤذوا المسلمين ولا تعيروهم" الحديث. (مشكوة المصابيح، كتاب الآداب، باب ما ينهى عنه من التهاجر والتقاطع واتباع العورات، الفصل الثاني، ص: ۴۲۹، قديمي)

۲. عالم کا منصب یہ تھا کہ مستفتی کو ظالموں کو ظلم سے باز رکھتے مگر انھوں نے ظالموں کی تائید کی، یہ بہت بڑا ظلم ہے (۱) إنا لله وإنا إليه راجعون۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ دارالعلوم دیوبند۔

جو مرغی پڑوسیوں کا نقصان کرے اس کے انڈے خریدنا

سوال[۷۴۷۵]: ایک شخص نے مرغی پالی ہے، وہ پڑوسیوں کا کافی نقصان کرتی ہے، وہ شخص اس کے انڈے فروخت کرتا ہے۔ اس سے انڈے خرید کر ہم استعمال کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس کو ضروری ہے کہ اپنی مرغی کا انتظام کرے جس سے پڑوسیوں کا وہ نقصان نہ کر سکے (۲)، مگر اس کے انڈے خریدنا ناجائز نہیں، بلکہ وہ حلال ہیں (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند۔

نمبر بیچتے وقت مٹی کی قیمت لگانا

سوال[۸۴۷۵]: تاجروں کی عادت ہے جب کسی سے مال خریدتے ہیں تو چونکہ عام طور پر تھلیں

---

(۱) قال الله تعالى: ﴿وتعاونوا على البر والتقوى، ولا تعاونوا على الإثم والعدوان﴾ (سورة المائدة: ۲)

"عن أوس بن شرحبيل أنه سمع رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: "من مشى مع ظالم ليقويه وهو يعلم أنه ظالم، فقد خرج من الإسلام". (مشكوة المصابيح، ص: ۴۳۶، كتاب الآداب، باب الظلم، قديمي)

(۲) "الضرر يزال". (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۲۹، رقم المادة: ۲۰، مكتبه حنفيه كوئته)

"الضرر يزال". (الأشباه والنظائر، ص: ۹۳، إدارة القرآن كراچي)

(۳) قال الله تعالى: ﴿يا أيها الذين آمنوا لا تأكلوا أموالكم بينكم بالباطل، إلا أن تكون تجارة عن تراض منكم﴾ (سورة النساء: ۲۹)

وقال الله تعالى: ﴿وأحل الله البيع وحرم الربوا﴾ (سورة البقرة: ۲۷۵)

"هو مبادلة المال بالمال بالتراضي". (تبيين الحقائق: ۴/۲۷۰، كتاب البيوع، دار الكتب العلمية بيروت)

مٹی ہوتی ہے، اس لئے ان کے عوض میں ہر ایک مٹی نکال کے اور مثلاً ایک کلو غلہ دوسرے کو فروخت کرتے ہیں تو
مٹی کے عوض کچھ بھی نہیں بیچے، بلکہ مشتری اگر نکالتا ہے تو تاجر سمجھتا ہے کہ یہ تو تاجروں کی عادت ہے، اس لئے
مٹی کے عوض میں کچھ بھی نہیں ہے تو دریافت طلب یہ ہے کہ یا تاجروں کا یہ معاملہ کرنا جائز ہے کہ نہیں؟ اگر
جائز نہیں تو جواز کی کیا شکل ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ نا انصافی ہے(۱)، تاہم اگر فریقین اس پر رضامند ہوجائیں تو بیع درست ہوجاوے گی، بسبب تراضی(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۶/۱۰/۹۰ھ۔

درختوں پر پھلوں کی بیع

سوال [۷۷۰۹]: آج کل عموماً پھلوں کی بیع قبل صلاحیت خوردنی ہوتی ہے۔ لیکن جو پھل فروخت ہوتے ہیں ان کا استعمال کیسا ہے؟ کہا جاتا ہے کہ اگر کوئی کافر باغ خرید کر پھلوں کو بیچتا ہے اور مسلمان خریدے تو جائز ہے اور یہ قول حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے، بلکہ چند سال پہلے یہی بات ذہن نشین ہوجاتی ہے، یہ بیع معدوم ہونے کی وجہ سے باطل معلوم ہوتی ہے۔ تو کیا ایسی صورت میں کافر سے پھل خرید سکتے ہیں؟

---

(۱) "عن علي بن أبي طالب رضي الله تعالى عنه قال: سيأتي على الناس زمان عضوض يعض الموسر على ما في يديه، ولم يؤمر بذلك، قال الله تعالى: ﴿ولا تنسوا الفضل بينكم﴾". (إعلاء السنن: ۱۴/۲۰۴، كتاب البيوع، باب النهي عن بيع المضطر، إدارة القرآن كراچی)

(۲) قال الله تعالى: ﴿يا أيها الذين آمنوا لا تأكلوا أموالكم بينكم بالباطل إلا أن تكون تجارة عن تراض منكم﴾ (سورة النساء: ۲۹)

"أما تعريفه، فمبادلة المال بالمال بالتراضي". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب البيوع، الباب الأول في تعريف البيع وركنه وشرطه وحكمه وأنواعه: ۳/۲، رشيدية)

(وكذا في البحر الرائق: ۵/۴۳۰، كتاب البيع، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۴/۲۷۵، كتاب البيوع، دار الكتب العلمية بيروت)

الجواب حامداً ومصلیاً:

کچے پھلوں کی بیع جائز ہے(۱) اور وقوعِ بیع کے بعد اگر مالک درخت کی اجازت سے پھل درخت پر رکھے جائیں تو بھی درست ہے(۲)۔ البتہ اگر دورانِ عقد پھلوں کو درختوں پر چھوڑنے کی شرط لگائی تو بیع فاسد ہوگی(۳) اور بیع فاسد کا حکم یہ ہے کہ مشتری مبیع کا قبضہ کے بعد مالک ہوجاتا ہے، البتہ اس کا استعمال کرنا مشتری

---

(۱) "(ومن باع ثمرةً بُدُوَّ صلاحها) بأن أمنت العاهة والفساد (أو لا، صح)". (النهر الفائق: ۳/۳۵۹، كتاب البيوع، رشيديه)

"بيع الثمر على الشجر لا يخلو إما أن يكون قبل الظهور أو بعده، والأول لا يجوز، والثاني جائز بدا صلاحها بصلاحها لانتفاع بني آدم أو علف الدواب، أو لم يبد؛ لأنه مال متقوم، لكونه منتفعاً به في الحال أو في الزمان الثاني، فصار كبيع الجحش والمهر". (العناية شرح الهداية على هامش فتح القدير: ۶/۲۸۷، كتاب البيوع، فصل: ومن باع داراً دخل بناءها في البيع الخ، مصطفى البابي الحلبي مصر)

"(ومن باع ثمرةً بدا صلاحها أو لم يبد، صح)؛ لأنه مال متقوم، إما لكونه منتفعاً به في الحال أو في المآل (ويقطعها المشتري في الحال)". (مجمع الأنهر: ۳/۲۰، كتاب البيوع، مطلب في بيع الثمر والزرع والشجر مقصوداً، مكتبه غفاريه كوئته)

(وكذا في الدر المختار: ۴/۵۵۵، كتاب البيوع، سعيد)

(وكذا في شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۹۴، (رقم المادة: ۲۰۷)، مكتبه حنفيه كوئته)

(۲) "فالحاصل أن إباحة الإبقاء جائز عند أبي حنيفة رحمه الله تعالى، ولم يقيده بأن لا يكون هناك عرف، فلا حاجة إلى هذا التقييد عند شيخ مشايخنا الأنور رحمه الله تعالى. ...... ولذلك قال في العرف الشذي: كنتُ متردداً في هذا، حتى إني وجدت في فتاوى ابن تيمية عن أبي حنيفة والثوري رحمهما الله تعالى أنهما أجازا البيع مطلقاً إذا أجازه البائع الترك على الأشجار، فإذن لما وجدت عن أبي حنيفة رحمه الله تعالى، فلا أبالي. فالحاصل: إذا لم يشترط الإبقاء في صلب العقد، يصح البيع وإن كان معروفاً بالمعروف". (تكملة فتح الملهم، باب النهي عن بيع الثمر قبل بدو صلاحها: ۱/۳۹۵، دار العلوم كراچي)

(۳) چونکہ بیع کی اس صورت نے ایک عمومی شکل اختیار کی ہے اور عموم بلوی کی وجہ سے حکم تبدیل ہوجاتا ہے لہٰذا عموم بلوی کی =

کو درست نہیں ہے، فسخِ بیع لازم ہے، تاہم اگر مشتری نے کسی اور کے ہاتھ اس بیع کو فروخت کردیا تو مشتری ثانی کو اس کا استعمال ہر طرح درست ہے:

"ومن باع ثمرة لم يبد صلاحها، أو قد بدا، جاز البيع؛ لأنه مال متقوم، الخ ......

وعلى المشتري قطعها في الحال تفريغاً لملك البائع. وهذا إذا اشتراها مطلقاً، أو بشرط القطع، وإن شرط تركها على النخيل، فسد البيع؛ لأنه شرط لايقتضيه العقد، ...... لو اشتراها مطلقاً وتركها بإذن البائع، طاب له الفضل". كذا في الهداية: ۳/۰۱(۱)۔

اور مذکورہ تاویل صحیح نہیں، جس طرح بیع فاسد سے مسلم کے حق میں ملک میں خبث ہوتا ہے اسی طرح کافر کے حق میں بھی بیع فاسد اور بیع باطل کے احکام کے سلسلہ میں کافر اور مسلم دونوں برابر ہیں:

"وأما إسلام المتبايعين، فليس بشرط لجريان الربوا، فيجري الربا بين أهل الذمة وبين المسلم والذمي؛ لأن حرمة الربوا ثابتة في حقهم". كذا في البدائع: ۲۹۳/۳(۲)۔

حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کا یہ قول تتمہ امداد الفتاویٰ میں مذکور ہے(۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۸۸/۶/۳ھ۔

= بنا پر پھلوں کو درختوں پر چھوڑنے کی وجہ سے شرط لگانے کی گنجائش ہے:

"وإن باع بشرط الترك، لم يصح قياساً عند أبي حنيفة وأبي يوسف رحمهما الله تعالى. وصح استحساناً عند محمد رحمه الله تعالى. وفي الأسرار: أن الفتوى على قوله، كذا في الكافي".

(الفتاوى العالمكيرية: ۱۰۶/۳، الفصل الثاني في بيع الثمار وإنزال الكروم، رشيديه)

(۱) (الهداية: ۳۲،۳۱/۳، كتاب البيوع، فصل، مكتبه شركت علميه ملتان)

(۲) (بدائع الصنائع، فصل في شرائط جريان الربا: ۸۴/۶، دار الكتب العلمية بيروت)

(۳) سوال: "باغ کا غیر پختہ پھل کسی کو قیمت کرکے بیع کیا جائے، اس شرط پر کہ پختہ ہونے تک پانی صاحب باغ دیا کرے گا یا آب پاشی درخت مشتری کرے گا، مدت معروفہ پختہ ہونے تک مہلت ہوتی ہے، یہ بیع ہے یا نہیں؟

الجواب: "في الدر المختار: وإن شرط تركها على الأشجار فسد البيع كشرط القطع على البائع؛ حاوي. وقيل (قائله محمد): لا يفسد إذا تناهت الثمرة للتعارف، فكان شرطاً يقتضيه العقد، وبه يفتى، بحر عن الأسرار الخ". في رد المحتار قبل القول المذكور تحت قوله: (وأفتى الحلواني بالجواز لو =

لونڈی کے احکام: بیع، استیلاد وغیرہ

سوال [۷۷۵۰]: استفتاء: از منشور احمد اعظمی، پی پی سی صندوق البرید نمبر ۴۳ المطار الظہران۔ سعودی عربیہ، ۲۳/ مارچ/ ۸۰ء۔

۱...... اسلام میں لونڈی رکھنے کی اجازت ہے تو اس کی شرطیں کیا ہیں، یا وقتی اجازت تھی بعد میں منسوخ ہوگئی؟

۲... کیا خریدی ہوئی لونڈی کے ساتھ مباشرت جائز ہے اگر جائز ہے تو کس صورت میں؟

۳... کیا بچے پیدا ہونے پر وراثت میں حصہ پائیں گے؟

۴... اگر منکوحہ بھی ہو تو کیا لونڈی کے ساتھ جماع جائز ہے؟

۵... اگر کوئی آدمی پچاس ہزار روپے میں لونڈی خریدتا ہے ساری عمر کے لئے، تو ایک طوائف جو پچاس روپیہ یومیہ لیتی ہے کیوں حلال نہیں ہے؟

۶... کیا منکوحہ کے بچے اور لونڈی کے بچے وراثت میں برابر حصہ پائیں گے؟

۷... بغیر نکاح کے لونڈی کیسے حلال ہوگی، اسے زنا کیوں نہیں قرار دیا جاتا؟

۸...... جس طرح بیک وقت دو یا زائد بیوی رکھنے پر اسلام کہتا ہے کہ مباشرت برابر کی جائے تو کیا منکوحہ اور لونڈی دونوں رہنے پر بھی یکساں مباشرت کی قید ہے؟

= العارج اكثر) بعد بحث طويل قلت: "لكن ينبغي تحقق الضرورة في زماننا ولاسيما في مثل دمشق الشام كثيرة الأشجار والثمار" إلى آخر ماقال واطال: ۳/۵۹. في الدرالمختار: "ولابيع بشرط إلى قوله: ولم يجر العرف به الخ" وفيه: "أو جرى العرف به. إلى قوله: استحساناً للتعامل بلا نكير". في ردالمحتار بعد كلام طويل: "وملخص هذا أنه لو حدث عرف بزد في شرط غير الشرط في النعل أو الثبوت والقبقاب أن يكون معتبراً إذا لم يؤد إلى المنازعة الخ". ص: ۱۸۹ - ۱۹۰.

ان روایت سے معلوم ہوا کہ فی نفسہ تو یہ معاملہ خلاف قاعدہ ہے، لیکن اگر کہیں ایسا عرف عام ہو جاوے تو درست ہے، اور جو عرف عام نہ ہو درست نہیں"۔ ۱۸/ رمضان/ ۱۳۳۱ھ۔ (امداد الفتاویٰ، کتاب البیوع، بیع فاسدہ، بیع ثمار بر بعض شروط مروجہ: ۳/۹۶، دارالعلوم کراچی)

۹…… لونڈی خدمت کے لئے رکھی جاتی ہے، مباشرت حلال کیوں ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

……شرعی طریقہ پر جہاد کیا جائے اور اس میں دشمنِ اسلام گرفتار کرکے قید بنائے جائیں جن کو امیر المؤمنین غازیوں کے درمیان تقسیم کردے، ایسے قیدی مرد ہوں تو غلام کہتے ہیں عورت ہو تو لونڈی کہلاتی ہے(۱)۔ یہ حکم منسوخ نہیں ہوا، آج بھی جب بھی اللہ پاک مسلمانوں کو ایسی شوکت عطا فرمائے کہ امیر المؤمنین شرعی طریقہ پر جہاد کرے اور اس میں اعداء اسلام گرفتار ہوکر آئیں وہ غلام لونڈی بن جائیں گے(۲)۔

۲…… نمبر ۱ میں جس لونڈی کی تشریح کی گئی ہے اس کی خرید وفروخت درست ہے(۳)۔ اور جب تک اس کی شادی نہ کردی ہو مالک اس سے مباشرت کرسکتا ہے(۴)۔

---

(۱) "الإسلام أباح الاسترقاق بشرط أن يكون في جهاد شرعي ضد الكفار …… وإنما الإمام له في أسرهم خيارات أربعة: إما أن يقتلهم، وإما أن يسترقهم، الخ". (تكملة فتح الملهم، كتاب العتق، الرق في الإسلام: ۱/۲۶۴، دار العلوم كراچی)

"الرق في عرف الفقهاء عبارة عن عجز حكمي شرع في الأصل جزاء عن الكفر، ويقابله الحرية، والرقيق من يتصف بالرق" (قواعد الفقه، التعريفات الفقهية، ص: ۳۰۸، الصدف پبلشرز كراچی)

(وكذا في القاموس الفقهي، حرف الراء، ص: ۱۵۲، إدارة القرآن كراچی)

(۲) "فالحق الواضح الصريح أن الاسترقاق مباح في الإسلام بأحكامه وحدوده التي سبقت، لم ينسخه شئ، وفيه الحكم التي أسلفناها، والقول بنسخه مردود مخالف للإجماع لاحجة له في الأدلة الشرعية".

(تكملة فتح الملهم، كتاب العتق، رد من زعم أن الاسترقاق منسوخ: ۱/۲۷۲، دار العلوم كراچی)

(۳) اس لئے کہ یہ مال ہے۔ "وركن البيع مبادلة المال بالمال". (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد: ۵/۴۵، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر مع ملتقى الأبحر، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد: ۳/۷۷، غفاريه كوئٹه)

(راجع للتفصيل الفتاوى العالمكيرية، كتاب البيوع، الباب الأول: ۳/۲، رشيديه)

(۴) قال الله تعالى: ﴿والذين هم لفروجهم حافظون إلا على أزواجهم أو ما ملكت أيمانهم﴾ (سورة المؤمنون: ۵)

وقال الله تعالى: ﴿فإن خفتم ألا تعدلوا فواحدة أو ما ملكت أيمانكم﴾ (سورة النساء: ۳)

ہے، مالک کی شریعت نے مالک کو اس سے استمتاع کی اجازت دی ہے (۱)۔ ہاں اگر مالک اس کا نکاح کسی سے کردے تو مالک کو اس سے استمتاع کا حق نہیں رہا (۲)۔

۲..... بیٹا ہونے میں جب برابر ہیں کہ دونوں قسم کی اولاد ایک شخص سے شرعی طریقہ پر پیدا ہوئی ہے تو ان دونوں قسم کی اولاد کا وہ باپ ہے اس لئے وراثت بھی برابر ملے گی (۳)۔

۷..... اس لئے کہ قرآن کریم نے اس کو حلال قرار دیا ہے: ﴿أو ما ملكت أيمانكم﴾ (۴) اور زنا کو حرام قرار دیا ہے: ﴿ولا تقربوا الزنیٰ﴾ (۵)۔

= راجع للتفصيل: (رد المحتار، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، مطلب في الاستئجار على المعاصي: ۵۵/۶، سعيد)

(۱) وقال الله تعالىٰ: ﴿والذين هم لفروجهم حفظون إلا على أزواجهم أو ما ملكت أيمانهم﴾ (سورة المؤمنون: ۵)

وقال الله تعالىٰ: ﴿فإن خفتم أن لا تعدلوا فواحدة أو ما ملكت أيمانكم﴾ (سورة النساء: ۳)

(۲) "من كان يؤمن بالله واليوم الآخر فلا يسقي ماءه ولد غيره". (جامع الترمذي، أبواب النكاح، باب الرجل يشتري الجارية وهي حامل: ۲۱۳/۱، سعيد)

(ومشكوة المصابيح، كتاب النكاح، باب الاستبراء، ص: ۲۹۰، قديمي)

"من ملك استمتاع أمة ..... حرم عليه وطؤها، وكذا دواعيه في الأصح". (الدر المختار، كتاب الحظر والإباحة، باب الاستبراء وغيره: ۳۷۴/۶، سعيد)

(۳) "ولم يكره استيلاد الأمة بملك اليمين؛ لأن ولده منها يكون حراً". (أحكام القرآن للجصاص، (سورة النساء): ۲۴۱/۲، قديمي)

"أقرب العصبات الابن ثم ابن الابن وإن سفل". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الفرائض، الباب الثالث في العصبات: ۴۵۱/۶، رشيديه)

(وكذا في رد المحتار، كتاب الفرائض، فصل في العصبات: ۷۷۴/۶، سعيد)

(۴) (راجع رقم الحاشية: ۱)

(۵) (سورة الإسراء: ۳۲)

۸ نہیں(۱)۔

۹ مباشرت کے معتاد ہونے کی وجہ اوپر بیان ہو چکی ہے(۲) مالک کو اختیار ہے کہ صرف خدمت لے یا مباشرت بھی کرے، اس کا نکاح جب کسی سے کردے گا تو مالک کو اس سے مباشرت درست نہ ہوگی(۳)۔

فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۵/۱۴۰۰ھ۔

بھیک کے مال کی فروختگی

سوال[۱۱۵۷۷]: جو لوگ سوال کرتے ہیں یعنی بھیک مانگتے ہیں اور اس غلہ کردہ کو دکان پر فروخت کرتے ہیں، تو وہ غلہ دوکاندار کو خریدنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

کسی نے بھیک مانگ کر جو غلہ جمع کیا ہے، وہ اس کا مالک ہوگیا، جب وہ دکان پر لے جا کر فروخت

---

(۱) "إذا كان للرجل امرأتان حرتان، فعليه أن يعدل بينهما، فإنه يفهم أنه لا يجب بين الحرة والأمة". (رد المحتار، كتاب النكاح، باب القسم: ۳/۲۰۱، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب النكاح، الباب الحادي عشر في القسم: ۱/۳۴۰، رشيدية)

(وكذا في فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب النكاح، فصل في القسم: ۱/۳۹۲، رشيدية)

(۲) قال الله تعالى: ﴿والذين هم لفروجهم حافظون إلا على أزواجهم أو ما ملكت أيمانهم﴾ (سورة المؤمنون: ۵)

وقال الله تعالى: ﴿فإن خفتم ألا تعدلوا فواحدة أو ما ملكت أيمانكم﴾ (سورة النساء: ۳)

(۳) "من كان يؤمن بالله واليوم الآخر فلا يسقي ماءه ولد غيره" (جامع الترمذي، أبواب النكاح، باب الرجل يشتري الجارية وهي حامل: ۱/۲۱۳، سعيد)

(ومشكوة المصابيح، كتاب النكاح، باب الاستبراء، ص: ۲۹۰، قديمي)

"من ملك استمتاع أمة … حرم عليه وطؤها، وكذا دواعيه في الأصح" (الدر المختار، كتاب الحظر والإباحة، باب الاستبراء وغيره: ۶/۳۷۳، سعيد)

کرتے ہے تو دوکاندار کو اس کا خرید نا درست ہے (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۲/۳/۸۹ھ۔

مردار کا چمڑا اتار کر دباغت کے بعد فروخت کرنا

سوال [۵۵۵۲]: مردار جانور کا چمڑا پہلے چمار نکالتے تھے مگر اب نہیں نکالتے۔ تو کیا خود چمڑا نکال کر کارآمد یا فروخت کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

گائے بھینس مردار کا چمڑا اس کے بدن سے چھڑانا شرعاً درست ہے۔ لہٰذا اس کو دباغت دے کر خواہ پکا کر یا نمک وغیرہ کے ذریعہ صاف کر کے فروخت کرنا درست ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۹/۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۹/۸۷ھ۔

ایضاً

سوال [۵۵۵۳]: حلال مردار جو جیسے گائے بھینس، بکری، مینڈھا، گوہ، پانی کا سانپ یا گینڈ

---

(۱) "وشرط المعقود عليه ستة: كونه موجوداً مالاً متقوماً مملوكاً في نفسه، وكون الملك للبائع فيما يبيعه لنفسه". (رد المحتار، كتاب البيوع، مطلب: شرائط البيع أنواع أربعة: ۴/۵۰۵، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب البيع: ۵/۲۷۷، سعيد)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب البيوع، فصل فيما يرجع إلى المعقود عليه: ۶/۵۷۳، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) "وجلد ميتة قبل الدبغ لو بالعرض، ولو بالثمن فباطل. وبعده، أي الدبغ يباع، إلا جلد إنسان وخنزير وحية". (الدر المختار مع رد المحتار: ۵/۷۲، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، سعيد)

"وأما جلود السباع والحمير والبغال، فما كانت مدبوغة أو مذبوحة، جاز بيعها، وما كان بخلافه، لم يجز. وهذا بناء على أن الجلود كلها تطهر بالذكاة أو الدباغ إلا جلد الإنسان والخنزير. وإذا طهرت بالدباغ أو بالذكاة جاز الانتفاع به، ويكون محلاً للبيع". (المحيط البرهاني في الفقه النعماني ۷/۴۰۲، في بيع المحرمات، غفاريه كوئته)

وغیرہ کی کھال اتار کر بیچنا درست ہے یا نہیں؟ جواب اگر اثبات میں ہو تو اس کی کیا صورت ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر یہ جانور مرجائیں تو ان کی کھال اتار کر دباغت دے کر فروخت کرنا درست ہے۔ "کل إهاب دبغ فقد طهر"۔ کذا فی کتب الفقه من الهدایة وغیرہ (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۵/۱۳ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۵/۱۵ھ۔

دباغت سے پہلے یا اس کے بعد مردار کی کھال کی خرید وفروخت

سوال [۷۷۵۴]: میں بھینسوں کا بیوپار کرتا ہوں اور کئی پال (۲) بھینس مر بھی جاتی ہیں، تو ان مری ہوئی بھینسوں کے چمڑے کی قیمت لے سکتا ہوں یا نہیں؟ ایک مولوی صاحب نے بتلایا کہ چمڑے کی قیمت نہیں لینی چاہیے، اگر قیمت نہ لوں تو میرا کافی نقصان ہوتا ہے۔

مولوی محمد عثمان صاحب بدر گذھ پالن پور گجرات۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ان مولوی صاحب نے صحیح کہا ہے کہ مردار چمڑے کی فروخت جائز نہیں، البتہ اس کو اگر نمک وغیرہ

---

(۱) (الهدایة: ۱/۳۰، باب الماء الذی یجوز به الوضوء، مکتبه شرکت علمیه ملتان)

"وأما جلود السباع والحمیر والبغال، فما کانت مذبوحة أو مدبوغة جاز بیعها". (المحیط البرهانی فی الفقه النعمانی: ۷/۳۰۲، فی بیع المحرمات، غفاریه کوئٹه)

"فیجاز بیعه. ولحوم السباع وشحومها وجلودها بعد الذکاة کجلود المیتة بعد الدباغ، حتی یجوز بیعها". (تبیین الحقائق: ۴/۳۶۸، کتاب البیوع، باب البیع الفاسد، دارالکتب العلمیة بیروت)

"وقید بالمیتة؛ لأن جلد المذکاة یجوز بیعه قبل الدباغة. ولحوم السباع وشحومها وجلودها بعد الذکاة کجلود المیتة بعد الدبغ، فیجوز بیعها". (البحر الرائق: ۶/۱۳۳، باب البیع الفاسد، رشیدیه)

(۲) "پال لینا: پرورش کرنا"۔ (فیروز اللغات، ص: ۲۲۶، فیروز سنز، لاهور)

... کذا فی اختیار حنیفہ، وکذا فی الفتاوی الہندیہ(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱/۲/۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۲/۸۹ھ۔

انسانی بول وبراز کھاد کے طور پر بیچنا

سوال [۷۵۵۵]: انسان کا بول وبراز جو کھاد کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے اس کی تجارت ہوسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر اس میں مٹی مل کر کھاد بن جائے تو اس کی بیع جائز ہے، خالص بول وبراز کی بیع مکروہ ہے(۲)۔

فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/۷/۹۱ھ۔

---

(۱) (الفتاوی العالمکیریۃ: ۳/۱۱۴، کتاب البیوع، الباب التاسع: فیما یجوز بیعہ ومالا یجوز، الفصل الرابع فی بیع الحیوانات، رشیدیہ)

"وأما جلود السباع والحمر والبغال، فما كانت مدبوغة أو مذكاة، جاز بيعها، وما لا فلا. وهذا بناء على أن الجلود تطهر بالذكاة أو بالدباغ، إلا جلد الإنسان والخنزير". (الفتاوى العالمكيرية: ۳/۱۱۵، كتاب البيوع، الباب التاسع: فيما يجوز بيعه ومالا يجوز، الفصل الخامس، رشيديه)

"وإن كان له ثمن كالسرقين وخرء الطيور ونحوها، يجوز وإلا لا". (رد المحتار: ۵/۶۹، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، مطلب في بيع دودة القرمز، سعيد)

"والحاصل أن جواز البيع يدور مع حل الانتفاع". (الدر المنتقى على هامش مجمع الأنهر: ۳/۸۷، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، غفاريه كوئٹه)

"(وجلد الميتة قبل الدبغ) أي لم يجز بيعه (ومعناه بياع وينتفع به)". (البحر الرائق: ۶/۱۲۳، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، رشيديه)

(۲) "وكره بيع العذرة رجيع الآدمي خالصة لا بكونه، بل يصح بيع السرقين، أي الزبل، خلافاً للشافعي وصحح بيعها مخلوطة بتراب أو رماد غلب عليها في الصحيح". (الدر المختار مع رد المحتار: ۶/۳۸۵)

اسپرٹ کی تجارت

سوال[۷۷۵۸]: اسپرٹ کی تجارت جائز ہے یا نہیں؟ اس کو بعض لوگ پینے کے لئے بھی لے جاتے ہیں، ان کے لئے کیا حکم ہے، ان کے ہاتھ فروخت کرنا جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ تجارت حرام نہیں (۱)، جو لوگ آپ کے علم میں پینے کے لئے خریدتے ہیں اور اس سے نشہ ہوتا ہے ان کے ہاتھ فروخت نہ کریں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۸/۱۱/۱۸ھ۔

بیع اسٹامپ

سوال[۷۷۵۹]: ۱: کیا فرماتے ہیں اس مسئلہ میں کہ فری اسٹامپ (۲) جو کہ تحت ضابطہ ہے

---

(۱) "إن بيع العصير ممن يتخذه خمراً، إن قصد به التجارة، فلا يحرم، وإن قصد لأجل التخمير، حرم". (شرح الأشباه والنظائر، الفن الأول: ۱/۲۷۱، (رقم القاعدة: ۳۲)، إدارة القرآن كراچی)

"والضابط عندهم أن كل ما فيه منفعة تحل شرعاً، فإن بيعه يجوز؛ لأن الأعيان خلقت لمنفعة الإنسان". (الفقه الإسلامي وأدلته، القسم الأول، عقد البيع، المبحث الرابع: البيع الباطل والبيع الفاسد: ۵/۳۴۲۱، رشيدية)

(وكذا في الدر المختار مع رد المحتار: ۵/۲۵۰، كتاب البيوع، سعيد)

"وإنما نبهت على هذا؛ لأن "الكوحل" المسكرة (ALCOHALS) اليوم صارت تستعمل في معظم الأدوية، والأغراض كيماوية أخرى، ولا تستغني عنها كثير من الصنعات الحديثة، وقد عمت بها البلوى، واشتدت إليها الحاجة، والحكم فيها على قول أبي حنيفة سهل. . . . فالحاصل أن هذه الكوحل لو لم تكن مصنوعةً من العنب والتمر، فبيعها للأغراض الكيماوية جائز باتفاق بين أبي حنيفة وصاحبيه، وإن كانت مصنوعةً من التمر أو من المطبوخ من عصير العنب، فكذلك عند أبي حنيفة، خلافاً لصاحبيه، ولو كانت مصنوعةً من العنب النيء، فبيعها حرام عندهم جميعاً. والظاهر أن معظم الكوحل لا تصنع من عنب ولا تمر، فينبغي أن يجوز بيعها لأغراض مشروعة في قول علماء الحنفية جميعاً". (تكملة فتح الملهم، كتاب المساقاة والمزارعة، باب تحريم بيع الخمر: ۱/۵۵۵، دار العلوم كراچی)

(۲) "فری اسٹامپ: قرضہ نامہ یا قیمت نامہ"۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۰۹۳، فیروز سنز، لاہور)

نہیں رہتے، ایسی صورت میں مسلمان سے کھانے پینے کی چیزیں اور کپڑے وغیرہ خریدنا بہتر ہے یا ہندو سے خریدنا بہتر ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسلمان سے خریدنا بہتر ہے(۱)، جب تک متعین طور پر یہ معلوم نہ ہو کہ یہ حرام شئے فروخت کر رہا ہے(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

☆.....☆.....☆.....☆.....☆

(۱) افضل تو یہی ہے کہ مسلمانوں ہی سے خرید وفروخت کا معاملہ کیا جائے، البتہ اگر کافر اصلی سے حلال اشیاء کی خرید وفروخت کی جائے تو اس میں بھی مضائقہ نہیں۔

قال العلامة الكاساني: "ولا بأس بحمل الثياب والمتاع والطعام ونحو ذلك إليهم، لانعدام معنى الإمداد والإعانة ... إلا أن الترك أفضل، لأنهم يستخفون بالمسلمين ويدعونهم إلى ما هم عليه". (بدائع الصنائع: ۹/۲۰۳، كتاب السير، دار الكتب العلمية بيروت)

"ويتعين أن لا يشتري المسلم الذي من طواحين أهل الكتاب، ولا يطحن عندهم، لوجوه: أحدها ما تقدم من أنه يعين أهل الكفر بذلك. الثاني: أنه يترك إعانة إخوانه المسلمين". (المدخل لابن أمير حاج: ۴/۱۰۳، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في جواهر الفقه، باب: شریعت اسلام میں غیر مسلموں کے ساتھ معاملات تحت عنوان: معاملات کی دو رنگی تعلیمات: ۲/۱۸۳، مکتبہ دار العلوم کراچی)

(۲) قال العلامة الطحطاوي: "إذا علم أن العين التي يغصب على الظن أنهم أخذوها من الغير بالظلم قائمة وباعوها في الأسواق، فإنه لا ينبغي شراؤها منهم وإن تداولته الأيدي". (حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۴/۱۹۲، دار المعرفة بيروت)

"أهدى إلى رجل شيئاً أو أضافه إن كان غالب ماله من الحلال، فلا بأس به، إلا أن يعلم بأنه حرام". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الثاني عشر في الهدايا والضيافات: ۵/۳۴۲، رشيدية)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الكراهية: ۴/۱۸۷، غفارية كوئته)

باب البیع الباطل والفاسد والمکروہ

الفصل الأول فی البیع الباطل

(بیع باطل کا بیان)

خنزیر کی بیع

سوال[۱۰۴۷۷]: ایک مسلم شخص کو جنگل میں ایک زخمی سور مل گیا ہے، وہ اس کو روپے میں فروخت کرتا ہے۔ کیا مسلمان کے لئے یہ جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

خنزیر نجس العین (۱) اور قطعی حرام ہے (۲)، اس کو فروخت کرنا بیع باطل ہے، ہرگز جائز نہیں، جیسا کہ درمختار میں ہے (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۹/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۹/۹۰ھ۔

---

(۱) "بخلاف الخنزير؛ لأنه نجس العين، إذ الهاء في قوله تعالى: ﴿فإنه رجس﴾ منصرف إليه لقربه". (الهداية، كتاب الطهارات، باب الماء الذي يجوز به الوضوء وما لا يجوز به: ۱/۴۰، شركت علميه ملتان)

(۲) قال الله تعالى: ﴿حرمت عليكم الميتة والدم ولحم الخنزير وما أهل لغير الله به﴾ (سورة المائدة: ۳)

(۳) قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالى: "وبطل مال غير متقوم: أي غير مباح الانتفاع به وخنزير وميتة". (الدر المختار: ۵/۵۵، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، سعيد)

"لم يجز بيع [الميتة] والدم والخنزير والخمر والحر وأم الولد والمدبر والمكاتب، لعدم ركن البيع، وهو مبادلة المال بالمال، وبيع هذه الأشياء باطل". (تبيين الحقائق: ۴/۳۶۲، كتاب =

خنزیر کے بالوں کے برش کی بیع

سوال [۷۷۱۱]: آج کل جوتے وغیرہ صاف کرنے کے جو برش آتے ہیں، ان میں بعض تو ایسے ہوتے ہیں جن میں خالص خنزیر کے بال ہوتے ہیں۔ چونکہ ان برشوں میں علاوہ ان بالوں کے لکڑی وغیرہ بھی ہوتی ہے، اس بناء پر بھی بیع وشراء کی کسی درجہ میں کوئی گنجائش نکل سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

لکڑی وغیرہ جو کچھ ہوتی ہے اس کی خریداری اصالۃً مقصود نہیں ہوتی ہے، وہ تابع ہوتی ہے، اس لئے لکڑی وغیرہ کی وجہ سے خنزیر کے بالوں کی بیع کی اجازت نہیں دی جائے گی(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۴/۹۵ھ۔

= البیوع، باب البیع الفاسد، دار الکتب العلمیۃ بیروت)

"وکذا بطل بیع مال غیر متقوم کالخمر والخنزیر بالثمن" (مجمع الأنہر: ۷۸/۳، کتاب البیوع، باب البیع الفاسد، غفاریہ کوئٹہ)

(وکذا فی الدر المنتقی علی هامش مجمع الأنہر، کتاب البیوع، باب البیع الفاسد: ۷۸/۳، غفاریہ کوئٹہ)

(وکذا فی البحر الرائق: ۱۱۲/۶، کتاب البیع، باب البیع الفاسد، رشیدیہ)

(وکذا فی الفتاوی العالمکیریۃ: ۱۱۴/۳، کتاب البیوع، الباب التاسع فیما یجوز بیعہ ومالا یجوز، الفصل الخامس فی بیع المحرم الصید وفی بیع المحرمات، رشیدیہ)

(۱) "ولا یجوز بیع شعر الخنزیر لأنہ محرم، فیبطل لنجاستہ" (مجمع الأنہر شرح ملتقی الأبحر: ۸۵/۳، کتاب البیوع، باب البیع الفاسد، غفاریہ کوئٹہ)

"وشعر الخنزیر ینتفع بہ للخرز: أی لا یجوز بیع شعرہ، ویجوز الانتفاع بہ للخرز؛ لأنہ نجس العین". (کنز الدقائق). "(وشعر الخنزیر): أی لم یجز بیعہ إهانةً لہ، لکونہ نجس العین کأصلہ". (البحر الرائق: ۱۳۳/۶، کتاب البیع، باب البیع الفاسد، رشیدیہ)

"وشعر الخنزیر لنجاسة عینہ: أی عین الخنزیر بجمیع أجزائہ، فیبطل بیعہ". (رد المحتار: ۷۱/۵، کتاب البیوع، باب البیع الفاسد، سعید)

۲- وہ بکرا، بکری، پیڑا وغیرہ اس نذر ماننے والے کی ملک ہے، کسی دوسرے کی ملک میں داخل نہیں ہوا(۱)، پس اگر بعینہ اس مالک سے خریدے تو درست ہے(۲) اور کسی دوسرے فقیر وغیرہ سے جو کہ چڑھاوے اس کو خریدنا درست نہیں۔ مالک نے اس کے متعلق نیت فاسدہ کر چکا ہے اس سے توبہ ضروری ہے(۳)۔

— علة النهي اور قوله جعل الله الخ کا مطلب اس شخص کی نقل ہے جو عرب کفار تھا، حرمت ثابت بوجہ تعظیم واحترام دونوں ہے"۔ (و امداد الفتاوى، كتاب الحظر والإباحة، باب: کونڈے پکنے کی حلال و حرام چیزوں کا بیان، تحت عنوان: غیراللہ کے نام پر چھوڑے ہوئے جانوروں کا حکم: ۴/۹۹، دار العلوم کراچی)

(و احسن الفتاوى، كتاب الإيمان والعقائد، تحت عنوان: ... تحقیق: [illegible]، سعید)

(۱) "في الصحيح أنه لا يملكه ولو سيبه، وكذا في الدابة إذا سيبها، كما بسطه الشرنبلالي". (الدر المختار: ۶/۴۳۸، كتاب الصيد، قبيل كتاب الرهن، سعيد)

"ولقائل أن يقول: يستدل بالآية على نظير ذلك: وهو ما يلقى في الأنهار والطريق وقرب الأشجار من طرح الجبن والفراريج ونحو ذلك، فلا يجوز فعله، ولا يزول ملك المالك". (تفسير النسفي: ۳/۳۰۳، سورة المائدة: ۱۰۳)

(۲) "يشترط لانعقاد البيع أن يكون البائع مالكاً للمبيع أو وكيلاً لمالكه" (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۴۴، رقم المادة: ۳۶۵، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"وأن يكون مملوكاً في نفسه، وأن يكون ملك البائع فيما يبيعه لنفسه" (الفتاوى العالمكيرية: ۳/۲، كتاب البيوع، الباب الأول في تعريف البيع وركنه وشرطه ... ، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق: ۵/۴۳۳، كتاب البيوع، رشيديه)

(۳) "ولا يجوز لخادم الشيخ أخذه ولا أكله ولا التصرف فيه بوجه من الوجوه، إلا أن يكون فقيراً أو له عيال فقراء عاجزون عن الكسب وهم مضطرون، فيأخذونه على سبيل الصدقة المبتدأة، وأخذه أيضاً مكروه ما لم يقصد الناذر التقرب إلى الله وصرفه إلى الفقراء، ويقطع النظر عن نذر الشيخ". (حاشية الطحطاوي على الدر المختار: ۱/۴۷۶، كتاب الصوم، دار المعرفة بيروت)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصوم، فصل في ما يلزم الوفاء به، ص: ۶۹۳، قديمي)

(وكذا في النهر الفائق: ۲/۴۲، كتاب الصوم، فصل في النذر، إمدادية ملتان)

۳. جائز نہیں ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۵/۱۰/۵۹ھ۔

نمبر ا میں یہ اضافہ کرتا ہوں کہ توبہ سے قبل کی خرید تا بہ جائز نہیں، بعد توبہ خرید سکتا ہے، کما فی حواشی الدر۔

باقی جوابات صحیح ہیں: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ ہذا۔ الجواب صحیح: عبداللطیف، مدرسہ ہذا۔

چڑھاوے کے بکرے کی بیع

سوال [۷۰۴۴]: دریائے گنگا کو ہندو دیوتا مانتے ہیں اور ہندو عورتیں اس سے اولاد کی مرادیں مانگتی ہیں، اولاد ہونے پر عورتیں بکری کا بچہ لے کر بال منڈوانے کی غرض سے گنگا کے کنارے جاتی ہیں جہاں بچہ کا سر منڈاتی ہیں اور بکری کے بچہ بطور چڑھاوے، یا دان(۱) کے زندہ پانی میں ڈال دیتی ہیں۔ ملاح کے ... بکری کو پانی سے نکال لیتے ہیں اور فروخت کرتے ہیں جسے ہندو مسلمان سب ہی خریدتے ہیں۔ لہذا مسلمانوں کے لئے اس کی خرید وفروخت اور ذبح کرکے کھانا جائز وحلال ہو سکتا ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد اظہار الحق، ... امداد المسلمین، قصبہ ... ضلع بارہ بنکی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو جانور غیر اللہ کے نام پر نامزد کر دیا گیا اور چڑھاوے کے طور پر چڑھا دیا گیا وہ بالکل مردار اور میتہ کے حکم میں ہے، اس کا خریدنا اور فروخت کرنا اور ذبح کرکے کھانا سب حرام ہے(۲)۔ اس کی تفصیل اور دلائل

---

(۱) "دان: نذر، خیرات"۔ (فیروز اللغات، ص: ۶۶۱، فیروز سنز، لاہور)

(۲) "واعلم أن النذر الذي يقع للأموات من أكثر العوام وما يؤخذ من الدراهم والشمع والزيت ونحوها إلى ضرائح الأولياء الكرام تقرباً إليهم، فهو بالإجماع باطل وحرام، مالم يقصدوا صرفها لفقراء الأنام". (الدر المختار: ۲/۴۳۹، كتاب الصوم، فصل في العوارض المبيحة لعدم الصوم، سعيد)

"وكذا ما يقع من المعتقدين للأموات من الذبح على قبورهم، فإنه مما أهل به لغير الله، ولا فرق بينه وبين الذبح للوثن". (فتح القدير للشوكاني: ۱/۲۰۴، مصر)

"قال العلماء: لو أن مسلماً ذبح ذبيحة وقصد بذبحها التقرب إلى غير الله، صار مرتداً" ■

مطلوب ہو تو فتاویٰ عزیزیہ: ۱/۴۲، دیکھئے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۷/ جمادی الاولیٰ/۶۳ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، 　صحیح: عبداللطیف۔

= وذبيحته ذبيحة مرتد". (التفسير النيشابوري على هامش تفسير الطبري: ۲/۱۰۲، دار المعرفة بيروت)

"لو أن مسلماً ذبح، وقصد بذبحها التقرب إلى غير الله، صار مرتداً، وذبيحته ذبيحة مرتد".

(التفسير الكبير للإمام فخر الدين الرازي: ۵/۱۱، طهران)

سوال: "سانڈ کا کھانا حلال ہے یا حرام؟ چونکہ اس میں مقلدین وغیر مقلدین میں اختلاف ہے، لہذا مفصل تحریر فرمایئے اور تفسیر احمدی ملاجیون رحمہ اللہ تعالیٰ کا حوالہ فرمایئے، اور ﴿ما جعل الله من بحيرة ولا سائبة﴾ الخ، کا کیا مطلب ہے؟

جواب: "اس میں تفصیل ہے: ایک صورت یہ ہے کہ کسی شخص نے غیر اللہ کے نام کوئی جانور کر دیا، اور اسی نیت سے اس کو ذبح کیا، گو وقتِ ذبح بسم اللہ ہی کہے، یہ تو حرام ہے، قرآن مجید میں اس کی حرمت منصوص ہے اور کتب فقہ ودر مختار وغیرہ میں تصریح بلا کور ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ غیر اللہ کے نام محض تعبیر و عنوان میں ہے، نیت میں ان کا تقرب و تعظیم مقصود نہیں، جیسے حدیث میں عقیقہ کے وقت یہ کہنا وارد ہے: "هذا عقيقة فلان" یہ بلاشبہ حلال ہے، اور صاحب تفسیر احمدی اسی کو حلال کہتے ہیں، چنانچہ ان کا سیاق اس کا شاہد ہے۔

تیسری صورت یہ ہے کہ کسی شخص نے بہ نیت وعقیدہ فاسدہ اس کو چھوڑا، اور حاکمِ وقت نے کسی وجہ سے اس کو پکڑ کر نیلام کر دیا، اور کسی نے خرید کر اس کو ذبح کیا، یہ حلال ہے، کیونکہ استیلاء موجبِ ملک ہے، جب مالک وہ پہلا شخص نہ رہا اس کا قصد و نیت قابلِ اعتبار نہیں۔ چوتھی صورت یہ ہے کہ کسی شخص نے اسے بہ نیت بد سے چھوڑ دیا تھا، دوسرے نے چرا چھپا کر ذبح کیا، یہ حرام ہے، دو وجہ سے: اول فسادِ نیت مالک سے، کیونکہ سائبہ کرنے سے خروج عن الملک نہیں ہوتا، دوسرے غصب و سرقہ کی وجہ سے۔

پانچویں صورت یہ ہے کہ مالک نے اپنی نیت فاسدہ سے توبہ کر لی اور اس حیوان کو ذبح کیا، یہ حلال ہے، لارتفاع علة النهي. اور ﴿ما جعل الله﴾ الخ کا مطلب اس فعل کی نفی ہے، جو ان کا معمول تھا، یعنی حرمتِ انتفاع بوجہِ تعظیم واحترام۔ واللہ اعلم۔ (إمداد الفتاوى، كتاب الحظر والإباحة، باب: کھانے پینے کی حلال وحرام و مکروہ و مباح چیزوں کا بیان، عنوان: غیر اللہ کے نام پر چھوڑے ہوئے جانوروں کا حکم: ۳/۹۹، دار العلوم کراچی)

(وكذا في إمداد الفتاوى، كتاب الإيمان والعقائد، تحت عنوان: سانڈ کی تحقیق، دار العلوم کراچی)

(وأحسن الفتاوى، كتاب الإيمان والعقائد، تحت عنوان: سانڈ کی تحقیق: ۱/۱۱۵، سعيد)

(۱) (فتاوى عزيزى، مسائل حج، عنوان: معنى آيت وما أهل لغير الله، ص: ۷۰۵، سعيد)

آزاد عورت کی بیع

سوال [۷۵۰۹]: عورت کے وارث کو روپیہ دے کر نکاح کرنا یعنی عورت کی خرید کیسی ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

حرہ عورت کی خرید وفروخت حرام ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

حرہ کی بیع پر ایک قیاس

سوال [۷۵۱۰]: کچھ لوگ کہتے ہیں کہ زر خرید عورت بغیر نکاح کے رکھنا درست ہے، اگر درست ہے تو پھر بازاری طوائف عورت بھی درست ہونا چاہئے، کیونکہ اس کو بھی انسان وقتی مدت کے لئے خریدتا ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اصل طریقہ یہ ہے جب جہاد کیا جائے کفار سے اور ان میں جو عورتیں گرفتار کر کے لائی جائیں اور امیر المؤمنین ان کو غازیوں میں تقسیم کرے تو وہ شرعی باندی ہوتی ہیں(۲)، جس کی ملک میں شرعی طریقہ سے آجائیں اس کو

---

(۱) "عن سعيد بن أبي سعيد رضي الله تعالى عنه، عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "قال الله تعالى: ثلاثة أنا خصمهم يوم القيامة: رجل أعطى بي ثم غدر، ورجل باع حراً فأكل ثمنه، ورجل استأجر أجيراً فاستوفى منه ولم يعط أجره". (صحيح البخاري: ۱/۲۹۷، كتاب البيوع، باب إثم من باع حراً، قديمي)

"بطل بيع ما ليس بمال كالدم والميتة والحر والبيع" (الدر المختار مع رد المحتار: ۵/۵۰-۵۲، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، سعيد)

(وكذا في ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر: ۳/۱۰۳، كتاب البيوع، غفارية كوئته)

(وكذا في إعلاء السنن، كتاب البيوع، باب النهي عن بيع الحر: ۱۴/۱۱۵، إدارة القرآن كراچي)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۴/۳۶۳، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في البحر الرائق: ۶/۱۱۷، كتاب البيع، باب خيار العيب، رشيديه)

(۲) "ما فتح الإمام عنوة قسمه بين المسلمين أي الغانمين، كما فعل رسول الله صلى الله عليه وسلم بخيبر، فحينئذ يكون بعض البلاد عشرية، وفيه إشعار بأنه يسترق نساءهم وذراريهم" (مجمع الأنهر —

بلا نکاح استعمال کرنے کا حق ہے(۱)، آج ایسی باندیاں موجود نہیں، نہ اسلامی طریقہ پر جہاد ہے۔ بازار سے کسی حرہ عورت کو خریدنا(۲) اور بلا نکاح اس کو استعمال کرنا حرام ہے(۳)۔ اور اس مقصد کے لئے خریدنا بھی

= ۲/ ۲۲۱، کتاب السیر والجهاد، باب الغنائم وقسمتها، غفاریہ کوئٹہ)

"وإن ظهر المسلمون عليهم، فلم يسلموا، فالإمام بالخيار إن شاء استرقهم وقسمهم وأموالهم بين الغانمين" (الفتاوى العالمكيرية: ۲/ ۲۰۵، الفصل الأول في الغنائم، رشيديه)

"مافتح الإمام عنوةً . يعني: إذا فتح الإمام بلدةً قهراً، فهو بالخيار: إن شاء قسمها بين الغانمين" (تبيين الحقائق) قال العلامة الشلبي: "(قوله: إن شاء قسمها بين الغانمين): أي مع رؤوس أهلها استرقاقاً، وأموالهم" (حاشية الشلبي على تبيين الحقائق، كتاب السير، باب الغنائم وقسمتها: ۳/ ۴۹۶، دار الكتب العلمية بيروت)

(۱) قال الله تعالى: ﴿والذين هم لفروجهم حافظون، إلا على أزواجهم أوماملكت أيمانهم، فإنهم غير ملومين﴾ (المؤمنون: ۶)

"إعلم أن الشرع لايحل إلا من وجهين لاثالث لهما، وهما: النكاح، والملك. لقوله تعالى: ﴿والذين هم لفروجهم حافظون، إلاعلى أزواجهم أو ماملكت أيمانهم، فإنهم غير ملومين﴾. (النتف في الفتاوى، ص: ۱۶۳، كتاب النكاح، سعيد)

(۲) "عن سعيد بن أبي سعيد، عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه، عن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم قال: قال الله تعالى: ثلاثة أنا خصمهم يوم القيامة: رجل أعطى بي ثم غدر، ورجل باع حراً فأكل ثمنه، ورجل استأجر أجيراً فاستوفى منه ولم يعط أجره". (صحيح البخاري، كتاب البيوع، باب إثم من باع حراً: ۱/ ۲۹۷، قديمي)

"بطل بيع ماليس بمال كالدم والميتة والحر". (الدر المختار، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد: ۵/ ۵۰، سعيد)

(وكذا في إعلاء السنن، كتاب البيوع، باب النهي عن بيع الحر: ۱۴/ ۱۱۵، إدارة القرآن كراچي)

(۳) آزاد عورت کو خرید کر بغیر نکاح اس سے ازدواجی تعلق قائم کرنا زنا ہے اور زنا نص قرآنی سے حرام ہے، قال الله تعالى: ﴿ولا تقربوا الزنا، إنه كان فاحشةً وساء سبيلاً﴾ (الإسراء: ۳۲)

بلکہ حرام کاری کرنے کے مترادف ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۸/۹۵ھ۔

بیوی کو بیچنا

سوال [۷۷۶۸]: جو اپنی بیوی کو بیچتا ہے اس کے لئے خدا و رسول کا کیا حکم ہے؟ اور جو شخص اس سے بھر روپیہ واپس لے لیتا ہے اس کے لئے خدا و رسول کا کیا حکم ہے؟ اور محلہ دار جو روپے کے لئے روپیہ لڑاتے ہوں ان کے لئے خدا و رسول کا کیا حکم ہے؟ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

بیوی کو بیچنا حرام ہے(۲)، بیچنے والا اور خریدنے والا دونوں گنہگار ہیں، روپیہ واپس کرنا فرض ہے، خریدنے سے اس سے جماع حلال نہ ہوگا، بلکہ وہ زنا ہوگا، لہذا بیوی جس کی ہے اس کو واپس کردی جائے اور روپیہ جس کا ہے واپس کردیا جائے(۳)۔

---

(۱) "عن علی بن أبی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنه أن النبی صلی اللہ علیه وسلم نهی عن متعة النساء" (الحدیث). (جامع الترمذی: ۱/۲۱۳، أبواب النکاح، باب ما جاء فی نکاح المتعة، سعید)

"عن ربیع بن سبرة عن أبیه رضی اللہ تعالیٰ عنه أن رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم حرم متعة النساء". (سنن أبی داؤد: ۱/۲۹۰، کتاب النکاح، باب فی نکاح المتعة، مکتبه امدادیه ملتان)

(۲) "عن أبی هریرة رضی اللہ تعالیٰ عنه عن النبی صلی اللہ علیه وسلم قال: "قال اللہ تعالیٰ: ثلاثة أنا خصمهم یوم القیامة: رجل أعطی بی ثم غدر، ورجل باع حراً فأکل ثمنه، ورجل استأجر أجیراً فاستوفی منه ولم یعط أجره". (صحیح البخاری: ۱/۲۹۷، کتاب البیوع، باب إثم من باع حراً، قدیمی)

(۳) "قبض المشتری المبیع بیعاً باطلاً بإذن مالکه لا یملکه، وهو أمانة فی یده عند البعض، ومضمون عند البعض". (ملتقی الأبحر مع مجمع الأنهر: ۳/۹۳، کتاب البیوع، غفاریه کوئٹه)

"وبیع الباطل حکمه عدم ملک المشتری إیاه إذا قبضه". (الدر المختار مع رد المحتار: ۵/۵۸، کتاب البیوع، باب البیع الفاسد، سعید)

"البیع الباطل لا یفید الحکم أصلاً، فإذا قبض المشتری المبیع بإذن البائع فی البیع الباطل، کان المبیع أمانة عند المشتری، فلو هلک لا یضمنه". (شرح المجلة لسلیم رستم باز: ص ۲۰۲، رقم المادة: ۳۷۰، مکتبه حنفیه کوئٹه)

محلے والوں کو حرام کام کی امداد کرنا حرام ہے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۵/۱۱/۵۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۱۰/ ذی الحجہ/۵۶ھ۔

مردار کی گیلی کھال فروخت کرنا

سوال [۷۷۴۸]: مردہ جانور کی گیلی کھال چمار یا بھیڑی جو چمار لوگ نکال کر لاتے ہیں جو گیلی ہوتی ہے، وہ کھال مسلمان خرید کر اس پر نمک وغیرہ اپنے ہاتھ سے لگاتے ہیں۔ ایسی صورت میں نمک لگانا اپنے ہاتھ سے کیسا ہے اور کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مردار کی گیلی کھال بغیر دباغت دیئے ناپاک اور حرام ہے، اس کو خریدنا بھی حرام ہے، یہ بیع باطل ہے، دباغت کے بعد وہ پاک ہو جائے گی اور خرید و فروخت بھی درست ہوگی (۲)۔ اولاً چمار وغیرہ سے نمک وغیرہ لگوا کر اس کو دباغت دے لیا جائے، پھر اس کو خریدا جائے (۳)۔ مردار کی گیلی کھال کو ہاتھ لگا کر دباغت دینا

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿وتعاونوا علی البر والتقوی، ولا تعاونوا علی الإثم والعدوان﴾ (سورۃ المائدۃ: ۲)

"فيعم النهي كل ما هو من مقولة الظلم والمعاصي، ويندرج فيه النهي عن التعاون على الاعتداء والانتقام". (روح المعاني، سورة المائدة، رقم الآية: ۲: ۶/۵۰، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۲) "وجلد الميتة قبل الدبغ: أي لم يجز بيعه؛ لأنه غير منتفع به. قال عليه السلام: "لا تنتفعوا من الميتة بإهاب" ..... وبعده يباع وينتفع به". (البحر الرائق: ۶/۱۳۳، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، رشيديه)

(۳) "ولا بيع جلود الميتة قبل أن تدبغ؛ لأنه غير منتفع، ولا بأس ببيعها والانتفاع بها بعد الدباغ". (الهداية: ۳/۵۸، باب البيع الفاسد، إمداديه ملتان)

"لا يجوز بيع جلود الميتة قبل الدباغ؛ لأنها غير منتفع بها، وليست بمال لنجاستها، فبطل، بخلاف الثوب والدهن المتنجس، فإنها عارضة، ويجوز بيعها بعده أي بعد الدباغ". (مجمع الأنهر: ۳/۸۰، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، غفاريه كوئٹه)

(وكذا في الفتاوى العالمگيرية: ۳/۱۲۳، كتاب البيوع، الباب السابع في حد الرؤية، الفصل الخامس، رشيديه)=

جائز ہے، ہاتھ ناپاک ہونے پر ہاتھ پاک کرلیا جائے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۴/۱۲/۸۵ھ۔

الجواب صحیح: نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۴/۱۲/۸۵ھ۔

خون کی بیع وشراء

سوال [۷۷۶۹]: ایک تندرست آدمی اپنا خون بینک میں جمع کرواسکتا ہے یا نہیں، یا اگر کسی کی جان خطرہ میں ہوتو اپنا خون دے سکتے ہیں یا نہیں؟

غلام صابر، لندن انگلینڈ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

خون کی خرید وفروخت جائز نہیں، یہ بیع باطل ہے (۱)۔ اگر ایسی حالت ہو کہ جان بچنے کی کوئی صورت

=(وكذا في تبيين الحقائق: ۴/۷۷، باب البيع الفاسد، دار الكتب العلمية بيروت)

(۱) "بطل بيع ما ليس بمال كالدم المسفوح، فجاز بيع كبد وطحال". (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد: ۵/۵۱، سعيد)

"وإذا كان أحد العوضين أو كلاهما محرماً، فالبيع فاسد كالبيع بالميتة والدم ...... لنقول، البيع بالميتة والدم باطل، وكذا بالحر، لانعدام الركن وهو مبادلة المال بالمال، فإن هذه الأشياء لا تعد مالاً عند أحد". (الهداية: ۳/۵۳، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، شركت علميه ملتان)

"بيع الخمر والميتة والدم وذبيحة المجوسي ... باطل" (فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية: ۲/۱۳۳، فصل في البيع الباطل، رشيديه)

"وبيع ما ليس بمال، والبيع به باطل كالدم والميتة والحر". (ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر: ۳/۷۷، باب البيع الفاسد، غفاريه كوئته)

(وكذا في بدائع الصنائع: ۶/۵۳۹، كتاب البيوع، فصل فيما يرجع إلى المعقود عليه، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۴/۳۶۲، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في البحر الرائق: ۶/۱۱۲، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، رشيديه)

نہ ہو تو مجبوراً بقدرِ ضرورت خون کا ایثار کرنا درست ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۲/۹۵ھ۔

شراب وغیرہ کی بیع

سوال[۷۷۷۱]: ایک مسلم غیر مسلم کے ذریعہ شراب کی تجارت کرتا ہے اور شراب خود بناتا ہے اور ملطفاتِ الخون کی تجارت بھی کرتا ہے(۲)۔ اس کی شریعتِ مطہرہ میں جواز کی کیا صورت ہے؟

---

(۱) عورت کا دودھ پینا حرام ہے، لیکن تداوی کے لئے ضرورۃً اس کا پینا جائز ہے، اسی طرح اگر خون سے کسی کی جان بچ جانے کی امید ہو تو اس کی بھی گنجائش ہے: "ولا بأس بأن يسعط الرجل بلبن المرأة ويشربه للدواء". (الفتاوى العالمكيرية: ۵/۳۵۵، كتاب الكراهية، الباب الثامن عشر في التداوي والمعالجات، رشيديه)

"الضرورات تبيح المحظورات، ومن ثم جاز أكل الميتة عند المخمصة، وإساغة اللقمة بالخمر، والتلفظ بكلمة الكفر للإكراه، وكذا إتلاف المال، وأخذ مال الممتنع من الأداء إذا كان بغير إذنه، ودفع الصائل، ولو أدى إلى قتله". (الأشباه والنظائر: ۱/۲۷۵، ۲۷۶، القاعدة الخامسة، إدارة القرآن كراچی)

"الضرورات تبيح المحظورات". (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۲۹، رقم المادة: ۲۱، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"جان بچانے کے لئے مجبوری و اضطرار کی صورت میں انسانی خون کو استعمال کر لینے کی اور اس کا انجکشن لگا دینے کی تداوی بالمحرم کے قاعدہ کے مطابق شرعاً گنجائش ہے، مگر اس گنجائش کا مطلب یہ نہیں کہ وہ خون مباح الاصل ہو گیا یا مطلقاً جائز الاستعمال ہو گیا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ ضعفِ بشری اور معذوری کا لحاظ رکھتے ہوئے بخوفِ مرگ ضرورتاً اس استعمال پر آخرت میں مواخذہ یا گرفت نہ ہوگی اور ایسا کرنے والے عند اللہ گنہگار شمار نہ ہوں گے، بلکہ عفو و درگزر کا معاملہ ہوگا۔۔۔ الخ". (نظام الفتاوی، کتاب الحظر والإباحة، خون اور انسانی اعضاء کو طبی اغراض کے لئے استعمال کرنے کا حکم: ۱/۲۹۶، مکتبہ رحمانیہ لاہور)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الكراهية، فصل في البيع: ۸/۲۰۵، رشيديه)

(وكذا في فتاوى حقانيه، كتاب الكراهية والإباحة، باب التداوي، بیمار کو خون دینے کا حکم: ۲/۲۰۰، جامعه دار العلوم حقانيه نوشهره)

(۲) "ملطفا: ایک رقیق جسم جو پینے کے قابل ہو یا کوئی چیز"۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۳۰۲، فیروز سنز لاہور)

الجواب حامداً ومصلیاً:

شراب کی بیع جائز نہیں(۱)۔ کتب فقہ بحر وغیرہ میں تصریح ہے(۲)۔ سلفا، افیون وغیرہ کی تجارت بھی منع و مکروہ ہے(۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۰/۹/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۱۰/۹/۹۰ھ۔

---

(۱) "عن جابر رضي الله تعالى عنه أنه سمع رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: "إن الله حرم بيع الخمر والميتة والخنزير والأصنام". (إعلاء السنن: ۱۴/۱۰۲، باب حرمة بيع الخمر، إدارة القرآن كراچی)

"قال عطاء بن أبي رباح: سمعت جابر بن عبد الله رضي الله تعالى عنه يقول: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم عام الفتح وهو بمكة: "إن الله ورسوله حرم بيع الخمر والميتة والخنزير والأصنام". (سنن ابن ماجة، ص: ۱۵۶، باب ما لا يحل بيعه، قديمي)

"عن عائشة رضي الله تعالى عنها قالت: لما نزلت آيات الربوا، قام رسول الله صلى الله عليه وسلم على المنبر، فتلاهن على الناس، ثم حرم التجارة في الخمر". (سنن النسائي، ص: ۲۰۲، ۲۰۳، بيع الخمر، قديمي)

"قال ابن عباس: إن رجلاً أهدى لرسول الله صلى الله عليه وسلم راوية فقال له رسول الله صلى الله عليه وسلم: "هل علمت أن الله تعالى قد حرمها"؟ قال: لا، فسارّ إنساناً، فقال له رسول الله صلى الله عليه وسلم: "بم ساررته"؟ فقال: أمرته ببيعها، فقال: "إن الذي حرم شربها، حرم بيعها". (الصحيح لمسلم: ۲/۲۲، كتاب المساقات والمزارعة، باب تحريم بيع الخمر، قديمي)

(۲) "لم يجز بيع الميتة والدم والخنزير والخمر والحر". (البحر الرائق: ۶/۱۲۰، باب البيع الفاسد، رشيدية)

(۳) پس اس صورت میں منع ہے کہ حکومت کی طرف سے افیون کی خرید و فروخت پر پابندی ہو اور افیون فروخت کرنے والے کو یہ معلوم ہو کہ خریدار افیون سے بیہوش ہوجائے گا۔ البتہ اگر فروخت کنندہ کو یہ علم نہ ہو کہ خریدار افیون سے کیا کام لے گا اور یہ معلوم ہو کہ خریدار افیون کو ادویات میں استعمال کر سکتا تو ان صورتوں میں افیون کی خرید و فروخت صحیح ہے:

"طاعة الإمام حق على المرء المسلم ما لم يأمر بمعصية الله، فإذا أمر بمعصية الله، فلا طاعة له".

قال العلامة المناوي تحته: "(طاعة الإمام) الأعظم (حق على المرء المسلم) وإن جار إمامه –

خراج حسب اصول لیا جاتا ہے، دوسراں حصہ متعین نہیں(۱)۔ تحفۃ الطالبین حنفی مسلک کی کتاب نہیں (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴/۱۱/۸۷ھ۔

مول پر آم کی بیع

سوال [۷۷۷۶]: آج کل جو آم اور دیگر پھل خریدے جاتے ہیں ان کی عموماً بیع ناجائز ہوتی ہے، کیونکہ اکثر اس طریقے سے خریدے جاتے ہیں کہ آم چھوٹے چھوٹے ہوتے ہیں اسی وقت خرید لیتے ہیں، اور بعض مول سے آنے خرید لیتے ہیں۔ جب بیع ناجائز ہوگئی تو پکنے کے بعد جو خرید کر کھائے جاتے ہیں ان کا کھانا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو کیا وجہ جب بیع ہی باطل ہوگئی؟ اگر ناجائز ہے تو کیا وجہ؟ اس کے اندر اکثر علماء بھی شرکت فرماتے ہیں۔ کوئی وجہ جواز کی اس میں نکلتی ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مول پر آم کی بیع باطل ہے(۳)، ایسی بیع کے خریدے ہوئے آم کھانا اور خریدنا منع ہے، جس کو بھی معلوم

= کتاب البیوع، باب المتفرقات، دار الکتب العلمیۃ بیروت)

"الذمي كالمسلم إلا في الخمر، فإنها في حقه كالخل، والخنزير في حقه كالشاة ... في البحر، لأنهم مقرون من بيع الخمر والخنزير". (مجمع الأنهر: ۳/۲۰۳، كتاب البيوع، مسائل شتى، غفاريه كوئٹه)

(وكذا في رد المحتار: ۵/۲۴۸، كتاب البيوع، باب المتفرقات، سعيد)

(وكذا في الهداية: ۳/۱۰۳، كتاب البيوع، مسائل منثورة، مكتبه شركت علميه ملتان)

(۱) "توضع على الظاهر الغني في السنة اثنا عشر وأربعون درهماً، وعلى المتوسط نصفها، وعلى الفقير القادر على الكسب ربعها". (ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر: ۲/۴۶۱، كتاب السير والجهاد، فصل في الجزية، غفاريه كوئٹه)

(۲) یہ شیخ عبد القادر جیلانی رحمہ اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے جو حنبلی مسلک سے تعلق رکھتے ہیں۔

(۳) "بيع المعدوم باطل، فبيع ثمرة لم تبرز أصلاً". (شرح المجلة، الفصل الثاني فيما يجوز بيعه وما لا يجوز، ص: ۹۸، رقم المادة: ۲۰۵، مكتبه حنفيه كوئٹه)

ہو، خواہ وہ عالم ہو یا جاہل، اس کا خریدنا ناجائز ہے(۱)۔ ہاں! اگر درخت پر آم آچکے ہیں اور ان کی کچھ قیمت مل سکتی ہے، تو ان کی بیع درست ہے(۲)، لیکن اسی وقت ان کا توڑنا لازم ہے، اگر بائع کی مرضی کے خلاف ان کو نہ

---

(۱) "الاختلاف في عدم جواز بيع الثمار قبل أن تظهر". (فتح القدير: ۶/۲۸۷، كتاب البيوع، مصطفى البابي الحلبي مصر)

"بيع الثمار على الشجر لايخلو: إما أن يكون قبل الظهور أو بعده، والأول لايجوز". (العناية شرح الهداية على هامش فتح القدير: ۶/۲۸۷، كتاب البيوع، مصطفى البابي الحلبي مصر)

"بيع الثمار قبل الظهور لايصح اتفاقاً". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب البيوع، الباب التاسع فيما يجوز بيعه ومالايجوز، الفصل الثاني في بيع الثمر: ۳/۱۰۶، رشيديه)

(وكذا في النهر الفائق: ۳/۴۵۱، إمداديه ملتان)

"والبيع الباطل حكمه عدم ملك المشتري إياه إذا قبضه". (الدر المختار مع رد المحتار: ۵/۵۰، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، سعيد)

"والبيع الباطل لايفيد الملك وإن اتصل به القبض". (فتاوى قاضي خان على الفتاوى العالمكيرية: ۲/۱۳۳، كتاب البيوع، فصل في البيع الباطل، رشيديه)

"الحرمة تتعدى في الأموال مع العلم بها". (الأشباه والنظائر، كتاب الحظر والإباحة: ۲/۵۰۳، إدارة القرآن كراچي)

(۲) "بيع الثمار قبل الظهور لايصح اتفاقاً، فإن باعها بعد أن تصير منتفعاً بها يصح، وإن باعها قبل أن تصير منتفعاً بها بأن لم تصلح لتناول بني آدم وعلف الدواب، فالصحيح أنه يصح". (الفتاوى العالمكيرية: ۳/۱۰۶، كتاب البيوع، الباب التاسع فيما يجوز بيعه ومالايجوز، الفصل الثاني في بيع الثمار، رشيديه)

"(ومن باع ثمرة بدا صلاحها أو لم يبد صح)؛ لأنه مال متقوم، لكونه منتفعاً به في الحال أو في المآل (ويقطعها المشتري للحال)". (مجمع الأنهر شرح ملتقى الأبحر: ۳/۲۵، كتاب البيوع، غفاريه كوئٹه)

"(ومن باع ثمرة بدا صلاحها أو لا: صح)؛ لأنه مال منتفع به في الحال أو في المآل، (ويقطعها المشتري)". (تبيين الحقائق: ۳/۲۹۵، كتاب البيوع، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الدر المختار مع رد المحتار: ۴/۵۵۴، ۵۵۵، كتاب البيوع، فصل فيما يدخل في المبيع تبعاً)

توڑا تو جس قدر زیادتی آموں میں ہوئی وہ مشتری کی ملک میں نہ ہوئی، بلکہ بائع کی ہوئی (۱)۔

اور اگر آم بالکل بڑے ہونے کے بعد بیع کی اور نفسِ عقد کے وقت بائع سے مشتری نے اجازت لے لی خواہ بذریعۂ اعارہ، بطریقِ اجارہ، یا بطریقِ شرط یہ بھی ناجائز ہے، یعنی اس صورت میں بیع فاسد ہوئی جس کا فسخ کرنا واجب ہے (۲)، تاہم مفیدِ ملک ہوئی، یعنی اگر مشتری سے کسی نے وہ آم خرید لئے تو وہ بیع صحیح ہوئی۔ تاہم ایسی چیز خریدنے سے بھی علم کے بعد احتیاط چاہیے (۳)۔

اور اگر نفسِ عقد ختم ہونے کے بعد مشتری نے بائع سے اجازت لے لی، یا زمین کرایہ پر لے لی ہے، یا کسی دوسرے طریق سے معلوم ہوگیا کہ بائع رضامند ہے تو اس کو اسی وقت ان آموں کا توڑنا لازم نہیں اور بیع وشراء سب درست ہے۔ عالم اور جاہل کو ان آموں کا خریدنا درست ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

صحیح: عبد اللطیف، ۹/ جمادی الثانیہ ۵۲ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۹/ ۵/ ۵۲ھ۔

= وما لا یدخل، مجید)

(وکذا فی النہر الفائق: ۳/ ۴۵۷، کتاب البیوع، امدادیہ ملتان)

(۲) "وإن ترکها بإذن البائع بلا اشتراط، طاب له الزیادة. وإن ترکها بغیر إذنه، تصدق بما زاد فی ذاتها".
(ملتقی الأبحر مع مجمع الأنهر: ۳/ ۴۲، غفاریه کوئٹه)

"لو ترکها بإذن البائع، طاب له الفضل. وهو ما زاد فی ذات المبیع. وإن بغیر إذنه، فإن لم یتناه عظمها، تصدق به". (النهر الفائق: ۳/ ۴۵۳، کتاب البیوع، امدادیه ملتان)

(۲) عمومِ بلویٰ کی وجہ سے آم وغیرہ پھلوں کو درختوں پر چھوڑنے کی شرط لگانے کی بھی گنجائش ہے:
"أن بیع الثمار بعد ما تعین عظمها وبدا صلاحها، فشرط الترک فی هذه الصورة جائزة عند محمد، وبه أفتی کثیر من المشائخ لعموم البلوی، واختاره الطحاوی، وإلیه مال ابن الهمام وابن عابدین". (تکملة فتح الملهم، باب النهی عن بیع الثمار قبل بدو صلاحها، حکم ما یعمل به الناس الیوم: ۱/ ۳۴۹، دار العلوم کراچی)

(۳) "الحرمة تتعدد فی الأموال مع العلم بها". (الأشباه والنظائر، کتاب الحظر والإباحة: ۲/ ۱۵۰، إدارة القرآن کراچی)

چوری شدہ شیٔ کی خریداری

سوال [۳۷۷۷]: ایک لڑکا مراتی بازار میں چلا جا رہا تھا اس کے پاس قیمتی شی ہے، وہ کہتا ہے کہ میں اس کو بیچتا ہوں، قیمت بہت کم بتائی اور انتہائی کم قیمت میں وہ شی خریدی گئی، اس سے معلوم کیا کہ چوری کی تو نہیں اس نے انکار کیا، لیکن قرائن سے اغلب یہی ہے کہ وہ چوری کی شی تھی، اب اسے کیا کریں آیا صدقہ کریں یا کچھ اور کریں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس شی کے متعلق قرائن سے غالب خیال یہ ہو کہ یہ چوری کی ہے اس کو خریدنا درست نہیں (۱)، اگر خرید چکا ہے تو واپس کردے، اگر مالک کا علم ہو جائے تو اس کے حوالہ کردے (۲) پھر چاہے تو اس سے معاملہ کرکے خرید لے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مظاہر علوم سہارنپور، ۲۳/۸/۹۲ھ۔

---

(۱) قال علیہ الصلوٰۃ والسلام: "من اشتری سرقۃ وھو یعلم أنھا سرقۃ، فقد شرک في عارھا وإثمھا". (فیض القدیر: ۱۱/۵۶۲۵، (رقم الحدیث: ۸۳۳۳)، مکتبہ نزار مصطفی الباز، ریاض)

"لم یحل للمسلم أن یشتری شیئاً یعلم أنہ مغصوب أو مسروق أو مأخوذ من صاحبہ بغیر حق، قال علیہ السلام: "من اشتری سرقۃ" أی مسروقا "وھو یعلم أنھا سرقۃ، فقد اشترک في إثمھا وعارھا". (الحلال والحرام في الإسلام یوسف القرضاوي، الفصل الرابع في المعاملات، ص: ۲۰۶، المکتب الإسلامي)

"فمن علمت أنہ سرق مالاً أو خانہ في أمانتہ أو غصبہ فأخذہ من المغصوب، قہراً بغیر حق، لم یجز لي أن آخذہ منہ، لا بطریق الھبۃ ولا بطریق العوض ولا وفاء عن أجرۃ ولا ثمن مبیع". (مجموعۃ الفتاوی لابن تیمیۃ: ۲۹/۳۲۳، مکتبۃ العبیکان سعودی عرب)

"لا یجوز التصرف في مال غیرہ بلا إذنہ ولا ولایتہ". (الدر المختار، کتاب الغصب، مطلب فیما یجوز من التصرف بمال الغیر بدون إذن صریح: ۶/۲۰۰، سعید)

(۲) "والحاصل أنہ إن علم أرباب الأموال، وجب ردہ علیھم". (رد المحتار، مطلب: فیمن ورث مالاً حراماً: ۵/۹۹، ۳۸۵/۶، سعید)

کٹے ہوئے موئے انسانی کی کھاد اور اس کی تجارت

سوال[۷۴۴۴]: موئے انسانی جو کہ کاٹ کر پھینک دیا جاتا ہے بطور کھاد کے کھیتوں میں استعمال کرنا اور اس کی تجارت کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جائز نہیں(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۳/۲/۹۲ھ۔

☆.....☆.....☆.....☆.....☆

---

* (وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۳۴۹/۵، كتاب الكراهية، الباب الخامس عشر في الكسب، رشيديه)

(وكذا في الكاملية، ص: ۱۰۵، دار الكتب العلمية بيروت)

(۱) "ولا يجوز بيع شعر الآدمي، ولا الانتفاع به، ولا بشيء من أجزاءه؛ لأن الآدمي مكرم غير مبتذل".
(مجمع الأنهر: ۸۵/۳، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، غفاريه كوئٹه)

"وشعر الإنسان يعني لا يجوز بيع شعر الإنسان والانتفاع به؛ لأن الآدمي مكرم، فلا يجوز أن يكون جزءه مهاناً". (تبيين الحقائق: ۳۶۹/۴، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في رد المحتار: ۵۸/۵، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، سعيد)

(وكذا في الدر المنتقى على هامش مجمع الأنهر: ۲۱۱/۴، كتاب الكراهية، غفاريه كوئٹه)

(وكذا في البحر الرائق: ۱۳۳/۶، باب البيع الفاسد، رشيديه)

رکھا ہے۔ دوسرا شخص اس زمین کا خریدار ہے، لینا چاہتا ہے، اس زمین کا بھٹہ وغیرہ توڑ کر اپنا مکان بنائے گا۔ کمپنی کی طرف سے قانون ہوگیا ہے کہ بھٹہ ایک سال میں اٹھا دیے جائیں، لہٰذا وخریدار اس بات کو کہتا ہے کہ جب تک کمپنی اجازت دے اس وقت تک کرایہ بھٹہ آپ لیتے جائیں، خواہ ایک سال ہو یا دو سال ہو، اس وقت تک کوئی مکان وغیرہ نہیں بنایا جاوے گا۔

اس صورت میں بائع کو کرایہ لینا جائز ہوگا یا نہیں؟ اگر جائز بھی ہو اس میں کوئی میعاد کی جاوے یا بلامیعاد بھی جائز ہوسکتا ہے؟ جو شرع شریف کا حکم ہو اس سے مطلع کیا جاوے تاکہ عنداللہ ماخوذ نہ ہوں۔

محمد اکرام الحق، ۱۷/ جولائی/۱۹۳۰ء۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس وقت بیع کی جاوے گی، وہ زمین مشتری کی ملک میں آجائے گی اور بائع کی ملک سے خارج ہوجائے گی (۱)، بائع کو اس سے کرایہ وصول کرنے کا حق نہیں رہے گا۔ اور اس شرط سے فروخت کرنا کہ زمین مشتری کے قبضہ میں فی الحال نہ جاوے، بلکہ بائع بدستور اس سے نفع حاصل کرتا رہے اور بھٹہ اٹھنے کے بعد زمین پر مشتری کا قبضہ ہو، یہ ناجائز ہے (۲)، خواہ اس کی کچھ میعاد مقرر ہو یا نہ ہو، لہٰذا جائز کی صورت یہ ہے کہ ابھی

= (وكذا في النهر الفائق: ٣/٣٣٣، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، إمداديه ملتان)

(١) "وأما حكمه، فثبوت الملك في المبيع للمشتري، وفي الثمن للبائع إذا كان البيع باتاً". (الفتاوى العالمكيرية: ٣/٣، كتاب البيوع، الباب الأول في تعريف البيع، رشيديه)

"وحكمه ثبوت الملك: أي في البدلين لكل منهما في بدل". (رد المحتار، كتاب البيوع: ٤/٥٠٦، سعيد)

(٢) "ولو كان البيع بشرط لا يقتضيه العقد، وفيه نفع لأحد المتعاقدين: أي البائع والمشتري، أو لمبيع يستحق النفع بأن يكون آدمياً، فهو: أي هذا البيع فاسد". (مجمع الأنهر: ٣/٩٠، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، غفاريه كوئٹه)

"ولو كان في الشرط منفعة لأحد المتعاقدين بأن شرط البائع أن يقرض المشتري أو على القلب، يفسد العقد". (خلاصة الفتاوى: ٣/٥٠، كتاب البيوع، الفصل الخامس في البيع، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية ٣/٣، كتاب البيوع، الباب الأول في تعريف البيع، رشيديه)

(وكذا في النهر الفائق: ٣/٣٣٣، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، إمداديه ملتان)
=

مشتری کو جلدی بھی نہیں، اس لئے ابھی فروخت نہ کی جاوے، جب بھٹہ اٹھ جاوے اور زمین فارغ ہوجاوے اس وقت بیع کرکے اس پر مشتری کا قبضہ کرادیا جاوے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔

صحیح: عبد اللطیف، ۲/۹/۵۹ھ۔

بیع بشرط اقالہ

سوال [۷۷۷۷]: زید نے تقریباً پانچ بیگھہ زمین آبادی کے متصل اس شرط پر خریدی کہ جب تک تم یہاں رہو اس وقت تک میں جو چاہو بناؤ اور تم جب جانا چاہو تو اپنی قیمت واپس لے کر ہماری زمین واپس کردو۔ زید نے اس زمین میں رہنے کا مکان اور نماز پڑھنے کا چبوترہ بنایا جس پر وہ مع اہل و عیال باجماعت نماز پڑھتا ہے۔ اب وہاں سے وہ جانا چاہتا ہے تو کیا شرط کے مطابق قیمت واپس لے کر زمین واپس کرے، اور زمین زید کا چبوترہ توڑ کر رہائش کا مکان بنانا صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس شرط پر خرید وفروخت ناجائز ہے، اس سے بیع فاسد ہوئی(۱)، جس کا فسخ کرنا واجب ہے(۲)۔

=(وكذا في الهداية: ۳/۹۲، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، شركت علميه ملتان)

(۱) "كل شرط اشترط في البيع ليس من البيع، فيه منفعة للبائع أو للمشتري أو للمشتري له، فالبيع فيه فاسد" (كتاب الآثار، ص: ۱۶۲، باب التجارة والشرط في البيع، إدارة القرآن كراچی)

"يعني كل شرط يفسد البيع، بل لا بد أن لا يقتضيه العقد ولا يلائمه ولا يتعارف، وكان فيه منفعة لأحد المتعاقدين أو للمعقود عليه". (النهر الفائق: ۳/۳۴۳، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، إمداديه ملتان)

(وكذا في الدر المختار مع رد المحتار: ۵/۸۴، ۸۵، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، سعيد)

(۲) "(ويجب على كل واحد منهما فسخه قبل القبض): أي فسخ البيع الفاسد (ولو بعده ما دام المبيع بحاله في يد المشتري إعداماً للفساد؛ لأنه معصية، فيجب رفعها". (رد المحتار: ۵/۹۰، ۹۱، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، سعيد)

قیمت واپس لیکر زمین بائع کے حوالہ کردے (۱)، پھر وہ اپنی زمین میں جو چاہے کرے۔ بیع فاسد کے ذریعہ زمین حاصل کرکے نماز کے لئے چبوترہ بنایا ہے، وہ مسجد شرعی نہیں ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۵/۸۹ھ۔

بیع قبل القبض

سوال [۸۴۴۴]: زید نے عمر کو بارہ آنہ کے حساب سے مختلف قسم کے صندوق بنانے کے لئے قیمت دی یا اور بتلایا کہ بیس دن میں بنادینا۔ اب عمر صندوق بنارہا ہے۔ بیس دن پورے نہیں ہوئے، زید نے عمر سے کہ کہ تم صندوق چودہ آنہ کے حساب سے بیچ کر چودہ آنہ کے حساب سے مجھ کو قیمت دینا۔ اب عمر نے رکھ لیا کہ میں ایک روپیہ کے حساب سے بیچ کر دو آنہ نفع حاصل کروں گا۔ یہ معاملہ جائز ہے؟

بندہ عبدالغفور سہارنپوری

= "ولكل منهما فسخه بغير علم كل واحد منهما فسخه؛ لأن رفع الفساد واجب عليهما".

(تبيين الحقائق: ۳/۳۰۲، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في مجمع الأنهر شرح ملتقى الأبحر، كتاب البيوع، فصل: ۹۲/۳، غفاريه كوئٹه)

(۱) "وبعد الفسخ لا يأخذه بائعه حتى يرد ثمنه المنقود". (الدر المختار مع رد المحتار: ۹۵/۵، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، سعيد)

(وكذا في ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر: ۹۶/۳، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، غفاريه كوئٹه)

(۲) اس لئے کہ مشتری نے اس جگہ مسجد نہیں بنائی ہے، بلکہ اس کی حیثیت مصلیٰ کی ہے، البتہ اگر مشتری اس کو شرعی مسجد بنالیتا تو اسے شرعی مسجد قرار دی جاتی، کیونکہ بیع فاسد کے ذریعہ حاصل کی ہوئی زمین پر شرعی مسجد بنانا درست ہے:

"وإذا قبض المشتري المبيع برضا بائعه صريحاً أو دلالة في البيع الفاسد وهو يعلمه، ملكه ..... وإذا ملكه، تثبت كل أحكام الملك إلا خمسة: لا يحل له أكله، ولا لبسه، ولا وطؤها، ولا أن يتزوجها منه البائع، ولا شفعة لجاره لو عقاراً". (الدر المختار مع رد المحتار: ۸۹/۵، ۹۰، باب البيع الفاسد، سعيد)

"أفاد أن الواقف لا بد أن يكون مالكه وقت الوقف ملكاً باتاً ولو بسبب فاسد ..... وصح وقف ما اشتراه فاسداً بعد القبض، وعليه القيمة للبائع". (رد المحتار، كتاب الوقف: ۳۴۰/۴، ۳۴۱، مطلب: قد يثبت الوقف بالضرورة، سعيد)

=

الجواب حامداً ومصلیاً:

ناجائز ہے، زید کو چاہیے کہ پہلے اپنے صندوق پر قبضہ کرے(۱)، اس کے بعد عمرو پر بیچے تو عمر کے حوالہ کردے کہ میں نے یہ صندوق ۱۲/ آنے میں تیرے ہاتھ فروخت کیا، یا عمرو کو قبضہ دینے پر جس قیمت پر چاہے فروخت کردے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۲/۳/۵۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔

صحیح: عبداللطیف، ۲۸/ربیع الاول/۵۸ھ۔

= "ولابد من إفرازه: أي تمييزه عن ملكه من جميع الوجوه" (رد المحتار، كتاب الوقف: ۳۵۶/۴، مطلب في أحكام المسجد، سعيد)

(۱) "للمشتري أن يبيع المبيع من آخر قبل قبضه إن كان عقاراً، وإن كان منقولاً فلا" (شرح المجلة لسليم رستم باز، الباب الرابع في بيان المسائل المتعلقة بالتصرف في الثمن والمثمن: ص ۱۲۶، (رقم المادة: ۲۵۳)، مكتبه حبيبيه كوئته)

"ومن اشترى شيئاً مما ينقل ويحول، لم يجز بيعه حتى يقبضه؛ لأنه نهى عن بيع ما لم يقبض، ولأن فيه غرر انفساخ العقد على اعتبار الهلاك". (الهداية: ۷۸/۳، كتاب البيوع، باب التولية، امداديه ملتان)

"لا يجوز بيع المنقول قبل القبض، لما روينا، ولقوله عليه السلام: "إذا ابتعت طعاماً فلا تبعه حتى تستوفيه"". (تبيين الحقائق: ۳۳۴/۴، فصل: كتاب البيوع، صح بيع العقار قبل قبضه، دار الكتب العلمية بيروت)

(ولا يصح بيع المنقول قبل قبضه، لنهيه عليه السلام عن بيع ما لم يقبض". (مجمع الأنهر: ۱۱۳/۳، كتاب البيوع، باب التولية، مكتبه غفاريه كوئته)

(وكذا في تكملة فتح الملهم، كتاب البيوع، باب بطلان بيع المبيع قبل القبض: ۱/۳۵۴، دار العلوم كراچی)

(وكذا في البحر الرائق: ۲۰۳/۶، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱۳/۳، كتاب البيوع، الباب الثالث في معرفة المبيع، رشيديه)

خریدے ہوئے مال پر قبضہ کرنے سے پہلے بیع

سوال [۷۷۷۷]: ۱... زید نے بہت مال برائے تجارت بذریعہ بینک منگوایا، مال آجانے پر زید چھڑا نہیں سکا، مال چھڑانا نہیں، جس قدر دیر سے چھڑایا جائے اسی قدر اس پر محصول روز بروز بڑھتا جاتا ہے۔ زید نے بکر سے کہا میں نے اپنا سامان منگایا ہے، چھڑا نہیں سکتا ہوں، اس لئے یہ مال کو بنفع مناسب تمہارے ہاتھ پر فروخت کرتا ہوں، جو بلٹی بذریعہ بینک آئی ہے تم اس کو خرید لو۔ بکر نے اس مال کا روپیہ اور جو اس پر محصول تھا سب چکوا کر کے مال کو اپنے قبضہ میں کر کے سنبھال لیا، اس کے بعد بکر نے زید کے ہاتھ پر وہی مال منافع سے فروخت کردیا، منافع تمام اس رقم پر لگا دیا جو اس پر خرچ ہو۔

۲... زید اور بکر دونوں کو دلی منشا یہی تھا کہ اول زید اپنے مال کو بنفع مناسب بکر کے ہاتھ فروخت کرے اور بکر اپنے روپے سے اس مال کو چھڑا کر مقررہ منافع پر زید ہی کو فروخت کردے، مقرر کردہ طریقہ پر عمل میں زید اور بکر مال کو خرید و فروخت کرتے ہیں۔

۳... بکر نے زید سے یہ شرط کی کہ جس وقت تک میرا کل مطالبہ ادا نہ ہو جائے اس وقت تک آپ کو روزانہ کی بکری لکھے بغیر نہ دوں گا اور اس درمیان میں جو مال آپ منگایا کریں گے، وہ مال اسی طرح پہلے میرے ہاتھ مقررہ منافع پر فروخت کرتے چلے جائیں گے اور اسی طرح مال پر منافع لگا کر آپ کو فروخت کردیا کروں گا۔ زید نے شرط منظور کی۔

مندرجہ بالا طریقہ عند الشرع درست ہے یا نہیں؟ فقط۔

عبدالباری، ۱۰/ اگست/ ۴۲ء۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مندرجہ بالا طریقہ خلاف شرع وناجائز ہے۔ جب تک زید اس مال پر اپنا قبضہ نہ کرلے اس کو فروخت نہیں کرسکتا (۱)۔ جواز کا طریقہ یہ ہے کہ کسی سے قرض لے کر اول مال چھڑا لے، پھر کسی کے ہاتھ

---

(۱) "عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "من ابتاع طعاماً فلا یبعہ حتی یقبضہ". قال ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما: وأحسب کل شیء بمنزلة الطعام".

"عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "من ابتاع =

جس قیمت پر چاہے فروخت کرے۔ روزانہ کی بکری کا مطالبہ بھی صورت مسئولہ میں ناجائز ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۸/۸/۹۲ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ،　　صحیح: عبد اللطیف، ۸/۸/۹۲ھ۔

فصل پر جو غلہ کا نرخ ہو اس حساب سے خریدنا

سوال [۷۷۸۰]: ہمارے اطراف میں غریب کو غلہ اس شرط پر دیتے ہیں کہ آج سے دو ماہ کے بعد جو غلہ کا بھاؤ ہوتا ہے وہی حساب سے اس غلہ کی قیمت لوں گا، یا اس قیمت کا جو غلہ ہوگا، وزن لوں گا۔ اسی طرح کئی اس شرط پر دیتے ہیں کہ دو تین ماہ کے بعد اس کے عوض میں اتنا ہی چاول لوں گا۔

= طعاماً، فلا يبعه حتى يستوفيه". قال: حدثني أبو الزبير أنه سمع جابر بن عبد الله رضي الله تعالى عنهما يقول: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: "إذا ابتعت طعاماً، فلاتبعه حتى تستوفيه". (الصحيح لمسلم: ۲/۵، كتاب البيوع، باب بطلان بيع المبيع قبل القبض، قديمي)

(وسنن أبي داود: ۲/۱۳۴، كتاب البيوع، باب في بيع الطعام قبل أن يستوفي، إمداديه ملتان)

"فيحرم بيع كل شيء قبل قبضه، طعاماً كان أو غيره". (تكملة فتح الملهم، كتاب البيوع، باب بطلان بيع المبيع قبل القبض: ۱/۳۵۰، مكتبه دار العلوم كراچی)

"لا يصح بيع المنقول قبل قبضه، لنهيه عليه السلام عن بيع مالم يقبض". (مجمع الأنهر، كتاب البيوع: ۳/۱۴۳، باب البيع الفاسد، غفاريه كوئته)

(وكذا في الهداية: ۳/۷۷، كتاب البيوع، باب التولية، مكتبه شركت علميه ملتان)

(وكذا في البحر الرائق: ۶/۱۹۳، كتاب البيع، فصل في بيان التصرف في المبيع، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۴/۳۲۵، كتاب البيوع، فصل: صح بيع العقار قبل قبضه، دار الكتب العلمية بيروت)

(۱) روزانہ بکری کا مطالبہ چونکہ شرط فاسد ہے، لہذا یہ بیع فاسد ہے: "فإن كان فيه منفعة لأحد المتعاقدين، فالبيع فاسد؛ لأن الشرط باطل في نفسه، والمنتفع به غير راض بدونه، فتتمكن المطالبة بينهما بهذا الشرط، فلهذا فسد به البيع". (المبسوط للسرخسي، باب البيوع إذا كان فيها شرط: ۱۳/۱۸، مكتبه غفاريه كوئته)

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر اس طرح قیمت لینا تجویز ہو تو وہ بوقتِ عقد مجہول ہے، اور جہالتِ ثمن مفسدِ بیع ہے۔ اگر قیمت میں غلہ لینا قرار دے جس کا نرخ بھی وقتِ عقد معلوم نہیں تو اس میں جہالتِ ثمن کے ساتھ قیمت قرار دینے کی جہت سے مکئی کی بیع غلہ سے ہوئی جو کہ "یداً بید" ہے اور نہ "مثلاً بمثل"۔ اگر مکئی کے عوض چاول لیا جائے تو اس میں "یداً بید" ہی کیا جائے صحیح ہے:

"وعلته: أي علة تحريم الزيادة القدرُ مع الجنس، فإن وُجدا، حرم الفضل والنساء، فلم يجز بيع قفيز بُرٍّ بقفيز منه متساوياً وأحدهما نساء، وإن وجد أحدهما: أي القدر وحده أو الجنس، حل الفضل وحرم النساء، فحرم بيع كيلي ووزني بجنسه متفاضلاً، وحل متماثلاً". در مختار(١)۔

"وشرط لصحته معرفة قدر مبيع وثمن. وخرج أيضاً ما لو كان الثمن مجهولاً كالبيع

---

(١) (الدر المختار مع رد المحتار: ٥/١٧١، ١٧٢، كتاب البيوع، باب الربوا، سعيد)

"(وعلته القدر والجنس، فحرم الفضل والنساء بهما): أي بالجنس والقدر، لما بينا أنهما علة الربا، (والنساء فقط بأحدهما): أي حرم النساء وحل التفاضل بوجود أحدهما، أما القدر دون الجنس كالحنطة بالشعير، أو الجنس دون القدر كالهروي بالهروي، لقوله عليه السلام: "الذهب بالذهب، والفضة بالفضة، والبر بالبر، والشعير بالشعير، والملح بالملح، مثلاً بمثل، سواء بسواء، فإذا اختلفت هذه الأصناف، فبيعوا كيف شئتم إذا كان يداً بيد" (تبيين الحقائق: ٣/٤٥١، ٤٥٠، كتاب البيوع، باب الربا، دار الكتب العلمية بيروت)

"وعلته القدر والجنس، فحرم بيع الكيلي والوزني بجنسه متفاضلاً أو نسيئةً ولو غير مطعوم كالجص والحديد، وحل متماثلاً بعد التقابض أو متفاضلاً غير معيار كحفنة بحفنتين، وبيضة ببيضتين، وتمرة بتمرتين، فإن وجد الوصفان حرم الفضل والنساء، وإن عدما حلا، وإن وجد أحدهما فقط، حل التفاضل لا النساء" (ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر: ٣/١٢٠، ١٢١، كتاب البيوع، باب الربا، غفاريه كوئٹه)

(وكذا في البحر الرائق: ٦/٢١٠، كتاب البيع، باب الربا، رشيديه)

(وكذا في الهداية: ٣/٨١، باب الربوا، مكتبه شركت علميه ملتان)

بقيمته أو برأس ماله أو بما اشتراه أو بمثل ما اشتراه فلان، فإن علم المشتري بالقدر في المجلس، جاز. ومنه أيضاً ماسو بيعه بمثل مايبيع الناس، إلا أن يكون شيئاً لا يتفاوت".

(ردالمحتار، كتاب البيوع)(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۱۱/۱۳۸۹ھ۔

کھیت میں بیج ڈالنے سے پہلے پیداوار کی بیع

سوال[۷۷۸۱]: کھیت میں بیج ڈالنے سے پہلے اس کی پیداوار کی فروخت کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ناجائز ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم۔

صحیح: عبداللطیف، مفتی مدرسہ ہذا، ۱۲/ جمادی الاولیٰ/۵۹ھ۔

---

(۱) (ردالمحتار: ۴/۵۲۹، كتاب البيوع، مطلب: مايبطل الإيجاب سبعة، سعيد)

"وأما جهالة الثمن فمانعة أيضاً كما إذا باع شيئاً بقيمته أو بحكم المشتري أو فلان. . .

وبيع الشيء برقمه أو برأس ماله ولم يعلم المشتري كذلك". (البحر الرائق: ۵/۴۵۹، كتاب البيوع، رشيديه)

"يلزم أن يكون معلوماً، فلو جهل الثمن، فسد البيع". (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۱۲۲، (رقم المادة: ۲۳۸)، مكتبه حنفيه كوئته)

(وكذا في حاشية الشلبي على تبيين الحقائق: ۴/۲۸۰، كتاب البيوع، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في مجمع الأنهر شرح ملتقى الأبحر: ۳/۱۲، كتاب البيوع، غفاريه كوئته)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۳/۱۲۴، كتاب البيوع، الباب التاسع فيما يجوز بيعه ومالا يجوز، الفصل الثامن في جهالة المبيع أو الثمن، رشيديه)

(۲) "بيع المعدوم باطل، فيبطل بيع ثمرة لم تبرز أصلاً". (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۹۸، (رقم المادة: ۲۰۵)، مكتبه حنفيه كوئته)

"نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن بيع ما ليس عند الإنسان، ورخص في السَّلَم". (بدائع =

اور بائع (بیچنے والا) کے درخت سے اپنی ملک علیحدہ کر لے۔ اگر خریدتے وقت شرط کر لی ہے کہ آم پکنے تک درخت پر لگے رہیں گے اور پکنے کے بعد توڑوں گا تو یہ شرط فاسد ہے اور مفسد بیع ہے (۱)۔ ہاں! اگر بیع میں شرط کا کوئی ذکر نہ ہو اور بیع کے بعد بائع سے اجازت لے لی جائے تو جائز ہے: "ومن باع ثمرة لم يبد صلاحها أو قد بدا، جاز". هدایہ (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

= (وكذا في الدر المختار: ۴/۵۵۵، كتاب البيوع، سعيد)

(وكذا في شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۹۹، رقم المادة: ۲۰۲، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(۱) عام تجار اور باغبانوں کی عادت رواں کا تعامل اس وقت یہ ہے کہ پھلوں کو کلی نمود صلاح خریدتے ہیں، اور اس میں درختوں پر چھوڑنے کی شرط لگاتے ہیں، ان کے اس تعامل اور عموم بلویٰ کی وجہ سے پھلوں کو خریدتے وقت درختوں پر چھوڑ دینے کی شرط لگانے کی گنجائش ہے:

"ان لباع الثمار بعد ما تناهى عظمها وبدا صلاحها، فشرط الترك في هذه الصورة جائزة عند محمد رحمه الله تعالى، وبه أفتى كثير من المشايخ، لعموم البلوى، واختاره الطحاوي، ورأيه مثل ابن الهمام ...... ففي هذه الصورة سعة أيضاً عند عموم البلوى. وذكر ابن عابدين رحمه الله تعالى أنه لو كان الترك متعارفاً بينهم، فسد البيع وإن لم يشترط الترك في العقد لفظاً؛ لأن المعروف كالمشروط، ولكن لم يقبله شيخ مشايخنا الأنور رحمه الله تعالى فقال: وتفصيل الشامي ليس مستحسناً عندي". (تكملة فتح الملهم، كتاب البيوع، باب النهي عن بيع الثمار قبل بدو صلاحها، حكم ما يتعامل به الناس اليوم: ۱/۳۹۴، دار العلوم كراچي)

قال العبد الضعيف: "أن العرف إذا جرى ببيع الثمار بعد بدو صلاحها بشرط الترك واشتدت إليه الحاجة، كان قياس قول محمد رحمه الله تعالى الجواز" (تكملة فتح الملهم، المصدر السابق)

مفتی رشید احمد رحمہ اللہ تعالیٰ شامی کی عبارت نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

"اس تفصیل سے احکام ذیل معلوم ہوتے ہیں:

۱۔ جب تک پھول پھل کی صورت نہ اختیار کرلے، اس کی بیع بالاتفاق ناجائز ہے۔ علامہ ابن عابدین نے نزول العطش کے بعد بیع کو ضرورت شدیدہ و ابتلائے عام کی وجہ سے ملحق بالسلم قرار دے =

کچا پھل خرید کر اس کو بائع کے درخت سے توڑنے کی شرط

سوال[۷۷۸۳]: یہ جو شرط ہے کہ جب آم کچے بالکل تیار ہو جائیں تو اس کو مشتری درخت سے علیحدہ کرے اور اس کا درخت خالی کردے اور اس کو درخت پر نہ پکاوے اور اگر اس نے درخت پر پکایا جیسا کہ یہاں دستور ہے تو اس پھل کی خرید وفروخت کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ شرط صحیح ہے(۱)، معاملہ صحیحہ کے بعد اگر بائع نے اپنے درخت پر لگے رہنے کی اجازت دیدی تو درست ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۲۲/ جمادی الاولیٰ/ ۵۷ھ۔

---

(۱) "ومن باع ثمرة لم يبد صلاحها، وقد بدا، جاز البيع، وعلى المشتري قطعها في الحال تفريغاً لملك البائع. وهذا إذا اشتراها مطلقاً أو بشرط القطع". (الهداية، كتاب البيوع، فصل: من باع داراً دخل بناءها في البيع: ۳/۲۹، مكتبه شركت علميه ملتان)

"(ومن باع ثمرة بدا صلاحها أو لا، صح، ويقطعها المشتري) تفريغاً لملك البائع إذا اشتراها مطلقاً أو بشرط القطع". (تبيين الحقائق: ۳/۲۹۵، كتاب البيوع، دار الكتب العلمية بيروت)

"(ومن باع ثمرة بدا صلاحها أو لا، صح) (كنز الدقائق). "(قوله: ثمرة) أي ظاهرة؛ لما نبه؛ لأن بيعها قبل الظهور لا يصح اتفاقاً، وقبل بدو الصلاح بشرط القطع في المنتفع به صحيح اتفاقاً" (البحر الرائق: ۵/۲۰۵، كتاب البيوع، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۳/۲۹، كتاب البيوع، غفاريه كوئٹه)

(۲) "ولو اشتراها مطلقاً وتركها بإذن البائع، طاب له الفضل". (تبيين الحقائق: ۳/۲۹۵، كتاب البيوع، دار الكتب العلمية بيروت)

"(وإن تركها): أي الثمرة الغير متناهية على الشجر (بإذن البائع بلا اشتراط) تركها حالة العقد (طاب له): أي للمشتري الزيادة الحاصلة في ذات الثمرة بالترك؛ لأنه حصل بطريق مباح" (مجمع الأنهر: ۳/۳۰، كتاب البيوع، غفاريه كوئٹه)..................................

پھل آنے سے پہلے ان کی بیع

سوال[۷۴۸۲]: جن درختوں پر پھل آیا ہو خرید سے پہلے ٹھیکہ لینا جائز نہیں، یا پھل آنے پر ٹھیکہ لینا جائز ہے؟ ایسے پھلوں کا کھانا حلال ہے یا حرام ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب پھل نہیں آیا تو پھل کا خریدنا ناجائز ہے(۱)، البتہ اگر زمین ٹھیکے پر لے لے اور اس کے بعد پھل آئے تو وہ پھل بھی درست ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

= (وكذا في الدر المنتقى على هامش مجمع الأنهر، كتاب البيوع: ۳/۴۷، غفاريه كوئته)

(وكذا في الهداية: ۳/۲۲، كتاب البيوع، مكتبه شركت علميه ملتان)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۳/۱۰۶، كتاب البيوع، الباب التاسع فيما يجوز بيعه ومالايجوز، الفصل الثاني في بيع الثمار والزرع والكروم الخ، رشيديه)

(۱) "بيع المعدوم باطل، فيبطل بيع ثمر الم تبرز أصلاً". (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۹۸، رقم المادة: ۲۰۵، مكتبه حنفيه كوئته)

"لاخلاف في عدم جواز بيع الثمار قبل أن تظهر، ولا في عدم جوازه بعد الظهور قبل بدو الصلاح". (رد المحتار: ۴/۵۵۵، كتاب البيوع، سعيد)

"أن تباع الثمار قبل ظهورها، وهذا لم يقل أحد بجوازه، سواء جرى به التعامل أولا".

(تكملة فتح الملهم، كتاب البيوع، باب النهي عن بيع الثمر قبل بدو صلاحها: ۱/۳۹۳، مكتبه دار العلوم كراچی)

"(ومن باع ثمرة لم يبد صلاحها أولا، صح) إذ لاخلاف في عدم جواز بيعها قبل أن يظهر".

(النهر الفائق: ۳/۳۵۹، كتاب البيوع، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۴/۲۹۲، كتاب البيوع، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في فتح القدير: ۶/۲۸۷، كتاب البيوع، فصل: ومن باع داراً دخل بناءها في البيع الخ، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۲) بشرطیکہ زمین کو، تک مستاجر کے لئے حلال قرار دے .... =

اندرونِ زمین آلو وغیرہ کی بیع

سوال [۵۵۹۸]: زمین کے اندر جو چیزیں جیسے آلو، پیاز وغیرہ اندازہ سے خریدنا درست ہے یا نہیں؟ اگر دونوں رضامند ہوں تو عقد جائز کار ہے گا یا جائز کا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

آلو وغیرہ بغیر اکھاڑے خریدنے میں بسا اوقات دھوکہ ہوتا ہے جس سے خریدار یا مالک کو نقصان ہوتا ہے اور نزاع بھی ہوتا ہے، اس لئے اس طرح فروخت نہ کیا جائے (۱)، خریدا جانے، ہاں! اگر دھوکہ نہ ہو تو درست ہے، مثلاً خرید کر جب تک سامنے کھاڑ لیا جائے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۴/۳/۸۹ھ۔

= "وفي ثمر الأشجار يشتري الموجود، ويحل له البائع ما يوجد". (البحر الرائق: ۵/۵۰۳، كتاب البيع: فصل: يدخل البناء والمفاتيح في بيع الدار، رشيدية)

"والحيلة في كون الحادث للمشتري أن يشتري أصول الباذنجان، والبطيخ والخيار والقطن ليكون الحادث على ملكه. . . وفي الأشجار الموجود، ويحل له البائع ما يوجد". (الدر المنتقى مع مجمع الأنهر: ۳/۴۲، كتاب البيوع، غفارية كوئته)

"والحيلة في الكل أن يستأجر موضعاً معلوماً لعطن الماشية وبيع الماء والمرعى" (رد المحتار: ۹/۹۳، كتاب الإجارة، مطلب الإجارة إذا وقعت على الكلأ لا تصح والحيلة فيه، سعيد)

(۱) "(اللبن في الضرع): أي لا يجوز بيعه، للغرر، لعله انتفاخ، ولأنه ينازع في كيفية الحلب، وربما يزداد فيختلط المبيع بغيره . . . (واللؤلؤ في الصدف) للغرر، وهو مجهول لا يعلم وجوده ولا قدره" (البحر الرائق: ۶/[illegible]، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، رشيدية)

"ولا يجوز بيع اللبن في الضرع، فإنه فاسد للغرر، وهو مجهول لا يعلم وجوده ولا قدره". (مجمع الأنهر: ۳/۸۰، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، غفارية كوئته)

(۲) لیکن اس وقت نا جائز ہے کہ آلو وغیرہ کا وجود معلوم نہ ہو، اور اگر ان کا وجود یقینی ہو اور وہ کسی حد تک قابلِ انتفاع بھی ہو جائیں تو ان کی بیع جائز ہے، لیکن خریدار کو ایک معتد بہ حصہ دیکھنے تک خیارِ رؤیت حاصل ہوگی۔

"(المعدوم كبيع حق التعلي) . . . ومنه بيع ما أصله غائب كجزر وفجل، أو بعضه معدوم =

باغ فروخت کرکے کچھ آم مستثنیٰ کرنا

سوال[۷۷۸۶]: زید ایک باغ نیلام کرتا ہے اور نیلام کے لئے کچھ شرائط مقرر کرتا ہے مثلاً:

۱- اس کی قیمت کے علاوہ دو من آم کچے اور دو من پکے لئے جائیں گے۔ ان آموں کا دارومدار قیمت پر ہوتا ہے، اگر دام کم ہوں گے تو آم زیادہ لئے جائیں گے، اگر دام زیادہ ہوں گے تو آم کم لئے

– کجزر وبصل وسمن وورق ...، وجوزه مالک؛ لتعامل الناس، وبه أفتى بعض مشايخنا عملاً بالاستحسان. هذا إذا نبت ولم يعلم وجوده، فإذا علم جاز، وله خيار الرؤية، وتكفي رؤية البعض عندهما، وعليه الفتوى". (الدر المختار). "(قوله: هذا إذا نبت) الإشارة ... ما أصله غائب وكان الأولى أن يقول: هذا إذا لم ينبت أو نبت ولم يعلم وجوده، فإنه لايجوز بيعه فيهما". (رد المحتار: ۵/۵۲، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، سعيد)

"بيع ما أصله غائب وعلم وجوده يجوز، وله خيار الرؤية إن شاء أخذه. وتكفي رؤية البعض عندهما، وعليه الفتوى". (تنقيح الفتاوى الحامدية، كتاب البيوع: ۱/۲۵۱، مكتبه ميمنيه مصر)

"وإن كان المبيع مغيباً تحت الأرض كالبصل والثوم بعد النبات إن عرف وجوده تحت الأرض، جاز، وإلا فلا. فإذا باعه، ثم قلع منه نموذجاً، ورضي به، فإن كان مما يباع كيلاً كالبصل أو وزناً كالبصل، بطل خياره عندهما، وعليه الفتوى". (مجمع الأنهر شرح ملتقى الأبحر: ۳/۵۵، كتاب البيوع، فصل: من اشترى مالم يره، غفاريه كوئٹه)

"وإن باع ما هو مغيب في الأرض كالجزر والبصل وأصول الزعفران والثوم والشلجم والفجل، إن باع بعد ما ألقي في الأرض قبل النبات أو نبت إلا أنه غير معلوم، لايجوز البيع. فإن باع بعد ما نبت نباتاً معلوماً يعلم وجوده تحت الأرض، يجوز البيع ويكون مشترياً شيئاً لم يره عند أبي حنيفة رحمه الله تعالى، ثم لايبطل خياره ما لم ير الكل ويرضى به. وعلى قول صاحبيه لايبطل خياره الرؤية على رؤية الكل، وعليه الفتوى". (البحر الرائق: ۵/۵۰۳، كتاب البيوع، فصل: يدخل البناء والمفاتيح في بيع الدار، رشيديه)

(وكذا في فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية: ۲/۱۰۰، كتاب البيوع، فصل في خيار الرؤية، رشيديه)

جا سکے۔

۲- نصف قیمت ایک ہفتہ میں اور نصف قیمت آم کے پکنے سے پہلے وصول کی جائے گی، وغیرہ وغیرہ، تو یہ صورتیں جائز ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر یہ شرط ہے کہ آم اسی باغ پر لئے جائیں گے تو درست نہیں کہ یہ استثناء باطل ہے جس کو قدوری(۱) ہدایہ وغیرہ جملہ کتب فقہ میں منع لکھا ہے(۲)۔ اگر اس باغ کے آم ہونا شرط نہیں، ورنہ آم کی تعیین کر لی جائے کہ جہالت مفضی الی النزاع مرتفع ہو جائے تو ان کو جزوِ ثمن قرار دیا جائے گا۔ اور بقیہ مذکورہ شرائط طرفین کی اجازت سے طے شدہ سب جائز ہیں(۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفی عنہ، دار العلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۱۸/۷/۹۸ھ۔

---

(۱) "ولا يجوز أن يبيع ثمرة ويستثني منها أرطالاً معلومة". (مختصر القدوري، ص: ۹۱، كتاب البيوع، سعيد)

(۲) "ولا يجوز أن يبيع ثمرة ويستثني منها أرطالاً معلومة، خلافاً لمالك رحمه الله تعالى؛ لأن الباقي بعد الاستثناء مجهول، بخلاف ما إذا باع واستثنى نخلاً معيناً؛ لأن الباقي معلوم بالمشاهدة". (الهداية: ۳/۲۴، كتاب البيوع، فصل ومن باع داراً دخل بناءها في البيع، شركت علميه ملتان)

"تجويزه قياساً على استثناء شجرة معينة فقط، قياس مع الفارق؛ لأن الباقي بعد إخراج المستثنى غير مشار إليه معلوم الكيل المخصوص، لكن مجهولاً، بخلاف الباقي بعد إخراج الشجرة، فإنه معلوم متميز بالإشارة". (فتح القدير: ۶/۲۹۵، كتاب البيوع، فصل: ومن باع داراً دخل بناءها في البيع، الخ، مصطفى البابي الحلبي مصر)

لیکن اگر اسی باغ کے آم مستثنیٰ کر دیے جائیں تو قول کی وجہ سے گنجائش ہے بشرطیکہ آم کی مقدار اور وصف اس طرح واضح ہو کہ اس سے جھگڑے کا کوئی اندیشہ نہ ہو، اور اس میں یہ بھی شرط ہے کہ باغ کی موجودہ حالت سے یہ گمان غالب ہو کہ باغ میں مستثنیٰ مقدار سے زیادہ آم آئے گا۔ =

= **سوال:** "کیا حکم ہے شرع شریف کا اس مسئلہ میں کہ لوگ اپنا باغ پھل نہ ہونے پر جس وقت فروخت کرتے ہیں تو یہ کہتے ہیں کہ یہ قیمت لیں گے اور اس قدر یعنی ہزار یا سو آم ہم لیں گے خرید ... یہ قیمت کرکے خریدتا ہے اور اسی پر مشتری راضی ہو جاتا ہے۔ اب دریافت طلب یہ بات ہے کہ یہ استثنا جائز ہے یا نہیں، اگر ناجائز تو صورت جواز کیا ہے اور جائز ہے تو مطلقاً یا کسی خاص درخت کے آم کی تعیین کرے؟ اکثر باغ والے اسی صورت سے فروخت کرتے ہیں کہ ہم باغ خود تو کھا نہیں سکتے اس صورت سے کچھ بچ لیتے ہیں اور فروخت بھی کر دیتے ہیں۔ دیوبند کو لکھا تھا مفتی صاحب نے لکھا کہ تعداد یعنی ہزار یا پانچ سو کرے خاص درخت کی تعیین نہ کرے یہ جائز ہے درمختار میں ہے۔ حسب اتفاق مراد آباد کے ایک عالم یہاں ایک تقریب میں آئے ان کے سامنے بھی ذکر ہوا تو انہوں نے فرمایا ناجائز ہے، بیع مجہول ہے مستثنیٰ مختلف ہے اس سے خلجان ہوا، لہٰذا گزارش ہے کہ حضرت بھی اس کا جواب تحریر فرما دیں تا کہ کسی امر کا وثوق ہو جاوے۔ فقط۔

الجواب: "اول اس عقد کی حقیقت سمجھنا ضروری ہے، سو اس میں دو احتمال ہیں: ایک یہ کہ اتنے عدد کو بدل قرار دیا جاوے، یعنی مشتری بدل میں دو چیزوں کے دینے کا وعدہ کرے: ایک نقد روپیہ دوسرا اتنے آم، یہ تو ظاہر ہے کہ ناجائز ہے۔ دوسرا احتمال یہ ہے کہ اتنی مقدار کے مبیع سے مستثنیٰ کئے جاویں، اس احتمال میں بھی یہ شبہ ہے کہ اول تو یہ مقدار مثل تفاوت کوئی جیسا کوئی بڑا اس میں نزاع کا احتمال، دوسرے ممکن ہے کہ کل ہی آم ضائع ہو جاویں تو استثناء بھی نہ ہوگا۔ تیسرے جب یہ مستثنیٰ ہوا تو مبیع نہ ہوگا، پھر مشتری کے ذمہ اس کی حفاظت کیسے ہوگی، لیکن ... ہم کہتے ہیں کہ جب مادۂ نزاع نہ ہو اور غالب امید زیادہ ہونے کی ہو تو جائز کہہ دیں گے، اور اگر کسی خاص درخت کو پورا مستثنیٰ کر لیں تو اس کے جواز میں کوئی شبہ نہیں"۔

(امداد الفتاوی، کتاب البیوع، پھلوں اور مجلوں کی بیع: ۳/۹۸، دار العلوم کراچی)

"ويصح استثناء قفيز من صبرة وشاة معينة من قطيع وأرطال معلومة من بيع ثمر نخلة لصحة إيراد العقد عليه ولو الثمر على رؤوس النخل على الظاهر". (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب البيوع، فصل في ما يدخل في البيع تبعاً وما لا يدخل فيه: ۴/۵۵۸، سعيد)

(۳) اس میں اس بات کا لحاظ رکھا جائے کہ مدت معلوم ہو: "يلزم أن تكون المدة معلومة في البيع بالتأجيل والتقسيط". (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۱۲۵، رقم المادة: ۲۴۶، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(وكذا في الدر المختار مع رد المحتار، كتاب البيوع: ۴/۵۳۱، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر شرح ملتقى الأبحر، كتاب البيوع: ۳/۱۳، غفاريه كوئٹه)

باغ فروخت کرکے کچھ پھل مستثنیٰ کرنا

سوال[۷۰۱۷]: جنس کی شے کی تحقید یا اس حال میں کہ وہ جو تے ہے کہ یہ شے جو مجھ کو دیتا ہے جنس کی ہے تو اس کے لئے کھانا درست ہے یا نہیں اور جنس کو فروخت کرنا جبکہ خریدار کو علم ہے کہ یہ جنس کی ہے تو اس کے لئے خریدنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جنس میں اگر درخت کی تعیین تھی تو ایسی جنس کرنا اور اس کو فروخت کرنا منع ہے(۱)، ورنہ درست ہے، بشرطیکہ جانبین کی رضامندی کے ساتھ ہو، کوئی اور امر مفضی الی النزاع یا کوئی اور امر خلاف شرع نہ ہوں۔ اگر درخت کی تعیین نہیں کی استثناء یہ کہہ کر کہ اس باغ کی قیمت میں سو روپیہ لوں گا اور سو آم لوں گا، خواہ کسی درخت یا باغ کے دے، یا یہ کہہ کر کل باغ میں جس قدر آم ہیں اس میں سے ایک چوتھائی مثلاً لوں گا تو یہ جائز ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۲۲/جمادی الاولیٰ/۵۷ھ۔

---

(۱) یہ صورت اس لئے ناجائز ہے کہ آم کی ایک خاص مقدار کو کسی معین درخت سے مستثنیٰ کیا جائے، کیونکہ اس صورت میں غرر لازم آئے گا، اس لئے کہ یہ ممکن ہے کہ وہ خاص مقدار اس معین درخت سے حاصل نہ ہو جائے، البتہ اگر وہ خاص مقدار اتنی قدر ہو کہ اس کا حاصل ہونا یقینی ہو اور کوئی تنازع اور جھگڑا نہ ہو، یا باغ فروخت کرتے وقت ایک معین درخت کو مستثنیٰ کیا جائے تو ان صورتوں میں خرید و فروخت کرنا جائز ہے:

"عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه أن النبي صلى الله عليه وسلم نهى عن بيع الحصاة وعن بيع الغرر". (إعلاء السنن: ۱۴/۱۰۹، كتاب البيوع، باب النهي عن بيوع الغرر، إدارة القرآن كراچى)

"ولا يجوز أن يبيع ويستثنى منها أرطالاً معلومة ..... بخلاف ما إذا باع واستثنى نخلاً معيناً؛ لأن الباقي معلوم بالمشاهدة". (الهداية: ۳/۳۰، كتاب البيوع، مكتبه شركت علميه ملتان)

(وكذا في إمداد الفتاوى، كتاب البيوع، پھل خریدنے والے سے کچھ مقدار پھل کی مقرر کرنا: ۳/۷۰، ۱۰۸، مکتبہ دارالعلوم کراچی)

(۲) "فإن استثنى جزءاً كربع وثلث، فإنه صحيح اتفاقاً". (رد المحتار: ۴/۵۵۹، كتاب البيوع، فصل ،

قبرستان کی گھاس فروخت کرنا

سوال[۷۷۸۸]: ہمارے یہاں قبرستان پر گھاس اُگی ہے، اس میں جانور گائے بیل بھینس چرنے کے لئے چھوڑ نا اور اس سے آمدنی حاصل کرنا اور مسجد پر صرف کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو گھاس خود رو ہو اس کو بغیر کاٹے ہوئے فروخت کرنا مثلاً اس طرح کہ گائے وغیرہ کو وہاں چھوڑ دیا جائے کہ وہ خود ہی چر لیں اور اس کا معاوضہ لے لیا جائے، یہ معاملہ شرعاً درست نہیں(۱) احترام قبور کے بھی خلاف ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند۔

= في ما يدخل في المبيع تبعاً وما لا يدخل فيه، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، ۵/۴۷۰، كتاب البيوع، فصل يدخل البناء والمفاتيح في بيع الدار، رشيدية)

(۱) "عن رجل من المهاجرين من أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم قال: غزوت مع النبي صلى الله عليه وسلم ثلاثاً أسمعه يقول: "المسلمون شركاء في ثلاث: الماء، والكلأ، والنار". (سنن أبي داؤد، كتاب الإجارة، باب في المنع، ۲/۱۳۶، إمدادیہ ملتان)

"والمراعي (أي بطل بيعها): أي الكلأ وإجارتها. أما بطلان بيعها، فلعدم الملك، لحديث: "الناس شركاء في ثلاث: في الماء، والكلأ، والنار". (الدر المختار مع رد المحتار، ۵/۶۷، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، سعيد)

"والمراد به الكلأ دون رقبة الأرض؛ لأن بيع الأرض وإجارتها جائز إذا كان مالكاً لها، وإنما لا يجوز بيع الكلأ وإجارته؛ لأنه ليس بمملوك له؛ إذ لا يملكه بنباته في أرضه مالم يحرزه، لقوله عليه الصلاة والسلام: "المسلمون شركاء في ثلاثة: في الماء والكلأ والنار". (تبيين الحقائق، ۴/۴۲۲، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في مجمع الأنهر، ۳/۸۳، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، غفاریہ کوئٹہ)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، ۳/۱۰۹، كتاب البيوع، الباب التاسع فيما يجوز بيعه ومالا يجوز، الفصل الثاني في بيع الثمار، رشيدية)

(وكذا في البحر الرائق، ۶/۱۲۴، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، رشيدية)

(۲) "عن عمرو بن حزم رضي الله تعالى عنه قال: رآني النبي صلى الله عليه وسلم متكئاً على قبر، فقال: =

مالک کی اجازت کے بغیر خود رو بانس کی بیع

سوال [۷۷۸۹]: ہمارے یہاں ایک زمیندار کی تقریباً ہزار بیگھہ زمین ہوگی، اس میں چائے کی کاشت ہوتی ہے، لیکن اس زمین میں بانس وغیرہ کے درخت اُگ آتے ہیں، جن کو کھیت کے سپاہی اور مزدور مالک کی چوری سے فروخت کر دیتے ہیں، تو کیا ان کو خریدنا اور فروخت کرنا درست ہے یا نہیں؟ اجرائے عام ہے ہماری طرف، تو کچھ تخفیف ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بغیر مالک کی اجازت کے چوری سے خریدنا اور فروخت کرنا درست نہیں، وہ کسی کے حکم میں نہیں(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۹/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۹/۹۰ھ۔

"لا تؤذ صاحب هذا القبر"، أو "لا تؤذه". (مشكوة المصابيح، ص: ۱۴۹، كتاب الجنائز، باب البكاء على الميت، قديمي)

(۱) "من اشترى سرقة وهو يعلم أنها سرقة، فقد شرك في عارها وإثمها". (فيض القدير: ۱۱/۵۷۵۳، (رقم الحديث: ۸۳۳۳)، مكتبه نزار مصطفى الباز رياض)

"لم يحل للمسلم أن يشتري شيئاً يعلم أنه مغصوب أو مسروق أو مأخوذ من صاحبه بغير حق، لأنه إذا فعل يعين الغاصب أو السارق أو المعتدي على غصبه وسرقته وعدوانه، قال عليه الصلاة والسلام: "من اشترى سرقة (أي مسروقاً) وهو يعلم أنها سرقة، فقد اشترك في إثمها وعارها". (الحلال والحرام في الإسلام ليوسف القرضاوي، ص: ۲۱۲، المكتب الإسلامي بيروت)

"لا يجوز لأحد أن يتصرف في ملك غيره بلا إذنه". (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۶۱، (رقم المادة: ۹۶)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"وما نقل عن بعض الحنفية من أن الحرام لا يتعدى إلى ذمتين، سألت عنه الشهاب ابن الشلبي، فقال: هو محمول على ما لم يعلم بذلك، أما من رأى المكاس يأخذ من أحد شيئاً من المكس، ثم يعطيه آخر، ثم يأخذه من ذلك الآخر، فهو حرام". (رد المحتار: ۶/۳۸۵، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، سعيد) —

بلا اذنِ مالک پتوں کی بیع

سوال[۷۷۹۰]: لوگ کی اجازت کے بغیر بعض لوگ پتے توڑ کر لاتے ہیں اور ان کو لوگ خرید کر اپنے جانوروں کو کھلاتے ہیں۔ ان جانوروں کا دودھ پینے اور ان کی قربانی اور عقیقہ کا حکم؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بغیر اجازتِ مالک کے پتے توڑنا اور فروخت کرنا منع ہے، ایسے لوگوں سے پتے خریدنا بھی منع ہے(۱)، اجازت کے لئے اتنا بھی کافی ہے کہ مالک کو معلوم ہو اور وہ منع نہ کرے(۲)، لیکن جس جانور کو یہ پتے کھلائے اس کا دودھ، گوشت حرام نہیں(۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

"لأن الكلأ ما لا ساق له، والشجر له ساق، فلا تدخل فيه، حتى يجوز بيعها إذا نبتت في أرضه، لكونها ملكه". (البحر الرائق: ۶/۱۲۷، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، رشيديه)

"ويدخل في الكلأ جميع أنواع ما ترعاه، رطباً كان أو يابساً، بخلاف الأشجار، لأن الكلأ ما لا ساق له والأشجار لها ساق، فلا تدخل فيه". (الفتاوى العالمكيرية: ۳/۱۱۰، كتاب البيوع، الباب التاسع، الفصل الثاني في بيع الثمار وإنزال الكروم، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۴/۳۷۲، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، دار الكتب العلمية بيروت)

(۱) "عن أبي حرة الرقاشي عن عمه رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "ألا لا تظلموا، ألا! لا يحل مال امرء إلا بطيب نفس منه". (مشكوة المصابيح، كتاب البيوع، باب الغصب والعارية، الفصل الثاني، ص: ۲۵۵، قديمي)

(۲) "وإن كان في البستان، فسوا ثمار مما يبقى ولا يفسد كالجوز واللوز، لا يأخذه ما لم يعلم الإذن. ولو مما لا يبقى، فقيل: كذلك، والمعتمد أنه لا بأس به إذا لم يعلم النهي صريحاً أو دلالة أو عادة". (رد المحتار، كتاب اللقطة، مطلب فيمن وجد حطباً في نهر: ۴/۲۸۴، سعيد)

(۳) "إن جديا غذي بلبن خنزير، لا بأس بأكله، لأن لحمه لا يتغير، وما غذي به يصير مستهلكاً، لا يبقى له أثر". (فتاوى قاضي خان على الفتاوى العالمكيرية: ۳/۳۵۰، كتاب الصيد والذبائح، رشيديه)

"كما حل أكل جدي غذي بلبن خنزير، لأن لحمه لا يتغير، وما غذي به يصير مستهلكاً، لا يبقى -

دودھ کی قیمت جانچ کر متعین کرنا

سوال[۶۶۹۱]: ۱- ہمارے علاقہ میں رواج ہے کہ لوگ دودھ خریدتے ہیں اور اس کا دام اس طرح طے کرتے ہیں کہ دودھ کا جائزہ لینے کی جو مشین آتی ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آیا دودھ خراب ہے یا اچھا ہے، اگر نمبر نہیں ہوا تو ستر روپے میں کلو ہوتے ہیں۔ اور اگر ڈھائی نمبر نکلا تو سولہ روپیہ اور اگر دو نمبر نکلا تو پندرہ روپے۔ اور اس کو روزانہ نہیں ناپتے، بلکہ مہینہ میں دو تین مرتبہ ناپ لیتے ہیں۔ تو یہ صورت جائز ہے کہ نہیں، اگر جائز نہیں تو کیوں؟

۲- بعض دودھ ایسے بھی ہوتے ہیں کہ پورا پاؤ ناپو ایک ہی سیر کے نکلتے ہیں۔ تو اس صورت کا کیا حکم ہے؟ اور اس کے علاوہ اکثر دودھ ایسے ہیں کہ کبھی اچھے ہوتے ہیں، کبھی پانی ملے ہوئے ہوتے ہیں، دو تین مرتبہ ناپ کر پورے مہینہ کا اسی طرح شمار کر کے پیسے متعین کئے جاتے ہیں۔ تحریر فرماویں کہ اس طرح خریداری جائز ہے کہ نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱، ۲- عقد بیع کرتے وقت قیمت کا معلوم ہونا ضروری ہے، قیمت مجہول ہونے سے بیع صحیح نہیں ہوتی ہے۔ صورتِ مسئولہ میں وقتِ عقد قیمت معلوم و متعین نہیں، بلکہ متردد ہے اس لئے یہ بیع صحیح نہیں۔ خریدتے وقت روزانہ ہی ناپ لیا جائے اور اسی وقت قیمت تجویز ہو جائے، یا پھر ایک دفعہ ناپ کر کہہ دیا جائے کہ مہینہ بھر تک اسی قیمت سے لیں گے تب بھی درست ہے:

ویمکن أن یقضی بصحة الاستدلال لعدم الجواز مما في الهندية عن العلامة:

"لو باع علی أنه بالنقد هكذا وبالنسيئة هكذا، أو إلی شهر كذا، أو إلی شهرين ...

---

(۱) كذا في الدر المختار مع رد المحتار: ۶/۳۴۴، كتاب الحظر والإباحة، سعيد

(و كذا في البزازية: ۶/۳۰۳، كتاب الصيد، نوع في الجلالة، رشيدية)

(و كذا في الفتاوى العالمكيرية: ۵/۴۱۰، كتاب الأضحية، الباب الثالث، رشيدية)

سکتا، فلایجوز(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۶/۵/۹۰ھ۔

دوسروں کا جو تیل بچ گیا ہے وہ تیلی سے خریدنا

سوال [۷۵۰۲]: تیلی سے تیل خریدنا جو غلط ملط تیل نکالنے والوں سے بچا کھچا اکٹھا کرتا ہے، یا کٹ نٹ کرلیتا ہو، اس کے ساتھ جائز تیل بھی ملا ہوا ہوگا، وہ فروخت کرتا ہے۔ اس سے لینا جائز ہے یا نہیں؟

بندہ نور محمد، مدرس مدرسہ فورٹ پور، تحصیل منچن آباد، ریاست بہاولپور۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہ سرقہ کرکے دوسروں کا تیل فروخت کرتا ہے تو اس کا خریدنا جائز نہیں(۲)۔ اگر اپنا ذاتی بھی اس

---

(۱) (الفتاوی العالمکیریۃ: ۱۲۴/۳، کتاب البیوع، الباب العاشر فی الشروط التی تفسد البیع، رشیدیہ)

"وقد فسر بعض أهل العلم، قالوا: بيعتين في بيعة أن يقول: أبيعك هذا الثوب بنقد بعشر وبنسيئة بعشرين، ولايفارقه على أحد البيعين". (جامع الترمذي: ۲۳۳/۱، كتاب البيوع، باب النهي عن بيعتين، سعيد)

"وإذا عقد العقد على أنه إلى أجل كذا بكذا وبالنقد بكذا، أو (قال) إلى شهر بكذا، أو إلى شهرين بكذا، فهو فاسد؛ لأنه لم يعاطه على ثمن معلوم، ولنهي النبي صلى الله عليه وسلم عن شرطين في بيع، وهذا هو تفسير الشرطين في بيع، ومطلق النهي يوجب الفساد في العقود الشرعية، وهذا إذا افترقا على هذا". (المبسوط للسرخسي: ۹/۱۳، باب البيوع الفاسدة، غفاريه كوئٹه)

"وأما البطلان فيما إذا قال: بعتكه بألف حالاً وبألفين إلى سنة، فلجهالة الثمن". (فتح القدير: ۲۲۲/۶، كتاب البيوع، مصطفى البابي الحلبي مصر)

"يلزم أن يكون الثمن معلوماً، فلو جهل الثمن، فسد البيع". (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۱۲۲، رقم المادة: ۲۳۸، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(۲) "قال عليه الصلاة والسلام: "من اشترى سرقةً وهو يعلم أنها سرقة، فقد شرك في عارها وإثمها". (فيض القدير: ۱۱/۵۱۵۴، رقم الحديث: ۸۳۴۳، مكتبه نزار مصطفى الباز رياض)

"لا يحل للمسلم أن يشتري شيئاً يعلم أنه مغصوب، أو مسروق، أو مأخوذ من صاحبه بغير حق، لأنه بذلك يعين الغاصب أو السارق أو المعتدي على غصبه وسرقته وعداوته. قال رسول الله -

میں مخلوط ہوتا ہے تو خلط کی وجہ سے وہ مالک ہوجاتا ہے(۱)، لیکن قبل ادائے ضمان اس کو اس میں بیع وغیرہ کا تصرف ناجائز ہوتا ہے(۲)۔ تاہم اگر کوئی خریدے گا تو وہ مالک ہوجائے گا(۳)۔ ویسے ہی خریدنے سے اجتناب احوط ہے(۴)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۵/۵/۶۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۱۸/ جمادی الاولیٰ/۶۶ھ۔

= صلى الله عليه وسلم: "من اشترى سرقة (أي مسروقا) وهو يعلم أنها سرقة، فقد شرك في إثمها وعارها". البيهقي" (الحلال والحرام في الإسلام ليوسف القرضاوي، ص: ۲۱۹، المكتب الإسلامي للطباعة والنشر)

(وكذا في رد المحتار: ۶/۳۸۵، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، سعيد)

(۱) "لو خلط السلطان المال المغصوب بماله ملكه ... لأن الخلط استهلاك إذا لم يمكن تمييزه عند أبي حنيفة رحمه الله، وقوله أرفق بالناس، إذ قلما يخلو مال عن غصب". (الدر المختار)

"(قوله: لأن الخلط استهلاك) بمنزلة أن حق الغير يتعلق بالذمة لا بالأعيان. (قوله: كما في النهر) لأنا نقول: إنه لما خلطها ملكها، وصار مثلها دينا في ذمته لا عينها". (رد المحتار: ۲/۲۹۰، ۲۹۱، كتاب الزكوة، باب زكوة الغنم، سعيد)

(۲) "مات وكسبه حرام، فالميراث حلال. ثم رمز وقال: لا نأخذ بهذه الرواية، وهو حرام مطلقا على الورثة. فتنبه. اهـ ح. ومفاده الحرمة وإن لم يعلم أربابه. وينبغي تقييده بما إذا كان عين الحرام، ليوافق ما نقلناه: إذ لو اختلط بحيث لا يتميز يملكه ملكا خبيثا، لكن لا يحل التصرف فيه ما لم يؤد بدله". (رد المحتار: ۵/۹۹، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، مطلب فيما ورث مالا حراما، سعيد)

(۳) "وأما صفة الملك الثابت للغاصب في المغصوب، فلا خلاف بين أصحابنا في أن الملك الثابت له يظهر في حق نفاذ التصرفات، حتى لو باعه أو وهبه أو تصدق به قبل أداء الضمان ينفذ، كما تنفذ هذه التصرفات في المشتري شراء فاسدا". (بدائع الصنائع: ۶/۱۵۰، كتاب الغصب، دار الكتب العلمية بيروت)

(۴) قال عليه الصلوة والسلام: "دع ما يريبك إلى ما لا يريبك". (فيض القدير: ۳/۵۲۹، ۴۲۲۳، وفي المجتبى: ۲/۲۳۴، مكتبة نزار مصطفى الباز رياض)

قربانی سے پہلے ہی کھال فروخت کردینا

سوال [illegible]: یہاں پر مدرسہ اسلامیہ شیر کوٹ کے ممبران نے قربانی ہونے سے قبل ہی قربانی کے جانوروں کے چمڑوں کو بیچ ڈالا۔ یہ بیع جائز ہے یا باطل؟ آیا قربانی کرنے والوں کی قربانی شرعاً جائز ہے یا باطل؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس طرح چمڑہ قربانی کی بیع ناجائز ہے(۱)، قربانی کرنے والوں کی قربانی شرعاً درست ہوگئی۔ شرعی طور پر ذبح کرنے کے بعد جانور کی کھال بغیر دباغت کے بھی فروخت کرنا شرعاً درست ہے(۲)، لیکن اگر جانور مردہ ہے تو اس کی کھال بغیر دباغت کے فروخت کرنا درست نہیں(۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۲/۸۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۲/۸۵ھ۔

---

(۱) "وفسد بيع ما سكت فيه عن الثمن ... وصوف على ظهر غنم. وجوزه الثاني ومالك. وفي السراج: لو سلم الصوف واللبن بعد العقد، لم ينقلب صحيحاً، وكذا كل ما اتصاله خلقي كجلد حيوان ونوى تمر وبزر بطيخ". (الدر المختار مع رد المحتار: ۵/۶۳، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، سعيد)

"وأشار المصنف إلى أن كل ما بيع في غلافه فلا يجوز كاللبن في الضرع والمحم في الشاة الحية أو شحمها أو أليتها أو أكارعها أو جلودها". (البحر الرائق: ۶/۱۳۳، كتاب البيع، باب البيع الفاسد، رشيدية)

(وكذا في فتح القدير: ۶/۲۱۲، باب البيع الفاسد، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۲) "وجلد ميتة قبل دبغها: لأنها لو كانت مذبوحة فباع لحمها أو جلدها، جاز؛ لأنه يطهر بالذكاة، إلا الخنزير". (رد المحتار: ۵/۷۳، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۶/۱۳۳، كتاب البيع، باب البيع الفاسد، رشيدية)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۴/۳۶۹، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، دار الكتب العلمية بيروت)

(۳) "وجلد الميتة قبل الدبغ يعني لا يجوز بيعه ... وبعده يباع". (تبيين الحقائق: ۴/۳۷۷، =

کررہا ہے جو شرعاً ناجائز ہے لکونہ غیر مقدور التسلیم۔

دوسری (خرابی) یہ ہے کہ جس شے پر ابھی تک ملازم کی ملک حاصل نہیں ہوئی تھی، اس کی بیع کررہا ہے، یہ بھی ناجائز ہے "نھی عن بیع ما لا یملک"۔

تیسری خرابی یہ ہے کہ عمر کا تخمینہ خود ایک فرضی چیز ہے جس میں زیادتی کمی کا امکان غالب ہے، اس لئے ایک صورت میں ملازم کے پاس رقم زیادہ آنے کا امکان ہے اور دوسری صورت میں کم کا احتمال ہے، یہ بھی ممنوع ہے لکونہ قماراً۔

چوتھی خرابی یہ ہے کہ اگر معاملہ ثمنین کا ہے تو اس میں یداً بید و مثلاً بمثل ہونا ضروری ہے، وہ یہاں موجود نہیں لہٰذا ناجائز ہے لکونہ ربوا۔

لیکن ملازمت سے سبکدوشی پر تا زیست ملازم کو رقم ماہانہ متعین کرکے بنام حق الخدمت دینا واجب نہیں، بلکہ تبرع ہے، جس پر جبر نہیں کیا جاسکتا، بلکہ اس کا دل چاہے دے، نہ چاہے نہ دے۔ جس طرح ماہانہ رقم دینا تبرع ہے جبر نہیں، اسی طرح یہ بھی اختیار ہے کہ اندازہ کرکے مجموعی رقم یکمشت دیدے۔ یہ درحقیقت احسان ہی کی ایک صورت ہے، اس میں اس لئے اصالۃً نہ بیع ماناپلٹ ہے، نہ بیع بالجنس متحدہ ہے، نہ قمار ہے، نہ ربوا، لہٰذا یہ لین دین شرعاً درست ہے:

ونظیرہ بیع العرایا، قال فی العنایۃ فی شرح الہدایۃ (ص: ۴۱۵، ۶، ہامش فتح القدیر):

"وتاویلھا أن یھب الرجل ثمرۃ نخلۃ من بستانہ لرجل، ثم یشق علی المعری دخول المعری لہ، الخ"۔ (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) (العنایۃ شرح الہدایۃ علی ہامش فتح القدیر: ۶/۴۱۵، کتاب البیوع، باب البیع الفاسد، مصطفی البابی الحلبی مصر)

"قال: معنی ذلک عندنا أن یعری الرجل الرجل نخلۃ من نخلہ، فلا یسلم ذلک إلیہ حتی یبدو لہ، فرخص أن یحبس ذلک ویعطیہ مکانہ بخرصہ تمراً". (فتح القدیر: ۶/۴۱۶، کتاب البیوع، باب البیع الفاسد، مصطفی البابی الحلبی مصر)

"الثالث قول مالک رحمہ اللہ تعالیٰ المشھور، والعرایا عندہ أن یھب الرجل ثمرۃ نخلۃ أو –

فون پر بیع

سوال[۷۷۰۵]: یہاں دوکانیں کافی دور ہیں، فون پر سودا لکھا دیا جب تیار ہو کر پوری بندھ گئی تو ملازم جا کر لاتا ہے۔ حضرت مفتی رشید احمد صاحب نے فرمایا کہ "اگر خریدار بوقتِ وزن مبیع موجود نہ ہوں تو اس کا ظرف ہونا چاہیے" اور فرمایا کہ "یہ امر تعبدی ہے" (۱)۔ حضرت مفتی شفیع صاحب نے فرمایا: "اگر مشتری کے نزدیک بائع قابلِ اعتماد ہو تو خود موجود ہونا ضروری نہیں ہے" اور ظرف بائع کی طرف سے ہونے کی قید نہیں لگائی، اپنی تحقیق سے مطلع فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس سے بھی آسان طریقہ یہ ہے کہ بیع بشرط الکیل والوزن نہ ہو (۲)، بلکہ یہ کہہ دیا جائے کہ

= نخلات من حائطه لرجل بعينه، ثم يتأذى بدخول موهوب له في حائطه لمكان أهل بيته في الحائط، فيجوز للواهب أن يشترى الثمار المعلقة من الموهوب له بخرصها تمراً ... ... والرابع قول أبي حنيفة رحمه الله تعالى، وتفسير العرايا عنده عين ما فسر به مالك غير أنه يقول: إنه ليس ببيع حقيقة، وإنما هو استبدال موهوب بموهوب آخر قبل أن يقبضه الموهوب له". (تكملة فتح الملهم: ۱/۳۰۸، كتاب البيوع، باب بيع العرايا، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في أحسن الفتاوى، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد والباطل: ۶/۵۱۲، سعيد)

(۱) (أحسن الفتاوى، كتاب البيوع، مروجہ بیوع میں مشتری پر اعادۂ وزن کی تحقیق: ۶/۴۷۱، سعيد)

(۲) لیکن اس صورت میں بیع مجہول ہونے کی وجہ سے بیع فاسد ہو جاتی ہے، اس لئے کہ بیع اگر مثلیات وموزونات کے قبیل سے ہو تو اس کی قدر کا معلوم ہونا ضروری ہے اور اگر قدر معلوم نہ ہو تو مبیع کی طرف اشارہ کرنا ضروری ہے:

"لايصح البيع إلا بمعرفة قدر المبيع والثمن ووصف الثمن إذا كان كل منهما غير مشار إليه، أما المشار إليه فغير محتاج إليهما". (البحر الرائق: ۵/۴۵۹، كتاب البيع، رشيديه)

"والحاصل أن الأعواض إذا كانت غير مشار إليها، سواء كانت ثمناً أو مثمناً يشترط فيها معرفة المقدار في المبيع ومعرفة مقدار الثمن ووصفه". (حاشية الشلبي على تبيين الحقائق: ۴/۲۸۰، كتاب البيوع، دار الكتب العلمية بيروت)

"يشترط أن يكون المبيع معلوماً عند المشتري، لأن بيع المجهول فاسد ... ولهذا لو كان =

اتنے روپے کی فلاں چیز دیدو، ہمارا آدمی آکر لے جائے گا، یا آپ اپنے آدمی کے ہاتھ بھیج دیں، یہ بحث ہی نہ ہو کہ کس نرخ کا ہے، پھر بوری یا تھیلا کسی کا بھی ہو، سب صورت درست ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۵/۹/۹۵ھ۔

غیر مسلم کا نابالغ بھتیجے کی زمین فروخت کرنا

سوال [۷۶۹۹]: ایک غیر مسلم کا لڑکا نابالغ جس کا باپ مرچکا ہے، اس لڑکے کے حقیقی چچا موجود ہیں، چچا اپنی زمین اور اس لڑکے کے باپ کی زمین دونوں کو فروخت کرنا چاہتا ہے، ایک مسلمان شخص کے ہاتھ چچا کو بیچنا جائز نہیں، یہ بیع جائز ہے یا نہیں، مسلمان خرید سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر ان کے مذہب میں چچا کو حق ہے کہ بھتیجے کی زمین کو ولی ہونے کی حیثیت سے فروخت کردے تو مسلمان کو اس کا خریدنا درست ہے، ورنہ نہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۹/۱۰/۶۲ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۱۰/شوال/۶۲ھ۔

بیع مجہول سے متعلق بہشتی زیور کے حاشیہ پر ایک اشکال

سوال [۷۷۰۰]: بہشتی زیور اختری پانچواں حصہ بیع کے مسائل نمبر ۳ (۲) پر ایک حاشیہ جناب کا

= "المبیع غیر مشار إلیہ، لو جنسہ ونوعہ وقدرہ ووصفہ بما یرفع الجہالۃ الفاحشۃ". (شرح المجلۃ لسلیم رستم باز، ص: ۹۷، (رقم المادۃ: ۲۰۰)، مکتبہ حنفیہ کوئٹہ)

(وکذا فی رد المحتار: ۵۳۰/۴، کتاب البیوع، سعید)

(۱) "ولو قہر الحربي بعض أحرارهم، فإذا بیعهم من المسلمین بعقد: إن کان بحکم عندهم أن من قهر منهم صاحبه نفذ ملکه، جاز الشراء، وإلا فلا". (النہر الفائق، کتاب الجہاد، باب المستأمن: ۲۲۸/۳، رشیدیہ)

(۲) حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"مسئلہ: خربوزوں یا ایک روپیہ کے اتنے بیر بھی لیتے ہیں مگر گنتی وتعداد جس کی =

ہے، "ع" نشان دے کر بظاہر آپ کے حاشیہ کا مطلب متن کی عبارت سے میل نہیں کھاتا، کیونکہ متن میں تین سیر اور پندرہ سیر کے الفاظ صاف درج ہیں اور آپ نے لکھا ہے کہ "نرخ نہیں ہوا، بات گول مول رہ گئی"۔ ذرا اس کو دیکھ لیجئے، اگر مناسب ہو تو درست کر دیا جائے، ورنہ میری جسارت معاف فرما کر مجھے اس کی مختصر وضاحت لکھ بھیجی جائے۔

خادم سراج الحق مچھلی شہری، گورنمنٹ کالج، اسلام پور۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

عبارت حاشیہ بالکل متن کے مطابق ہے، متن میں دو صورتیں بیان کی گئی ہیں: ایک جواز کی جس میں نقد یا ادھار کی تعیین ہو جائے، دوسری عدم جواز کی جس میں نقد یا ادھار کی تعیین نہ ہو کہ "نقد لے گی" یا "ادھار"، اسی کے حاشیہ پر ہے کہ: "بات گول مول رہ گئی، نہ یہ طے ہوا کہ ادھار لے گی، نہ یہ طے ہوا کہ نقد لے گی"۔ اور اسی تعیین نقد ونسیہ وعدم تعیین نقد ونسیہ پر جواز وعدم جواز کا مدار ہے، اسی تعیین وعدم تعیین سے نرخ کی تعیین وعدم تعیین مراد نہیں، کیونکہ نرخ دونوں صورتوں میں تین سیر اور پندرہ سیر متعین ہے۔

اور عربی عبارت جو حاشیہ پر ہدایہ سے نقل کی ہے: "وإنما لم يجز لأنه إذا قال: بعتك بألف حالاً الخ"۔

اس میں عدم جواز کی علت جہالت ثمن کو قرار دیا ہے، حالانکہ اس میں "الف" اور "الفین" کے الفاظ صاف درج ہیں، لیکن چونکہ حالاً یا الی سنۃ کی تعیین نہیں ہوئی اس لئے ثمن کی بھی تعیین نہیں ہوئی۔

اسی طرح متن میں چونکہ نقد یا ادھار کی تعیین نہیں ہوئی، بات گول مول رہ گئی، اس لئے کہا جائے گا کہ تین سیر یا پندرہ سیر کی بھی تعیین نہیں ہوئی کہ کس نرخ سے بیع ہوئی ہے، لہٰذا اس طرح بیع ناجائز ہے۔ ہاں! اگر یہ طے ہو جائے کہ نقد ہے یا ادھار ہے تو بیع درست ہے۔ امید ہے کہ اشکال حل ہو کر انطباق حاشیہ بالمتن واضح

وجہ سے اس نے روپیہ کے پندرہ سیر گیہوں دیئے تو بیع درست ہے، مگر اسی وقت معلوم ہو جانا چاہیے کہ ادھار مول لے گی"۔ (بہشتی زیور)

اور حاشیہ میں ہے: "مطلب یہ ہے کہ اگر اسی مجلس میں یہ طے ہو گیا کہ ادھار لے گی یا نقد تو جائز ہے اور اگر یہ طے نہ ہوا اور بات یونہی گول مول رہ گئی تو جائز نہیں"۔ (بہشتی زیور، حصہ پنجم، ص: ۵۶، عنوان: "ادھار لینے کا بیان"، دارالاشاعت)

ہوجائے گا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۹/رجب/۶۲ھ۔

بازار سے پھل خریدتے وقت تحقیق کی ضرورت

سوال [۷۷۹۸]: آج کل جو آم بازاروں میں فروخت ہوتے ہیں ان کے متعلق معلوم نہیں کہ خریدار نے جو باغ خریدا ہے کس وقت خریدا ہے، آیا زمانہ کو ہر میں خریدا ہے ایسی حالت میں بازار سے آم خرید کر کھانا جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر یہ تحقیق اور ظنِ غالب ہو کہ بائع نے بیع باطل سے خریدا ہے تو اس کا خریدنا ناجائز ہے، اگر اس کی تحقیق یا ظن غالب نہ ہو تو اس کے خریدنے میں گنجائش ہے:

"ویحمل فعل المسلم علی الصحة والحل واجب ما أمکن، إلا أن تقوم البینة". اھ".

مبسوط سرخسی: ۱۷/۷۲(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۲۲/جمادی الاولیٰ/۶۵ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) "ثم أحد في المبسوط، وبمعناه في القواعد الفقهية: "أمور المسلمين على السداد حتى يظهر غيره"، من مسائله أن من باع درهما ودينارا بدرهمين ودينارين جاز البيع، ويصرف الجنس إلى خلاف جنسه تحريا للجواز حملا لحال المسلم على الصلاح، إلا إذا نص: أن المقابل بالدرهم والدينار بالدينار فإنه يفسد البيع". (القواعد الفقهية، رقم القاعدة: ۵۲، ص: ۶۳، الصدف پبلشرز)

الفصل الثالث في البيع المكروه

(بیع مکروہ کا بیان)

نشہ آور چیزوں کی خرید وفروخت

سوال [۷۷۵۹]: افیون اور اسپورٹ اور اس جیسی نشہ آور اشیاء مثلاً گانجہ وغیرہ کی تجارت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر ان کو دوا استعمال کیا جائے خارجاً یا داخلاً جائز ہے یا نہیں؟

شریف احمد کمرہ نمبر ۵، مسجد اعظم گڑھ، دہلی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

چار قسم کی شراب تو حرام ہے (۱)، اس کی تجارت بھی حرام ہے (۲)۔ اور اس کے علاوہ جو چیز نشہ

---

(۱) "الأشربة المحرمة أربعة: الخمر، وهي عصير العنب إذا غلا واشتد أو قذف بالزبد، والعصير إذا طبخ حتى يذهب أقل من ثلثه. ونقيع التمر، وهو السكر. ونقيع الزبيب إذا اشتد وغلا". (الهداية: ۴/۴۹۴، كتاب الأشربة، مكتبه شركت علميه ملتان)

(وكذا في البحر الرائق: ۸/۳۹۹، كتاب الأشربة، رشيديه)

(وكذا في رد المحتار: ۶/۴۴۸، كتاب الأشربة، سعيد)

(۲) "إن الذي حرم شربها، حرم بيعها وأكل ثمنها". (الهداية: ۴/۴۹۱، كتاب الأشربة، مكتبه شركت علميه ملتان)

"ولا يجوز بيعها، لحديث مسلم: "الذي حرم شربها، حرم بيعها"". (الدر المختار مع رد المحتار: ۶/۴۴۹، كتاب الأشربة، سعيد)

(وكذا في فتاوى قاضي خان على الفتاوى العالمكيرية: ۳/۴۴۳، كتاب الأشربة فصل في معرفة الأشربة، رشيديه)

آور ہیں، ان کا استعمال بطور دوا اتنی مقدار میں کہ نشہ نہ ہو بوقت ضرورت جائز ہے (۱)، اور ان کی تجارت حرام نہیں البتہ مکروہ ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۸/۲/۹۰ھ۔

افیون وغیرہ کی بیع

سوال [۸۰۰۱]: گانجہ (۳)، بھنگ، افیون کی تجارت کیسی ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

گانجہ، بھنگ، افیون کی تجارت مکروہ تحریمی ہے، لیکن اگر کسی نے کرلیا تو بیع صحیح ہو جائے گی،

---

(۱) "ونقل البنج ونحوه من الجامدات إنما يحرم إذا أراد به السكر، وهو الكثير منه دون القليل المراد به التداوي ونحوه كالتطيب بالعنبر وجوزة الطيب" (رد المحتار: ۴۲/۴، كتاب الحدود، باب حد الشرب المحرم، سعيد)

(وكذا في الفقه الإسلامي وأدلته، الفصل الخامس: حد الشرب وحد السكر والأشربة، المبحث الرابع: أحكام الأشربة المسكرة غير الخمر: ۵۵۰۲/۷، رشيديه)

(وكذا في البزازية على هامش الفتاوى العالمكيرية: ۱۲۶/۶، كتاب الأشربة، رشيديه)

(۲) "وصح بيع غير الخمر مما مر، ومفاده صحة بيع الحشيشة والأفيون. قلت: وقد سئل ابن نجيم عن بيع الحشيشة: هل يجوز؟ فكتب: لا يجوز. فيحمل على أن مراده بعدم الجواز عدم الحل." (الدر المختار). "(قوله: وصح بيع غير الخمر): أي عنده، خلافاً لهما في البيع والضمان، لكن الفتوى على قوله في البيع، وعلى قولهما في الضمان إن قصد المتلف الحسبة، وذلك يعرف بالقرائن، وإلا فعلى قوله، كما في التتارخانية وغيرها. ثم إن البيع وإن صح لكنه يكره" (رد المحتار: ۴۵۴/۶، كتاب الأشربة، سعيد)

لیکن یہ اس صورت میں مکروہ ہے کہ فروخت کنندہ کو معلوم ہو کہ خریدار ان کو نشہ کے طور پر استعمال کرے گا، اور اگر معلوم نہ ہو تو جائز ہے: كما سيأتي تخريجه تحت المسئلة الآتية، فليراجع، ص: ۱۲۲، رقم الحاشية: ( )

(۳) "گانجا: بھنگ کا پودا، ایک نشہ آور درخت کا نام جس کے بیج چلم میں رکھ کر پیتے ہیں"۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۰۴۹، فیروز سنز، لاہور)

"(وصح بیع غیر الخمر): أي عنده، خلافاً لهما في البیع والضمان، لکن الفتویٰ علی قوله في البیع، وعلی قولهما في الضمان إن قصد المتلف الحسبة، وذلک یعرف بالقرائن، وإلا فعلی قوله، کما في التاتارخانیة وغیرها. ثم إن البیع وإن صح لکنه یکره، کما في الغایة". شامی(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۷/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۷/۸۸ھ۔

---

(۱) (رد المحتار: ۶/۴۵۳، کتاب الأشربة، سعید)

لیکن یہاں صورت میں مکروہ تحریمی ہے کہ فروخت کنندہ کو یہ معلوم ہو کہ خریدار مذکورہ چیزوں کو ناجائز طور پر استعمال کرے گا۔ اور اگر فروخت کنندہ کو یہ معلوم ہو کہ خریداران کو جائز طور پر استعمال نہیں کرے گا، یا خریدار کے استعمال کے متعلق کچھ معلوم نہ ہو کہ وہ ان چیزوں کو کس طرح استعمال کرے گا، یا یہ معلوم ہو کہ خریداران کو دوبارہ بیچ دے گا تو ان صورتوں میں مذکورہ چیزوں کی خرید و فروخت بلا کراہت جائز ہے۔ البتہ اگر حکومت کی طرف سے مذکورہ چیزوں کی خرید و فروخت پر پابندی ہو تو اس کی خلاف ورزی کرنا جائز نہیں:

"ثم السبب ... إن لم یکن محرکاً وداعیاً بل موصلاً محضاً، وهو مع ذلک سبب قریب بحیث لا یحتاج في إقامة المعصیة به إلی إحداث صنعة من الفاعل، کبیع السلاح من أهل الفتنة وبیع العصیر ممن یتخذه خمراً، فکله مکروه تحریماً بشرط أن یعلم به البائع والآجر من دون تصریح به باللسان، فإنه إن لم یعلم کان معذوراً". (جواهر الفقه، تفصیل الکلام في مسئلة الإعانة علی الحرام، عنوان: السابع المسبب وأحکامه ۲/۴۵۳، مکتبة دار العلوم کراچی)

"یجوز بیع العصیر ممن یعلم أنه یتخذه خمراً؛ لأن المعصیة لا تقوم بعینه بل بعد تغیره". (الدر المختار). "(قوله: ممن یعلم) فیه إشارة إلی أنه لو لم یعلم، لم یکره بالاتفاق" (رد المحتار: ۶/۳۹۱، کتاب الحظر والإباحة، فصل في البیع، سعید)

"(ویجوز بیع العصیر ممن یتخذه خمراً): أي من ذمي، فلو من مسلم، کره بالاتفاق؛ لأنه إعانة علی المعصیة، ومفاده أنه إن لم یعلم ذلک، لم یکره بلا خلاف". (الدر المنتقی علی هامش مجمع الأنهر: ۴/۲۱۲، کتاب الکراهیة، فصل في البیع، غفاریه کوئٹه)

"أن العصیر ممن یتخذه خمراً إن قصد به التجارة، فلا تحرم. وإن قصد به لأجل التخمیر، =

افیون کی تجارت اور اس کی آمدنی کا حکم

سوال[۷۶۰۰]: ہمارے علاقے میں قومی طور سے ہمارے گاؤں میں لوگ افیون کا کاروبار کرتے ہیں، اسی کاروبار سے جو رقم حاصل ہوئی زمین، کھیت اور باغ خریدے، اب ان میں کاشت بھی ہوتی ہے اور افیون کا کاروبار بھی جاری ہے۔ کیا ایسے لوگوں کی آمدنی درست ہے؟ ان کے یہاں کھانا کیسا ہے؟ اگر افیون کی کمائی سے مسجد، مدرسے یا دینی مدارس میں چندہ دیں تو کیسا ہے؟

حافظ رفیق محمد ظفر، دھن پور۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

افیون کی تجارت مکروہ ہے(۱)۔ افیون کی آمدنی سے جو زمین خرید کر اس میں کاشت کرتے ہیں، اس کاشت کی آمدنی کو حرام نہیں کہا جائے گا(۲)، اسی آمدنی سے چندہ لینا بھی درست ہے اور ان کے یہاں کھانا

— حرم". (شرح الأشباه والنظائر، الفن الأول، مباحث النية: ۱/۹۰، باب البيع الفاسد، إدارة القرآن كراتشي)

"وشرب المسبح للتداوي لا بأس به". (البزازية على هامش الفتاوى العالمكيرية: ۶/۴۲۲، كتاب الأشربة، رشيديه)

(وكذا في المبسوط للسرخسي، كتاب الأشربة: ۲۴/۹، غفاريه كوئٹه)

(وكذا في رد المحتار: ۴/۴۲، باب حد الشرب، سعيد)

(۱) (راجع، ص: ۱۲۲، رقم الحاشية: ۱)

(۲) "وإنما طاب للبائع ما ربح في الثمن ... لا يطيب للمشتري: أي ما ربح في بيع يتعين بالتعيين بأن باعه بأزيد". (الدر المختار). "(قوله: بأن باعه بأزيد) تصوير لظهور الربح، فلا يطيب له ذلك لأنه عما اشترى به. وأفاد أن ذلك في أول عقد، وأما إذا أخذ الثمن وتجر وربح بعده أيضاً يطيب له لعدم التعين في العقد الثاني". (رد المحتار: ۵/۹۸، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، سعيد)

"ومن اشترى جارية بيعاً فاسداً وتقابضا وباعها وربح فيها، تصدق بالربح. وإن اشترى البائع بالثمن شيئاً وربح فيه، طاب له الربح". (الفتاوى العالمكيرية: ۳/۱۴۴، كتاب البيوع، الباب العشرون في البياعات المكروهة، رشيديه)

(وكذا في ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد: ۳/۹۰، رشيديه)

بیچنا بھی درست ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

افیون کی بیع اور کاشت

سوال [۷۶۰۲]: افیون کی کاشت کرنا کیسا ہے؟ نیز اس کی تجارت کے لئے کیا حکم ہے، اس کا حکم بحکم شراب ہے یا اس سے جدا ہے؟ بالتفصیل بیان فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

افیون کا کھانا حرام ہے، مگر یہ اس کی حرمت شراب کی حرمت سے کم درجہ کی ہے، یہی وجہ ہے کہ اگر اسلامی حکومت ہو تو شراب پینے والے پر حد جاری کی جاتی ہے (۱) اور افیون کھانے والے پر حد جاری نہیں کی جاتی ہے، البتہ تعزیری سزا دی جاتی ہے:

"ویحرم أکل البنج والأفیون والحشیشة لکن دون حرمة الخمر، فإن أکل شیئاً من ذلک، لاحد علیه وإن سکر، بل یعزر بما دون الحد". شامی ودرمختار (۲)۔

کاشت تو تجارت کی جاتی ہے، اس میں کوئی حرج نہیں، اس کی تجارت بھی جائز ہے (۳)۔ البتہ اس

= (وکذا فی تبیین الحقائق: ۴/۳۰۲، کتاب البیوع، باب البیع الفاسد، دارالکتب العلمیة بیروت)

(۱) "یحد مسلم ناطق مکلف شرب الخمر ولو قطرة أسکر من نبیذ طوعاً". (الدرالمختار، کتاب الحدود، باب حد الشرب المحرم: ۴/۳۷، سعید)

(۲) (الدرالمختار مع ردالمحتار، کتاب الأشربة: ۶/۴۵۸، سعید)

"الحرمة أکل بنج وحشیشة وأفیون، لکن دون حرمة الخمر، ولو سکر بأکلها، لایحد، بل یعزر". (ردالمحتار: ۴/۴۲، کتاب الحدود، باب حد الشرب، سعید)

"ویحرم أکل البنج والحشیشة والأفیون لکن دون حرمة الخمر، فإن أکل شیئاً من ذلک، لاحد علیه، بل یعزر بمادون الحد". (الدرالمنتقی علی هامش مجمع الأنهر: ۴/۳۵۵، کتاب الأشربة، غفاریه کوئٹه)

(۳) "وجاز بیع العصیر من خمار؛ لأن المعصیة لاتقوم بعینه، بل بعد تغیره ..... ولأن العصیر یصلح للأشیاء کلها جائزة شرعاً، فیکون الفساد علی اختیاره". (البحر الرائق: ۸/۳۷۴، کتاب الکراهیة ...

سے افیون نکال کر اس کی تجارت کروہ ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۸/۵/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ۔

بوڈی کی بیع

سوال[۷۸۰۳]: بوڈی کی بیع وشراء جائز ہے یا نہیں؟ بوڈی کی اصل یہ ہے کہ ایک درخت جس سے کہ تیم نکلتی ہے، اس میں پھول آتا ہے، اس کو بوڈی بولتے ہیں۔ اس کے پینے سے معمولی نشہ آتا ہے، چائے کی طرح اس کو پیا جاتا ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر بوڈی نشہ ہی کے لئے استعمال ہو، دوسرا کوئی فائدہ اس سے نہ ہو تو اس کی بیع مکروہ ہے اگرچہ نشہ اس سے تھوڑا ہی ہوتا ہو(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/۹/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، ۱۲/۱۱/۸۸ھ۔

= فصل في البيع، رشيديه)

"ويجوز بيع العصير ممن يتخذ خمراً؛ لأن المعصية لا تقوم بعين العصير، بل بعد تغيره، فصار عند العقد كسائر الأشربة من عسل ونحوه". (مجمع الأنهر: ۴/۲۱۴، كتاب الكراهية، فصل في البيع، غفاريه كوئته)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۷/۶۲، كتاب الكراهية، فصل في البيع، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الأشباه والنظائر: ۱/۹۷، الفن الأول: مباحث النية، إدارة القرآن كراچي)

(۲) (راجع ص: ۱۲۳، رقم الحاشية: ۱)

(۳) "ثم السبب ... إن لم يكن محركاً وداعياً، بل موصلاً محضاً، وهو مع ذلك سبب قريب بحيث لا يحتاج في إقامة المعصية به إلى إحداث صنعة من الفاعل، كبيع السلاح من أهل الفتنة وبيع العصير ممن يتخذه خمراً ... فكله مكروه تحريماً بشرط أن يعلم به البائع والآخر من دون تصريح به باللسان. فإنه إن لم يعلم كان معذوراً". (جواهر الفقه، باب تفصيل الكلام في مسئلة الإعانة على =

تمباکو میں ریتی ملا کر فروخت کرنا

سوال [۸۰۰۴]: زید مدت سے تمباکو کی تجارت کرتا ہے۔ پہلے ہر جنس کا نرخ ارزاں تھا اس لئے تمباکو میں صرف شیرہ ملا کر فروخت کرتے تھے، اس وقت تمباکو دو سیر کرکے بھی مزدوری اچھا آجاتی تھی، لیکن جب سے ہر چیز کی گرانی ہوئی ہے، ہر طرح کی دشواری ہوگئی ہے، تمباکو پر سرکاری ٹیکس اور تاوان اور زیادہ ہوگیا، اس لئے زید بمجبوری تمباکو میں ریتی ملا کر ۲/ سیر کے نرخ سے فروخت کر رہا ہے۔ اس کے سوا خالص تمباکو بھی بیچتا ہے، چونکہ اس کا نرخ مہنگا ہے، اس لئے اس کی بکری بہت کم ہوتی ہے۔ اکثر خریداروں کو ریتی کا ملانا بھی معلوم ہوگیا ہے، تاہم اسی کو زیادہ خریدتے ہیں۔ لیکن یہ تجارت شرعاً درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر خریداروں پر ظاہر کردیتا ہے کہ اس میں ریتی ملی ہوئی ہے، یہ دھوکہ نہیں تو درست ہے(۱)۔ اور اگر اس کو خالص کہہ کر فروخت کرتا ہے تو یہ دھوکہ ہے جو ناجائز ہے اور گناہ ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی۔

= الحرام، عنوان: اکساب الحرام وأحكامه، ۲/ ۵۶۳، مكتبة دار العلوم كراتشي)

"ويجوز بيع العصير ممن يتخذه خمراً، أي من ذمي، فلو من مسلم، كره بالاتفاق؛ لأنه إعانة على المعصية. ومفاده أنه لو لم يعلم ذلك، لم يكره بلا خلاف" (الدر المنتقى على هامش مجمع الأنهر: ۴/ ۱۹۳، كتاب الكراهية، فصل في البيع، غفاريه كوئته)

(۱) قال الله تعالى: ﴿يا أيها الذين آمنوا لا تأكلوا أموالكم بينكم بالباطل إلا أن تكون تجارة عن تراض منكم﴾ (سورة النساء: ۲۹)

(۲) "عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم مرّ برجل يبيع طعاماً، فسأله: "كيف تبيع؟" فأخبره، فأوحي إليه أن "أدخل يدك فيه". فأدخل يده، فإذا هو مبلول، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "ليس منا من غش". (بذل المجهود: ۵/ ۲۴۳، كتاب الإجارة، باب في النهي عن الغش، إمداديه ملتان)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم مر على صبرة طعام، فأدخل يده فيها، فنالت أصابعه بللاً، فقال: "ما هذا يا صاحب الطعام؟" قال: أصابته السماء يا رسول الله =

آلاتِ لہو کی بیع

سوال[۵۰۸۶]: زید ایک دوکان کھولنا چاہتا ہے جس میں اس قسم کا سامان لگا کر فروخت کرے گا کہ جس سے طبل ومزامیر تیار ہوتے ہیں، مثلاً: چادر چکل کی کرنس سے باجے بجتے ہیں، اس قسم کا دیگر سامان جس سے باجے تیار ہوتے ہیں۔ اور ایسے موقع اور مقام پر کھولنا چاہتا ہے کہ جہاں پر باجے بہت بجتے ہیں اور بازار بھی باجوں کا ہے۔ تو اس قسم کے سامان کی دوکان ایسے موقع پر کھولنا جائز ہے اور مکروہ تو نہیں ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

"ويكره تحريماً بيع السلاح من أهل الفتنة إن علم؛ لأنه إعانة على المعصية، وبيع ما يتخذ منه كالحديد ونحوه". درمختار. "(قوله: لأنه إعانة على المعصية)؛ لأنه يقاتل بعينه بخلاف ما لا يقاتل به إلا بصنعة تحدث فيه كالحديد، ونظيره كراهة بيع المعازف؛ لأن المعصية تقام بها عينها، ولا يكره بيع الخشب المتخذة هي منه"(۱)۔

= فقال: "أفلا جعلته فوق الطعام حتى يراه الناس؟ من غش فليس مني". (مشكوة المصابيح، ص: ۲۴۸، كتاب البيوع، باب المنهي عنها من البيوع، الفصل الأول، قديمي)

"لا يحل لمسلم باع من أخيه بيعاً وفيه عيب إلا بينه له". (تبيين الحقائق: ۴/۲۳۵، كتاب البيوع، باب خيار العيب، دار الكتب العلمية بيروت)

(۱) (رد المحتار: ۴/۲۶۸، كتاب الجهاد، باب البغاة، سعيد)

"ويكره بيع السلاح من أهل الفتنة لأنه إعانة على المعصية . وعرف بهذا أنه لا يكره بيع ما لم تقم المعصية به كبيع الجارية المغنية والكبش النطوح والحمامة الطيارة والعصير والخشب الذي يتخذ منه المعازف". (النهر الفائق: ۳/۲۰۸، كتاب الجهاد، باب البغاة، رشيدية)

"ويكره بيع السلاح من أهل الفتنة؛ لأنه إعانة على المعصية، وقيد بالسلاح؛ لأن بيع ما يتخذ منه السلاح كالحديد ونحوه لا يكره، ولا يكره بيع ما يتخذ منه المزامير وهو القصب والخشب". (البحر الرائق: ۵/۲۳۰، باب البغاة، رشيدية)

"ويكره بيع السلاح من أهل الفتنة؛ لأنه إعانة على المعصية، قال الله تعالى: ﴿وتعاونوا على البر والتقوى، ولا تعاونوا على الإثم والعدوان﴾ [المائدة: ۲] وإنما يكره بيع نفس السلاح دون ما لا يقاتل به ...

اس سے معلوم ہوا کہ ایسی جگہ ایسی تجارت کراہت سے خالی نہیں، اگرچہ اس کو بالکل ناجائز بھی نہیں کہا جاسکتا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود۔

ہارمونیم کی تجارت

سوال [۷۸۰۶]: میں ہارمونیم (۱) بنا کر سب جیب خرچ کرتا ہوں، گانا بجاتا نہیں، خود دستکار ہوں۔ یہ کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ہارمونیم گانے بجانے کا آلہ ہے، اس کی تجارت مکروہ ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۸/۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۸/۸۹ھ۔

ریڈیو کی خرید وفروخت اور استعمال

سوال [۷۸۰۷]: زید ریڈیو کا کام کرتا ہے اور گھر پر ریڈیو بھی رکھتا ہے، عمر اس پر اعتراض کرتا ہے کہ ریڈیو رکھنا جائز نہیں۔ سوال یہ ہے کہ ریڈیو کس صورت میں رکھا جاسکتا ہے اور کس صورت میں نہیں رکھا جاسکتا؟

= لا بصنعة كالحديد؛ لأن المعصية تقع بعين السلاح بخلاف الحديد، ألا ترى أن العصير و الخشب الذي يتخذ منه المعازف لايكره بيعه، لأنه لامعصية في عينها". (تبيين الحقائق: ۴/۲۹۰، كتاب السير، باب البغاة، دار الكتب العلمية بيروت)

(۱) ہارمونیم: ایک قسم کا انگریزی باجہ۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۳۲۸، فیروز سنز، لاہور)

(۲) (راجع، ص: ۱۲۶، رقم الحاشية: ۱)

"ويكره بيع السلاح من أهل الفتنة وفي عساكرهم، لأنه إعانة على المعصية ... وإنما يكره بيع نفس السلاح لابيع مالايقاتل به إلابصنعة، ألاترى أنه يكره بيع المعازف ولا يكره بيع الخشب" (الهداية: ۲/۶۰۹، كتاب السير، باب البغاة، إمدادية ملتان)

(وكذا في فتح القدير: ۶/۱۰۸، كتاب السير، باب البغاة، مصطفى البابي الحلبي مصر)

الجواب حامداً ومصلیاً:

ریڈیو کی بیع وحرمت درست ہے، پھر اگر خریدنے والا اس کو غلط استعمال کرتا ہے تو وہ گنہگار ہے، فروخت کرنے والے پر اس کی ذمہ داری نہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۵/۲/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۵/۲/۹۰ھ۔

---

(۱) "لايكره بيع الجارية المغنية والكبش النطوح والديك المقاتل والحمامة الطيارة؛ لأنه ليس عينها منكراً، وإنما المنكر في استعمال المحظور. قلت: لكن هذه الأشياء تقام المعصية بعينها، لكن ليست هي المقصود الأصلي منها، فإن عين الجارية للخدمة مثلاً والغناء عارض، فلم تكن عين المنكر، بخلاف السلاح فإن المقصود الأصلي هو المحاربة به، فكان عينه منكراً إذا بيع لأهل الفتنة فصار المراد بما تقام المعصية به ما كان عينه منكراً بلا عمل صنعة فيه، فخرج نحو الجارية المغنية؛ لأنها ليست عين المنكر". (ردالمحتار: ۲۶۸/۴، كتاب الجهاد، باب البغاة، سعيد)

"رجل آجر بيتاً ليتخذ فيه ناراً أو بيعة أو كنيسة أو يباع فيه الخمر، فلابأس به، وكذا كل موضع تعلقت المعصية بفعل فاعل مختار". (خلاصة الفتاوى: ۳۴۶/۴، ۳۴۷، كتاب الكراهية، الفصل التاسع في المتفرقات، جنس آخر، امجد اکیڈمی لاہور)

"ولابأس بأن يواجر المسلم داراً من الذمي ليسكنها، فإن شرب فيها الخمر، أو عبد فيه الصليب، أو دخل فيها الخنازير، لم يلحق المسلم إثم في شيء من ذلك؛ لأنه لم يواجرها لذلك، والمعصية في فعل المستاجر". (المبسوط للسرخسي: ۳۳/۱۶، كتاب البيوع، باب الإجارة الفاسدة، غفاريه كوئته)

(وكذا في البحر الرائق: ۲۳۰/۵، كتاب السير، باب البغاة، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۱۹۹/۳، كتاب السير، باب البغاة، دار الكتب العلمية بيروت)

البتہ اگر کسی شخص کے بارے میں یقینی پتہ چل جائے کہ وہ اس کو گناہ ہی میں استعمال کرے گا تو ایسے شخص کے ہاتھ فروخت کرنا مکروہ ہے:

"ثم السبب إن لم يكن محركاً وداعياً، بل موصلاً محضاً، وهو مع ذلك سبب قريب بحيث لايحتاج في إقامة المعصية به إلى إحداث صنعة من الفاعل، كبيع السلاح من أهل الفتنة وبيع العصير =

ہے کہ آمدنی زیادہ ہونے کے باوجود کوئی خیر و برکت نہیں ہوتی۔ اللہ کے سامنے رو کر توبہ کریں اور حلال روزی مانگیں خواہ تھوڑی ہی کیوں نہ ہو۔ معمولی مزدوری کرلیں اگر چہ اپنی شان کے خلاف ہو۔

فجر کی سنت اور فرض کے درمیان سورۂ الحمد شریف مع بسم اللہ ۴۱/ بار، اول وآخر درود شریف ۱۱/ بار۔ نماز فجر کے بعد سورۂ ﴿إذا جاء نصر اللہ﴾ ۲۱/ بار، ظہر کے بعد ۳۲/ بار، عصر کے بعد ۲۳/ بار، مغرب کے بعد ۲۴/ بار، عشاء کے بعد ۲۵/ بار پڑھا کریں۔ نیز کوئی ایک وقت مقرر کر کے باوضو قبلہ رو بیٹھ کر درود شریف ۵۰۰/ بار پڑھا کریں، انشاء اللہ روزی فراخت کی ملے گی اور پریشانی دور ہوگی۔ خدائے پاک اپنا فضل فرمائے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/۵/۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/۵/۸۹ھ۔

شراب کے لئے بوتل فروخت کرنا

سوال [۹۰۰۸]: ایک شخص کباڑی کا کام کرتا ہے جیسے پرانا لوہا اور پلاسٹک اور خالی شدہ بوتلیں خریدنے اور بیچنے کا کام کرتا ہے، اس میں شراب کی بھی خالی شدہ بوتلیں آجاتی ہے، وہ بوتل شراب بنانے والے کو فروخت کرتا ہے جس میں شراب ساز دوبارہ شراب بھی فروخت کرتا ہے۔ کیا مذکورہ بالا کام کرنے کے لئے شراب

= الرائق: ۵/۲۳۰، کتاب السیر، باب البغاة، رشیدیہ)

"وكره بيع السلاح من أهل الفتنة؛ لأنه إعانة على المعصية، قال الله تعالى: ﴿وتعاونوا على البر والتقوى، ولا تعاونوا على الإثم والعدوان﴾ [المائدة: ٢]

وإنما يكره بيع نفس السلاح دون ما لا يقاتل به، إلا بصنعة كالحديد؛ لأن المعصية تقع بعين السلاح بخلاف الحديد، ألا ترى أن العصير والخشب الذي يتخذ منه المعازف لا يكره بيعه؛ لأنه لا معصية في عينها". (تبيين الحقائق: ٣/٤٩١، كتاب السير، باب البغاة، دار الكتب العلمية بيروت)

"قلت: وأفاد كلامهم أن ما قامت المعصية بعينه، يكره بيعه تحريماً، وإلا فتنزيهاً، نهر". (الدر المختار). قال ابن عابدين: "(قوله: لأنه إعانة على المعصية)؛ لأنه يقاتل بعينه، بخلاف ما لا يقاتل به إلا بصنعة تحدث فيه كالحديد، ونظيره كراهة بيع المعازف؛ لأن المعصية تقام بها عينها".

(الدر المختار، كتاب الجهاد، باب البغاة: ٤/٢٦٨، سعيد)

کی بوتلیں بیچنا جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر یہ بوتلیں صرف شراب ہی کے لئے استعمال ہوتی ہیں، اور کسی کام میں استعمال نہیں ہوتیں تو ان کو فروخت کرنا ایک حیثیت سے شراب فروخت کرنے والوں اور خریدنے والوں کی اعانت ہے(۱) اور حدیث پاک میں شراب بیچنے والے پر بھی لعنت آئی ہے، خریدنے والے پر بھی لعنت آئی ہے، اگرچہ وہ اس کو پیتا نہ ہو(۲)، اس لئے اس سے پرہیز کیا جائے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۱/۱۳۹۲ھ۔

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿وتعاونوا على البر والتقوى، ولا تعاونوا على الإثم والعدوان﴾ (المائدة: ۲)

"والثالث: بيع أشياء ليس لها مصرف إلا في المعصية، فيستحق بيعها وإجارتها وإن لم يصرح به، ففي جميع هذه الصور قامت المعصية بعين هذا العقد، والعاقدان كلاهما آثمان بنفس العقد، سواء استعمل بعد ذلك أم لا". (جواهر الفقه، تفصيل الكلام في مسئلة الإعانة على الحرام: ۲/۴۴۸، دار العلوم كراچي)

"لكن الإعانة هي ما قامت المعصية بعين فعل المعين، ولا يتحقق إلا بنية الإعانة أو التصريح بها أو تعينها في استعمال هذا الشيء، بحيث لا يحتمل غير المعصية". (جواهر الفقه، تفصيل الكلام في مسئلة الإعانة على الحرام، أقسام التسبب وأحكامه، القسم الثاني: ۲/۴۵۳، دار العلوم كراچي)

"وما كان سبباً لمحظور، فهو محظور". (رد المحتار: ۶/۳۵۰، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، سعيد)

"قال النووي: فيه تصريح بتحريم كتابة المترابيين والشهادة عليهما، وبتحريم الإعانة على الباطل". (مرقاة المفاتيح: ۶/۵۱، كتاب البيوع، باب الربا، الفصل الأول، رقم الحديث: ۲۸۰۷، رشيدية)

(۲) "عن أنس رضي الله تعالى عنه قال: لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم في الخمر عشرة: عاصرها، ومعتصرها، وشاربها، وحاملها، والمحمولة إليه، وساقيها، وبائعها، وآكل ثمنها، والمشتري لها، والمشترى له". (مشكوة المصابيح، ص: ۲۴۲، كتاب البيوع، باب الكسب وطلب الحلال، الفصل الثاني، قديمي)

شراب کی خالی بوتلوں کی بیع

سوال [۷۸۰۱]: شراب کی خالی بوتلوں کو لاکر بیچنا جائز ہے یا نہیں؟ یہ بوتلیں شراب کی کمپنی میں جاتی ہیں اور ان میں شراب بھری جاتی ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

بوتل مالِ متقوم ہے(۱)، اس کا خریدنا اور فروخت کرنا فی نفسہ درست ہے۔ جو شخص اس میں شراب بھرتا ہے وہ اپنے فعل کا خود ذمہ دار ہے(۲)۔ بعض ائمہ نے اس کو بھی منع کیا ہے کہ اس میں بھی ایک قسم کی اعانت علی المعصیۃ ہے، وھو الاحوط(۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۴/۱۴۰۱ھ۔

---

(۱) "والمالیة تثبت بتمول الناس كافة أو بعضهم، والتقوم يثبت بها وبإباحة الانتفاع به شرعاً". (رد المحتار: ۴/۵۰۱، کتاب البیوع، سعید)

(وكذا في شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۷۰، (رقم المادة: ۱۲۶، ۱۲۷)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(۲) "لا يكره بيع الجارية المغنية، والكبش النطوح، والديك المقاتل، والحمامة الطيارة؛ لأنه ليس عينها منكراً، وإنما المنكر في استعماله المحظور". (تبيين الحقائق: ۳/۱۹۴، كتاب السير، باب البغاة، دار الكتب العلمية بيروت)

"ولا بأس بأن يؤاجر المسلم داراً من الذمي ليسكنها، فإن شرب فيها الخمر أو عبد فيها الصليب أو دخل فيها الخنازير، لم يلحق المسلم إثم في شيء من ذلك؛ لأنه لم يؤاجرها لذلك، والمعصية في فعل المستأجر". (المبسوط للسرخسي: ۱۶/۳۹، كتاب البيوع، باب الإجارة الفاسدة، غفارية)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب السير، باب البغاة: ۵/۲۳۰، رشيديه)

(وكذا في رد المحتار: ۴/۲۶۸، كتاب الجهاد، باب البغاة، سعيد)

(۳) "وجاز بيع عصير ممن يعلم أنه يتخذه خمراً؛ لأن المعصية لا تقوم بعينه بل بعد تغيره. وقيل: يكره لإعانته على المعصية" (رد المحتار: ۶/۳۹۱، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، سعيد)

لیکن اگر بائع کو معلوم ہے کہ خریدار اس کو ناجائز کام میں استعمال کرے گا تو اس کے ہاتھ فروخت کرنا مکروہ ہے۔ =

پتنگ کی ڈور اور آتش بازی کی تجارت

سوال [۱۰۶۸۱]: ۱- پتنگ کی ڈور کا کاروبار، اس کی کمائی جائز ہے یا نہیں؟

۲- آتش بازی کا کاروبار، کمائی جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱- ... جو ڈور صرف پتنگ کے کام آتی ہے، اور کسی کام میں نہیں آتی ہے اس کا کاروبار مکروہ ہے(۱)۔

۲- ... یہی حکم آتش بازی کا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/۲/۸۹ھ۔

"لما تسبب إن لم يكن محركاً وداعياً، بل موصلاً محضاً، وهو مع ذلك سبب قريب بحيث لا يحتاج في إقامة المعصية به إلى إحداث صنعة من الفاعل، كبيع السلاح من أهل الفتنة وبيع العصير ممن يتخذه خمراً ..... فكله مكروه تحريماً بشرط أن يعلم به البائع والآجر من دون تصريح به باللسان، فإنه إن لم يعلم كان معذوراً". (جواهر الفقه، باب تفصيل الكلام في مسئلة الإعانة على الحرام، عنوان: أقسام التسبب وأحكامه: ۲/۴۵۳، مكتبة دار العلوم كراچی)

(۱) پتنگ بازی اور آتش بازی کئی مفاسد پر مشتمل ہونے کی وجہ سے ناجائز ہیں، چنانچہ مفتی رشید احمد لدھیانوی رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"پتنگ اڑانا جائز نہیں، اس میں متعدد ذیل مفاسد ہیں:

۱- کبوتر کے پیچھے بھاگنے والے کو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے شیطان فرمایا ہے۔

"عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه أن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم رأى رجلاً يتبع حمامةً فقال: "شيطان يتبع شيطانةً" (أبو داود: ۲/۳۴۳)

کبوتر بازی میں انہماک کی وجہ سے اور دیگر وجوہ سے غفلت کا مفسدہ پتنگ بازی میں بھی پایا جاتا ہے بلکہ یہ حدیث اس کو بھی شامل ہے۔

۲- مسجد کی جماعت بلکہ خود نماز سے ہی غافل ہو جانا، شراب اور جوئے کے حرام ہونے کی وجہ اللہ تعالیٰ نے یہی بیان فرمائی ہے: ﴿ويصدكم عن ذكر الله وعن الصلوٰة﴾۔

۳- پتنگ اکثر مکانوں کی چھت پر کھڑے ہو کر اڑاتے ہوتے ہیں، جس سے آس پاس والے گھروں کی بے پردگی ہوتی ہے۔

(١) قال الله تعالیٰ: ﴿إن المبذرين كانوا إخوان الشياطين﴾ (الإسراء: ٢٧)

"كل لهو المسلم حرام إلا ثلاثة: ملاعبته أهله، وتأديبه لفرسه، ومناضلته بقوسه". (الدر المختار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ٦/٣٩٥، سعيد)

"عن عقبة بن عامر رضي الله تعالى عنه قال: سمعت رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم يقول: ... "كل شيء يلهو به الرجل باطل إلا رميه بقوسه، وتأديبه فرسه، وملاعبته امرأته، فإنهن من الحق". (مشكوة المصابيح: كتاب الجهاد، باب إعداد آلة الجهاد، الفصل الثاني، ص: ٣٣٧، قديمي)

(وكذا في جواهر الفقه، باب أحكام القمار: ٢/٣٥٩)

(وبهشتی زیور، ص: ٤٠٩، حصہ ششم)

(٢) قال الله تعالى: ﴿وتعاونوا على البر والتقوى ولا تعاونوا على الإثم والعدوان﴾ (المائدة: ٢)

"والثالث: بيع أشياء ليس لها مصرف إلا في المعصية، فيتمحض بيعها وإجارتها وإن لم يصرح بها، ففي جميع هذه الصور قامت المعصية بعين هذا العقد، والعاقدان كلاهما آثمان بنفس العقد، سواء استعمل بعد ذلك أم لا". (جواهر الفقه، تفصيل الكلام في مسئلة الإعانة على الحرام: ٢/٤٤٣، دار العلوم كراچی)

"لكن الإعانة هي ما قامت المعصية بعين فعل المعين، ولا يتحقق إلا بنية الإعانة أو التصريح بها أو تعينها في استعمال هذا الشيء بحيث لا يحتمل غير المعصية" (جواهر الفقه، تفصيل الكلام في مسئلة الإعانة على الحرام، أقسام التسبب وأحكامه، القسم الثاني: ٢/٤٥٢، دار العلوم كراچی)

"وما كان سبباً لمحظور، فهو محظور" (رد المحتار: ٦/٣٥٠، كتاب الحظر والإباحة، فصل في اللبس، سعيد)

"قال النووي: فيه تصريح بتحريم كتابة المترابيين والشهادة عليهما، وبتحريم الإعانة على الباطل" (مرقاة المفاتيح: ٦/٥١، كتاب البيوع، باب الربا، الفصل الأول، رقم الحديث: ٢٨٠٧، رشيدية)

بنا بریں صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کا قول معمول بہ ہے، کیونکہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ ان جیسے مسائل کے متعلق علت کا قول منقول ہے۔

"ويجوز بيع البربط والطبل والمزمار والدف والنرد وأشباه ذلك في قول أبي حنيفة رحمه الله تعالى، وعندهما لا يجوز بيع هذه الأشياء قبل الكسر" (الفتاوى العالمكيرية: ٣/١١٦، كتاب ...

مسلمانوں کے لئے سادھوؤں کے لباس کا کاروبار کرنا

سوال [۷۸۱۴]: ہمارے ملک برما میں ہندو مسلم مشترک آبادی ہے، اور ہندوؤں کے ہاں ایک رسم رائج ہے، وہ یہ کہ جب ان میں کا کوئی اولاد بعد بلوغ کو پہنچ جاتی ہے تو اس کے سر کو منڈوا دیتے ہیں اور ایک کپڑا بغیر کٹنی (۱) کے بمقدار تیرہ ہاتھ لمبائی کے ہلدی سے رنگ کر اس لڑکے کو پہنا دیتے ہیں۔ پہنانے کے بعد کسی مندر کے سادھو کو دیتے ہیں، اس قسم کے کپڑا کو برمی زبان میں "پھونگی تنگا" (سادھو کا لباس) کہتے ہیں۔ پھونگی بمعنی "سادھو"۔ چاؤں بمعنی "مندر"۔ اور یہ لباس مذکور سوائے سادھوؤں کے کوئی استعمال نہیں کرتا۔

اس قسم کا کپڑا مسلمانوں کو خرید وفروخت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ جو کہ خاص سادھوؤں کے شعار میں سے ہے؟ بینوا بالدلیل والتفصیل وتوجروا بأجر جزیل۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

کپڑا کی خرید وفروخت مسلمانوں کے لئے شرعاً درست ہے، پھر کفار اس کو خرید کر اور رنگ کر جس طرح اور جس کام کے لئے چاہیں استعمال کریں، مسلمانوں پر اس کی کوئی ذمہ داری نہیں (۲)۔ اور مخصوص طور پر

= البیوع، الباب التاسع فیما یجوز بیعہ وما لا یجوز، الفصل الخامس فی بیع المحرم الصید وفی بیع المحرمات، رشیدیہ)

(وکذا فی المحیط البرہانی فی الفقہ النعمانی: ۳۰۳/۷، کتاب البیوع، الفصل السادس فیما یجوز وما لا یجوز بیعہ، نوع آخر فی بیع المحرمات، غفاریہ کوئٹہ)

(۱) "کٹنی: قینچی کے چلنے کا نشان جو دوسرے کی کنی کی طرح ہوتا ہے، وہ بے آستین کرتا جو مردے کو پہناتے ہیں"۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۰۰۵، فیروز سنز لاہور)

(۲) "لا یکرہ بیع الجاریۃ المغنیۃ، والکبش النطوح، والدیک المقاتل، والحمامۃ الطیارۃ؛ لأنہ لیس عینہا منکراً، وإنما المنکر فی استعمالہ المحظور". (تبیین الحقائق: ۴۹۱/۳، باب البغاۃ، دار الکتب العلمیۃ بیروت)

"رجل آجر بیتاً لیتخذ فیہ ناراً أو بیعۃ أو کنیسۃ، أو یباع فیہ الخمر، فلا بأس بہ، وکذا کل موضع تعلقت المعصیۃ بفعل فاعل مختار". (خلاصۃ الفتاوی: ۳۴۶/۴-۳۴۷، امجد اکیڈمی لاہور) =

بیا کپڑا بھی فروخت کرنا درست ہے جو کہ مخصوص ہے اور سادھوؤں کا شعار ہے۔ شریعت اسلامیہ کے نزدیک یہ کفار کا شعار کوئی معزز چیز نہیں، بلکہ منع کے اعتبار سے اس میں ان کی تذلیل ہے۔

"وفي التتارخانية: لا يكره بيع الزنانير من النصراني والقلنسوة من المجوسي؛ لأن ذلك إذلال لهما". درمختار، ص: ۲۴۵(۱)۔

تاہم ایسی تجارت سے اجتناب واحتیاط بہتر ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۲/ربیع الثانی/ ۶۷ھ۔

پوجا میں کام آنے والی چیزیں فروخت کرنا

سوال[۷۸۱۰]: ہمارے محلہ میں ایک عطار طبقہ ہے، وہ تمام جائز طریقہ سے روزی کماتا ہے، جیسا کہ کافور، سیندور(۲)، گنیش کی مورتیں(۳)، نرسو دھا، چندہ دیوتاؤں سے جو روزی کمائی جاتی ہے وہ جائز ہے یا نہیں؟ براہ کرم آپ جلد سے جلد جواب سے نوازیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

عطار طبقہ اگر ایسی چیزیں فروخت کرتا ہے کہ وہ غیر مسلم کے پوجا کے بھی کام میں آتی ہیں اور خود وہ

= "ولا بأس بأن يؤاجر داراً من الذمي ليسكنها، فإن شرب فيها الخمر، أو عبد فيها الصليب، أو دخل فيها الخنازير، لم يلحق المسلم إثم في شيء من ذلك، لأنه لم يؤجرها لذلك، والمعصية في فعل المستأجر". (المبسوط للسرخسي: ۱۶/۳۳، كتاب البيوع، باب الإجارة الفاسدة، غفاريه كوئٹه)

(۱) (الدر المختار مع رد المحتار: ۶/۳۹۲، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، سعيد)

"ويكره بيع الزنانير من النصراني، والقلنسوة من المجوسي، لأن ذلك إذلال لهما". (تبيين الحقائق: ۶/۵۴، كتاب الكراهية، فصل في بيع، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) "سیندور: سرخ رنگ کا ایک سفوف جسے ہندو عورتیں ماتھے میں بھرتی ہیں"۔ (فیروز اللغات، ص: ۸۴۳، فیروز سنز، لاہور)

(۳) "گنیش: خوشی دہ پاروتی کا بیٹا جسے ہندو دانائی اور مشکل کشائی کا دیوتا مانتے ہیں"۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۱۶۰، فیروز سنز، لاہور)

چیزیں نجس یا حرام نہیں جیسے کالو، تو ان کی چیزوں کی قیمت جائز ہے(۱)، ان کا مسجد میں دینا درست ہے۔ اگر موذی کی تجارت کرتا ہے تو وہ منع ہے(۲)، ان سے کہہ دیا جائے کہ جائز چیزوں کی قیمت سے نقد پیسہ حاصل کرکے دیں تو مسجد میں لیا جائے گا ورنہ نہیں(۳)، اللہ تعالیٰ پاک مال کو قبول فرماتے ہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۹/۹۳ھ۔

تعلیمی تاش کی بیع

سوال [۸۱۰۵]: تعلیمی تاش کی بیع اردو، گجراتی، ہندی، انگریزی کا خریدنا فروخت کرنا وغیرہ کیسا ہے؟

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿يا أيها الذين آمنوا إنما الخمر والميسر والأنصاب والأزلام رجس من عمل الشيطان فاجتنبوه لعلكم تفلحون﴾ (سورة المائدة: ۹۰)

"عن جابر رضي الله تعالیٰ عنه أنه سمع رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول عام الفتح وهو بمكة: "إن الله ورسوله حرم بيع الخمر والميتة والخنزير والأصنام". (مشكوة المصابيح، ص: ۲۴۱، كتاب البيوع، باب الكسب وطلب الحلال، الفصل الأول، قديمي)

(۲) "والحاصل أن جواز البيع يدور مع حل الانتفاع". (الدر المختار مع رد المحتار: ۵/۶۹، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، سعيد)

(وكذا في الدر المنتقى على هامش مجمع الأنهر: ۳/۸۴، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، غفاريه كوئٹه)

"والضابط عندهم أن كل ما فيه منفعة تحل شرعاً، فإن بيعه يجوز؛ لأن الأعيان خلقت لمنفعة الإنسان". (الفقه الإسلامي وأدلته، الفصل الأول، عقد البيع، المبحث الرابع: البيع الباطل والبيع الفاسد: ۵/۳۴۲۱، رشيديه)

(۳) "عن أبي هريرة رضي الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "إن الله طيب لا يقبل إلا طيباً، وإن الله أمر المؤمنين بما أمر به المرسلين" الخ. (مشكوة المصابيح، كتاب البيوع، باب الكسب وطلب الحلال، الفصل الأول، ص: ۲۴۱، قديمي)

الجواب حامداً ومصلیاً:

فی نفسہ یہ تاش متقوم ہے، خرید وفروخت درست ہے(۱)، لیکن یہ تاش اور اس کا کھیلنا بسا اوقات پیش خیمہ اور ذریعہ ہوتا ہے قمار کا کہ اس پر مالی ہار جیت کا معاملہ ہونے لگتا ہے، اس لئے اس کی خرید وفروخت سے اور کھیلنے سے احتراز چاہیے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۹/۹۱ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۹/۹۱ھ۔

---

(۱) "والمالية تثبت بتمول الناس كافة أو بعضهم، والتقوم يثبت بها وبإباحة الانتفاع به شرعاً". (رد المحتار: ۴/۵۰۱، كتاب البيوع، سعيد)

(وكذا في شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۵۷، (رقم المادة: ۱۲۶، ۱۲۷)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب البيع: ۵/۴۳۳، رشيديه)

(۲) "وما كان سبباً لمحظور، فهو محظور". (رد المحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في اللبس: ۶/۳۵۰، سعيد)

"عن الحسن بن علي رضي الله تعالى عنهما قال: حفظت من رسول الله صلى الله عليه وسلم: "دع ما يريبك إلى ما لا يريبك". (مشكوة المصابيح، ص: ۲۴۲، كتاب البيوع، باب الكسب وطلب الحلال، الفصل الثاني، قديمي)

واضح رہے کہ مذکورہ تفصیل تاش کا حکم مروجہ تاش سے مختلف ہے، کیونکہ مروجہ تاش کسی معتد بہا فائدہ سے خالی ہونے کی وجہ سے ناجائز ہے، چنانچہ مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"ایسے کھیل تماشے جن کے تحت میں کوئی معتد بہا فائدہ دینی یا دنیاوی نہ ہو سب ممنوع اور ناجائز ہیں، خواہ ان پر بازی لگائی جائے، یا انفرادی طور پر کھیلا جائے، پھر بازی پر کوئی رقم لگائی جائے یا نہیں، اور رقم بھی دو طرفہ ہو یا یک طرفہ، بہر حال ایسے لغو کھیل شرعاً مطلقاً ناجائز ہیں، حدیث میں ہے:

"كل لهو المسلم حرام إلا ثلاثة: ملاعبته أهله، وتأديبه لفرسه، ومناضلته بقوسه". (رد المحتار: ۵/۲۵۳) کبوتر بازی، پتنگ بازی، بٹیر بازی، مرغ بازی، چوسر، شطرنج، تاش، کتوں کی ریس وغیرہ سب اسی ناجائز صورت کے افراد ہیں"۔ (جواہر الفقہ: ۲/۳۵۸، دار العلوم کراچی)

(نور المبین عفا اللہ عنہ)

مہوا کی بیع غلہ سے

سوال[۷۸۱۶]: مہوا (مہوا)(۱) سے کوئی اناج برابر وزن یا کم بیشی بدل سکتے ہیں یا نہیں؟

محمد عثمان متقی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

بدل سکتے ہیں(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

"مہوا" نشہ آور چیز کی بیع

سوال[۷۸۱۷]: مہوا کی خرید وفروخت جائز ہے یا نہیں، جبکہ جیسے لوگ اس سے شراب کشید کرتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

"مہوا" خود بھی نشہ آور نہیں، اس کی بیع جائز ہے، پھر خریدار اپنے عمل سے خود اس سے شراب

---

(۱) "مہوا: ایک درخت جس کا پھل کھاتے ہیں، بیجوں کا تیل نکالتے اور پھولوں کی شراب بناتے ہیں"۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۳۲۴، فیروز سنز لاہور)

(۲) "(فإن وجد الوصفان) أي الكيل أو الوزن مع الجنس، حرم الفضل والنساء، وإن عدما حلا، وإن وجد أحدهما فقط، حل التفاضل لا النساء". (ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر: ۳/۱۱۲، كتاب البيوع، باب الربا، غفاريه كوئٹه)

"فحرم الفضل والنساء بهما: أي بالجنس والقدر، لما بينا أنهما علة الربا، والنساء فقط بأحدهما: أي حرم النساء وحل التفاضل بوجود أحدهما". (تبيين الحقائق: ۴/۴۲۶، كتاب البيوع، باب الربا، سعيد)

"(وحرم الفضل والنساء بهما، والنساء فقط بأحدهما) أي حرم التأخير لا الفضل بوجود القدر فقط والجنس فقط". (البحر الرائق: ۶/۲۱۳، كتاب البيوع، باب الربا، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار مع رد المحتار، كتاب البيوع، باب الربا: ۵/۱۷۲، سعيد)

(وكذا في الهداية: ۳/۸۰، كتاب البيوع، باب الربا، مكتبه شركت علميه ملتان)

الجواب حامداً ومصلیاً:

عرفاً جس قدر گز لوگوں میں مشہور ہے جس کو سب لوگ جانتے ہیں، اس سے چھوٹے گز رکھنا اور اس سے ناپ کر کپڑا اپنا خریدار کو دھوکہ دینا ہے جو کہ ناجائز ہے(۱)، خریدار نے بڑے گز کی قیمت دی ہے، حالانکہ اس کو کپڑا چھوٹے گز سے دیا گیا ہے تو جس قدر قیمت زائد وصول کی ہے وہ اس کے لئے ناجائز ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

دودھ میں پانی ملا کر بیچنا

سوال[۷۸۰۴]: آج کل جو لوگ دودھ کی تجارت کرتے ہیں، دودھ میں پانی ملا کر بیچتے ہیں، کچھ بھینسوں والے پانی ملا کر دودھ دکانداروں کو دیتے ہیں، پھر وہ دکاندار اس میں اور پانی ملا کر بیچتے ہیں، اس سے دودھ میں مزہ بھی نہیں رہتا۔ اگر وہ دکاندار لوگ کہتے ہیں کہ بھائی اب ۵ اور ۶ روپے سیر کے دام لیتے ہیں تو دودھ میں پانی

---

(۱) "عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم مر على صبرة من طعام، فأدخل يده فيها، فنالت أصابعه بللاً، فقال: "يا صاحب الطعام! ما هذا؟" قال: أصابته السماء يا رسول الله! قال: "أفلا جعلته فوق الطعام حتى يراه الناس؟" ثم قال: "من غش فليس منا". (جامع الترمذي، ص: ۲۴۵، أبواب البيوع، باب ما جاء في كراهية الغش في البيوع، سعيد)

(وفيض القدير: ۱۱/۳۱۹۲، رقم الحديث: ۸۸۷۹، مكتبة نزار مصطفى الباز رياض)

(۲) "وإن باع ثوباً على أنه عشرة أذرع كل ذراع بدرهم، أخذه المشتري بعشرة لو عشرة ونصفاً بلا خيار، وبتسعة لو تسعة ونصفاً بخيار، ولو قال: كل ذراع بكذا ونقص، أخذه بحصته أو ترك، وإن زاد أخذ كل ذراع بكذا أو فسخ، لما قدمنا أنه وإن كان وصفاً إذا أفرد بثمن صار أصلاً، وارتفع عن التبعية، فنزل كل ذراع منزلة ثوب". (البحر الرائق: ۵/۴۸۶، كتاب البيع، رشيدية)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۴/۲۹۳، كتاب البيوع، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۳/۲۲، كتاب البيوع، الباب الثاني في جهالة المبيع أو الثمن، رشيدية)

(وكذا في الدر المختار، كتاب البيوع، مطلب: المعتبر ما وقع عليه العقد وإن ظن البائع أو المشتري أنه أقل أو أكثر: ۴/۴۳، سعيد)

ملا کر دو۔ اس پر جواب ملتا ہے کہ ہم پانی ملا کر ہی دیں گے، تمہارا جی چاہے تو لو یا نہ لو۔ اس پر انہوں نے جواز کا فتویٰ تحریر لکھا ہے، ہم تو کہہ دیتے ہیں، چونکہ ضرورت مند یہیں ملتا ہے، یہ مجبوری لے کر کھا لیتے ہیں، لیکن دن بہت زک لگتا ہے۔ اس میں شریعت کا کیا حکم ہے؟ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب وہ دھوکہ نہیں دیتے، بلکہ کہہ دیتے ہیں کہ ہم نے اس میں پانی ملا رکھا ہے، تو یہ شرعاً درست ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی۔

---

(۱) "عن حكيم بن حزام رضي الله تعالى عنه، عن النبي صلى الله عليه وسلم: "البيعان بالخيار مالم يتفرقا، فإن صدقا وبينا بورك" الحديث. (الصحيح لمسلم). قال العلامة النووي رحمه الله تعالى: "أي بين كل واحد لصاحبه ما يحتاج إلى بيانه من عيب ونحوه في السلعة والثمن، وصدقه في ذلك". (شرح النووي على الصحيح لمسلم، كتاب البيوع، باب ثبوت خيار المجلس للمتبايعين: ۲/۶، قديمي)

"قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "البيعان بالخيار مالم يتفرقا، فإن صدقا": أي في صفة المبيع والثمن وما يتعلق بهما "وبينا": أي عيب الثمن والمبيع "بورك": أي أكثر النفع "لهما في بيعهما": أي شرائهما، والمراد في عقدهما "وإن كتما وكذبا، محقت بركة بيعهما". (مرقاة المفاتيح: ۶/۹۳، كتاب البيوع، باب الخيار، الفصل الأول، رشيدية)

"عن عقبة بن عامر رضي الله تعالى عنه قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: "المسلم أخو المسلم، ولا يحل لمسلم باع من أخيه بيعاً فيه عيب إلا بينه له". (سنن ابن ماجة، ص: ۱۶۲، باب من باع عيباً فليبينه، قديمي)

"أجمع الفقهاء على أن البراءة من عيوب سماها للمشتري ولم يرها جائزة". (إعلاء السنن: ۱۴/۱۴۳، باب البيع بالبراءة من كل عيب، إدارة القرآن كراچي)

"وصح البيع بشرط البراءة من كل عيب". (تنقيح الفتاوى الحامدية: ۱/۲۴۳، باب الخيارات وما يتعلق بها، مكتبه ميمنيه مصر)

(وكذا في شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۸۹، (رقم المادة: ۱۸۹)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(وكذا في رد المحتار: ۵/۴۲، مطلب في البيع بشرط البراءة من كل عيب، سعيد)

دھان میں پانی ملا کر فروخت کرنا

سوال[۷۸۲۰]: فی الحال گاؤں میں چالیس روپے کا ایک بوردھان فروخت ہوتا ہے، بیوپاری لوگ مالک سے دو روپیہ زیادہ دے کر خریدتے ہیں یعنی نقد بیالیس روپیہ سے خریدتے ہیں، پھر بیوپاری لوگ اس دھان میں پانی ملا کر آڑھت والے کو فروخت کرتے ہیں۔ اب لوگ کہتے ہیں کہ مالک جانتا ہے کہ بیوپاری اس دھان میں پانی ملا کر فروخت کرے گا تو اس مالک کی بیع ناجائز ہے، کیونکہ وہ جاننے کے باوجود بیوپاری کو دیتا ہے۔ کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ جب نقد روپے سے بیع ہورہی ہے تو ناجائز نہیں ہے۔

اب کہنا یہ ہے کہ مالک جاننے کے باوجود بیوپاری کو وہ مال فروخت کرلے یہ جائز ہے یا نہیں؟ مع حوالہ کتب اور نام حوالہ فرما کر دین کی بڑی خدمت انجام دیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس علم کے باوجود مالک کے لئے بیوپاری کے ہاتھ اصل دھان کا فروخت کرنا درست ہے(۱)، بیوپاری اگر اس میں پانی ملا کر دھوکہ دے کر فروخت کریگا تو وہ خود گنہگار ہوگا: "من غشنا فلیس منا". الحدیث(۲)۔ اصل مالک قدیم پر اس کا گناہ نہیں ہوگا: ﴿ولا تزر وازرۃ وزر اخری﴾(۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۲/۹۵ھ۔

---

(۱) (راجع، ص: ۱۴۳، رقم الحاشیۃ: ۱)

(۲) (سنن ابن ماجۃ، ص: ۱۶۱، باب النہی عن الغش، قدیمی)

(وفیض القدیر: ۵۹۳۲/۱۱، (رقم الحدیث ۸۸۷۹)، مکتبہ نزار مصطفی الباز، ریاض)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم مرّ برجل يبيع طعاماً، فسأله: "كيف تبيع"؟ فأخبره فأوحي إليه أن "أدخل يدك فيه". فأدخل يده، فإذا هو مبلول، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "ليس منا من غشنا". (سنن أبي داؤد، باب في النهي عن الغش: ۱۳۳/۲، إمداديه ملتان)

"عن واثلة بن الأسقع رضي الله تعالى عنه قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: "من باع عيباً لم ينبه، لم يزل في مقت الله، أولم تزل الملائكة تلعنه" (مشكوة المصابيح، ص: ۲۴۹، كتاب البيوع، باب المنهي عنها من البيوع، الفصل الثالث، قديمي)

(۳) (سورۃ فاطر: ۱۸)

ایجاب کے بعد، قبول سے پہلے مجلس ختم ہوجانے پر دوسرے شخص کا زیادہ قیمت میں خریدنا

سوال[۷۸۲۱]: ایک غیر مسلم نے اپنی مملوکہ زمین ایک مسلم کے ہاتھ فروخت کرنے کا ارادہ کیا، خریدنے والے نے اس زمین کی قیمت ساڑھے آٹھ سو روپے لگائی۔ یہی گفتگو ایک دوسرا مسلمان سن رہا تھا، اس نے کہا کہ میں نے اس بات میں کوئی دخل نہیں دیا، مگر غیر مسلم مالک نے خریدار سے یہ کہا کہ میں سوچ کر تم کو اس کا جواب دوں گا۔ خرید وفروخت کی کوئی بات پختہ نہیں ہوئی تھی کہ مجلس برخاست ہوگئی، بعد ازاں دوسرے مسلمان نے غیر مسلم مالک زمین سے زمین کو ۹۶۰/روپیہ میں خرید لیا۔ پس اب دریافت طلب یہ ہے کہ شرعی نقطۂ نظر سے استحقاق خریدار زمین پہلے شخص کو ہے جس نے ۸۵۰/روپیہ زمین کی قیمت لگائی تھی، یا دوسرے شخص کو ہے جس نے ۹۶۰/روپیہ میں وہ زمین خریدی ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس نے آٹھ سو پچاس روپے قیمت لگائی تھی، مالک نے زمین اس کے ہاتھ فروخت نہیں کی اور نہ یہ وعدہ کیا کہ میں تیرے ہاتھ اس قیمت پر فروخت کردوں گا، بلکہ یہ کہا کہ "یہ سوچ کر جواب دوں گا" وہ مجلس بھی ختم ہوگئی۔ اس کے بعد دوسری مجلس میں دوسرے شخص نے نو سو ساٹھ روپے میں قطعی طور پر خرید لی تو وہ اس کی ملک میں آگئی، پہلے شخص کا اس میں قضاءً کوئی حق نہیں رہا، البتہ دوسرے شخص کے لئے افضل یہ تھا کہ جب پہلے شخص کو اس کی تجویز کردہ قیمت پر فروخت کرنے سے مالک انکار کردیتا تب اس سے معاملہ کرکے خریدتا، تاہم پہلا شخص اب دوسرے شخص سے لینے کا حقدار نہیں:

"ولا بأس ببيع من يزيد، وهو بيع الفقراء وبيع من كسدت بضاعته، والاستيام على سوم الغير مكروه. والفرق بين المزايدة والاستيام على سوم الغير أن صاحب السلعة إذا كان ينادي على سلعته، فطلبها إنسان بثمن فكف عن النداء وركن إلى ما طلب منه ذلك الرجل، فليس للغير أن يزيد في ذلك، وهذا استيام على سوم الغير. وإن لم يكف عن النداء، فلا بأس لغيره أن يزيد، ويكون هذا بيع المزايدة، ولا يكون استياماً على سوم الغير.

"وإن كان الدلال هو الذي ينادي على السلعة وطلبها إنسان بثمن، فقال الدلال: حتى أسأل، فلا بأس للغير أن يزيد بعد ذلك في هذه الحالة، فإن أخبر الدلال المالك، فقال: بعه واقبض الثمن، فليس لأحد أن يزيد بعد ذلك، وهذا استيام على سوم الغير، كذا في المحيط". فتاویٰ عالمگیری: ۳/ ۲۱۰ (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

---

(۱) (الفتاوى العالمكيرية: ۳/ ۲۱۰، كتاب البيوع، الباب العشرون في البياعات المكروهة، رشيدية)

"والاستيام على سوم الغير مكروه، قال عليه الصلوة والسلام: "لا يستام الرجل على سوم أخيه". ظن بعض الناس أن بيع المزايدة استيام على سوم الغير، وليس كذلك، والفرق بين المزايدة وبين الاستيام على سوم الغير: أن صاحب المال إذا كان ينادي على سلعة فطلبه إنسان بثمن، فكف عن النداء، وركن إلى ما طلب منه ذلك الرجل، فليس للغير أن يزيد في ذلك، وهذا استيام على سوم الغير. وإن لم يكف عن النداء، فلا بأس لغيره أن يزيد، ويكون هذا بيع المزايدة، ولا يكون استياماً على سوم الغير". (المحيط البرهاني في الفقه النعماني: ۸/ ۲۱۱، كتاب البيوع، الفصل الخامس والعشرون في البياعات المكروهة والأرباح الفاسدة، غفاريه كوئٹه)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: "لا يسم المسلم على سوم أخيه". قوله: "لا يسم المسلم على سوم أخيه" صورة السوم أن يتراضيا بثمن ويقع الركون به، فيجيء آخر، فيدفع للمالك أكثر أو مثله. قال الخير الرملي: ويدخل في السوم الإجارة. والحاصل أن مورد النهي إنما هي بعد استقرار الثمن بين البائع والمشتري الأول وبعد ركونهما إلى البيع ... ومقتضى هذا النهي عند الجمهور هو كراهة البيع على بيع أخيه والسوم على سوم أخيه، فلو فعل أحد ذلك، صح البيع". (تكملة فتح الملهم، كتاب البيوع، باب تحريم بيع الرجل على بيع أخيه وسومه على سومه وتحريم النجش: ۱/ ۳۲۵، دارالعلوم كراچی)

(وكذا في إعلاء السنن: ۱۴/ ۱۸۳، كتاب البيوع، باب النهي عن سوم بعض على بعض، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في رد المحتار، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد: ۵/ ۱۰۲، سعيد)

غیر قانونی مال خرید کر دوسرے ملک میں فروخت کرنا

سوال [۷۸۲۲]: بنگلہ دیش کا سامان لاکر انڈیا میں فروخت کرتے ہیں جو انڈیا کی سرکار کے خلاف ہے، تو انڈیا کے لوگوں کو وہ سامان خرید کر استعمال کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو شخص جو سامان خریدے وہ اس کا مالک ہوجاتا ہے(۱)، اس کو اپنے سامان کا حق ہوجاتا ہے کہ خود استعمال کرے، یا کسی کو ہبہ کردے، یا فروخت کرے(۲)۔ اور پھر اس سے خریدنے والے کو اس کا استعمال جائز ہوتا ہے، کیونکہ وہ مالک ہوگیا، لیکن آدمی جب کسی حکومت کے ماتحت رہتا ہے تو اس کے قانون کی پابندی قانوناً لازم ہوتی ہے، اس کے خلاف کرنا قانونی چوری ہے(۳)، جس سے عزت ومال دونوں کا خطرہ ہوتا ہے، اپنی عزت ومال کو خطرہ میں ڈالنا عقلمندی نہیں ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۱۱/۱۳۹۶ھ۔

---

(۱) "وأما حكمه فثبوت الملك في المبيع للمشتري، وفي الثمن للبائع إذا كان البيع باتاً". (الفتاوى العالمكيرية: ۳/۳، كتاب البيوع، رشيديه)

"ومحله المال، وحكمه ثبوت الملك: أي في البدلين لكل منهما في بدل". (رد المحتار: ۴/۵۰۶، كتاب البيوع، سعيد)

(۲) "كل يتصرف في ملكه كيف شاء ... الخ". (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۶۵۴، رقم المادة: ۱۱۹۲، مكتبه حنفيه كوئته)

"لا يمنع أحد من التصرف في ملكه أبداً، إلا إذا أضر بغيره ... الخ". (شرح المجلة، الكتاب السابع في الحجر والإكراه والشفعة، الباب الثالث، الفصل الأول في بعض قواعد في أحكام الأملاك: ص ۶۵۵، مكتبه حنفيه كوئته)

(وكذا في رد المحتار: ۵/۳۸۹، كتاب القضاء، باب القاضي إلى القاضي وغيره، مطلب: اقتسموا داراً وأراد كل منهم فتح باب لهم ذلك، سعيد)

(۳) "لأن طاعة الإمام فيما ليس بمعصية فرض، فكيف فيما هو طاعة". (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الجهاد، باب البغاة: ۴/۲۶۳، سعيد)

راشن کارڈ سے مال لیکر زیادہ قیمت پر فروخت کرنا

سوال[۶۸۲۲]: آج کل راشن میں شکر اور دوسری اشیاء - جو راشن کارڈ میں ملتی ہیں - اپنے کارڈ سے حاصل کر کے اس کو بلیک دام میں - جو عموماً زیادہ ہوتے ہیں - لوگ فروخت کر لیتے ہیں، اس سے ان کو فائدہ ہو جاتا ہے۔ یہ صورت شرعاً درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

راشن کارڈ کے ذریعہ سے خرید کر آدمی مالک ہو جاتا ہے(۱)، مالک کو اپنی چیز فروخت کرنے کا حق ہے، جس قیمت پر چاہے فروخت کرے(۲) لیکن اس کا لحاظ بھی ضروری ہے کہ اگر یہ خلاف قانون ہے تو پھر عزت اور مال کا خطرہ ہے، نفع کی خاطر عزت اور مال کو خطرہ میں ڈالنا دانشمندی کی بات نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۹/۶/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۲۹/۶/۸۸ھ۔

کنٹرول نرخ کے خلاف بیع، صدقۂ فطر کس نرخ سے ادا کیا جائے؟

سوال[۶۸۲۳]: کنٹرول کی حالت سب پر روشن ہے، اگر مال لوگ خفیہ طور سے قیمت مقررہ

---

(۱) "وحكمه ثبوت الملك للمشتري في المبيع، وللبائع في الثمن إذا كان باتاً". (حاشية الشلبي على التبيين، كتاب البيوع: ۴/۲۷۹، دار الكتب العلمية بيروت)

"وأما حكمه، فثبوت الملك في المبيع للمشتري، وفي الثمن للبائع إذا كان البيع باتاً" (الفتاوى العالمكيرية: ۳/۳، كتاب البيوع، رشيدية)

"وحكمه ثبوت الملك: أي في البدلين لكل منهما في بدل". (رد المحتار: ۴/۵۰۶، كتاب البيوع، سعيد)

"إعلم أن أسباب الملك ثلاثة: ناقل كبيع وهبة" (الدر المختار: ۶/۴۶۳، كتاب الصيد، سعيد)

(۲) "هو (أي البيع): مبادلة المال بالمال بالتراضي" (البحر الرائق: ۵/۴۲۹، كتاب البيع، رشيدية)

"أما تعريفه، فمبادلة المال بالمال بالتراضي". (الفتاوى العالمكيرية: ۳/۲، كتاب البيوع، رشيدية)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۴/۲، كتاب البيوع، دار الكتب العلمية بيروت)

"كلٌ يتصرف في ملكه كيف شاء". (شرح المجلة، ص: ۶۵۴، رقم المادة: ۱۹۲، مكتبه حنفيه كوئٹه)

سے زیادہ قیمت لے کر مال فروخت کرے تو یہ جائز ہے یا نہیں؟ (دلال اپنے پیسے سے مال خرید کر لایا ہے، صرف اتنی بات ہے کہ حکومت نے کچھ شرائط جبریہ مقرر کردی ہے، نہ کہ مالک نے)۔ اور کنٹرولی ریٹ کے دام سے فطرہ ادا ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وعدہ خلافی اور دروغ گوئی کی نوبت نہ آئے، نیز عزت اور نقصانِ مال کا خطرہ نہ ہو (جیسا کہ علم ہونے پر مقدمہ چلتا ہے اور جرمانہ ہوجاتا ہے) تو درست ہے (۱)۔ اگر اپنے اخراجات بھی کنٹرول نرخ سے لیتا ہے تو صدقۂ فطر بھی اسی نرخ سے ادا کرنا درست ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۹/ جمادی الاولیٰ/ ۶۷ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) تسعیر یعنی کنٹرول ریٹ مقرر کرنا تاجروں کی حق تلفی کی وجہ سے جائز ہے: "وإن كان أرباب الطعام يتحكمون على المسلمين ويتعدون عن القيمة تعدياً فاحشاً، وعجز القاضي عن صيانة حقوق المسلمين إلا بالتسعير، فلا بأس بالتسعير بمشورة أهل الرأي والبصر، فإذا فعل ذلك، ثم تعدّى رجل عن ذلك القدر، فباعه بثمن فوقه أجازه القاضي يعني أمضاه ولم يبطله". (المحيط البرهاني في الفقه النعماني، كتاب البيوع، الفصل الخامس والعشرون في البياعات المكروهة، فصل في الاحتكار: ۸/۲۶۸، غفاريه كوئته)

"فلو باع بأكثر مما سعره، أجازه القاضي". (مجمع الأنهر: ۴/۲۱۵، كتاب الكراهية، فصل في البيع، غفاريه كوئته)

"وظاهره أنه لو باعه بأكثر، يحل وينفذ البيع. ولا ينافي ذلك ما ذكره الزيلعي وغيره من أنه لو تعدى رجل وباع بأكثر، أجازه القاضي؛ لأن المراد أن القاضي يُمضيه ولا يفسخه". (الدر المختار مع رد المحتار: ۶/۴۰۰، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۸/۳۷۱، كتاب الكراهية، فصل في البيع، رشيديه)

(۲) "وجاز دفع القيمة في زكاة وعشر وخراج وفطرة ...... وتعتبر القيمة يوم الوجوب ...... ويقوّم في البلد الذي المال فيه". (الدر المختار مع رد المحتار: ۲/۲۸۵، كتاب الزكوة، باب زكوة الغنم، سعيد)

باب حطّ الثمن وزیادته نقداً ونسیئةً

(نقد اور ادھار میں قیمت کے اتار چڑھاؤ کا بیان)

ادھار میں مال کی قیمت زیادہ لینا

سوال[۵۸۲۵]: ۱... اگر کوئی شخص بوجہ مجبوری روپیہ ادھار لیتا ہے اور پھر کوئی چیز اس کی ادائیگی میں دیتا ہے تو روپیہ دینے والا شخص بازاری قیمت سے کافی کم قیمت لگاتا ہے، جیسے دھان کی قیمت ۹۰/ ہو، مگر بھاؤ طے کرتا ہے ۷۰/ روپے، یہ درست ہے یا نہیں؟

۲... نقد میں پیمکش کی قیمت ۲/ ہزار ہے تو ادھار میں کچھ دینے کے بعد بھی دوگنی سے زیادہ لی جاتی ہے۔ اس میں لینے والے کو کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱/... خرید وفروخت میں اگر قیمت نقد دی جائے تو کم ہوتی ہے، ادھار کا معاملہ ہو تو قیمت زیادہ ہوتی ہے، شرعاً یہ درست ہے(۱)، لیکن زیادہ فرق بے مروتی ہے، خاص کر جب کہ خریدار حاجت مند ہو کہ اس

---

(۱) "عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن بيعتين في بيعة".

قال الترمذي: "وقد فسر بعض أهل العلم، قالوا: بيعتين في بيعة أن يقول: أبيعك هذا الثوب بنقد بعشر وبنسيئة بعشرين، ولا يفارقه على أحد البيعين، فإذا فارقه على أحدهما، فلا بأس إذا كانت العقدة على واحد منهما". (جامع الترمذي: ۱/۲۳۳، باب النهي عن بيعتين في بيعة، سعيد)

"وإذا عقد العقد على أنه إلى أجل كذا بكذا وبالنقد بكذا، أو قال: إلى شهر بكذا، أو إلى شهرين بكذا، فهو فاسد؛ لأنه لم يعاطه على ثمن معلوم، ولنهي النبي صلى الله عليه وسلم عن شرطين في بيع ... وهذا إذا افترقا على هذا، فإن كان يتراضيان بينهما ولم يتفرقا حتى قاطعه على ثمن معلوم وأتما العقد عليه، فهو جائز". (المبسوط للسرخسي: ۱۳/۹، باب البيوع الفاسدة، غفاريه كوئٹه) —

کے پاس نقد ادا کرنے کے لئے نقد نہیں ہے، یا مجلس کا وقت بے محل نہیں ہے۔

نقد ادا کرنے کے لئے روپیہ بھی نہیں ہے، مجبوراً ادھار لیتا ہے تو وہ مستحق رحم وشفقت ہے، اس کو مجبور اور بے بس پاتے ہوئے زیادہ قیمت لینا خلاف مروت ہے۔ حدیث میں ہے: "تم زمین والوں پر رحم کرو، آسمان والا تم پر رحم کرے گا"(۱) اور: "جو شخص دوسروں پر رحم نہیں کرتا ہے اس پر رحم نہیں ہوتا ہے"(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۱۱/۱۴۰۶ھ۔

ادھار میں قیمت زیادہ لینا

سوال [۷۵۰۱]: ادھار کی صورت میں قیمت میں اضافہ کرکے فروخت کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر فروخت کرتے وقت بات صاف کرلی جائے کہ مثلاً دو ماہ بعد قیمت دی جائے گی اور یہ قیمت ہے تو شرعاً ایسا کرنا درست ہے(۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۶/۷/۸۷ھ۔

= "لأن للأجل شبهاً بالمبيع، ألا ترى أنه يزاد في الثمن لأجل الأجل، والشبهة في هذا ملحقة بالحقيقة" (الهداية: ۳/۷۳، باب المرابحة والتولية، مكتبه شركت علميه ملتان)

(وكذا في الدر المختار مع رد المحتار: ۵/۱۴۲، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية، سعيد)

(وكذا في فتح القدير: ۶/۲۶۲، كتاب البيوع، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في بحوث في قضايا فقهية معاصرة، ص: ۸، دار العلوم كراچي)

(۱) "عن عبدالله بن عمرو رضي الله تعالى عنهما قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "الراحمون يرحمهم الرحمن، ارحموا من في الأرض يرحمكم من في السماء" (مشكوة المصابيح، كتاب الأدب، باب الشفقة والرحمة على الخلق، الفصل الثاني، ص: ۴۲۳، قديمي)

(۲) "عن جرير بن عبدالله رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "لا يرحم الله من لا يرحم الناس". (مشكوة المصابيح، كتاب الأدب، باب الشفقة والرحمة على الخلق، الفصل الأول، ص: ۴۲۱، قديمي)

(۳) "البيع مع تأجيل الثمن وتقسيطه صحيح، يلزم أن تكون المدة معلومة في البيع بالتأجيل والتقسيط =

ادھار کی وجہ سے قیمت میں زیادتی

سوال [illegible]: زید نے ایک رکشا چار سو روپے کا خریدا اور زید نے اس رکشے کو ساڑھے چھ سو روپے میں دیا اور اس وقت بکر سے زید نے پچاس روپے لیا اور بقایا چھ سو روپے ساڑھے بارہ روپے کے ہفتہ کے حساب سے دینا ہے، جب تک رقم وصول نہ ہو جائے یہ قسط رہتا رہے گا اور رقم پوری ہو جانے کے بعد رکشا بکر کے نام کر دیا۔ اس مدت میں رکشا بکر ہی استعمال میں لائے گا، ٹوٹ پھوٹ کا ذمہ دار بکر ہی ہوگا۔ تو اس طرح سودا کرنا درست ہے یا نہیں، جبکہ ادھار کی آسانی کی وجہ سے ۲۰۰/ کی قیمت ۶۰۰/ ہوگئی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ادھار کی وجہ سے قیمت میں زیادتی کرنا شرعاً درست ہے، جیسا کہ ہدایہ وغیرہ میں تصریح کی ہے: "الا تری أنه یزاد فی الثمن لأجل الأجل"(۱)، لیکن اتنی زیادتی نہ کی جائے جو کہ عرفاً قابلِ برداشت نہ ہو

= إذا عقد البیع علی تأجیل الثمن إلی کذا یوماً أو شهراً أو إلی وقت معلوم عند العاقدین کیوم قاسم أو النیروز، صح البیع إذا کان یوم القاسم أو النیروز معلوماً عند المتبایعین. أما لو کان مجهولاً عندهما أو عند أحدهما فقط، فلا یصح". (شرح المجلة لسلیم رستم باز ص: ۱۲۴، ۱۲۵، (رقم المادة: ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷)، مکتبه حنفیه کوئٹه)

(وکذا فی مجمع الأنهر: ۱۳/۳، کتاب البیوع، غفاریه کوئٹه)

(۱) (الهدایة: ۷۶/۳، کتاب البیوع، باب المرابحة والتولیة، مکتبه شرکت علمیه ملتان)

"ولو اشتری بألف نسیئة وباع بربح مائة ولم یبین، خیر المشتری؛ لأنه یزاد علی الثمن لأجل الأجل، فکان له شبهة بالمبیع، والشبهة فی هذا الباب ملحقة بالحقیقة". (تبیین الحقائق: ۲۳۳/۴، کتاب البیوع، باب التولیة، دار الکتب العلمیة بیروت)

"من اشتری ثوباً بعشرة نسیئةً وباعه بربح واحد حالاً، ولم یبین ذلک فعلم المشتری خیانته، یصیر مخیراً: إن شاء رده، وإن شاء قبله؛ لأن للأجل شبهاً بالمبیع، ألا تری أنه یزاد فی الثمن لأجل الأجل، والشبهة فی هذا ملحقة بالحقیقة". (مجمع الأنهر: ۱۱۰/۳، کتاب البیوع، باب المرابحة والتولیة، غفاریه کوئٹه)

چالیس کے بھاؤ خریدا تھا چالیس کے بھاؤ دیا، جب کہ اس وقت چھتیس روپے بھاؤ ہے۔ کیا زید نے ٹھیک کیا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر عمر نے زید سے روپیہ قرض مانگا اور زید نے روپیہ نہیں دیا، بلکہ گڑ چالیس روپیہ من دیدیا یعنی فروخت کردیا اور عمر نے اس کو خرید کرلیا تو شرعاً یہ بیع درست ہوگئی (۱)، عمر کے ذمہ چالیس من کے حساب سے خریدے ہوئے گڑ کی قیمت لازم ہوگی، اگرچہ گڑ کی قیمت ۳۶/ روپے من بازار میں ہے اور زید نے چالیس روپیہ من بازار میں خریدا تھا۔

نقد و ادھار کی قیمت میں فرق ہوتا ہے اور یہ شرعاً درست ہے (۲)، لیکن جو غریب اپنی ضرورت سے کوئی چیز خریدتا ہے اور قیمت اس کے پاس موجود نہیں تو وہ مستحق شفقت ہے، مستحق رحم وکرم ہے، اس سے اتنی قیمت لینا جس سے اس کو خسارہ ہو یہ بات خلاف مروت ہے (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/۵/ ۸۹ھ۔

---

(۱) "(هو مبادلة المال بالمال بالتراضي، ويلزم) أي البيع (بإيجاب وقبول)". (تنوير الأبصار، ۳/۹-۲۲۹، كتاب البيوع، إمدادية ملتان)

"أما الأئمة الأربعة وجمهور الفقهاء والمحدثين، فقد أجازوا البيع المؤجل بأكثر من سعر النقد بشرط أن يبت العاقدان بأنه بيع مؤجل بأجل معلوم وثمن متفق عليه عند العقد". (بحوث في قضايا فقهية معاصرة، أحكام البيع بالتقسيط، زيادة الثمن من أجل التأجيل، ص: ۷، دار العلوم كراچي)

(۲) "لأن للأجل شبهاً بالمبيع، ألا ترى أنه يزاد في الثمن لأجل الأجل، والشبهة في هذا ملحقة بالحقيقة". (الهداية: ۳/۷۶، كتاب البيوع، باب التولية والمرابحة، مكتبه شركت علميه ملتان)

"لأن الأجل في نفسه ليس بمال، فلا يقابله شيء حقيقة إذا لم يشترط زيادة الثمن بمقابلته قصداً، ويزاد في الثمن لأجله؛ إذ ذكر الأجل بمقابلة الأجل قصداً". (الدر المختار مع رد المحتار: ۵/۱۴۲، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب البيوع، الباب العاشر في الشروط التي تفسد البيع والتي لا تفسده: ۳/۱۳۶، رشيديه)

(وكذا في جامع الترمذي: ۱/۲۳۳، كتاب البيوع، باب النهي عن بيعتين، سعيد)

(۳) "عن علي بن أبي طالب رضي الله تعالى عنه قال: "سيأتي على الناس زمان عضوض يعض الموسر على =

ادھار کی وجہ سے زیادہ قیمت لینا

سوال[۷۸۲۹]: زیادہ نفع کی حرص میں کوئی چیز اضعافاً مضاعفۃً قیمت میں ادھار فروخت کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جائز ہے(۱) مگر خلافِ مروّت ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم۔

صحیح: عبد اللطیف، مفتی مدرسہ ھذا، ۱۳/ جمادی الاولیٰ/ ۵۹ھ۔

= صلى الله عليه وسلم بنوم مدلك، قال الله تعالى: ﴿ولا تنسوا الفضل بينكم﴾. يبايع المضطرون، وقد نهى النبي صلى الله عليه وسلم عن بيع المضطر. قال الشامي: وهو أن يضطر الرجل إلى طعام وشراب أو غيرهما، ولا يبيعه البائع إلا بأكثر من ثمنها بكثير، وكذلك في الشراء منه. قال الخطابي: إن عقد البيع مع الضرورة على هذا الوجه جائز في الحكم ولا يفسخ، إلا أن سبيله في حق الدين والمروءة أن لا يباع على هذا الوجه، وأن لا يفتات عليه بماله، ولكن يعاون ويقرض ويستمهل له إلى الميسرة". (إعلاء السنن: ۲۰۵/۱۴، كتاب البيوع، باب النهي عن بيع المضطر، إدارة القرآن كراچی)

(۱) (راجع، ص: ۱۵۵، رقم الحاشية: ۲)

(۲) قال الله تعالى: ﴿ولا تنسوا الفضل بينكم، إن الله بما تعملون بصير﴾ (البقرة: ۲۳۷)

"وقد نهى النبي صلى الله عليه وسلم عن بيع المضطر". الحديث هو أن يضطر الرجل إلى طعام وشراب أو غيرها، ولا يبيعه البائع إلا بأكثر من ثمنها بكثير، وكذلك في الشراء منه. وقال الخطابي: إن عقد البيع مع الضرورة على هذا الوجه جائز في الحكم ولا يفسخ، إلا أن سبيله في حق الدين والمروءة أن لا يباع على هذا الوجه وأن لا يفتات عليه بماله، ولكن يعاون ويقرض ويستمهل له إلى الميسرة، حتى يكون له في ذلك بلاغ". (إعلاء السنن: ۲۰۵/۱۴، كتاب البيوع، باب النهي عن بيع المضطر، إدارة القرآن كراچی)

"والوجه الآخر أن يضطر إلى البيع لدين يركبه أو مؤنة ترهقه، فيبيع ما في يده بالوكس من أجل الضرورة، فهذا سبيله في حق الدين والمروءة أن لا يباع على هذا الوجه وأن لا يفتات عليه بماله، ولكن يعاون ويقرض ويستمهل له إلى الميسرة". (بذل المجهود: ۲۵۲/۵، كتاب البيوع، باب في بيع المضطر، إمدادیہ)

نقد وادھار کی قیمت میں فرق

سوال [۷۸۳۰]: زید مثلاً سینے کی مشین یا ریڈیو وغیرہ کی تجارت کرنا چاہتا ہے اور اس میں یہ رواج ہے کہ نقد فروخت کرنے کی قیمت علیحدہ مقرر کی جاتی ہے اور قسطوار قیمت ادا کرنے میں قیمت نقد سے زیادہ لی جاتی ہے۔ تو اس طرح تجارت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر نا جائز ہے تو کیا صورت جواز کی ہو سکتی ہے کہ زید اپنی دوکان کے دو حصے کرلے ایک میں نقد کا بھاؤ رکھے ایک میں ادھار کا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر مجلس میں ہی نقد یا ادھار کا معاملہ صاف ہو جائے کہ خریداری نقد ہے یا ادھار تو اس طرح تجارت درست ہے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

نقد میں قیمت کم ادھار میں زیادہ

سوال [۷۸۳۱]: ...... عبداللہ نے عبدالغفار سے ماہ جمادی الثانیہ میں دوکان خریدی، عبدالغفار نے

---

(۱) "نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن بيعتين في بيعة. وقد فسر بعض أهل العلم، قالوا: بيعتين في بيعة أن يقول: أبيعك هذا الثوب بنقد بعشرة وبنسيئة بعشرين، ولايفارقه على أحد البيعين، فإن فارقه على أحدهما، فلابأس به إذا كانت العقدة على أحد منهما". (جامع الترمذي: ۱/۲۳۳، أبواب البيوع، باب ماجاء في النهي عن بيعتين في بيعة، سعيد)

"وإذا عقد العقد على أنه إلى أجل كذا بكذا وبالنقد بكذا، أو قال: إلى شهر بكذا، أو إلى شهرين بكذا، فهو فاسد؛ لأنه لم يعاطه على ثمن معلوم، ونهى النبي صلى الله عليه وسلم عن شرطين في بيع، وهذا هو تفسير الشرطين في بيع ...... وهذا إذا افترقا على هذا، فإن كان يتراضيان بينهما ولم يتفرقا حتى قاطعه على ثمن معلوم وأتما العقد عليه، فهو جائز؛ لأنهما ما افترقا إلا بعد تمام شرط صحة العقد". (المبسوط للسرخسي: ۱۳/۹، باب البيوع الفاسدة، غفاريه كوئته)

"لأن للأجل شبهاً بالمبيع، ألاترى أنه يزاد في الثمن لأجل الأجل". (الهداية: ۳/۷۶، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية، مكتبه شركت علميه ملتان)

(وكذا في البحر الرائق: ۶/۱۰۹، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية، رشيديه)

کہا کہ تم آج ہی قیمت دیتے ہو تو کوئی بات ہی نہیں ہے بازاری قیمت لے لوں گا اور آگر ماہ رجب میں دیتے ہو تو قیمت زیادہ لوں گا۔

ایضاً

سوال[۷۸۴۲]: ۲.... دوسری صورت یہ ہے کہ دھان ادھار لئے گئے، جس کی وجہ سے قیمت زیادہ بازار سے لی جارہی ہے۔

ایضاً

سوال[۷۸۴۳]: ۳.... دھان ادھار لئے گئے اور ادائیگی قیمت کے لئے کوئی وقت متعین نہیں کیا گیا، بازاری نرخ کا علم نہیں، لیکن عبدالغفار نے کہا کہ ۲۵/روپیہ من لوں گا۔

ایضاً

سوال[۷۸۴۴]: ۴.... خود عبدالغفار دھان ادھار دے رہا ہے اور قیمت رجب میں وصول کرنے کے لئے کہہ رہا ہے اور قیمت کی بھی تعیین کردی، بازاری نرخ کا علم نہیں ہے، نمبر:۳، ۴، میں تعیین کا فرق اور عدم تعیین وقت کا فرق۔

ایضاً

سوال[۷۸۴۵]: ۵.... دھان ادھار دیئے جارہے ہیں اور قیمت کی ادائیگی ماہ رجب میں بازاری قیمت سے ہوگی۔ ان صورتوں میں سے کونسی جائز ہے اور کونسی ناجائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱.... اس طرح گول مول طریقہ پر بیع درست نہیں ہے(۱)، پہلے خریدار سے دریافت کرلیا جائے کہ تم

(۱) "عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: نهى النبي صلى الله تعالى عليه وسلم عن بيعتين في بيعة".

"وعن سماك عن عبدالرحمن بن عبدالله بن مسعود عن أبيه رضي الله تعالى عنه قال: نهى النبي صلى الله تعالى عليه وسلم عن صفقتين في صفقة". (إعلاء السنن: ۱۴/۱۷۳، كتاب البيوع، باب النهي عن بيعتين في بيعة، إدارة القرآن كراچي)

قیمت اب دو گے یا دو جب میں دو گے۔ اگر اس نے کہا کہ اب دوں گا تو اس کو بتا دیا جائے کہ ۲۰/ روپے قیمت لوں گا، اگر اس نے کہا جب میں دوں گا تو اس کو بتا دیا جائے کہ ۲۵/ روپے قیمت لوں گا۔ غرض ایک بات متعین ہو جائے (۱)۔

۲..... ادھار کی وجہ سے معمولی زیادہ قیمت طے کر لینا درست ہے (۲)۔

۳..... دام دینے کا وقت اس طرح مقرر کر لیا جائے کہ نزاع نہ ہو تو یہ بیع درست ہوگی، ورنہ فاسد ہوگی (۳)۔

۴..... یہ درست ہے (۴)۔

۵..... یہ بیع فاسد ہے، اس میں قیمت نہیں ہے (۵)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۲/۹/۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، ۲۲/۹/۸۷ھ۔

---

(۱) (راجع، ص: ۱۵۷، رقم الحاشیة: ۱)

(۲) (راجع، ص: ۱۵۷، رقم الحاشیة: ۱)

(۳) "ويلمن حال مؤجل بأجل معلوم . . . قيد معلوم؛ لأن جهالة الأجل تفضي إلى المنازعة فالبائع يطالب في مدة قريبة والمشتري بأباها، فيفسد". (مجمع الأنهر: ۳/۳، كتاب البيوع، غفاريه كوئته)

"وبأجل معلوم؛ لأن جهالته تفضي إلى المنازعة فيفسد" (الدر المنتقى بذيل مجمع الأنهر: ۳/۳، كتاب البيوع، مكتبه غفاريه كوئته)

"يلزم أن تكون المدة معلومة في البيع بالتأجيل والتقسيط: أي أنه يلزم أن يكون الأجل معلوم الوقت عند كلا العاقدين: لأن جهالته تفضي إلى النزاع، فيفسد البيع به" (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۱۰۵، (رقم المادة: ۲۴۴)، مكتبه حنفيه كوئته)

(۴) (راجع الحاشية المتقدمة آنفاً)

(۵) "يلزم أن يكون الثمن معلوماً، فلو جهل الثمن، فسد البيع". (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۱۲۰، (رقم المادة: ۲۳۸)، مكتبه حنفيه كوئته)

"ولا بد من معرفة قدر و وصف ثمن غير مشار؛ لأن جهالتهما تفضي إلى النزاع المانع من التسليم والتسلم، فيخلو العقد عن الفائدة، وكل جهالة تفضي إليه يكون مفسداً" (تبيين الحقائق، —

مرض الوفات میں کم قیمت پر بیع

سوال[۷۹۳۶]: ۱..... اگر کسی چیز کی خریداری میں کم قیمت ادا کی جائے اور فروخت کنندہ سے زیادہ قیمت بوجہ مجبوری یا بیماری یا ضعیف العمری یا نا امید زیست کی بناء پر ایک دو یوم مرنے سے قبل فروخت کنندہ سے دیگر اشخاص کے بلا مشورہ، خفیہ طور پر کہ جو بالاعلان نہ ہو، بیع نامہ کرایا جائے تو اس بات میں علمائے دین کیا فرماتے ہیں؟

۲..... جب کہ خریدار مذکور خود رقم قرض کے اندراج کو تسلیم کرتا ہے لیکن قیمت باقی ماندہ کو ادا نہیں کرتا اور جو شئے بیع نامہ فروخت کنندہ سے حاصل کی گئی ہے اس کے جز کی واپسی بھی عدمِ ادائیگی قیمت کے لحاظ سے نہیں کرتا ہے جس سے رقم ادا شدہ اور شئے حاصل شدہ مساوی حالت میں ہو جاویں۔

۳..... اگر فروخت کنندہ فوت ہو چکا ہے اور خریدار مذکور قیمت قرض کو مانتا ہے تو یہ قیمت باقی ماندہ خریدار اگر ادا کریں، تو وارثان فروخت کنندہ مذکورہ اس قیمت کے پانے کے مستحق ہوں گے۔

۴..... اگر کسی جائیداد یا مکان مجوزہ خود کی بابت یہ علم ہو جاوے کہ اس کی قیمت یا معاوضہ اصل مالک کو ادا نہیں ہوا اور صرف قانونی قبضہ ایک عرصۂ دراز سے مطابق قانون دنیوی چل رہا ہے، لہٰذا ایسا قبضہ بدستور باقی رکھنا جائز ہے یا بعد ادائیگی قیمت معاوضہ مکان کو قبضہ کرنا جائز ہوگا؟

نیاز مند سید ممتاز علی، قصبہ نجیب آباد، ضلع بجنور، ۱۸/ ذی الحجہ/ ۱۳۵۶ھ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱..... اگر یہ بیع نامہ ایسے شخص کے حق میں ہوا ہے کہ جو شرعاً بائع کا وارث بھی ہے تو یہ بیع بقیہ ورثہ کی اجازت پر موقوف ہے، وہ اجازت دیں گے تو نافذ ہو جائے گی، ورنہ نہیں۔ اگر یہ بیع نامہ کسی اجنبی کے حق میں

= ۲۸۰/۳، کتاب البیوع، دار الکتب العلمیۃ بیروت)

"لا یصح البیع فی غیرہ: أی فی غیر المختار، إلا بلا معرفۃ قدرہ کعشرۃ ونحوہ، ووصفہ ککونہ مصریاً أو دمشقیاً، لأن جہالتہما تفضی إلی النزاع المانع من التسلیم والتسلم، فیعری العقد عن المقصود، وکل جہالۃ ہذہ صفتہا تمنع الجواز". (مجمع الأنہر: ۱۰۲/۳، کتاب البیوع، غفاریہ کوئٹہ)

(وکذا فی الدر المنتقی بذیل مجمع الأنہر، کتاب البیوع: ۱۰۲/۳، مکتبہ غفاریہ کوئٹہ)

ہوا ہے (یعنی جو شرعاً وارث نہیں) تو اس کا حکم یہ ہے کہ دیانت دار اور تجربہ کار آدمی اس چیز کی قیمت تجویز کریں اور پھر دیکھیں کہ مشتری نے اس سے کس قدر کم ادا کی ہے، اگر وہ کمی بائع کے ایک ثلث ترکہ کے برابر یا اس سے کم ہو تب تو بیع صحیح ہوگی، ورنہ اجازتِ ورثہ پر موقوف ہے، اگر ورثہ بالغ ہوں تو مشتری سے کہہ دیا جاوے گا کہ اس کی قیمت پوری کرو، ورنہ بیع کو فسخ کر دیا جائے گا (۱)۔ کیونکہ یہ بھی وصیت کے حکم میں ہے، کذا فی مرقاۃ المحتی: ۱۰/۱۹۱ (۲)۔

۲… بیع کی صحت و عدم صحت کا حکم جواب نمبر ۱ میں آچکا ہے، اگر خریدار بیع کو برقرار رکھ کر اس شے کو اپنے پاس رکھنا چاہتا ہے تو شرعاً اس کی وہی صورت ہے، اس کے خلاف کرنا گناہ ہے اور معصیت ہے۔

۳… اس کا جواب نمبر ۱ سے ظاہر ہے۔

۴… ایسا قبضہ ناجائز ہے (۳)، یا مکان کی قیمت ادا کر دے، یا ہبہ کرا لے، اگر وہ بیع یا ہبہ

---

(۱) "إذا باع المريض في مرض موته شيئاً من ماله لأحد ورثته، صار ذلك موقوفاً على إجازة سائر الورثة، فإن أجازوا بعد موت المريض، نفذ البيع، وإلا فلا. وإذا باع المريض في مرض موته شيئاً من أجنبي بثمن المثل، صح بيعه. وإن باعه بدون ثمن المثل وسلم المبيع، كان بيعه بيع محاباة فيعتبر من ثلث ماله، فإن كان الثلث وافياً بها، صح، وإن كان الثلث لا يفي بها، لزم المشتري إكمال ما نقص من الثمن المثل، وإعطاءه للورثة، فإن فعل، لزم البيع، وإلا كان للورثة فسخه". (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۲۲۱، ۲۲۲، (رقم المادة: ۳۹۳، ۳۹۴)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"وقف بيع الغاصب على إجازة المالك …… وبيع المريض لوارثه على إجازة الباقي". (الدر المختار). "أو على صحة المريض، فإن صح من مرضه نفذ، وإن مات منه ولم تجز الورثة، بطل". (رد المحتار: ۵/۱۰۶، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، فصل في الفضولي، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۳/۱۵۴، الباب الثاني عشر في أحكام البيع الموقوف، رشيديه)

(۲) لم أجده

(۳) "عن سعيد بن زيد رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "من أخذ شبراً من الأرض ظلماً، فإنه يطوقه يوم القيامة من سبع أرضين". (مشكوة المصابيح، ص: ۲۵۴، كتاب البيوع، باب الغصب والعارية، قديمي)

"عن سمرة رضي الله تعالى عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "على اليد ما أخذت حتى تؤدي".

پر رضامند نہ ہوں بلکہ اپنا مکان وغیرہ خالی کرانا چاہیں تو اپنا قبضہ اٹھاتا اور مکان کو خالی کرنا واجب ہے، بلکہ پہلے اپنا قبضہ اٹھا کر مالک کے قبضہ میں دیدیا جاوے، اس کے بعد بیع یا ہبہ کی گفتگو کی جاوے تاکہ ان پر کسی قسم کا دباؤ نہ رہے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: بندہ سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۲/ محرم الحرام/ ۵۷ھ۔

مبیع میں زیادتی کا مطالبہ کرنا

سوال [۷۶۹۳]: اگر کوئی شخص ایک سودا خریدے اور خریدار بیچنے والے سے علاوہ خرید شدہ چیز کے اور کوئی چیز مانگے جس کو "رونگا" کہتے ہیں اور بیچنے والا خوشی سے دے بھی دے تو کیا وہ رونگا مانگنا اور لینا جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

وہ رونگا جزو مبیع ہے، لہٰذا اگر اس شئی کے واپس کرنے کی نوبت آئے تو رونگا بھی واپس کرنا ہوگا (۲)۔ ایسی

= (مشکوٰۃ المصابیح، کتاب البیوع، باب الغصب والعاریۃ، الفصل الثانی، ص: ۲۵۵، قدیمی)

(۱) "وعن أبي حرۃ الرقاشي عن عمه رضي اللہ تعالیٰ عنه قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم: "ألا! لا تظلموا، ألا! لا يحل مال امرئ إلا بطيب نفس منه" (مشکوٰۃ المصابیح، المصدر السابق)

(۲) "وكذا صح الزيادة في المبيع، ولزم البائع دفعها إن قبل المشتري ذلك، لأنه تصرف في حقه وملكه، ويلتحق بالعقد، فيصير حصته من الثمن، حتى لو هلكت الزيادة قبل القبض، تسقط حصتها من الثمن". (مجمع الأنهر ۳/ ۱۱۶، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية، فصل: لا يصح بيع المنقول، غفاريه كوئٹه)

"وصح الزيادة في المبيع، ولزم البائع دفعها إن في غير سلم وقبل المشتري، وتلتحق أيضاً بالعقد، فلو هلكت الزيادة قبل قبض، سقط حصتها من الثمن". (الدر المختار مع رد المحتار: ۵/ ۱۵۵، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية، فصل في التصرف في المبيع والثمن، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۶/ ۲۰۰، كتاب البيع، فصل في بيان التصرف في المبيع، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۴/ ۳۲۲، كتاب البيوع، باب التولية، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۱۳۳، (رقم المادة: ۲۵۵)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

صورت میں رکھے گا، رواج ترک کردیا جائے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۰/۲/۶۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۱/صفر/۶۸ھ۔

اصل مطالبہ سے زائد کا دعویٰ کرنا

سوال [۷۸۳۸]: میں نے مقروض ہوکر سودی لئے ہوئے قرض سے ایک انجن خریدا تھا، تو حالات ناسازگار ہونے کی بناء پر مجھے ۲۹۰۰/ میں بیچنا پڑا۔ ۲۱۰۰/ وصول کرلئے، ۸۰۰/ روپے چالو ہونے پر وعدہ کیا گیا ہے، مگر اب وہ روپیہ دیتا نہیں۔ عدالت سے فیصلہ ہوگا۔ وکیل کہتے ہیں کہ ۲۹۰۰/ ہی کا دعویٰ کرو۔ جب کامیابی کی کچھ امید ہے ایسی صورت میں ۲۹۰۰/ کا دعویٰ کرسکتا ہوں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر ۲۱۰۰/ روپے کے وصول پانے کی آپ نے ان کو رسید دے دی ہے تو آپ یہ دعویٰ کرسکتے ہیں کہ ۲۱۰۰/ روپے وصول کرچکا ہوں، ۸۰۰/ باقی ہیں(۱)۔ بیعنامہ مکمل ہوجانے اور انجن فٹ ہوکر چالو ہوجانے کے بعد محض بقیہ ۸۰۰/ واجب الاداء کے مطالبہ پر تو شاید بیع کو عدالت فسخ نہ کرے، بلکہ آپ کا روپیہ دلوادے۔ اگر آپ نے ۲۱۰۰/ کی رسید نہیں دی اور آپ ۸۰۰/ کا مطالبہ کریں اور عدالت اس کی کل قیمت ۸۰۰/ ہی تجویز کردے، بیعنامہ تحریر موجود نہ ہو تب بھی آپ کو ۸۰۰/ روپیہ مل جائے تو مطالبہ پورا ہوجائے گا۔

اگر بیع فسخ کردے اور انجن آپ کو واپس ملے تو آپ کو ضابطہ میں ۸۰۰/ دینا پڑے گا۔ اس صورت میں

---

(۱) "عن ابن عمر وعائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہم: أن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، قال: "من طلب حقاً، فلیطلبہ فی عفاف واف أو غیر واف". (سنن ابن ماجۃ، أبواب الصدقات، باب حسن المطالبۃ: ۲/۱۷۴، قدیمی)

"عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال: جاء رجل یطلب نبی اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بدین أو بحق، فتکلم ببعض الکلام، فہمّ صحابۃ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بہ، فقال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: "مہ إن صاحب الدین لہ سلطان علی صاحبہ حتی یقضیہ". (سنن ابن ماجۃ، أبواب الصدقات، باب: لصاحب الحق سلطان: ۲/۱۷۴، قدیمی)

تو نوٹ آپ نفع میں رہیں گے، ۱۳۰۰/ آپ کو بچیں گے (مگر شرعاً اس کا رکھنا درست نہیں ہوگا)۔ تاہم اگر قانونی پیچیدگیوں کی وجہ سے (جن کو میں نہیں جانتا) ۲۹۰۰/ ہی کا دعویٰ کرنا ضروری ہے تو فیصلہ اور ڈگری ہونے پر آپ کو صرف مطالبہ ۸۰۰/ ہی رکھنے کا حق ہوگا، جو رقم زائد ملے اس کو واپس کرنا ہوگا (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفی عنہ دار العلوم دیوبند، ۱۸/۱۱/۹۵ھ۔

مقررہ قیمت سے زیادہ قیمت پر چوری کا مال فروخت کرنا، اور بلیک کرنا

سوال [۹۵۸۶]: کیا بلیک کرنا گناہ ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اصل یہ ہے کہ مالک کو شرعاً حق حاصل ہے کہ اپنی ملکیت جس قیمت پر چاہے فروخت کرے (۲)، لیکن مالک اگر مال کو زیادہ قیمت پر فروخت کریں اور عام مخلوق قیمت کی زیادتی کی وجہ سے سخت پریشان ہو اور اس کا سبب نرخ متعین کرنے (کنٹرول) کے پیش نظر حکومت کے لئے درست ہے کہ اہل الرائے کے

---

(۱) "والحاصل أنه إن علم أرباب الأموال وجب رده عليهم، وإلا فإن علم عين الحرام لايحل له ويتصدق به بنية صاحبه". (ردالمحتار، كتاب البيوع، باب بيع الفاسد، مطلب فيمن ورث مالا حراماً: ۵/۹۹، سعيد)

"ويردونها على أربابها إن عرفوهم، وإلا تصدقوا بها؛ لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد على صاحبه". (ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۶/۳۸۵، سعيد)

(۲) "ويكره التسعير ... ولأن الثمن حق العاقد، فلاينبغي له أن يتعرض لحقه" (مجمع الأنهر، ۴/۲۱۵، كتاب الكراهية، غفاريه كوئٹه)

"وإنما لايسعر لما روي أن السعر قد غلا بالمدينة، فطلب من النبي صلى الله عليه وسلم أن يسعر، فأبى، وقال: "إن الله تعالى هو المسعر القابض الباسط الرازق". وفي حديث آخر قال: "الله تعالى يخفض ويرفع، وإني لأرجو أن ألقى الله تعالى وليس لأحد منكم عندي مظلمة" ولأن الثمن حق البائع؛ لأنه يقابل ملكه، فيكون التقدير إليه". (المحيط البرهاني في الفقه النعماني: ۸/۲۶۸، الفصل الخامس والعشرون في المبايعات المكروهة والأرباح الفاسدة، فصل في الاحتكار، غفاريه كوئٹه)

مشورے سے قیمت متعین (کنٹرول) کردے (۱) جس میں مالک کا نقصان بھی نہ ہو اور عام مخلوق کو پریشانی سے نجات مل جائے، بلیک کرنا یعنی متعینہ نرخ سے زائد پر فروخت کرنا قانون شکنی ہے، جس کے نتیجہ میں خطرہ ہے اس لئے اس سے بچنا چاہئے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

افیم کی بلیک کا حکم

سوال [۷۸۲۰]: افیم کی بلیک کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بلیک (۳) قانونی جرم ہے (۴) منفعت کی خاطر جان، مال، عزت، کو خطرہ میں ڈالنا درست نہیں (۵)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

---

(۱) "ولا یسعّر حاکم إلا إذا تعدی الأرباب عن القیمۃ تعدیاً فاحشاً، فیسعر بمشورۃ أهل الرأی". (الدرالمختار: ۳۹۹/۶، کتاب الحظر والإباحۃ، فصل فی البیع، سعید)

"ویکرہ التسعیر إلا إذا تعدی أرباب الطعام فی القیمۃ تعدیاً فاحشاً، فلا بأس به بمشورۃ أهل الخبرۃ" (ملتقی الأبحر مع مجمع الأنهر: ۲۱۵/۴، غفاریہ کوئٹہ)

"وإن کان أرباب الطعام یتحکمون علی المسلمین ویتعدون عن القیمۃ تعدیاً فاحشاً، وعجز القاضی عن صیانۃ حقوق المسلمین إلا بالتسعیر، فلا بأس بالتسعیر بمشورۃ من أهل الرأی والبصر" (المحیط البرهانی فی الفقہ النعمانی: ۲۶۸/۸، الفصل الخامس والعشرون فی البیاعات المکروهۃ والأرباح الفاسدۃ، فصل فی الاحتکار، مکتبہ غفاریہ کوئٹہ)

(وکذا فی الدرالمنتقی علی هامش مجمع الأنهر، کتاب الکراهیۃ، فصل فی البیع: ۲۱۵/۴، غفاریہ کوئٹہ)

(وکذا فی البحر الرائق: ۳۷۰/۸، کتاب الکراهیۃ، فصل فی البیع، رشیدیہ)

(۲) "طاعۃ الإمام فیما لیس بمعصیۃ واجبۃ". (ردالمحتار: ۱۷۲/۲، کتاب الصلوۃ، باب العیدین، سعید)

(۳) "بلیک: مقررہ قیمت سے زیادہ پر چوری سے مال فروخت کرنا"۔ .... =

بلیک مارکیٹ

سوال [۱۸۴۱]: بغیر سیل ٹیکس ادا کئے پوشیدہ طور پر مال کی فروخت کیسی ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اپنے مال کی تجارت خاطر خواہ طریقہ پر جائز ہونے کے باوجود سیل ٹیکس انسپکٹر سے چھپا کر اور چوری سے فروخت کرنا اپنی عزت اور مال کو خطرہ میں ڈالنا ہے جو کہ قرین دانشمندی نہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۶/۷/۱۳۸۷ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

= "بلیک مارکیٹ: مقررہ مارکیٹ سے زیادہ قیمت پر چوری سے مال فروخت کرنا"۔ (فیروز اللغات، ص: ۲۱۴، فیروز سنز لاہور)

(۴) حکومتِ مقررکردہ قوانین کی خلاف ورزی شرعاً جائز ہے، جب کہ اس میں شرعی مفسدہ ہو: "طاعۃ الإمام فیما لیس بمعصیۃ فرض"۔ (رد المحتار، کتاب الجہاد، باب البغاۃ: ۴/۲۶۴، سعید)

(۵) "درء المفاسد أولی من جلب المنافع. ومما یتفرع عن ہذہ القاعدۃ أن الرجل یمنع من التصرف فی ملکہ إذا کان تصرفہ یضر بجارہ ضرراً فاحشاً؛ لأن درء المفاسد عن جارہ أولی من جلب المنافع لنفسہ". (شرح المجلۃ، ص: ۳۲، رقم المادۃ: ۳۰، مکتبہ حنفیہ کوئٹہ)

"درء المفاسد أولی من جلب المنافع، فإذا تعارضت مفسدۃ ومصلحۃ، قدم دفع المفسدۃ غالباً". (شرح الأشباہ والنظائر: ۱/۲۶۳، الفن الأول، القاعدۃ الخامسۃ، إدارۃ القرآن کراچی)

(۱) (راجع الحاشیۃ السابقۃ)

فصلٌ في سُلفة الثّمن في البيع

(بیعانہ کا بیان)

بیعانہ کا حکم

سوال [۶۸۰۲]: ادھر دستور ہے کہ جب کوئی شئی خرید وفروخت کی بات چیت ہوتی ہے تو بات کو پختہ ومستحکم بنانے کے لئے چیز والا خریدار سے کچھ رقم یا نقد روپیہ لیتا ہے، اس کو "بیعانہ" کہتے ہیں۔ اگر خریدار نے بات چیت کے مطابق وہ چیز لی تو ٹھیک ہے اور اگر نہیں لی تو وہ بیعانہ ضبط ہو جاتا ہے، خریدار کو واپس نہیں ملتا ہے۔ ایسا کرنا شرعاً درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ بیعانہ جزو قیمت ہے جس کو پیشگی وصول کیا جاتا ہے، پھر بقیہ قیمت معاملہ پختہ ہونے پر وصول کی جاتی ہے۔ اگر معاملہ بیع طے نہ ہو بلکہ ختم ہو جائے تو یہ بیعانہ واپس کرنا ضروری ہے، اس کو روکنا اور ضبط کر لینا درست نہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

---

(۱) "عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده رضي الله تعالى عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم نهي عن بيع العربان. قال مالك: وذلك فيما نرى -والله تعالى أعلم- يشتري الرجل العبد أو الوليدة أو يتكاري الدابة، ثم يقول للذي اشترى منه أو تكاري منه: أعطيتك ديناراً أو درهماً أو أكثر من ذلك أو أقل على أني أخذت السلعة أو ركبت ما تكاريت منك، فالذي أعطيتك من ثمن السلعة أو من كراء الدابة، وإن تركت ابتياع السلعة أو كراء الدابة فما أعطيتك لك باطل بغير شيء". (إعلاء السنن: ۱۴/ ۱۹۹، كتاب البيوع، باب النهي عن بيع العربان، إدارة القرآن كراچی)

"ونهى عن بيع العربان أن يقدم إليه شيء من الثمن، فإن اشترى حسب من الثمن، وإلا فهو له مجاناً، وفيه معنى الميسر". (حجة الله البالغة: ۲/ ۲۸۸، بيوع فيها معنى الميسر، قديمي)

بیعانہ لینے سے بیع

سوال[۷۶۴۵]: عمرو نے زید کو ایک مکان کا چوتھائی حصہ چار سو روپیہ میں فروخت کر دیا اور مبلغ سو روپیہ بطور بیعانہ لے کر یہ تحریر لکھ دی کہ میں مبلغ سو روپے بطور بیعانہ لے چکا ہوں اور مبلغ تین سو روپے رجسٹری کے وقت لوں گا۔ زید نے جب عمرو بائع سے رجسٹری کا تقاضا کیا تو عمرو بائع رجسٹری کو ٹالتا رہا اور کچھ عرصہ بعد مکان پر جبراً قبضہ کر لیا اور جو مبلغ سو روپے بطور بیعانہ لیا تھا اس کے واپس دینے سے بھی انکار کر دیا۔ اب یہ باتیں دریافت طلب ہیں:

۱- کیا یہ بیع ہوئی یا نہیں؟

۲- اگر صحیح ہوئی تو بائع کو مکان پر جبراً بلا رضامندی زید (مشتری) قبضہ کر لینا جائز ہے یا نہیں؟

۳- کیا بائع کو جبراً بیع کے فسخ کا اختیار ہے؟

۴- اگر صحیح نہیں ہوئی، یا بائع کو جبراً فسخ بیع کا اختیار ہو تو مبلغ سو روپیہ بائع کے ذمہ ضروری ہے یا نہیں؟

۵- مشتری کو اپنے اس روپیہ کے واپس لینے کا حق ہے یا نہیں جو اس نے بطور بیعانہ بائع کو دیے تھے؟ بینوا توجروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱- صحیح ہوئی (۱)۔

"بیع العربان: وصورته أن یشتری الرجل شیئاً فیدفع إلی البائع من ثمن ذلک المبیع شیئاً علی أنه إن نفذ البیع بینهما، کان ذلک المدفوع من ثمن السلعة، وإن لم ینفذ ترک المشتری ذلک الجزء من الثمن عند البائع، ولم یطالبه به. وإنما صار الجمهور إلی منعه؛ لأنه من باب الغرر والمخاطرة وأکل مال بغیر عوض". (بدایة المجتهد ونهایة المقتصد، الباب الرابع فی بیوع الشروط والثنیا: ۸/۵، دار الکتب العلمیة بیروت)

(وکذا فی سنن ابن ماجه، ص: ۱۵۸، أبواب التجارات، باب بیع العربان، قدیمی)

(۱) "البیع ینعقد بإیجاب وقبول". (شرح المجلة لسلیم رستم باز، ص: ۴۵، رقم المادة: ۱۶۷، مکتبه حنفیه کوئٹه)

۲...نہیں(۱)۔

۳... نہیں(۲)۔

۴... بیع تھی، اب اگر بائع اس کو فسخ کرنا چاہے تو مشتری کی رضامندی سے مبلغ مذکور روپے واپس دے کر فسخ کر سکتا ہے(۳)۔

۵... اگر بائع مکان نہیں دیتا اور جھگڑا کرتا ہے تو مشتری کو حق حاصل ہے کہ اپنا روپیہ واپس لے لے(۴)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، ۲۷/۳/۳۵ھ۔

جواب صحیح ہے: عبد اللطیف، ۲۷/ ذی الحجہ/ ۵۳ھ۔

- "البيع مبادلة مال بمال، وينعقد بإيجاب وقبول". (ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر: ۳/۴، كتاب البيوع، غفاريه كوئٹه)

"هو (أي البيع) مبادلة المال بالمال بالتراضي، ويلزم بإيجاب وقبول" (كنز الدقائق، كتاب البيوع: ۵/۴۲۹، رشيديه)

(۱) "وفي بيع سلعة بثمن سلم هو أولاً إن لم يكن مؤجلاً". (ملتقى الأبحر). قال الفقيه عبدالرحمن بن محمد رحمه الله تعالى: "فإنه لو كان مؤجلاً لا يمكن التسليم أولاً، بل يجب تسليم المبيع". (مجمع الأنهر: ۳/۳۱-۳۲، كتاب البيوع، غفاريه كوئٹه)

"القبض ليس بشرط في البيع، إلا أن العقد إذا تم، كان على المشتري أن يسلم الثمن أولاً، ثم يسلم المبيع إليه". (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۱۳۶، (رقم المادة: ۲۶۲)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(۲) "من شرائطها (أي الإقالة) اتحاد المجلس ورضا المتعاقدين، لأن الكلام في رفع عقد لازم". (رد المحتار: ۵/۱۲۱، باب الإقالة، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۳/۱۵۷، كتاب البيوع، الباب الثالث عشر في الإقالة، رشيديه)

"للعاقدين أن يتقايلا البيع برضاهما بعد انعقاده، فالرضا شرط في الإقالة، كما في سائر العقود". (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۹۲، (رقم المادة ۱۹۰)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(۳) (راجع الحاشية المتقدمة آنفاً)

(۴) یعنی وہ اگر کے اپنے پیسے واپس لے لے "وينفسخ البيع: أي ويجب رد مثل الثمن الأول". (شرح المجلة لخالد الأتاسي: ۲/۲۷۷، مكتبه حبيبيه كوئٹه)

(وكذا في النهر الفائق: ۳/۴۵۲، كتاب البيوع، باب الإقالة، قديمي)

باب المتفرقات

اناج کی بیع فصل کی قیمت

سوال [۷۸۴۴]: اس وقت نرخ گندم پانچ سیر ہے اور ایک غریب آدمی جس کے یہاں اناج نہیں ہے ہم سے اناج لینا چاہتا ہے تو اس کو بجائے ۵ سیر کے چار سیر دیتے ہیں اور اس سے وعدہ کر لیتے ہیں کہ فصلِ ربیع یعنی ساڑھی میں اناج اسی بھاؤ کا جو بھاؤ فصلِ ربیع میں ہوگا لیا جائے گا۔ آپ تحریر فرماویں کہ یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس صورت میں بھاؤ کی کیا شرط ہے، اناج بطور قرض دیجئے، جتنے سیر یا من اناج دیا اتنے سیر یا من اناج ساڑھی میں واپس لے لیں (۱)، خواہ کچھ ہی بھاؤ ہو، قیمت سے کچھ تعلق نہیں (۲)۔ اگر فروخت کرنا ہے

---

(۱) "ويجوز القرض فيما هو من ذوات الأمثال كالمكيل والموزون والعددي المتقارب كالبيض". (الفتاوى العالمكيرية: ۲۰۱/۳، كتاب البيوع، الباب التاسع عشر في القرض والاستقراض، رشيديه)

"القرض عقد مخصوص يرد على دفع مال مثلي لآخر ليرد مثله، وصح القرض في مثلي لا في غيره". (الدر المختار مع رد المحتار: ۱۶۱/۵، كتاب البيوع، فصل في القرض، سعيد)

"فلا يجوز قرض ما لا مثل له .... فتعين أن يكون الواجب فيه رد المثل، فيختص جوازه بماله مثل". (بدائع الصنائع: ۵۹۶/۱۰، كتاب القرض، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) "والذي يتحقق من النظر في دلائل القرآن والسنة ومشاهدة معاملات الناس أن المماثلة المطلوبة في القرض هي المماثلة في المقدار والكمية دون المماثلة في القيمة والمالية". (بحوث في قضايا فقهية معاصرة، مسئلة تغير قيمة العملة وربطها بقائمة الأسعار، قرض الحنطة، ص: ۱۷۳، دار العلوم كراچی)

"وكذا كل ما يكال ويوزن لما مر أنه مضمون بمثله، فلا عبرة بغلائه ورخصه". (الدر المختار مع رد المحتار: ۱۶۲/۵، كتاب البيوع، فصل في القرض، سعيد)

تو فروخت کردیجئے، اور سازمش میں قیمت لے لیں۔ جس وقت پر آپ نے فروخت کیا ہے، اسی وقت کی قیمت لی جائے، خواہ سازش میں کچھ کمی بھاؤ ہو۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اگر سازش میں اس کے پاس قیمت نہ ہو اور بجائے قیمت کے اناج دینا چاہیں تو اس وقت نرخ طے کرلیا جائے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

کمہار سے بلا قیمت لوٹے لینا

سوال[۸۴۳۵]: بعض دیہات کی افتادہ زمین سے کمہار مٹی لے جاتے ہیں(۱) اور گاؤں والے ان سے لوٹے یا اور برتن اس اجرت پر مقرر کرلیتے ہیں، اور یہ لوٹے مسجد میں استعمال کئے جاتے ہیں۔ تو یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر گاؤں والے اس زمین کے مالک ہیں اور وہ مٹی کمہاروں کے ہاتھ فروخت کرتے ہیں اور کمہار قیمت میں لوٹے وغیرہ دیتے ہیں تو ان لوٹوں کا استعمال درست ہے(۲)۔ اگر مالک نہیں ہیں تو ان کو کمہاروں سے لوٹے مفت لینے کا کوئی حق نہیں اور اس صورت میں وہ لوٹے کمہاروں کو لوٹانا ضروری ہے(۳)، مگر یہ

---

(۱) "کمہار: مٹی کے برتن بنانے والا، کوزہ ساز"۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۰۳۰، فیروز سنز لاہور)

(۲) اس لئے کہ بیچ کا مملوک ہونا ضروری ہے۔ "یشترط لنفاذ البیع أن یکون البائع مالکاً للمبیع أو وکیلاً لمالکہ".
(شرح المجلۃ لسلیم رستم باز، ص: ۲۰۳، (رقم المادۃ: ۳۶۵)، مکتبہ حنفیہ کوئٹہ)

"وشرط فی المبیع کونہ مالاً متقوماً شرعاً مقدور التسلیم فی الحال أو فی ثانی الحال، وزاد فی البحر: أن یکون مملوکاً فی نفسہ". (الدر المنتقی بذیل مجمع الأنہر: ۳/۵، کتاب البیوع، غفاریہ کوئٹہ)

"أما شرائط المعقود علیہ فأن یکون موجوداً مالاً متقوماً مملوکاً فی نفسہ". (البحر الرائق، کتاب البیوع: ۵/۴۳۳، رشیدیہ)

(۳) "عن أبی حرۃ الرقاشی عن عمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: "ألا! لاتظلموا، ألا! لا یحل مال امرئ إلا بطیب نفس منہ". (مشکوۃ المصابیح، ص: ۲۵۵، کتاب البیوع، باب الغصب والعاریۃ، قدیمی)

"عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: "علی الید ما أخذت حتی تؤدی". (مشکوۃ المصابیح،

استعمال کرنا یا مسجد میں دینا جائز نہیں (۱)۔ اگر گاؤں والے مالک ہونے کے بعد قرض نہیں کرتے تو اس کے لینا درست ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

کھوئے روپیہ کا حکم

سوال [۷۸۲۹]: تجارت میں اگر پیسہ روپیہ کھوٹا آئے تو اس کو کیا کرے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر معلوم ہے کہ کس کے پاس سے آیا ہے تب تو اسی کو دیدے (۲)، جس طرح بھی ممکن ہو، خواہ

= المصدر السابق)

"التصرف في مال الغير حرام، فيجب التحرز عنه". (فتح القدير: ۶/۵۱۵، كتاب البيوع، فصل ومن اشترى شيئاً مبتذلاً، مصطفى البابي الحلبي مصر)

"لا يجوز لأحد أن يتصرف في ملك غيره بلا إذنه ... أو وكالة منه أو ولاية عليه، وإن فعل، كان ضامناً". (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۶۱، رقم المادة: ۹۶، مكتبه حنفيه كوئته)

(۱) "عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "إن الله طيب لا يقبل إلا طيباً، وإن الله تعالى أمر المؤمنين بما أمر به المرسلين". (مشكوة المصابيح، ص: ۲۴۱، كتاب البيوع، باب الكسب وطلب الحلال، قديمي)

(۲) "ومن قبض زيفاً بدل جيد غير عالم به، فأنفقه أو هلك فهو قضاء". قال في المجمع: "فيد بالإتلاف، لأنه لو كان قائماً، يرده ويسترد الجيد عندهم". (مجمع الأنهر: ۳/۱۵۵، كتاب البيوع، مسائل شتى، غفاريه كوئته)

"ومن قبض زيفاً بدل جيد، كان له على آخر غير عالم به ولم يعلم وأنفقه، كان قضاءً اتفاقاً، فأنفقه أو هلك، فلو قائماً رده اتفاقاً". (الدر المنتقى على هامش مجمع الأنهر: ۳/۱۵۵، كتاب البيوع، مسائل شتى، غفاريه كوئته)

"ولو قبض زيفاً بدل جيد، كان له على آخر جاهلاً به، فلو علم وأنفقه، كان قضاءً اتفاقاً، ولو أنفقه فلو قائماً، رده اتفاقاً". (الدر المختار مع رد المحتار: ۵/۲۶۳، كتاب البيوع، باب المتفرقات، سعيد)

بتا کر خواہ دھوکہ ہے (۱)۔ اگر معلوم نہ ہو تو دھوکہ دینا جائز نہیں (۲)، بتا کر دے دیا جائے اگرچہ لینے والا کم قیمت پر لے، یا اگر کسی جگہ اس سے کچھ غلط لیا جائے تو وہاں بلا بتائے بھی دینا درست ہے (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۲/۱۲/۵۶ھ۔

الجواب صحیح: بندہ سعید احمد غفرلہ۔　　صحیح: عبداللطیف، ۱۴/ ذی الحجہ/۵۶ھ۔

مبیع مقدار معین سے کم یا زائد نکلے

سوال [۷۸۴۲]: مسمی عبدالرحمٰن نے ایک کپڑا بیس گز ایک روپیہ چار آنہ کا فروخت کیا، وہ کپڑا پونے بیس گز ہوا، خریدار نے ایک روپیہ چار آنہ نہیں دیا، بلکہ چار گرہ کے دام کاٹ کر دیتا ہے ۱۳/ دیتا ہے۔ مسمی عبدالرحمٰن خریدار کو کہتا ہے کہ چار گرہ کے دام نہ کاٹ، مگر خریدار نے ضرور کاٹ لئے۔ اس کے بعد مسمی عبدالرحمٰن ایک کپڑا بیس گز اور فروخت کرنے گیا، اس کی قیمت بھی ۱۴/ آنے قرار پائی، مگر جس وقت ناپا تو سوا بیس گز ہوا۔ اب خریدار کہتا ہے کہ میں تو پورے بیس گز کے دام دوں گا۔ مسمی عبدالرحمٰن نے ہر چند کہا مگر اس نے پورے بیس گز کے دام ۱۴/ دیئے، چار گرہ کے نہیں دیئے۔

---

(۱) اس لئے کہ یہ درحقیقت اپنے حق کو حاصل کرنا ہے جو جائز ہے:

"وجد دنانیر مدیونه، وله علیه دراهم، له أن یأخذه، لاتحادهما جنساً في الثمنیة".

(الدر المختار مع رد المحتار: ۱۵۱/۶، کتاب الحجر، سعید)

(۲) "عن أبي هریرة رضي الله تعالی عنه أن رسول الله صلی الله علیه وسلم مرّ علی صبرة من طعام، فأدخل یده فیها، فنالت أصابعه بللاً، فقال: "یا صاحب الطعام! ما هذا؟" قال: أصابته السماء یا رسول الله، قال: "أفلا جعلته فوق الطعام حتی یراه الناس؟" ثم قال: "من غش فلیس منا". (جامع الترمذي، ص: ۲۴۵، أبواب البیوع، باب ما جاء في کراهیة الغش في البیوع، سعید)

(وفیض القدیر: ۵۹۲۳/۱۱، (رقم الحدیث: ۸۸۷۹)، مکتبه نزار مصطفی الباز ریاض)

(وسنن أبي داود: ۱۳۳/۲، کتاب البیوع، باب في النهي عن الغش، مکتبه امدادیه ملتان)

(ومشکوة المصابیح: ۲۴۸/۲، کتاب البیوع، باب المنهي عنها من البیوع، الفصل الأول، قدیمي)

(۳) (راجع رقم الحاشیة: ۲)

اب غور طلب یہ ہے کہ کپڑے میں ایک پیسہ کاٹ لیا اور دوسرے کپڑے میں جو سوا بیس گز تھا ان کا پورا ایک روپیہ چار آنے بھی دیا گیا، اس خریدار کو وہ پیسہ جائز ہو سکتا ہے؟ والسلام۔

معرفت: مولوی شبیر احمد گنگوہی، متعلم مدرسہ ہذا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر بیس گز کپڑا فروخت کیا اور مجموعی قیمت ۱/۴ بتائی اور فی گز کے حساب سے کوئی قیمت نہیں بتائی اور معاملہ ایجاب وقبول سے پختہ کر دیا اور ناپنے کے بعد معلوم ہوا کہ وہ بیس گز سے کچھ کم مثلاً پونے بیس گز ہے تو خریدار کو قیمت کاٹنے کا اختیار نہیں، بلکہ چاہے پوری قیمت دے کر خرید لے اور چاہے واپس کردے، واپس کرنے کا اختیار ہے۔ اور اگر ناپنے کے بعد معلوم ہوا کہ بیس گز سے کچھ زائد مثلاً سوا بیس گز ہے تو وہ سب کا سب ۱/۴ میں خریدار کا ہوگیا، فروخت کرنے والے کو زیادہ قیمت طلب کرنے یا واپس لینے کا اختیار نہیں۔

"ومن اشترى ثوبا على أنه عشرة أذرع بعشرة، أو أرضاً على أنها مائة ذراع بمائة فوجدها أقل، فالمشتري بالخيار: إن شاء أخذها بجملة الثمن، وإن شاء ترك. وإن وجدها أكثر من الذراع الذي سماه فهو للمشتري ولا خيار للبائع". هدايه: ۳/۲۸ (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۹/۷/۵۳ھ۔

---

(۱) (الهداية: ۳/۲۳، كتاب البيوع، مكتبه شركت علميه ملتان)

"وفي المذروع يأخذ الأقل بكل الثمن أو يفسخ، والزائد له بلا خيار للبائع". (ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر: ۳/۱۸، كتاب البيوع، غفاريه كوئٹه)

"وإن نقص ذراع، أخذ بكل الثمن أو ترك، وإن زاد فللمشتري، ولا خيار للبائع؛ لأن الذرع في المذروع وصف؛ لأنه عبارة عن الطول فيه، لكنه وصف يستلزم زيادة أجزاء، فإن لم يفرد بثمن، كان تابعاً محضاً، فلا يقابل بشيء من الثمن". (البحر الرائق: ۵/۲۸۵، كتاب البيع، رشيديه)

"وإن باع المذروع مثله على أنه مائة ذراع مثلاً، أخذ المشتري الأقل بكل الثمن أو ترك ... وأخذ الأكثر بلا خيار للبائع". (الدر المختار مع رد المحتار: ۴/۵۴۳، كتاب البيوع، مطلب: المعتبر ما وقع عليه العقد وإن ظن البائع أو المشتري أنه أقل أو أكثر، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۴/۲۸۴، كتاب البيوع، دار الكتب العلمية بيروت)

بیع میں سامان زیادہ دے دیا تو کیا کرے؟

سوال[۷۸۳۸]: زید سائیکل مرمت کا کام کرتا ہے اور سامان دوسرے بڑے دوکاندار سے خرید کر لاتا ہے، ایک مرتبہ سامان لینے گیا تو اس بڑے دوکاندار کے نوکر نے کچھ سامان مالک کی چوری سے زیادہ دیدیا، وہاں تو زید نے کچھ خیال نہیں کیا، لیکن گھر آکر چیک ملایا تو سامان زیادہ نکلا۔ اب زید پس وپیش میں ہے کہ اگر مالک پر راز افشا کرتا ہے تو ملازم کی ملازمت جاتی ہے اور نہیں کہتا تو مالک مکان کی چوری ہوتی ہے۔ لہٰذا اس معاملہ میں زید کو کیا کرنا چاہئے، سامان کی قیمت ملازم کو دے یا کہ نہ دے؟ جواب تمام باتوں کا قرآن وحدیث کی رو سے عنایت فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ کہہ کر بڑے دوکاندار کو دے سکتا ہے کہ حساب میں اتنے روپے آپ کا میری طرف ہے، وہ یہ ہے، لے لیجئے، تو یہ صورت بہتر ہے(۱)، اگر ایسا نہیں کرسکتا تو ہدیہ کے طور پر دیدے، ملازم کے خیانت کرنے سے وہ سامان زید کے لئے حلال نہیں ہوگا(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۲/۱۴۰۹ھ۔

---

(۱) اس لئے کہ مذکورہ سامان کا حکم امانت کا ہے اور امانت مالک کو واپس کرنا ضروری ہے:

قال اللہ تعالیٰ: ﴿إن اللہ یأمرکم أن تؤدوا الأمانات إلی أهلها﴾۔ "وذلک بالتسلیم إلیه عند القدرة"۔ (تبیین الحقائق: ۲۱۲/۳، کتاب اللقطة، دار الکتب العلمیة بیروت)

"عن أبي هریرة رضي اللہ تعالیٰ عنه قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم: "أدّ الأمانة إلی من ائتمنک، ولا تخن من خانک"۔ (جامع الترمذي: ۲۳۹/۱، أبواب البیوع، سعید)

(وکذا في المبسوط للسرخسي: ۱۱۶/۱۱، کتاب الودیعة، غفاریه کوئٹه)

(وکذا في شرح المجلة لسلیم رستم باز، ص: ۳۳۶، (رقم المادة: ۷۹۴، ۷۷۰)، مکتبه حنفیه کوئٹه)

(۲) "لیس لأحد أن یأخذ مال غیره بلا سبب شرعي"۔ (شرح المجلة لسلیم رستم باز، ص: ۶۲، (رقم المادة: ۹۷)، مکتبه حنفیه کوئٹه)

(وکذا في قواعد الفقه، ص: ۱۱۰، (رقم المادة: ۲۶۹)، الصدف پبلشرز)

بازار سے خریدی ہوئی دوا کو اپنی بتا کر نفع زیادہ لینا

سوال [۷۸۴۹]: اگر کوئی شخص بازار سے ہمدرد کی دوائیں خرید کر مریضوں کو اس نام سے دے کر کہ یہ دوائیں میں اپنی دوسے رہا ہوں اور اصل محنت سے کئی گناہ منافع حاصل کریں تو یہ درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ہمدرد کا ممبر وایجنٹ نہیں، بلکہ اپنے پیسہ سے خرید کر مالک ہوکر دوائیں فروخت کرتا ہے اور نفع لیتا ہے تو یہ درست ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

قیمتِ مبیع وصول کرنے کی ایک صورت

سوال [۷۸۵۰]: زید کی اراضی بکر نے قیمت متعینہ میں خریدی، لیکن بکر نے وقت متعینہ پر پوری رقم ادا نہیں کی، لیکن کھیت بکر کے قبضہ میں دیدیا گیا اور بکر پر اس کی چوتھائی رقم باقی ہے۔ تو اب صورت یہ کی گئی کہ اس فروخت شدہ اراضی سے ادنیٰ ایک جز اراضی علیحدہ تصور کرکے آٹھ سو روپیہ لگان سے اس کو دیتے ہیں، اب بکر میزان پر باقی ماندہ رقم کے علاوہ آٹھ سو روپیہ لگان کے دے گا، تو یہ آٹھ سو روپیہ لینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ صورت جائز نہیں، کیونکہ بیع کل اراضی کی ایک معاملہ سے ہوئی اور سب مبیع قرار دی گئی ہے، پھر کچھ مخصوص قطعہ کو غیر مبیع اور ملک بائع قرار دے کر تجویز کرکے مشتری کو- جو سب زمین کا بذریعہ بیع مالک ہو چکا

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿وأحل الله البيع وحرم الربوا﴾ (سورة البقرة: ۲۷۵)

"عن رافع بن خديج رضي الله تعالى عنه قال: قيل يا رسول الله! أي الكسب أطيب؟ قال: "عمل الرجل بيده، وكل بيع مبرور". (مشكوة المصابيح، ص: ۲۴۲، كتاب البيوع، باب الكسب وطلب الحلال، الفصل الثالث، قديمي)

"عن أنس بن مالك رضي الله تعالى عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم باع حلساً وقدحاً" الحديث. (جامع الترمذي: ۱/۲۳۳، أبواب البيوع، باب ماجاء في بيع من يزيد، سعيد)

ہے- لگان پر دیا گیا ہے، جس کا حاصل یہ نکلا کہ اب مشتری اپنی ہی ملک کا لگان بائع کو دے گا، اب بائع باقی بقدر چوتھائی قیمت سے زائد لینے کا حقدار نہیں (۱)۔ مشتری کو لازم ہے کہ وہ باقی بقدر قیمت جلد از جلد ادا کردے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۸/۸۹ھ۔

۵/کلو شکر کے لئے ۲۵/کلو کی درخواست دینا

سوال [۸۵۱۷]: چینی کی اگر ۵/کلو کی ضرورت ہو تو درخواست ۲۵/کلو کی دینی پڑتی ہے، تب کہیں ۵/کلو ملی پاتی ہے، اگر ۵/کلو کی درخواست دیں تو بمشکل ایک کلو مل پائے گی جس سے ضرورت پوری نہیں ہوگی۔ تو مذکورہ بالا صورت کذب میں تو داخل نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس صورت میں ۵/کلو کا عنوان ۲۵/کلو ہے اور حکومت کی نظر میں بھی اس کا معنون ۵/کلو ہی ہے، تو عنوان اور معنون کا یہ فرق گویا حکومت کی طرف سے تجویز کردیا گیا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۹/۹۳ھ۔

☆...☆...☆...☆...☆

(۱) جتنی قیمت پر بیع ہوئی ہے اتنی ہی قیمت لینے کا بائع حقدار ہے اور باقی ماندہ رقم کے علاوہ لگان کے نام سے مزید رقم مشتری سے لینا سود ہے، کیونکہ یہ مشتری ہے اس کے ذمہ باقی ماندہ قرض رقم کا نفع ہے، اور قرض پر نفع لینا صریح سود ہے۔

"کل قرض جر منفعة فهو ربا". (فیض القدیر: ۹/۴۲۲۸، رقم الحدیث: ۱۳۳۲، مکتبہ نزار مصطفی الباز ریاض)

(وکذا في الأشباه والنظائر: ۳/۹۹، إدارة القرآن کراچی)

(وکذا في فقه السنة، القرض: ۳/۱۴۳، دار الکتاب العربي بیروت)

باب بیع الحقوق المجرّدۃ

(حقوقِ مجردہ کی بیع کا بیان)

گڈول کی شرعی حیثیت

سوال [۷۸۵۲]: ایک کتابوں کی دوکان ہے جس کا نام رحمانیہ لائبریری ہے، دور دراز کے مقامات سے کتابوں کے آرڈر آتے ہیں۔ اس دوکان رحمانیہ لائبریری کے دو بھائی مالک ہیں، یہ رحمانیہ لائبریری دونوں بھائیوں کے باپ نے قائم کی تھی۔ اب یہ دوکان آپس میں تقسیم کرنی ہے، سامان تو حسبِ قانونِ شریعت اسلامیہ کے قانون کے مطابق تقسیم کرلی جائیں گی، لیکن نام کا مسئلہ باقی رہ جاتا ہے۔ اس لئے جناب والا سے دریافت یہ ہے کہ شریعت اسلامیہ میں گڈول یعنی نام کی کیا حیثیت ہے؟ دنیوی قانون کے اعتبار سے نام بھی جائیداد کی حیثیت رکھتا ہے اور اس کی قیمت مثل جائیداد کے ہوتی ہے، بعد ازاں مطلع فرمایا جائے کہ رحمانیہ لائبریری کی قیمت بھی شمار ہوگی یا نہیں؟"

الجواب حامداً ومصلیاً:

گڈول یعنی "نام" درحقیقت مال نہیں (۱)، بلکہ محض حقیقت عرفیہ کی ہے جس کی کوئی قیمت نہیں، قانون نے اس کو جو کچھ حیثیت دی ہے، وہ شریعت کی رو سے قوی لے کر نہیں دی گئی ہے۔ اس لئے یہ باہمی رضامندی سے معاملہ طے کرلیا جائے (۲)، جو بھائی حکم شرع کی قدر کرتے ہوئے عمل کرے گا، انشاء اللہ

---

(۱) "المال ما يميل إليه طبع الإنسان، ويمكن ادخاره إلى وقت الحاجة، منقولاً كان أو غير منقول"

(شرح المجلة لخالد الأتاسي: ۱/۱۰، رقم المادة: ۱۲۶)

(۲) لیکن اگر ایک بھائی دست برداری کے عوض پیسے لے تو عوض لینا ناجائز ہے۔

"ولا يجوز الاعتياض عن الحقوق المجردة كحق الشفعة. وعلى هذا لا يجوز الاعتياض عن الوظائف بالأوقاف. وفيها في آخر بحث تعارض العرف مع اللغة: المذهب عدم اعتبار العرف الخاص، ...

نقصان میں نہیں رہے گا، ایثار سے کام لینا دنیا وآخرت میں بہت زیادہ عزت وعظمت کا ذریعہ ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۶/۴/۱۴۰۱ھ۔

ٹیکسی کے پرمٹ کی بیع اور اس کی شرکت

سوال [۷۸۵۴]: ۱..... مسمی "الف" بمبئی میں ایک ٹیکسی کا پرمٹ رکھتا ہے۔ اس پرمٹ پر جو گاڑی پرانی ہو چکی تھی اس کے عوض حکومت کی طرف سے نئی گاڑی حاصل کرنے کے لئے اجازت نامہ ملا ہے، یہ اجازت نامہ چونکہ محدود ہوتا ہے، اس لئے اس کی مدت ختم ہو جانے کی صورت میں دوبارہ ملنے کا امکان نہیں ہے۔ اس اجازت نامہ کی بدولت ایک نئی کار کمپنی سے خریدی جائے تو مبلغ اٹھارہ ہزار پانچ سو روپیہ ہوتی ہے۔ اس کار کو خریدنے کے لئے مجھ میں استطاعت نہیں رکھتا، اس لئے مسمی "ب" سے میں حصہ داری کرنا چاہتا ہوں جو کہ اس موٹر پر اپنی رقم مکمل خرچ کرے گا اور یہ رقم وصول ہونے کے بعد ہی حصہ داری شروع ہوگی، اور یہ حصہ داری ابھی طے نہیں ہوتی ہے، نصف نصف یا کم وبیش ہوگی۔

حکومت پرمٹ اس صورت میں دیتی ہے کہ "الف" ہی ٹیکسی کا کاروبار کرے، کسی حصہ داری کی اجازت نہیں، ویسے بمبئی شہر زیادہ تر ٹیکسی کا کاروبار حصہ داروں کی صورت میں ہوتا ہے اور حکومت اس سے واقف بھی ہوتی ہے۔ آپ براہ کرم مطلع فرمائیں کہ "الف" کو حصہ داری کرنا جائز ہوگا یا نہیں؟

۲..... حکومت کی طرف سے جو ٹیکسی کا پرمٹ ملتا ہے، اب سے پہلے اس کو لوگ ماہانہ کچھ رقم پر تین چار

= لكن أفتى كثير باعتباره، وعليه فيفتى بجواز النزول عن الوظائف بمال". (الدر المختار: ۴/۵۱۹، كتاب البيوع، سعيد)

(وكذا في شرح المجلة لخالد الأتاسي: ۲/۱۱۰، (رقم المادة: ۲۱۶)، حقانيه پشاور)

"اپنے کاروبار کا کوئی نام رکھنے کا ہر شخص کو حق حاصل ہے، جس کو آج کل اصطلاح میں "ٹریڈ مارک" کہتے ہیں، لیکن اگر ایک شخص نے اپنے کاروبار کا نام "عطرستان پاکستان ادب" رکھ لیا اور اس سے اس کا تجارتی مفاد وابستہ ہو گیا تو دوسرے شخص کو وہ نام رکھنے کا حق نہیں رہا، اور جب کہ یہ قدیمی نام کے ساتھ مستقبل میں تحصیل مال اور تجارتی منفعت مقصود ہے تو گڈول کا معاوضہ لینا جائز ہے"۔ (نظام الفتاویٰ، کتاب المعاملات، حق تصنیف سے متعلق سوال وجواب: ۲/۲۱۷، مکتبہ رحمانیہ)

سال کے لئے لیتے تھے، مگر چونکہ اب پرمٹ عام طور سے دستیاب ہوتا ہے، اس کی مانگ نہیں رہی، مگر چونکہ مجھے نئی گاڑی کا اجازت نامہ ملا ہے اور میں خود گاڑی رکھنے کی استطاعت نہیں رکھتا، کچھ لوگ میرے پرمٹ کو ماہانہ ۳۵/روپے اور دو ہزار روپے سے الگ دے کر نئی گاڑی کی زندگی تک جو کہ ۷،۶/سال تک رہتی ہے، اس مدت کی رقم یکمشت دینا چاہتے ہیں۔ اور ایک صورت یہ بھی ہے کہ بغیر ماہانہ کے صرف یکمشت ہی رقم دینا چاہتے ہیں جو کہ مبلغ چار ہزار روپے سے زائد نہیں ہوتی۔ تو کیا رقم لینا بھی "الف" کے لئے جائز ہے یا نہیں؟

۳... "ب" مجھ سے گاڑی میں حصہ داری کرنا چاہتے ہیں، اور وہ ایک شرط یوں بھی رکھتے ہیں کہ چونکہ ٹیکسی کا ڈرائیور عموماً کم دستیاب ہوتے ہیں، اس لئے گاڑی تمام رات یا اس کے کچھ حصے میں "الف" کو چلانی پڑے گی، بمبئی میں ٹیکسی ڈرائیور خواہ وہ ٹیکسی کا مالک ہو یا نہ ہو، ٹیکسی چلانے کی اجرت بطور کمیشن ۲۰/فیصد تمام کے خرچ کے بعد لیتا ہے۔ تو اس طرح کمیشن لینا جائز ہے یا نہیں؟

۴..... ایک شرط یوں بھی ہوتی ہے کہ اجرت کے بجائے کچھ رقم طے کرلی جائے جو کہ گذارہ کے لئے کام آسکے۔ تو یہ رقم لینا بھی جائز ہے یا نہیں؟ جبکہ حصہ داری گاڑی کی قیمت وصول ہونے کے بعد ہی شروع ہوگی۔

۵..... ایک شرط یوں بھی ہوتی ہے کہ دو چار گھنٹہ چلا کر اور اس وقت کی تمام آمدنی "الف" اپنے استعمال میں لے لے۔ تو یہ رقم لینا بھی جائز ہے یا نہیں؟ اگر "الف" حصہ داری نہ کرے تو لامحالہ دوسروں کی گاڑی چلانی پڑے گی جو کہ کمیشن کی صورت میں ہوگی۔ اور الف چونکہ بہ نسبت دوسرے ڈرائیوروں کے روزگار میں کمتر رہتا ہے، اس لئے عموماً دوسرے کی گاڑی کم ملتی ہے، اور ملتی بھی ہے تو اس صورت میں کہ ڈرائیور نہ ہونے کے باعث گاڑی پڑی ہو تو بادل نخواستہ اس کو دیں گے۔ تو یہ کمیشن پر چلانا جائز ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱... "الف" اگر "ب" سے =/۱۸۵۰۰ روپے قرض لیکر کمپنی سے گاڑی خرید لے، پھر اس کی آمدنی سے ادا کرے تو قرض ختم ہوجائے گا، پھر حصہ داری کرے، اس طرح کہ مثلاً نصف قیمت "ب" سے لے لے

اور گاڑی دونوں کی شرکت ہوکر آمدنی بھی نصف نصف "ب" کی رہے(۱) اور اس سے حصہ داری ہوجائے۔ اور آمدنی نصف نصف ہو کر "الف" اپنے حصہ آمدنی میں سے "ب" کا قرض بھی ادا کرتا رہے، چونکہ کل قیمت "ب" نے دی ہے جس میں سے نصف "الف" کے ذمہ بطور قرض ہے تو یہ بھی درست ہے۔ قانوناً بھی غالباً اس طرح نہیں ہوگا۔

۲... پرمٹ ایک حق ہے جس کے ذریعہ گاڑی خریدنے کا اختیار ہے، اس کے عوض روپیہ لینا درست نہیں(۲)۔

۳،۴... میں شریک حصہ دار نہیں، اس وقت گاڑی چلانے کی اجرت مقررہ (۸ یا ۱۰) روزانہ یا ماہانہ لینا شرعاً درست ہے(۳)۔

۵... یہ صورت درست نہیں(۴)۔

---

(۱) "والحیلۃ فی ذلک أن یبیع نصف البقرۃ من ذلک الرجل ونصف الدجاجۃ ونصف بذر الفلیق بثمن معلوم حتی تصیر البقرۃ وأجناسها مشترکۃ بینهما، فیکون الحادث منها علی الشرکۃ". (الفتاوی العالمکیریۃ: ۲/۳۳۵، کتاب الشرکۃ، الباب الخامس فی الشرکۃ الفاسدۃ، رشیدیہ)

(وکذا فی الفتاوی التاتارخانیہ: ۵/ ۲۷، الشرکۃ بالأعمال، إدارۃ القرآن کراچی)

(۲) "وشرط المعقود علیه ... کونه موجوداً مالاً متقوماً مملوکاً فی نفسه". (ردالمحتار، کتاب البیوع، مطلب شرائط البیع أنواع أربعۃ: ۴/۵۰۵، سعید)

"وفی الأشباہ: لایجوز الاعتیاض عن الحقوق المجردۃ کحق الشفعۃ". (الدرالمختار، کتاب البیوع، مطلب: لایجوز الاعتیاض عن الحقوق المجردۃ: ۴/۵۱۸، سعید)

(۳) "وهی (أی الإجارۃ) بیع منفعۃ معلومۃ بعوض معلوم ... والمنفعۃ تعلم تارۃً ببیان المدۃ کالسکنی والزراعۃ، فتصح مدۃً معلومۃً أی مدۃ کانت". (مجمع الأنهر: ۳/۵۱۱، ۵۱۳، کتاب الإجارۃ، مکتبہ غفاریہ کوئٹہ)

(وکذا فی الدرالمختار: ۶/۵، ۲، کتاب الإجارۃ، الباب الأول فی تفسیر الإجارۃ ورکنها الخ، سعید)

(وکذا فی الفتاوی العالمکیریۃ: ۴/۴۰۹، کتاب الإجارۃ، رشیدیہ)

(۴) "ولو دفع غزلاً لآخر لینسجه له بنصفه: أی بنصف الغزل، أو استأجر بغلاً لیحمل طعامه ببعضه، أو =

الجواب حامداً ومصلیاً:

دوسرا شخص اگر کتاب چھاپے تو اس سے روپیہ لینا جائز نہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۳/۹۶ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، ۲۰/۳/۹۶ھ۔

حق طباعت کی بیع اور اصل کتاب میں تغیر کرنا

سوال [۵۵۸۷]: اپنی کسی تالیف، تصنیف کا حق اشاعت محفوظ کرانا اور دوسروں کو اس کی اشاعت سے روکنا کیسا ہے؟ حق محفوظ کرانے سے جہاں مالی مفاد ملحوظ ہوتا ہے، وہاں یہ بات بھی پیشِ نظر ہوتی ہے کہ دوسرے لوگ کتاب کی طباعت واشاعت میں صحت وغیرہ کا اہتمام نہیں کرتے اور بعض لوگ تو تحریف کرکے اصل کتاب ہی کو ناقص شکل میں چھاپ لیتے ہیں۔ نیز بعض حضرات حق اشاعت کے محفوظ کرنے کے سلسلہ میں یہ توجیہ کرتے ہیں کہ ہم نے تو اس محنت اور وقت کی قیمت کے طور پر یہ حق محفوظ کرایا ہے، جو اس تصنیف کی صورت میں ہوا ہے۔ یہ توجیہ قابلِ تسلیم ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب مصنف کوئی تصنیف کرتا ہے تو وہ اس کا مالک ہے، جس قدر اس میں محنت کی ور دماغ سوزی، عرق ریزی سے جو مسودہ بنایا جاتا ہے، اس کو پورا حق ہے کہ جس قدر قیمت میں معاملہ ہو سکتا ہو اس قیمت پر فروخت کرے، چند اوراق کی قیمت ہزاروں یا لاکھوں روپے قیمت ہو سکتی ہے۔ بغیر قیمت کے کسی کو نقل کی اجازت دے۔ لیکن جب اس کی کتاب چھپ کر بازار میں آگئی اور کسی شخص نے قیمت دیکر خریدی تو اس خریدی ہوئی کتاب سے نفع حاصل کرنے کا مشتری کو پورا اختیار ہے، کیونکہ وہ اس کا مالک ہے، وہ اپنی ملک کو محفوظ کرکے بھی رکھ سکتا ہے، فروخت بھی کر سکتا ہے، مستعار بھی دے سکتا ہے، نقلیں بھی کرا سکتا ہے، چھپا بھی سکتا ہے، پھر چھپوا کر قیمت پر فروخت بھی کر سکتا ہے، مستعار بھی دے سکتا ہے۔ بلکہ مفت تقسیم بھی کر سکتا ہے۔ اور اس میں مصنف کو ثواب پہونچانے کی نیت کرے تو زیادہ بہتر ہے۔ مصنف کو کوئی حق نہیں پہونچتا ہے کہ مشتری جو کہ مالک

---

(۱) (سیأتی تخریجہ تحت عنوان: "حق طباعت کی بیع اور اصل کتاب میں تغیر کرنا")

ہے اس کو اس کی مملوکہ شئی میں تصرفات سے روکے(۱)۔

البتہ اصل کتاب میں کتر بیونت کرنا جس سے اصل مضمون خبط ہوجائے یا مقصودِ مصنف کے خلاف ہوجائے، یہ کتاب کے ساتھ خیانت ہے، اور اس ترمیم شدہ چیز کو اصل مصنف کی طرف منسوب کرنا افتراء وخداع ہے، اس کی اجازت نہیں، یہ شرعاً بھی ناجائز ہے اور اخلاقاً وعرفاً بھی مذموم وشنیع ہے۔ ھذا عندی، دل چاہے تو دیگر علماء سے بھی تحقیق فرمالیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۳/۹۰ھ۔

حقوقِ طبع تصانیف کی بیع

سوال[۷۸۵۶]: بہت سے مصنفین ومؤلفین خود اپنی تصنیف کو، یا پھر وہ کسی ادارہ کو اپنی تصنیف فروخت کردیتے ہیں تو وہ ادارہ حکومت سے قانونی طور پر اس کے جملہ حقوق اپنے لئے محفوظ کرالیتا ہے، تاکہ

---

(۱) صحیح یہ ہے کہ مصنف اپنی کتاب کے حقِ تصنیف کو محفوظ کرسکتا ہے کوئی اور چھپوا نہیں سکتا ہے:

"عن عائشة رضي الله تعالى عنها أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "من عمر أرضاً ليست لأحد، فهو أحق". (جمع الأصول، الكتاب السادس في إحياء الموات، (رقم الحديث: ۱۳۰): ۳۴۷/۱۰، دار الفكر بيروت)

"عن أسمر بن مضرس رضي الله تعالى عنه قال: أتيت النبي صلى الله عليه وسلم: "من سبق إلى مالم يسبقه مسلم، فهو له". (سنن أبي داود: ۸۱/۲، كتاب الخراج، إمدادية ملتان)

"وإن كان العلامة المناوي رحمه الله تعالى رجح أن هذا الحديث ورد في سياق إحياء الموات، ولكنه نقل عن بعض العلماء أنه يشمل كل عين وبئر ومعدن، ومن سبق لشيء منها، فهي له، ولاشك أن العبرة لعموم اللفظ لا لخصوص السبب". (بحوث في قضايا فقهية معاصرة، بيع الحقوق المجردة، حق الابتكار وحق الطباعة، ص: ۱۲۱، ۱۲۲، دارالعلوم كراچي)

"والمؤلف قد بذل جهداً كبيراً في إعداد مؤلفه، فيكون أحق الناس به، سواء فيما يمثل الجانب المادي وهو الفائدة المادية التي يستفيدها من عمله، أو الجانب المعنوي وهو نسبة العمل إليه". (الفقه الإسلامي وأدلته، ۲۸۶۱/۴، القسم الثاني: النظريات الفقهية، المبحث الرابع: أحكام الحق، حق التأليف والنشر والتوزيع، رشيدية)

دوسرے شخص کے لئے اس کی طباعت کی قانونی طور پر گنجائش نہ رہے۔ اور رجسٹری کرانے کا ایک ہی مقصد ہوتا ہے کہ اس کی آمدنی سے منتفع ہوتے رہیں، چنانچہ شیخ الہند کا ترجمہ کلام پاک، تعلیم الاسلام از حضرت مفتی صاحب، دینی تعلیم کے رسالے از الجمعیۃ بکڈپو وغیرہ کی مثالیں ایسی ہیں کہ جن کے حقوق طبع محفوظ ہیں اور جن کی طباعت بلا اجازت قانونی جرم ہے۔ سرکاری قانون سے قطع نظر شرعی نقطۂ نظر سے اس مسئلہ میں چند امور دریافت طلب ہیں:

۱۔ اس طرح بذریعہ رجسٹری کسی کتاب کے حقوق اپنے لئے محفوظ کرلینا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

۲… ایسی تصنیف کہ جس کے حقوق طبع محفوظ ہیں اور جس نے محفوظ کررکھے ہیں۔ اس کے پاس سے مناسب قیمت پر جس وقت جس قدر بھی مطلوب ہو دستیاب ہوسکتی ہے۔ ایسی صورت میں دوسرے کے بلا استصواب واستفسار کے یا استصواب واستفسار پر انکار اور منع کردینے کی شکل میں طبع کرانا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

۳…. اپنی رجسٹری شدہ یا غیر رجسٹری شدہ کسی تصنیف کے حقوق طبع کسی فرد یا ادارہ کے ہاتھ فروخت کردینا یا اس کے معاوضہ میں رقم وصول کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

۴… مذکورہ بالا امور کے سلسلہ میں مفتی اعظم مفتی محمد کفایت اللہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی کیا رائے تھی؟ اگر آں محترم کے علم میں ہو تو براہ کرم اس سے مطلع فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

فتاویٰ رشیدیہ کامل مطبوعہ کراچی ص: ۵۷۷ میں ہے:

سوال: ''حق تصنیف کتب کا ہبہ یا بیع یا ممنوع کرنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: ''حق تصنیف کوئی مال نہیں، جس کا ہبہ یا بیع ہوسکے، لہٰذا یہ باطل ہے: "ولا یجوز الاعتیاض عن الحقوق المجردة". أشباه"(۱)۔

لہٰذا:

---

(۱) (الأشباه والنظائر، ص: ۳۲۹، کتاب البیوع، الفن الثانی، دار الفکر بیروت)

۱... یہ بیع ... ہے(۱)۔

۲... اجازت ہے۔

۳... درست نہیں(۲)۔

---

(۱) لیکن صحیح یہ ہے کہ مصنف کو حقوقِ طبع محفوظ کرنے کا حق حاصل ہے کسی کو بغیر اجازت کے طبع کرانا جائز نہیں، کما تقدم

فلیراجع، ص: ۱۸۲، رقم الحاشیۃ: ۱)

(۲) لیکن علماء نے حقوقِ طبع کے فروخت کرنے کی اجازت دی ہے:

"لا یجوز الاعتیاض عن الحقوق المجردة کحق الشفعة، وعلی هذا لایجوز الاعتیاض عن الوظائف بالأوقاف. وفیها فی آخر بحث تعارض العرف مع اللغة: المذهب عدم اعتبار العرف الخاص، لکن أفتی کثیر باعتباره، وعلیه فیفتی بجواز النزول عن الوظائف بمال". (الدر المختار، کتاب البیوع، مطلب: لایجوز الاعتیاض عن الحقوق المجردة: ۴/۵۱۸، سعید)

"ومقتضی ذلک أن یجوز النزول عن حق الابتکار أو حق الطباعة لرجل آخر بعوض یأخذه النازل، لکن هذا إنما یتأتی فی أصل حق الابتکار وحق الطباعة، أما إذا قرن هذا الحق بالتسجیل الحکومی الذی بذل له المبتکر من أجله جهده وماله ووقته، والذی یعطی هذا الحق مکانة قانونیة تمثلها شهادة مکتوبة بید المبتکر وفی دفاتر الحکومة، وصارت تعتبر فی عرف التجار مالاً متقوماً، فلایبعد أن یعتبر هذا الحق المسجل ملحقاً بالأعیان والأموال بحکم هذا العرف السائر، وقد أسلفنا أن للعرف مجالاً فی إدراج بعض الأشیاء فی حکم الأموال والأعیان، لأن المالیة -کما حکینا عن ابن عابدین رحمه الله تعالی- تثبت بتمول الناس، وإن هذا الحق بعد التسجیل یحرز بإحراز الأعیان ویدخر لوقت الحاجة بإدخار الأموال". (بحوث فی قضایا فقهیة معاصرة، بیع الحقوق المجردة، حق الابتکار وحق الطباعة، ص: ۱۲۲، دار العلوم کراچی)

"إن القول بجواز الاعتیاض عن حق المؤلف بالمال لایتعارض مع نص، إنما یتعارض مع القیاس، والقیاس یترک بالعرف العام باتفاق العلماء. هذا إذا سلمنا أن حق المؤلف من الحقوق المجردة، وهذا غیر مسلم، بل هو المتقوم والمقرر له من القسم الثانی من الحقوق التی تثبت لأصحابها ابتداءً، فلایکون القول بجواز الاعتیاض بالمال متعارضاً مع نص ولا مع قیاس". (حق الابتکار فی الفقه الإسلامی المقارن، ص: ۸۹، مؤسسة الرسالة، بیروت)

۴... مجھے علم نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

☆...☆.....☆.....☆....☆

= (وكذا في شرح المجلة لخالد الأتاسي: ۲/۱۳۱، رقم المادة: ۲۱۶)

مفتی نظام الدین اعظمی دامت برکاتہم فرماتے ہیں: "اب رہا یہ سوال کہ حق شفعہ کا معاوضہ لینا مستحق کے لئے جائز ہے یا نہیں؟ حقوق مجردہ میں سے وہ حق جس میں کوئی مال منفعت نہیں پائی جاتی، وہ محض تحصیل مال کا ذریعہ نہیں بن سکتے بلکہ محض دفع ضرر کے لئے اثبات حق ہوتا ہے، مثلاً حق شفعہ کہ پڑوس کے ضرر سے مامون رہنے کے لئے یہ حق دیا گیا ہے، بے شک ایسے حقوق کا مالی معاوضہ لینا جائز نہیں، لیکن بعض حقوق ایسے ہوتے ہیں جن کے ساتھ صاحب حق کی ذی منفعت مال یا مستقبل میں متعلق ہوتی ہے، مثلاً کسی وظیفہ خور شاہی منصب، تو اس کا معاوضہ مالی کی صورت میں لینا یا مال کے معاوضہ کسی حق سے دست بردار ہو جانا جائز ہے، حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے حق خلافت سے حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں دست برداری دے کر معاوضہ قبول فرمایا تھا۔ [الأشباه والنظائر للحموي وشامي في عناية الأوطار]۔ اسی طرح کتاب کا حق طباعت جب کہ اس کے ساتھ مصنف کی مالی منفعت حال یا مستقبل میں متعلق ہے وہ حق بالاصالت ہے اور مصنف اس حق کو معاوضہ لے کر منتقل بھی کر سکتا ہے"۔ (نظام الفتاویٰ: ۲/۱۳۴، کتاب المعاملات)

قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى: "ولا يخفى أن صاحب الوظيفة ثبت له الحق فيها بتقرير القاضي على وجه الأصالة لا على وجه رفع الضرر، فإلحاقها بحق الموصى له بالخدمة وحق القصاص وما بعده أولى من إلحاقها بحق الشفعة والقسم. وهذا كلام وجيه لا يخفى على نبيه، وبه اندفع ما ذكره بعض محشي الأشباه من أن المال الذي يأخذه النازل عن الوظيفة رشوة، وهي حرام بالنص، والعرف لا يعارض النص. وجه الدفع ما علمت من أنه صلح عن حق كما في نظائره، والرشوة لا تكون بحق. واستدل بعضهم للجواز بنزول سيدنا الحسن ابن سيدنا علي رضي الله تعالى عنهما عن الخلافة لمعاوية رضي الله تعالى عنه على عوض، وهو ظاهر أيضاً. وهذا أولى مما قلناه في الوقف عن الخيرية من عدم الجواز ومن أن للمفروغ له الرجوع بالبدل، بناء على أن المذهب عدم اعتبار العرف الخاص

والجواز ومن أن للمفروغ له الرجوع بالبدل، بناء على أن المذهب عدم اعتبار العرف الخاص

ورأيت بخط بعض العلماء عن المفتي أبي السعود أنه أفتى بجواز أخذ العوض في حق القرار والتصرف، وعدم صحة الرجوع وبالجملة، فالمسألة ظنية والنظائر المتشابهة للبحث فيها مجال، وإن كان الأظهر فيها ما قلنا، فالأولى ما قاله في البحر من أنه ينبغي الإبراء العام بعده، والله سبحانه تعالى أعلم". (رد المحتار، كتاب البيوع، مطلب في العرف الخاص والعام: ۴/۵۲۲، سعيد)

باب مایتعلق بالحصص

(حصص کی خرید وفروخت)

شیئرز کی بیع اور اس کی زکوٰۃ

سوال [۵۵۵۷]: ۱ – ہمارے یہاں شیئرز کی ایک کمپنی ہے، اس کے اس شیئرز کی قیمت مثلاً دس روپیہ ہے تو زید نے دس شیئرز خریدے، وہ کمپنی منافع بھی نہیں دیتی، مگر جب اس کو بیچتے ہیں تو اگر کمپنی کو نفع ہوا ہے تو وہ نفع دیتی ہے اور اگر نقصان ہوتا ہے تو نقصان کے ساتھ اصل روپیہ واپس کرتی ہے۔ تو اس طرح کا معاملہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو جب وہ روپیہ ملے گا تو زمانہ ماضی کی زکوٰۃ ادا کرنی ہوگی یا نہیں؟ اور اگر ملنے سے قبل اس کی زکوٰۃ ادا کرے تو نفع کے حساب سے یا نقصان کے حساب سے ادا کریں؟

۲ – یہ کمپنی دوسری کمپنی کو روپیہ دیتی ہے اور ظاہر بات ہے کہ سود پر ہی دیتی ہوگی اور کمپنی ہمیں سود میں سے دیتی ہوگی۔ تو اس کا لینا جائز ہے یا نہیں؟ اور جب نقصان کا خطرہ ہو تو اپنے شیئرز کو بیچ کر اپنی اصل قیمت لے لینا صحیح ہے یا نہیں؟

۳ – چھ ہزار روپیہ کا شیئرز رکھا تو اس میں سے پانچ سو روپیہ کمیشن ایجنٹ کٹ جاتا ہے، تو اب کس میں سے پانچ ہزار کی زکوٰۃ ادا کرنی چاہیے یا چھ ہزار کی؟ جبکہ ۵۰۰/روپیہ ایجنٹ خود رکھ لیتا ہے، اسے بینک میں جمع ہی نہیں کرتا۔ تو اب بینک سے چھ ہزار روپے ملنے کا انتظار کر کے روپیوں کو روکے رکھنا جائز ہے یا نہیں؟

۴ – زید کی پوری آمدنی سودی ہے تو اس کے ساتھ تعلق رکھنا، اس کے گھر پر دعوت ادا کرنے جانا کھانا کیسا ہے؟ اور اگر بعض آمدنی سودی ہے اور بعض حلال طریقہ کی تو اس کا کیا حکم ہے؟ اگر کوئی غیر مسلم دوست ہو اور اس کا کاروبار سود کا ہو، اس کے گھر کا کھانا کیسا ہے؟ اور غیر مسلم کے ساتھ تعلق رکھنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... اگر کوئی کمپنی تجارت کرتی ہے اور اسی مقصد کے لئے دس دس روپیہ کا لوگوں کو شریک بناتی ہے اور روپیہ کے مقدار کے اعتبار سے ہی نفع ونقصان کی تعیین کرتی ہے تو یہ صورت جائز ہے (۱) بشرطیکہ تجارت بھی جائز ہو، شراب وغیرہ کی تجارت نہ ہو (۲)۔

---

(۱) "أما شركة العنان فتنعقد على الوكالة دون الكفالة، وهي أن تشترك اثنان في نوع بر أو طعام، أو يشتركان في عموم التجارات". (الهداية: ۶۲۹/۲، كتاب الشركة، مكتبه شركت علميه ملتان)

"وأما عنان ...... إن تضمنت وكالة، ...... فتصح من أهل التوكيل وإن لم يكن أهلاً للكفالة". (الدر المختار مع رد المحتار: ۳۱۱/۴، كتاب الشركة، سعيد)

"أما شركة العنان، فهي أن يشترك اثنان في نوع من التجارات برّ أو طعام، أو يشتركان في عموم التجارات، ولا يذكران الكفالة خاصة، وصورتها أن يشترك اثنان في نوع خاص من التجارات، أو يشتركان في عموم التجارات". (الفتاوى العالمكيرية: ۳۱۹/۲، الباب الثالث في شركة العنان، رشيديه)

(وكذا في امداد الفتاوى، كتاب الشركة، الحصص المشتمل في حكم حصص كمپني: ۴۹۴/۳، دار العلوم كراچي)

(۲) "أن يكون التصرف مباحاً شرعاً، فلا يجوز التوكيل في فعل محرم شرعاً كالغصب، أو الاعتداء على الغير". (الفقه الإسلامي وأدلته، باب الوكالة، شروط الوكالة: ۱۵۳/۴، حقانيه پشاور)

"إذا دفع المسلم إلى النصراني مالاً مضاربة بالنصف، فهو جائز، إلا أنه مكروه. فإن اتجر في الخمر والخنزير فربح، جاز على المضاربة في قول أبي حنيفة رحمه الله تعالى، وينبغي للمسلم أن يتصدق بحصته من الربح". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب المضاربة، الباب الثاني والعشرون في المضاربة بين أهل الإسلام وأهل الكفر: ۳۳۳/۴، رشيديه)

"لأن ما يثبت للوكيل ينتقل إلى الموكل، فصار كأنه باشره بنفسه، فلا يجوز". (الهداية: ۵۹/۳، باب البيع الفاسد، مكتبه شركت علميه ملتان)

(وكذا في المبسوط للسرخسي، كتاب المضاربة، باب مضاربة أهل الكفر: ۱۰۹/۲۲، مكتبه حبيبه، كوئٹه)

ہر شخص کو اپنے اپنے راس المال کی ہر سال زکوٰۃ ادا کرنی چاہیے، نفع اگر ہر سال ملتا ہے تو اس کو بھی اصل ہی میں محسوب کرلیا جاوے(۱)، اگر نفع ہر سال نہیں ملتا ہے بلکہ معاملہ ختم ہونے پر اصل مال مع نفع کے ملتا ہے جب بھی اصل مال کی زکوٰۃ دے تو (سالانہ ادا کرنے کی بنا پر) بری الذمہ ہو جاوے گا، صرف نفع کی زکوٰۃ باقی رہ جاوے گی، وہ بھی ادا کردی جاوے، اگر خدانخواستہ نقصان ہوا تب بھی براءت میں تو شبہ ہی نہیں(۲)۔

۲... اگر کمپنی کا کاروبار سود پر ہی چلتا ہے، خود مستقل تجارت نہیں کرتی ہے تو اس کی شرکت ہی ناجائز ہے(۳)، اپنا روپیہ واپس لے لیا جاوے، اگر وہ کچھ نفع دے تو واپس کردیا جاوے(۴)۔

۳... جب آپ کو معلوم ہے کہ آپ کی رقم ساڑھے پانچ ہزار روپے کی تو زکوٰۃ بھی اتنے کی دیجیے

---

(۱) "(والمستفاد) ولو بهبة أو إرث (وسط الحول يضم إلى نصاب من جنسه) فيزكيه بحول الأصل". (الدر المختار، كتاب الزكوة، باب زكوة الغنم: ۲۹۹/۲، سعيد)

"(قوله: وإن هلك): أي بعض النصاب، سقط حظه: أي حظ الهالك: أي سقط من الواجب فيه بقدر ما هلك". (رد المحتار، كتاب الزكوة، باب زكوة الغنم: ۲۸۳/۲، سعيد)

(۲) "(ولا في هالك بعد وجوبها) ومنع الساعي في الأصح. وإن هلك بعضه، سقط حظه". (الدر المختار). قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى: "(قوله: ولا في هالك): أي لا تجب الزكاة في نصاب هالك بعد الوجوب: أي بعد مضي الحول بل تسقط، وإن طلبها الساعي منه، فامتنع حتى هلك النصاب على الصحيح (قوله: وإن هلك بعضه): أي بعض النصاب سقط حظه: أي الهالك: أي سقط من الوجوب فيه بقدر ما هلك منه". (رد المحتار على الدر المختار، كتاب الزكوة، باب زكوة الغنم: ۲۸۳/۲، سعيد)

(۳) قال الله تعالى: ﴿وأحل الله البيع وحرم الربوا﴾ (سورة البقرة: ۲۷۵)

قال الله تعالى: ﴿يا أيها الذين آمنوا اتقوا الله وذروا ما بقي من الربوا إن كنتم مؤمنين، فإن لم تفعلوا فأذنوا بحرب من الله ورسوله﴾ (سورة البقرة: ۲۷۸، ۲۷۹)

(۴) "والحاصل: أنه إن علم أرباب الأموال، وجب رده عليهم، وإلا فإن علم عين الحرام لا يحل له، ويتصدق به بنية صاحبه". (رد المحتار، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، مطلب فيمن ورث مالاً حراماً: ۹۹/۵، سعيد)

کی ہوئی(۱)۔ اگر وہاں صرف سود پر رقم دی جاتی ہے تو اس میں شرکت ہی درست نہیں، بجز اپنے جمع شدہ روپیہ کے نکال دیا جاوے(۲)۔

۳۔ جب متعین طور پر معلوم ہو کہ یہ سودی آمدنی ہے تو فیس والے کے یہاں بغیر ادا کئے ہوئے کھانا درست نہیں، مسلم ہو یا غیر مسلم، سب کا حکم ایک ہے، اگر مخلوط آمدنی ہو تو غالب کا اعتبار ہوگا(۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

سودی کمپنی کے حصص خریدنا

سوال [۷۵۵۱]: موجودہ دور میں نقد روپیہ محفوظ رکھنا جیسا کہ زمین جائداد و مکانات وغیرہ سب خطرہ میں ہے، کیونکہ اس کا نقص ہو جاتا ہے، وہ محفوظ نہیں، اس لئے نقد روپیہ کے لئے کمپنی کے حصص خرید لئے ہیں، جب کہ آج کل علماء نے بینک کی حاجت سمجھ کر اجازت دی ہے، تو کیا یہ تجارت سودی ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ سب دشواریاں ہیں، نقد روپیہ کے لئے ہیں جن کے ذریعہ ملکی میں اپنی خاص ذاتی حیثیت قائم کرنا

---

(۱) "(قوله: ولا في هالك، إلخ) أي لا تجب الزكاة في نصاب هلك بعد الوجوب: أي بعد مضي الحول بل تسقط. (قوله: وإن هلك) أي بعض النصاب، سقط حظه، أي حظ الهالك، أي سقط من الواجب فيه بقدر ما هلك" (رد المحتار، كتاب الزكاة، باب زكوة الغنم: ۲/۲۸۳، سعيد)

(۲) (راجع الحاشية المتقدمة آنفاً)

(۳) "أهدى إلى رجل شيئاً أو أضافه، إن كان غالب ماله من الحلال، فلا بأس، إلا أن يعلم بأنه حرام، فإن كان الغالب هو الحرام، ينبغي أن لا يقبل الهدية ولا يأكل الطعام، إلا أن يخبره بأنه حلال ورثه أو استقرضه من رجل" (الفتاوى العالمكيرية: ۵/۳۴۲، كتاب الكراهية، الباب الثاني عشر في الهدايا والضيافات، رشيدية)

"إذا كان غالب مال المهدي حلالاً، فلا بأس بقبول هديته وأكل ماله ما لم يتبين أنه من حرام، وإن كان غالب ماله الحرام، لا يقبلها ولا يأكل" (الأشباه والنظائر: ۱/۳۳۳، القاعدة الثانية: إذا اجتمع الحلال والحرام، إدارة القرآن كراچی)

اور نام پیدا کرنا مقصود ہوتا ہے، اپنی گذر اوقات اور نفقات واجبہ ادا کرنے کے لئے اتنے سرمایہ کی ضرورت ہے نہ اس میں دشواریاں ہیں، لہٰذا غیر ضروری سرمایہ فراہم کرنے کے لئے ممنوعات شرعیہ کا ارتکاب وبال علی وبال ہے، خواہ سودی کمپنی کے حصص ہوں، یا کوئی اور صورت (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفی عنہ، دار العلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۱۹/محرم الحرام/۶۳ھ۔

---

(۱) کسی کمپنیوں کے حصص خرید کر سرمایہ محفوظ کرنے کے لئے اس بات کا خیال رہے کہ اگر یہ کمپنیاں سودی لین دین سے کمپنیاں چلاتی ہوں تو ان کے حصص خریدنا ناجائز ہے، اور اگر سودی کاروبار نہیں کرتیں تو چند شرائط سے ان کے حصص خریدنے کی گنجائش ہے۔

۱- کمپنی حلال کاروبار کرتی ہو، حرام نہ ہو، مثلاً وہ سودی بینک نہ ہو، سود و قمار پر مبنی انشورنس کمپنی نہ ہو، شراب یا اس کے علاوہ اور کوئی حرام کام کرنے والی کمپنی نہ ہو۔

۲- کمپنی کے کچھ منجمد اثاثے ہیں، مثلاً بلڈنگ، زمین، مشین وغیرہ، وہ تمام صرف نقدی شکل میں نہ ہو اور پھر وہ حصص اپنے حصص کو دوسرے پر فروخت کرنے کے لئے ہے، کیونکہ اگر تمام جب نقد ہو اور اس سے منجمد اثاثے نہیں خریدے گئے تو اس نقد رقم کو دوسرے پر کم یا زیادہ قیمت پر فروخت کرنا سود ہے جو حرام ہے۔

۳- کمپنی اگر سود کا لین دین کرتی ہو تو سالانہ میٹنگ میں سود کے خلاف آواز اٹھائی جائے، کیونکہ یہ ہر مسلمان کا بنیادی فرض ہے کہ وہ اپنی اقتصادی زندگی کے ہر دائرے اور معاشی زندگی کے ہر پہلو سے سود کے لین دین کو ہر صورت میں بیخ وبن سے اکھاڑ دے اور اس کے خلاف مجمع میں آواز اٹھائی جائے۔

۴- جب سود کے خلاف آواز اٹھانا کارآمد نہ ہو تو اس شخص کو منافع تقسیم ہوتے وقت جو نفع سودی ڈپازٹ سے حاصل ہوا ہے اس کو بغیر نیت ثواب کے کسی مستحق زکوٰۃ کو دیا جائے۔ ملخصاً۔ (فقہی مقالات، شیئرز کی خرید و فروخت ۱/۱۴۴-۱۵۱، میمن اسلامک پبلشرز)

قال الله تعالى: ﴿وتعاونوا على البر والتقوى ولا تعاونوا على الإثم والعدوان﴾ (سورة المائدة: ۲)

وقال الله تعالى: ﴿وأحل الله البيع وحرم الربوا﴾ (سورة البقرة: ۲۷۵)

وقال الله تعالى: ﴿يا أيها الذين آمنوا لا تأكلوا أموالكم بينكم بالباطل إلا أن تكون تجارة عن تراض منكم﴾ (سورة النساء: ۲۹) ....

نیلام کے ذریعے خرید و فروخت

سوال[۸۰۵۱]: سوتی گنج میرٹھ میں ایک چھوٹی سی کباڑی مارکیٹ ہے جس میں موٹروں کے پرزے نیلام ہوتے ہیں۔ اب ان کی یونین بن گئی ہے، کیونکہ پہلے لوگ مال ادھار لے جاتے تھے اور پیسہ نہیں دیتے تھے، اس سے چھوٹے تاجر بہت پریشان ہوتے تھے، اب یونین بن گئی ہے جس کے دو سو ممبران ہیں جو پانچ پانچ روپیہ ماہوار دیتے ہیں۔ اس طرح جو روپیہ جمع ہوتا ہے اس سے یونین فروخت کنندہ کے مال کو آڑھت کے طریقہ پر نیلام کرتی ہے اور قیمت جو آخری ہوتی ہے اس میں سے پانچ پیسہ فی روپیہ کے حساب سے کاٹ کر باقی فروخت کنندہ کو فوراً دیدیتی ہے۔

اور خریدار پر لازم ہوتا ہے کہ وہ چودہ روز کے اندر پوری قیمت یونین کو ادا کردے، ورنہ اس پر پانچ پیسہ فی روپیہ جرمانہ کردیا جاتا ہے۔ اس طرح یونین کو پانچ پیسہ فی روپیہ جرمانہ کی رقم بچتی ہے، یہ بچت کے روپیہ یونین اپنے ممبران پر تقسیم کردیتی ہے۔ غرض! یہ یونین آڑھت کے طریقہ پر کام کرتی ہے۔ اگر مال کے خریدار بھاگ جائیں، یا روپیہ ادا نہ کریں تو اس کی ذمہ داری یونین پر ہوتی ہے، مالک مال پر نہیں ہوتی۔ اب دریافت طلب بات یہ ہے:

۱ یونین کا یہ فعل سود ہے یا نہیں؟

۲ اگر سود ہے تو شرعی طریقہ پر اس کا متبادل طریقہ کیا ہے، تاکہ یہ یونین باقی رہ سکے اور لوگوں کا

= وقال الله تعالى: ﴿يايها الذين امنوا إنما الخمر والميسر والأنصاب والأزلام رجس من عمل الشيطان، فاجتنبوه لعلكم تفلحون﴾ (سورة المائدة: ۹۰)

"قال النبي صلى الله تعالى عليه وسلم: "يأتي على الناس زمان، لا يبالي المرء ما أخذ منه أمن الحلال أم من الحرام". (صحيح البخاري، كتاب البيوع، باب من لم يبال من حيث كسب المال: ۲۷۶/۱، قديمي)

"عن أبي سعيد الخدري رضي الله تعالى عنه قال: سمعت رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم يقول: "من رأى منكم منكراً فليغيره بيده، فإن لم يستطع فبلسانه، فإن لم يستطع فبقلبه وذلك أضعف الإيمان". (الصحيح لمسلم، كتاب الإيمان، باب بيان كون النهي عن المنكر من الإيمان: ۱/۵۱، قديمي)

معاملہ اس طرح کیا جائے کہ اصل مالک بولی بولے، جو آخری بولی پر یہ ثمن خود خریدے اور قیمت اپنے پاس سے پوری دیدے، پھر بولی بولنے والے سے جداگانہ مستقل بیع کا کرے، مثلاً دس پیسہ فی روپیہ نفع اس خریدار سے معاملہ کرلے کہ ایک ماہ کے اندر پوری قیمت ادا کرنا ضروری ہے، اگر وہ ایک ماہ کا وعدہ کرے بلکہ دو ماہ کا وقت لے تو اس سے اس طرح معاملہ کیا جائے کہ پندرہ پیسہ فی روپیہ منافع دے یہ ثمن لے گی تو اس طرح شرعاً درست ہے، جرمانہ بالکل نہ لے (۱)، یہ بیع مرابحہ ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۲۶/۱۲/۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۶/۱۲/۸۷ھ۔

☆……☆……☆……☆……☆

= (وكذا في رد المحتار، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية، فصل في القرض، مطلب: كل قرض جر نفعاً حرام: ۵/۱۶۶، سعيد)

(۱) "(قوله: لا بأخذ مال في المذهب) قال في الفتح: وعن أبي يوسف رحمه الله تعالى: يجوز التعزير للسلطان بأخذ المال، وعندهما وباقي الأئمة لا يجوز. اهـ. ومثله في المعراج. وظاهره أن ذلك رواية ضعيفة عن أبي يوسف رحمه الله تعالى. قال في الشرنبلالية: ولا يفتى بهذا لما فيه من تسليط الظلمة على أخذ مال الناس فيأكلونه ..... لا أن يأخذه الحاكم لنفسه أو لبيت المال كما يتوهمه الظلمة، إذ لا يجوز لأحد من المسلمين أخذ مال أحد بغير سبب شرعي" (رد المحتار، كتاب الحدود، باب التعزير، مطلب في التعزير بأخذ المال: ۴/۶۱، سعيد)

(۲) "المرابحة بيع ما شراه بما شراه به وزيادة" (ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر: ۳/۱۰۴، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية، غفارية كوئته)

(وكذا في البحر الرائق: ۶/۱۰۸، كتاب البيع، باب المرابحة والتولية، رشيدية)

فصلٌ فی بیع الاستجرار

(بیع استجرار کا بیان)

پیشگی قیمت دے کر تھوڑا تھوڑا مبیع وصول کرنا

سوال[۶۸۶۰]: ہماری طرف جن کی گائے بھینس دودھ دیتی ہے، وہ دودھ باندھ دیتے ہیں، اور ماہ بماہ قیمت کا حساب کر لیتے ہیں۔ بعض غریب وضرورت مند کچھ رقم پیشگی لے لیتے ہیں اور دودھ میں حساب وضع ہوتا رہتا ہے۔ کیا یہ جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

دودھ دے کر ماہ بماہ قیمت لیتے رہنا تو درست ہے(۱)، مگر پیشگی روپیہ دے کر دودھ لینے دینے میں کراہت ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۱/۹۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۱/۹۷ھ۔

---

(۱) "ما یستجرہ الإنسان من البیاع إذا حاسبہ علی أثمانها بعد استهلاکها، جاز استحساناً".

(الدر المختار مع رد المحتار: ۴/۵۱۶، کتاب البیوع، سعید)

"ومما تسامحوا فیہ وأخرجوہ عن هذہ القاعدۃ ما فی القنیۃ: الأشیاء التی تؤخذ من البیاع علی وجہ الخرج، کما هو العادۃ من غیر بیع کالعدس والملح والزیت ونحوها، ثم اشتراها بعد ما انعدمت، صح، فیجوز بیع المعدوم هنا" (البحر الرائق، کتاب البیع: ۵/۴۳۳، رشیدیہ)

(وکذا فی شرح المجلۃ لسلیم رستم باز، ص: ۸۰، (رقم المادۃ: ۱۷۵)، مکتبہ حنفیہ کوئٹہ)

(وکذا فی حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار، کتاب البیوع: ۳/۸، دار المعرفۃ بیروت)

(۲) چونکہ پیشگی روپیہ دینے کی حیثیت قرض کی ہے جس میں آئندہ ہونے والی بیع مشروط ہوتی ہے اور قرض میں شرط لگانا ... جائز ہے:

= "قال في الولوالجية: دفع دراهم إلى الخباز فقال: اشتريت منك مائة منّ من خبز، وجعل يأخذ كل يوم خمسة أمناء، فالبيع فاسد، وما أكل فهو مكروه؛ لأنه اشترى خبزاً غير مشار إليه، فكان المبيع مجهولاً. ولو أعطاه دراهم وجعل يأخذ منه كل يوم خمسة أمناء ولم يقل في الابتداء: اشتريت منك، يجوز، وهذا حلال وإن كانت نيته وقت الدفع الشراء؛ لأنه بمجرد النية لا ينعقد البيع، وإنما ينعقد البيع الآن بالتعاطي، والآن المبيع معلوم فينعقد البيع صحيحاً". (ردالمحتار، كتاب البيوع: ۵۱۶/۴ مطلب: البيع بالتعاطي، سعيد)

"ولا بأس بأن يضع الرجل عند الرجل درهماً، ثم يأخذ منه بثلث أو بربع أو بكسر معلوم سلعة معلومة". (موطا الإمام مالك، ص: ۵۹۰، كتاب البيوع، باب جامع بيع الطعام، مير محمد كتب خانه)

"ويصح أيضاً ولو كان الإعطاء من أحد الجانبين فقط، وبه يفتى. وصورته أن يتفقا على الثمن، ثم يأخذ المشتري المتاع ويذهب برضا صاحبه من غير أن يدفع الثمن، أو أن يدفع المشتري الثمن للبائع ويذهب بدون قبض المبيع، فإن البيع لازم على الصحيح". (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۸۰، (رقم المادة: ۱۷۵)، مكتبه حنفيه كوئته)

(وكذا في شرح المجلة لخالد الأتاسي: ۱۲۹/۲، (رقم المادة: ۱۷۵)، مكتبه حقانيه پشاور)

(وكذا في بحوث في قضايا فقهية معاصرة، البيع بالتعاطي والاستجرار، ص: ۶۹، دار العلوم كراچی)

لیکن مذکورہ صورت میں بیع لاحق کی شرط لگانا متعارف ہے اور حنفیہ کے نزدیک ایسی شرط جو متعارف ہو جائے وہ جائز ہوتی ہے اگرچہ مقتضائے عقد کے خلاف ہو، اس لئے مذکورہ صورت بھی جائز ہے:

"والذي يظهر لي أن هذا المبلغ دفعة تحت الحساب، وهي وإن كانت قرضاً في الاصطلاح الفقهي، من حيث يجوز للعاقد أن يصرفها في حوائج نفسه من حيث كونها مضمونة عليه، ولكنها قرض يجوز فيه شرط البيع اللاحق؛ لكونه شرطاً متعارفاً، لأن الدفعات تحت الحساب لا يقصد بها الإقراض، وإنما يقصد بها تفريغ ذمة المشتري عن أداء الثمن عند البيع اللاحق، وأن يتيسر له شراء الحاجات دون أن يتكلف نقد الثمن في كل مرة، فهذا قرض تعورف فيه شرط البيع، والشرط كلما كان متعارفاً، فإنه يجوز عند الحنفية، وإن كان مخالفاً لمقتضى العقد، كما في شراء النعل بشرط أن يحذوه البائع". (بحوث في قضايا فقهية معاصرة، البيع بالتعاطي والاستجرار، الاستجرار بمبلغ مقدم، ص: ۶۷، مكتبه دار العلوم كراچی) =

ماہانہ پرچوں کی بیع

سوال [۱۵۸۵۷]: فی زمانہ تمام جرائد، رسالوں اور پرچوں (ماہناموں) کی خریداری کا دستور ہے کہ خریدار ابتدائے سال میں پیشگی قیمت روانہ کردیتا ہے اور سال بھر تک رسالے اور پرچے ہفتہ وار وماہوار وغیرہ تیار کراکے مالک کی جانب سے خریدار کے پاس روانہ کئے جاتے ہیں۔ آیا یہ معاملہ درست ہے یا نہیں؟ زید کہتا ہے کہ یہ معاملہ درست نہیں "لأنه بیع معدوم"۔ اور بکر کہتا ہے کہ درست ہے "للضرورة"۔ اس میں کس کا قول صحیح ہے؟

مولوی محمد یٰسین صاحب، مدرسہ احیاء العلوم مبارکپور، اعظم گڈھ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ معاملہ درست ہے، مجموعی قیمت کو سال بھر کے پرچوں پر تقسیم کرکے ہر ہر پرچہ کی وصولیابی کے وقت اس کی بیع کو درست کہا جائے گا۔ گویا یہ ایک بیع نہیں، بلکہ بیوع متعدد ہیں، ہر ہر پرچہ کی بیع اس وقت ہوتی ہے جب وہ مشتری کے پاس پہنچتا ہے اور اس وقت وہ موجود ہے معدوم نہیں، کذا فی إمداد الفتاوی (۱)۔

= "ولا بيع بشرط لا يقتضيه العقد ولا يلائمه، وفيه نفع لأحدهما، أو لمبيع من أهل الاستحقاق، ولم يجر العرف به، ولم يرد الشرع بجوازه. أما لو جرى العرف به كبيع نعل مع شرط تشريكه أو ورد الشرع به كخيار شرط فلا فساد، كشرط أن يقطعه البائع ويحيطه قباء مثال لما لا يقتضيه العقد وفيه نفع للمشتري أو يستخدمه مثال لما فيه نفع للبائع". (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد: ۵/۸۵، سعيد)

(۱) "متأخرین نے جواز لکھا ہے اور اس کی تفصیل بیع استجرار میں صاحب رد المحتار نے ذکر کی ہے"۔ (امداد الفتاوی: ۳/۱۳۴، جدید آلات اور جدید معاملات کے احکام، دار العلوم کراچی)

"قال في الولوالجية: دفع دراهم إلى خباز، فقال: اشتريت منك مائة من من خبز، وجعل يأخذ كل يوم خمسة أمناء، فالبيع فاسد، وما أكل فهو مكروه؛ لأنه اشترى خبزاً غير مشار إليه، فكان المبيع مجهولاً. ولو أعطاه الدراهم وجعل يأخذ منه كل يوم خمسة أمناء ولم يقل في الابتداء: اشتريت منك، يجوز، وهذا حلال وإن كانت نيته وقت الدفع الشراء؛ لأنه بمجرد النية لا ينعقد البيع، وإنما ينعقد البيع الآن بالتعاطي، والآن المبيع معلوم، فينعقد البيع صحيحاً". (رد المحتار، كتاب البيوع: =

فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۲۱/ ذی قعدہ/ ۶۹ھ۔

☆.....☆.....☆.....☆.....☆

= ۳/ ۵۱۹، مطلب: البیع بالتعاطی، سعید)

"ولا بأس بأن يضع الرجل عند الرجل درهماً، ثم يأخذ منه بثلث أو بربع أو بكسر معلوم سلعةً معلومةً". (موطا الإمام مالک، ص: ۵۹۰، کتاب البیوع، باب جامع بیع الطعام، میر محمد کتب خانہ)

"ويصح أيضاً ولو كان الإعطاء من أحد الجانبين فقط، وبه يفتي. وصورته أن يتفقا على الثمن، ثم يأخذ المشتري المتاع ويذهب برضا صاحبه من غير أن يدفع الثمن، أو أن يدفع المشتري الثمن للبائع ويذهب بدون قبض المبيع، فإن البيع لازمٌ على الصحيح". (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۸۰، (رقم المادة: ۱۷۵)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(وكذا في شرح المجلة لخالد الأتاسي: ۱/ ۳۶، (رقم المادة: ۱۷۵)، مكتبه حقانيه پشاور)

(وكذا في بحوث في قضايا فقهية معاصرة، البيع بالتعاطي والاستجرار، ص: ۹۹، دار العلوم كراچی)

فصلٌ فی بیع الفضولی

(بیعِ فضولی کا بیان)

بیعِ فضولی

سوال[۷۶۸۶]: بکر کا کتب خانہ ہے اور خالد جو کہ بکر کے نزدیک معتبر مراہق قریب البلوغ لڑکا ہے، اس کو بٹھا کر بکر کسی کام کو گیا۔ زید کتب خانہ کے اندر آیا خریدار کی حیثیت سے، بکر کی عدم موجودگی میں خالد نے وکچھ کتابیں اجمالی کم قیمت کرکے دیدیں اور یہ کہا کہ میری کتابیں ہیں اور زرِ قیمت خالد کو دے کر چلا آیا۔ اب بکر تو موجود ہے لیکن خالد نہیں۔ آیا وہ کتاب زید کو خریدنا درست نہیں جبکہ صاف صریح دلالت اس بات پر ہے کہ یہ کتابیں بکر کی ہیں اور وہ جھوٹ بول کر اپنا کام لینا چاہ رہا ہے، اب زید کیا کرے، آیا بکر کو وہ کتابیں دکھانے کے بعد قیمت طے کرائے، یا صدقہ کردے، یا اپنے پاس رکھے مالک کی حیثیت سے؟ فقط۔

بندہ محمد عبدالرحمٰن، ۲۲/شعبان/۷۶ھ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

بکر نے اگر خالد کو اپنی کتابوں کے فروخت کرنے کا وکیل نہیں بنایا تو یہ بیع، بیعِ فضولی ہوئی ہے جو کہ بکر کی اجازت پر موقوف ہے(۱)، براہِ راست بکر سے معاملہ کرے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

---

(۱) "بیع الفضولي إذا أجاز صاحب المال أو وكيله أو وصيه أو وليه نفذ، وإلا انفسخ". (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۲۱۲، (رقم المادة: ۳۷۸)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"ومن باع ملك غيره بغير أمره، فالمالك بالخيار: إن شاء أجاز البيع، وإن شاء فسخ".

(الهداية: ۸۸/۳، كتاب البيوع، باب الاستحقاق، مكتبه شركت علميه ملتان)

"ولمن باع فضوليٌ ملكه أن يفسخه، وله أن يجيزه، يعني ينعقد بيعه موقوفاً على إجازة المالك". (مجمع الأنهر: ۱۳۲/۳، كتاب البيوع، باب الحقوق والاستحقاق، فصل في بيع الفضولي، =

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مظاہر علوم سہارنپور، ۲۳/۸/۶۲ھ

= غفاریہ کوئٹہ)

"ومن باع ملک غیرہ، فللمالک أن یفسخه ویجیزه إن بقي العاقدان والمعقود علیه، وله وبه لو عرضاً بمعنی أنه صحیح موقوف علی الإجازة". (البحر الرائق: ۶/۲۳۵، کتاب البیع، باب الاستحقاق، فصل في بیع الفضولي، رشیدیه)

(وکذا في تبیین الحقائق: ۴/۸۳، کتاب البیوع، باب الاستحقاق، دار الکتب العلمیة بیروت)

(وکذا في رد المحتار، کتاب البیوع: ۵/۱۱۳، مطلب: البیع الموقوف نیف وثلاثون، سعید)

باب المرابحة والسَّلَم

الفصل الأول في المرابحة

(بیع مرابحہ کا بیان)

بیع مرابحہ

سوال[۵۸۴۳]: ۱… میں دوکانداروں کو اس طرح مال فروخت کرتا ہوں، وہ مجھے پہلے آرڈر دیتے ہیں، یہ بھی طے کر لیتے کہ جو مال جس کی خریداری ایک روپے کی ہوگی وہ ۱/۱۷ آنے میں فروخت ہوگا اور دہلی کا ایک روپیہ کا مال ۲۵/۱ میں فروخت ہوگا، غرضیکہ مال بیع سے طے ہو اور خریدار کی مرضی کے موافق ہو تو اس طرح نفع لینا درست ہے یا نہیں؟

ایضاً

سوال[۵۸۴۴]: ۲… ایک شخص نے اپنا مال خود کرایہ پر دے کر اس کے ہاتھ منگوایا، اگر راستے میں روپیہ تلف ہو جاتا یا مال ٹوٹ جاتا تو اس کی ذمہ داری اس پر نہیں تھی، بہرحال وہ مال لے آیا اور اس نے میرے قبضہ میں دیدیا، اس کے بعد میں نے وہ مال نفع لگا کر اس کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ تو یہ نفع جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱… اس طرح فروخت کرنا درست ہے(۱)۔

---

(۱) "هي (أي التولية) بيع بثمن سابق، والمرابحة به وبزيادة". (كنز الدقائق، كتاب البيوع، باب التولية والمرابحة، ص: ۲۲۵، رشيدية)

"المرابحة بيع ما شراه بما شراه به وبزيادة". (ملتقى الأبحر: ۲/۱۰۴، كتاب البيوع، باب ‒

الفصل الثانی فی السَّلَم

(بیع سَلَم کا بیان)

بیع سَلَم میں جہالتِ ثمن کی ایک صورت

سوال [۱۵۴۰۴]: ایک شخص قرض روپے چاہتا ہے اور کہتا ہے کہ میں دو ماہ کے بعد روپیہ کے بعد گندم کو اس وقت کے بھاؤ سے چار سیر زیادہ دوں گا اور اصل معروف روں گا۔ تو اس طریقے سے قرض دینا اور دینا اور پھر اسی طریقے سے ادا کر دینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس میں یہ شرط کرنا کہ "اس وقت کے بھاؤ سے چار سیر زیادہ دوں گا" مفسدِ بیع ہے، کیوں کہ یہ بیع سَلَم ہے اور اس کی شرط یہ ہے کہ اسی وقت یعنی روپیہ دیتے وقت نرخ متعین کر لیا جاوے (۱) اور صورتِ مسئولہ میں

(۱) "وشرطه (أي السلم) بيان الجنس والنوع والصفة والقدر والأجل وأقله شهر، وقدر رأس المال في المكيل والموزون والمعدود، ومكان الإيفاء فيما له حمل من الأشياء". (كنز الدقائق، ص: ۲۵۵، باب السلم، رشيديه)

"وشرطه بيان الجنس كبُر وشعير، والنوع كسقية أو بخسية، والصفة كجيد أو ردئ، والقدر كذا رطلاً أو كيلاً بما لا ينقبض ولا ينبسط، وأجل معلوم وأقله شهر في الأصح، وقدر رأس المال إن كان كيلياً أو وزنياً أو عددياً، فلا يجوز في جنسين بلا بيان رأس مال كل منهما ..... ومكان إيفائه إن كان له حمل ومؤنة". (ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر: ۳/۱۳۱، ۱۳۲، كتاب البيوع، باب السلم، غفاريه كوئته)

(وكذا في الهداية: ۳/۹۴، كتاب البيوع، باب السلم، مكتبه شركت علميه ملتان)

(وكذا في رد المحتار: ۵/۲۱۴، ۲۱۵، باب السلم، سعيد)

(وكذا في إعلاء السنن: ۱۴/۳۴۸، أبواب السلم، إدارة القرآن كراچی)

نرخ مجہول ہے لہٰذا یہ معاملہ ناجائز ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳۰/۱/۵۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ صحیح: عبد اللطیف، ۲/ محرم/ ۵۷ھ۔

قرض دے کر فصل کٹنے کے وقت قرض کے بدلے اناج دینا

سوال [۷۸۲۹]: احمد صاحب اناج کا بیوپار کرتے ہیں اور دوسرے بیوپار بھی کرتے ہیں۔ برسات میں ہم کو روپیہ کی ضرورت پڑتی ہے تو ہم لوگ پہلے ہی بھاؤ کرکے ان کا روپیہ لے جاتے ہیں اور اسی بھاؤ سے فصل پر اناج دیدیتے ہیں خواہ بھاؤ کم ہو یا زیادہ، تو یہ جائز ہے یا نہیں، یہ سود تو نہیں؟ اس کا خلاصہ صاف لکھ دیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر روپیہ قرض دیا جائے تو پھر اس روپیہ کی واپسی لازم ہے (۱)، اس میں زیادتی کی شرط کرنا سود ہے (۲)۔ البتہ اگر واپسی کے وقت روپیہ موجود نہ ہو اور روپیہ کے عوض غلہ وغیرہ دینا چاہے تو دیتے وقت جو

---

(۱) "هو عقد مخصوص يرد على دفع مال مثلي لآخر ليرد مثله، وصح في مثلي لا في غيره". (تنوير الأبصار مع الدر المختار: ۱۶۱/۵، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية، فصل في القرض، سعيد)

"الديون تقضى بأمثالها". (رد المحتار، كتاب الصوم، مطلب: ماقاله السبكي من الاعتماد على قول الحساب مردود، ۳۸۹/۲، سعيد)

(۲) "قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "كل قرض جر منفعة فهو ربا". (فيض القدير: ۹/۴۲۸۶، مكتبه نزار مصطفى الباز رياض)

"عن علي أمير المؤمنين رضي الله تعالى عنه مرفوعاً: "كل قرض جر منفعة فهو ربا" أخرجه الحارث بن أبي أسامة في مسنده، قال الشيخ: حديث حسن لغيره". (إعلاء السنن، كتاب الحوالة، باب: كل قرض جر منفعة فهو ربا، ۲۰۴۳، ۵۱۳/۵، إدارة القرآن كراچي)

(وكذا في رد المحتار، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية، فصل في القرض، مطلب: كل قرض جر نفعاً حرام: ۱۶۶/۵، سعيد)

معاملہ کرلیا جائے وہ درست ہے، مثلاً جس وقت روپیہ قرض لیا، اس وقت غلہ کا نرخ تیرہ روپیہ کا تھا اور جب روپیہ واپس کرنے کا وقت آیا تو غلہ کا نرخ دس روپیہ کا ہوگیا اور دس کے حساب سے بجائے روپیہ دینے کے غلہ دیدیا تو یہ سود نہیں بلکہ درست ہے(۱)۔

اگر روپیہ قرض نہیں دیا بلکہ غلہ خریدا اس طرح کہ روپیہ اب دیدیا اور غلہ لینے کا وقت فصل کا موقع تجویز کرلیا اور غلہ کا نرخ ابھی تجویز کرلیا کہ اس کے حساب سے غلہ لیں گے اور فلاں قسم کا غلہ ہوگا اور فلاں جگہ پر دینا ہوگا تب بھی درست ہے۔ اگر روپیہ دیتے وقت غلہ کا نرخ تیرہ کا ہو تو روپیہ دیا گیا ہے، وہ اس صورت میں پیشگی قیمت ہے(۲) قرض نہیں، یہ بھی سود نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۱۰/۸۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۲۸/۱۰/۸۵ھ۔

---

(۱) "وفيه بيع الشيء بالدين نحو بيع السلع بالأثمان المطلقة وبيعها بالفلوس الرائجة، والمكيل والموزون والمعدود المتقارب ديناً" (حاشية الشلبي على تبيين الحقائق: ۴/۹۹، كتاب البيوع، باب السلم، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في فتح القدير: ۶/۲۰۳، كتاب البيوع، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في العناية شرح الهداية على هامش فتح القدير: ۶/۲۰۳، كتاب البيوع، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۲) "وشرطه (أي السلم) بيان الجنس والنوع والصفة والقدر والأجل وأقله شهر، وقدر رأس المال في المكيل والموزون والمعدود، ومكان الإيفاء فيما له حمل من الأشياء" (كنز الدقائق، ص: ۲۵۵، باب السلم، رشيدية)

"وشرطه بيان الجنس كبر وشعير، والنوع كسقية أو بخسية، والصفة كجيد أو ردي، والقدر نحو كذا وزناً أو كيلاً بما لا ينقبض ولا ينبسط، وأجل معلوم وأقله شهر في الأصح، وقدر رأس المال إن كان كيلياً أو وزنياً أو عددياً، فلا يجوز في جنسين بلا بيان رأس مال كل منهما ... ومكان إيفائه إن كان له حمل ومؤنة" (ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر: ۳/۱۳۱، ۱۳۲، كتاب البيوع، باب السلم، غفاريه كوئٹه)

(وكذا في الهداية: ۳/۹۴، كتاب البيوع، باب السلم، مكتبه شركت علميه ملتان) =

بیع سلم

سوال [۷۷۸۷]: کوئی شخص بالکل غریب ہے کھانے کو کچھ نہیں، اس نے ۱۰ روپیہ اس شرط پر دیا کہ جو بھی غلہ مثلاً گندم یا مکئی ہوگی وہ گلنے پر دو سیر یا تین سیر کے لوں گا، مثلاً بازار میں بھاؤ ڈیڑھ سیر کا نکلا تو آپ اس کو حسب وعدہ تین سیر کے غلہ لینا درست ہے یا نہیں؟ جب کہ طے شدہ معاملہ ہے یا سود ہو جائے گا؟ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ بیع سلم ہے، جو غلہ دینا طے ہو ہے اس کی جنس صفات اور نرخ وغیرہ اس طرح مقرر کرلیا جائے کہ نزاع کا اندیشہ نہ رہے، پھر وقت پر بازاری نرخ کچھ بھی ہو اس کا اعتبار نہیں ہوگا، بلکہ جو نرخ طے کیا گیا ہے اسی نرخ سے دینا ہوگا، کذا فی الشامی (۱)۔ مگر اتنا نرخ مقرر کرنا جس سے غلہ دینے والے کو زیادہ نقصان ہو اور وہ اپنی مجبوری کی وجہ سے اسے منظور کرلیتا ہو یہ ہمدردی اور مروت کے خلاف ہے کہ وہ بیچارہ مستحق امداد ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیوبند، ۲۵/۱/۹۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند۔

= (وکذا فی رد المحتار: ۵/۲۰۳-۲۱۵، باب السلم، سعید)

(وکذا فی إعلاء السنن: ۳۹۸/۱۴، أبواب السلم، إدارة القرآن کراچی)

(۱) "وشرطه بيان جنس ونوع وصفة وأجل، وأقله شهر، وقدر رأس المال في مكيل وموزون وعدد غير متفاوت، ومكان الإيفاء فيما له حمل ..... وقبض رأس المال قبل الافتراق" (تنوير الأبصار مع الدر المختار: ۵/۲۱۴-۲۱۵، كتاب البيوع، باب السلم، سعيد)

"لا يصح السلم عند أبي حنيفة رحمه الله تعالى إلا بسبع: جنس معلوم كقولنا: حنطة أو شعير، ونوع معلوم كقولنا: سقية أو بخسية، وصفة معلومة كقولنا: جيد أو رديء، ومقدار معلوم كقولنا: كذا كيلاً بمكيال معروف، أو كذا وزناً. وأجل معلوم، ومعرفة مقدار رأس المال إذا كان يتعلق العقد على مقداره كالمكيل والموزون والمعدود، وتسمية المكان الذي يوفيه فيه" (الهداية: ۳/۹۶، كتاب البيوع، باب السلم، إمداديه ملتان)

(۲) "عن علي بن أبي طالب رضي الله تعالى عنه قال: سيأتي على الناس زمان عضوض يعض بعض =

بیع سلم میں ادھار کی وجہ سے قیمت میں اضافہ

سوال[۷۸۰۸]: موجودہ وقت میں چیت(۱) کے دنوں میں دھان(۲) پچیس روپیہ من بازار میں فروخت ہوتا ہے، زید نے کہا کہ اگر کاتک(۳) کے مہینے میں دھان کی قیمت دو گے تو ۳۵/ روپے لوں گا، تو ایک من دھان کے بدلہ میں ۳۵/ روپیہ لینا درست ہے یا نہیں؟

۲۔ بیع سلم کی صورت تحریر فرما کر شکریہ کا موقع عنایت کریں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱۔۔۔ نقد اور ادھار کی وجہ سے قیمت میں کمی وبیشی ہوتی ہے، یہ شرعاً سود نہیں ہے(۴)۔ جس قیمت پر

= الموسر على معسر في بيعه، ولم يؤمر بذلك، قال الله تعالى: ﴿ولا تنسوا الفضل بينكم﴾ ويبايع المضطرون، وقد نهى النبي صلى الله عليه وسلم عن بيع المضطر" (إعلاء السنن، كتاب البيوع، باب النهي عن بيع المضطر: ۲۰۳/۱۴، ۲۰۵، إدارة القرآن كراچي)

(۱) "چیت: ہندی سال کا دوسرا مہینہ جو چودہ تاریخ سے پندرہ اپریل تک ہوتا ہے"۔ (فیروز اللغات، ص: ۵۰۹، فیروز سنز لاہور)

(۲) "دھان: چھلکے دار چاول، چاول کا پودا"۔ (فیروز اللغات، ص: ۶۶۲، فیروز سنز لاہور)

(۳) "کاتک: ہندی سال کا ساتواں مہینہ، آدھا اکتوبر اور آدھا نومبر کا زمانہ"۔ (فیروز اللغات، ص: ۹۹۹، فیروز سنز لاہور)

(۴) "وإذا عقد العقد على أنه إلى أجل كذا بكذا وبالنقد بكذا، أو قال: إلى شهر بكذا أو شهرين بكذا، فهو فاسد؛ لأنه لم يعاطه على ثمن معلوم، ولنهي النبي صلى الله عليه وسلم عن شرطين في بيع. وهذا إذا افترقا على هذا، فإن كان يتراضيان بينهما ولم يتفرقا حتى قاطعه على ثمن معلوم، وأتما العقد عليه، فهو جائز" (المبسوط للسرخسي: ۹/۱۳، باب البيوع الفاسدة، غفاريه كوئته)

"إن للأجل شبهاً بالمبيع، ألا ترى أنه يزاد في الثمن لأجل الأجل، والشبهة في هذا ملحقة بالحقيقة". (الهداية: ۷۶/۳، كتاب البيوع، باب المرابحة، إمداديه ملتان)

(وكذا في رد المحتار: ۱۴۲/۵، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية، قبيل مطلب في الكلام على الرد بالغبن الفاحش، سعيد)

وہاں فروخت کیا ہے، وقتِ مقررہ پر وہاں کی قیمت لینا درست ہے۔ لیکن جو شخص غریب ہے اور قیمت ادا نہیں کرسکتا اس کے ساتھ احسان کرنا چاہیے، قیمت میں زیادہ اضافہ کرنا خلافِ مروّت ہے(۱)۔

۲..... بیع سلم یہ ہے کہ روپیہ پہلے دیدیا جائے اور گندم وغیرہ بعد میں وصول کیا جائے اور بیع کے لئے جنس، نوع، صفت، وقت، وصولیابی کی جگہ وغیرہ کی ایسی طرح تفصیل کردی جائے کہ نزاع کا احتمال باقی نہ رہے(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۱/۳/۸۹ھ۔

بیع سلم میں مبیع کی قیمت کم کرنا

سوال [۶۷۹۱]: مثلاً آج کل تِل کا بھاؤ ۲۵/ روپیہ من ہے، ہم سے زید روپیہ قرض مانگتا ہے اور کہتا ہے کہ میں فصل پر تم کو بیس روپیہ من تِل دیدوں گا، تو اس طریقے سے روپیہ دینا جائز ہے یا نہیں؟ فقط۔

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿ولا تنسوا الفضل بینکم﴾ (سورۃ البقرۃ: ۲۳۷)

"والثانی: أن یضطر إلی البیع للدین أو مؤنۃ ترھقہ فیبیع ما فی یدہ بالوکس من أجل الضرورۃ، فسبیلہ من حیث المروءۃ أن لا یترک حتی یبیع مالہ، ولکن یعاون ویقرض ویستمھل لہ إلی المیسرۃ حتی یکون لہ فیہ بلاغ" (إعلاء السنن: ۱۴/۲۰۳، کتاب البیوع، باب النھی عن بیع المضطر، إدارۃ القرآن، کراچی)

(وکذا فی بذل المجھود، کتاب البیوع، باب فی بیع المضطر: ۴/۲۵۴، معھد الخلیل کراچی)

(۲) "وشرطہ بیان جنس ونوع وصفۃ وقدر وأجل، وأقلہ شھر ..... وقدر رأس المال إن تعلق العقد بمقدارہ کما فی مکیل وموزون، وعددی غیر متفاوت، ومکان الإیفاء فیما لہ حمل أو مؤنۃ ..... وقبض رأس المال قبل الافتراق". (تنویر الأبصار مع الدر المختار: ۵/۲۱۲، ۲۱۴، کتاب البیوع، باب السلم، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق: ۶/۲۶۹، باب السلم، رشیدیہ)

(وکذا فی ملتقی الأبحر مع مجمع الأنھر: ۳/۱۳۱، باب السلم، غفاریہ کوئٹہ)

ایک من مکئی کے عوض ایک من گیہوں کی بجائے بیع سلم کی جائز صورت

سوال [۷۸۸۰]: یہاں پر بعض تجار لوگ زمینداروں کو ایک من مکئی وعدہ پر دیتے ہیں کہ فلانے مہینے میں اس کی جگہ ایک من گیہوں لیں گے۔ زمیندار لوگ لے لیتے ہیں اور وعدہ کئے ہوئے پر دیتے ہیں۔ اور اس میں علماء لوگ بھی مختلف ہیں، بعض حرام اور بعض جائز کہتے ہیں کہ وعدہ معلوم ہونے پر جائز ہے اور مجہول ہونے پر ناجائز ہے، بعض کیل وزن کی بات نکالتے ہیں، لہٰذا جو صحیح ہو تحریر فرمائیے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ معاملہ ناجائز ہے، اگر جائز طریق پر کرنا چاہتے ہیں تو اس کی صورت یہ ہے کہ فی الحال مکئی فروخت کردی جائے اور اس کی قیمت وصول کرکے کاشتکار کو یا جس سے خریدنا چاہتے ہیں اس کو دیدیں کہ اس روپیہ کے عوض ہم فلاں مہینے میں اس قسم کے اس نرخ پر گیہوں لیں گے اور وہ اس کو منظور کرلے، یہی صورت شرعاً درست ہے:

"إذا بيع قفيز حنطة بقفيزي شعير يداً بيد، حل التفاضل، فإن أحد جزئي العلة وهو الكيل موجود هنا دون الجزء الآخر وهو الجنسية ...... فلا يصح سلم هروي في هروي، لوجود الجنس والنساء في المسلم فيه، ولا سلم بر في شعير لوجود القدر مع النساء". مجمع الأنهر ۲/ ۸۵ (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۹/ ۵/ ۵۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم، ۲۱/ جمادی الاولیٰ/ ۵۸ھ۔

– الثاني، ص: ۲۴۸، قدیمی)

ذكر المحشي: "أي لا يحل أن يقرضه قرضاً ويبيع منه شيئاً بأكثر من قيمته؛ لأن كل قرض جر نفعاً حرام". (حاشية مشكوة المصابيح، المصدر السابق)

(۱) (مجمع الأنهر شرح ملتقى الأبحر: ۳/ ۱۲۱، كتاب البيوع، باب الربا، غفاريه كوئته)

"وعلته: أي علة تحريم الزيادة القدر مع الجنس، فإن وجدا حرم الفضل: أي الزيادة والنساء، وإن عدما حلا، وإن وجد أحدهما حل الفضل وحرم النساء". (رد المحتار: ۵/ ۱۷۱، ۱۷۲، كتاب البيوع، باب الربا، سعيد)

بیع سلم میں روپیہ کے عوض دھان ہی لینے کی شرط

سوال [۷۸۸۱] : ایک شخص آج ایک روپیہ کا چاول مثلاً ۸/ سیر ہے اور اس خریدنے والے سے یہ کہے کہ میں دو مہینے کے بعد تم سے فی روپیہ کے عوض ۳۲/ سیر دھان لوں گا (۱)۔ اور جو شخص اس شرط پر وہ چاول لیجاتا ہے اس کو نہ یہ جو ڑتا ہے اور دوسرے کو اس بھاؤ پر نہیں مل سکتا۔ تو ایسی صورت میں یہ معاملہ شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

آفاق احمد بستوی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ بیع ناجائز ہے (۲)، جواز کی صورت یہ ہے کہ چاول کا معاملہ بلاشرط مذکور کیا جائے، پھر اس کی قیمت

- "(فإن وجد الوصفان) أي الكيل أو الوزن مع الجنس (حرم الفضل وحرم النساء. وإن عدما، حلا. وإن وجد أحدهما فقط، حل التفاضل لا النساء". (ملتقى الأبحر: ۳/۲۰، كتاب البيوع، باب الربا، غفاريه كوئته)

(وكذا في البحر الرائق: ۲/۱۳۰، كتاب البيوع، باب الربا، رشيديه)

(وكذا في الهداية: ۳/۸۰، كتاب البيوع، باب الربوا، إمداديه ملتان)

(وكذا في إعلاء السنن، كتاب البيوع، أبواب بيوع الربا، الربا في كل ما يكال ويوزن وأن الجيد والردئ في الربويات سواء: ۱۴/۲۹۰، ۳۰۰، إدارة القرآن كراچي)

"باب السلم: هو بيع آجل بعاجل، ويصح فيما أمكن ضبط صفته ومعرفة قدره، لا في غيره، فيصح في المكيل والموزون ..... وشرطه بيان الجنس كبُرّ أو شعير، والنوع كسقية أو بخسية، والصفة كجيد أو ردئ، والقدر نحو كذا رطلاً أو كيلاً بما لا ينقبض ولا ينبسط، وأجل معلوم، وأقله شهر في الأصح، وقدر رأس المال ..... ومكان إيفائه إن كان له حمل ومؤنة". (ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر: ۳/۱۳۳، ۱۴۳، كتاب البيوع، باب السلم، غفاريه كوئته)

(۱) "دھان: چھلکے دار چاول، چاول کا پودا"۔ (فیروز اللغات، ص: ۶۳۰، فیروز سنز، لاہور)

(۲) "ولا بيع بشرط ..... لا يقتضيه العقد، ولا يلائمه، وفيه نفع لأحدهما، أو فيه نفع لمبيع، هو من أهل الاستحقاق للنفع بأن يكون آدمياً ..... ولم يجر العرف به، ولم يرد الشرع بجوازه". -

میں جو ایک روپیہ واجب ہوگا، بہتر یہ ہے کہ وہ روپیہ ادا کردے، اگر اپنے پاس نہ ہو تو اس باغ سے یا کسی دوسرے شخص سے قرض لے کر دیدے، اس کے بعد پانچ روپیہ مشتری کو دے اور معاملہ بیع سلم باقاعدہ طے کرے کہ تم روزانہ بعد اس حساب سے اس روپیہ کے عوض اس قسم کے دھان مجھے دیدینا۔ غرض بیع سلم کی پوری شرائط کی رعایت کرے کہ وصولیابی کے وقت کسی چیز کے ذکر نہ کرنے یا مجہول رہ جانے کی وجہ سے نزاع پیدا نہ ہو(۱)۔

اگر چاول خریدتے وقت روپیہ ادا کرنے کی نوبت نہ آئے تو یہ بھی جائز ہے کہ چاول کی بیع پوری ہونے کے بعد اس طرح معاملہ کرے کہ میرا روپیہ جو تمہارے ذمہ چاول کی قیمت کا واجب ہے، اس کے عوض اتنی مدت بعد اس نرخ سے اتنے دھان دے دینا۔

صورت مسئولہ کے عدم جواز کی وجہ یہ ہے کہ اگر چاول کی قیمت روپیہ کو قرار دیا جائے تب تو یہ شرط کہ اس روپے کے عوض دھان لوں گا (روپیہ نہیں لوں گا) شرط فاسد ہے، نیز مقتضیٔ عقد کے خلاف ہے اور یہ دونوں

---

* (الدر المختار، کتاب البیوع، باب البیع الفاسد: ۵/۸۵، سعید)

"ليس كل شرط يفسد البيع، بل الشرط الذي لا يقتضيه العقد ولا يلائمه ولا يتعارف، وكان فيه منفعة لأحد المتعاقدين، أو للمعقود عليه وهو من أهل الاستحقاق، ولم يرد الشرع بجوازه". (النهر الفائق: ۳/۳۴۴، باب البيع الفاسد، إمدادية ملتان)

(وكذا في مجمع الأنهر: [illegible]، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، غفارية كوئٹه)

(وكذا في البحر الرائق: ۶/۳۰۲، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، رشيدية)

(۱) "وشرطه بيان جنس ونوع وصفة وأجل، وأقله شهر، وقدر رأس المال في مكيل وموزون، وعدد غير متفاوت، ومكان الإيفاء فيما له حمل ...... وقبض رأس المال قبل الافتراق" (تنوير الأبصار مع الدر المختار: ۵/۲۱۴-۲۱۶، كتاب البيوع، باب السلم، سعيد)

"لا يصح السلم عند أبي حنيفة رحمه الله تعالى إلا بسبع: جنس معلوم كقولنا: حنطة أو شعير، ونوع معلوم كقولنا: سقية أو بخسية، وصفة معلومة كقولنا: جيد أو ردي، ومقدار معلوم كقولنا: كذا كيلاً بمكيال معروف، أو كذا وزناً، وأجل معلوم، ومعرفة مقدار رأس المال إذا كان يتعلق العقد على مقداره كالمكيل والموزون والمعدود، وتسمية المكان الذي يوفيه فيه" (الهداية: ۳/۹۴، كتاب البيوع، باب السلم، امداديه ملتان)

بھی یہ مفسد بیع ہیں، "کما هو مصرح في كتب الفقه مثل الهداية (۱) والدر المختار (۲) وغيرهما (۳)"۔ اور اگر چاول کی قیمت دہان کو قرار دیا جائے، سود ہے، "وسنه أظهر من أن يذكر (٤)"۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۲/۷/۵۸ھ۔

صحیح: عبداللطیف ۲۸/رجب/۵۸ھ۔

ایک من گندم دے کر آئندہ فصل پر سوا دو من گندم لینا

سوال [۷۸۸۲]: ۱- ایک دوکاندار سے دوسرے شخص نے دو من غلہ گندم مثلاً لیا اور تحریر کر دیا کہ دو ماہ بعد یعنی فصل گندم کٹنے کے بعد اس کے عوض سوا دو من دوں گا، اس کو اس جگہ بھٹوی کہتے ہیں، یہ لین دین

---

(۱) "ومن باع عبداً على أن يعتقه المشتري أو يدبره أو يكاتبه، أو أمة على أن يستولدها، فالبيع فاسد، لأن هذا بيع وشرط، وقد نهى النبي صلى الله تعالى عليه وسلم عن بيع وشرط . . . . وكل شرط لا يقتضيه العقد وفيه منفعة لأحد المتعاقدين أو للمعقود عليه وهو من أهل الاستحقاق، يفسده. . . . . . .

وكذلك لو باع عبداً على أن يستخدمه البائع شهراً أو داراً على أن يسكنها أو على أن يقرضه المشتري درهماً أو على أن يهدي له هدية، لأنه شرط لا يقتضيه العقد . . . . ولأنه لو كان الخدمة والسكنى يقابلهما شيء من الثمن، يكون إجارةً في بيع ولو كان لا يقابلهما، يكون إعارةً في بيع، وقد نهى النبي صلى الله تعالى عليه وسلم عن صفقتين في صفقة". (الهداية: ۳/۲۲، ۲۳، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، إمدادية ملتان)

(۲) (الدر المختار مع رد المحتار: ۵/۸۵، باب البيع الفاسد، سعيد)

(۳) "ولا بيع بشرط . . . . لا يقتضيه العقد ولا يلائمه، وفيه نفع لأحدهما، أو له نفع للمبيع هو من أهل الاستحقاق للنفع بأن يكون آدمياً . . . . ولم يجر العرف به، ولم يرد الشرع بجوازه". (الدر المختار، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد: ۵/۸۴، ۸۵، سعيد)

(٤) "وعلته القدر والجنس، فيحرم بيع الكيلي والوزني بجنسه متفاضلاً أو نسيئةً . . . . فإن وجد الوصفان، حرم الفضل والنساء. وإن عدما حلا. وإن وجد أحدهما فقط، حل التفاضل لا النساء". (ملتقى الأبحر: ۳/۱۱۵، ۱۲۰، كتاب البيوع، باب الربا، غفاريه كوئٹه)

۲......اس صورت میں دو معاملے ہوئے: ایک تو یہ کہ ایک من غلہ دو روپیہ میں فروخت کیا، دوسرا یہ کہ ان دو روپیوں کے عوض فلاں وقت سوا دو من غلہ لوں گا۔ پہلا بیع اجل کا ہے(۱) اور دوسرا بیع سلم کا ہے(۲)، پس اگر معاملہ پختہ اور ختم ہونے کے بعد مستقل طور پر دوسرا معاملہ کیا ہے، اس طرح کہ اولاً ایک من غلہ فروخت کیا اور اس میں کوئی شرط خلاف مقتضائے عقد نہیں لگائی، البتہ قیمت مؤجل رکھی جس کی اجل متعین کردی، پھر اس کے بعد دوسرا معاملہ کیا کہ تمہارے ذمہ دو روپیہ واجب الادا ہے، ان کے عوض اس نرخ سے فلاں وقت گیہوں دیدینا، اس نے منظور کرلیا تو یہ معاملہ درست ہوگیا، اگر پہلے معاملہ کے لئے دوسرے معاملہ کو شرط قرار دیا ہے، مثلاً اس طرح معاملہ کیا کہ ایک من غلہ دو روپیہ کا اس شرط پر تمہارے ہاتھ فروخت کیا کہ فلاں ماہ میں ان دو روپیہ کے عوض تم سے سوا دو من غلہ لوں گا تو یہ ناجائز ہے(۳)، اس سے نہ بیع اجل ہوئی نہ بیع سلم۔

۳......یہ جائز ہے، یہ قرض ہے۔ "الأقراض تقضی بأمثالها"(٤)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، ۲۱/۱/۵۹ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۲۵/۱/۵۹ھ۔ صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

= (سنن ابن ماجه، ص: ۱۶۳، أبواب التجارات، باب الصرف وما لا يجوز متفاضلاً يداً بيد، قديمي)

(۱) "البيع مع تأجيل الثمن وتقسيطه صحيح" (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۱۲۴)

"ويصح البيع بثمن حال ومؤجل بأجل معلوم" (مجمع الأنهر: ۱۴/۳، كتاب البيوع، غفاريه كوئٹه)

(۲) "فإن البيع يكون سلماً وهو بيع الدين بالعين" (فتح القدير: ۲۲۷/۶، كتاب البيوع، مصطفى البابي الحلبي مصر)

"باب السلم: هو بيع آجل بعاجل، ويصح فيما أمكن ضبط صفته ومعرفة قدره ... وشرطه بيان الجنس كبُرّ أو شعير، والنوع". (ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر، كتاب البيوع، باب السلم: ۱۳۷/۳، ۱۳۸، غفاريه كوئٹه)

(۳) "لو كان في الشرط منفعة لأحد المتعاقدين بأن شرط البائع أن يقرض المشتري أو على القلب، يفسد البيع". (خلاصة الفتاوى: ۵۰/۳، الفصل الخامس في البيع، رشيديه)

(وكذا في الهداية: ۶۳/۳، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، إمداديه ملتان)

(وكذا في رد المحتار: ۸۵/۵، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، سعيد)

(٤) "الديون تقضى بأمثالها". (رد المحتار: ۸۳۸/۳، كتاب الأيمان، باب اليمين في الضرب والقتل =

بیع سلم کی تین صورتیں

سوال[۷۸۸۵]: (الف) ہمارے یہاں مروج ہے کہ زمیندار لوگ ساہوکاروں کو کپاس نقد دیتے ہیں(۱) یعنی فصل سے پہلے تحریر کردیتے ہیں کہ میں دس من کپاس مثلاً بحساب فی من ۲۰/... روپے دوں گا اور تحریر دینے کے وقت رقم یا تو بالکل نہیں دیتے اور (۲۰/) فی من کے حساب سے اسی وقت لے لیتے ہیں، باقی ادائیگی کپاس کے بعد وصول کرتے ہیں، یا ساری رقم اسی وقت لے لیتے ہیں۔ تو مذکورہ بالا تینوں صورتوں میں سے کس صورت میں بیع جائز ہے اور کس میں نہیں؟

(ب) اگر تحریر کرتے وقت مروج بھاؤ سے کم نرخ پر بیع کریں، مثلاً متعاقدین کی رضا سے ۲۰/ کی بجائے ۱۶/ نرخ طے ہوا اور زمیندار نے تمام رقم اسی وقت وصول کرلی۔ تو اس صورت میں بیع جائز ہے یا نہیں؟

بینوا توجروا۔

بندہ نور احمد مدرس نور پور ٹھونڈی ریاست بہاولپور۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ بیع سلم ہے، اگر دیگر شرائط بھی موجود ہوں تو تیسری صورت میں بیع درست ہے، پہلی دو صورتوں میں درست نہیں (۲)۔

—وغیر ذلک، مطلب: الدیون تقضي بأمثالها، سعید)

"القروض یجب في الشریعة الإسلامیة أن تقضی بأمثالها". (بحوث في قضایا فقهیة معاصرة، ص: ۱۶۳، دار العلوم کراچی)

"فصل في القرض: هو عقد مخصوص یرد علی دفع مال مثلي لآخر لیرد مثله. وصح القرض في مثلي، لا في غیره". (تنویر الأبصار مع الدر المختار، کتاب البیوع، باب المرابحة والتولیة، فصل في القرض: ۵/۱۶۱، سعید)

(۱) "ساہوکار: تجار، سوداگر"۔ (فیروز اللغات، ص: ۔۔۔، فیروز سنز لاہور)

(۲) پہلی دو صورتوں میں رأس المال پر قبضہ نہیں ہوا، تیسری صورت میں قبضہ ہوگیا۔

"وقبض رأس المال قبل الافتراق شرط بقائه، فلو أسلم مائة نقداً ومائة دیناً علی المسلم إلیه =

(ب) درست ہے: "والسادس: أن يكون (رأس المال) مقبوضاً في مجلس السلم ..... وفي النوازل: رجل أسلم عشرة دراهم في عشرة أقفزة حنطة، ولم تكن الدراهم عنده، فدخل بيته ليخرج الدراهم، إن دخل حيث يراه المسلم إليه، لا يبطل السلم، وإن توارى عنه بطل، كذا في الخلاصة" اھ. عالمگیری: ۳/۱۷۹(۱)۔

"ولا بأس بالسلم في القطن والكتان والإبريسم" اھ. عالمگیری: ۳/۱۸۵(۲)۔ فقط
واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۵/۵/۶۲ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۷/جمادی الاولیٰ/۶۲ھ۔

بلا شرائط بیع سلم

سوال[۷۸۸۶]: بیع سلم جائز تو ہے، لیکن اگر بیع شرائط نہ ہو تو جائز ہے یا نہیں؟ اور عدم شرائط کے ساتھ اس بیع کے کرنے والے کا کیا حکم ہے؟

= فيكون باطلاً في حصة الدين فقط". (ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر: ۳/۱۳۳، كتاب البيوع، باب السلم، غفاريه كوئٹه)

"ولا يصح السلم حتى يقبض رأس المال قبل أن يفارقه فيه". (الهداية: ۳/۹۸، كتاب البيوع، باب السلم، مكتبه شركت علميه ملتان)

"ويبقى من الشروط: قبض رأس المال قبل الافتراق ..... وهو شرط بقائه على الصحة لا شرط انعقاده بوصفها، فينعقد صحيحاً، ثم يبطل بالافتراق بلا قبض". (الدر المختار مع رد المحتار: ۵/۲۱۲، ۲۱۴، كتاب البيوع، باب السلم، سعيد)

"(وقبض رأس المال قبل الافتراق) والصحيح أنه شرط بقائه على الصحة، فينعقد صحيحاً بدونه، ثم يفسد بالافتراق بلا قبض". (البحر الرائق: ۶/۲۷۰، كتاب البيع، باب السلم، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۴/۱۱۵، باب السلم، سعيد)

(۱) (الفتاوى العالمكيرية: ۳/۱۷۹، الباب الثامن عشر في السلم، رشيديه)

(۲) (الفتاوى العالمكيرية: ۳/۱۸۵، الباب الثاني في بيان ما يجوز السلم فيه وما لا يجوز، رشيديه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب بیع شرائط نہ ہو تو جائز نہیں(۱)، ناجائز بیع کرنے والا گنہگار ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم۔

صحیح: عبداللطیف، مفتی مدرسہ ہذا، ۱۲/ جمادی الاولیٰ/ ۵۹ھ۔

بیع سلم کی شرطیں

سوال[۷۸۸۸]: بیع سلم کی کتنی شرائط ہیں؟ کیا ایک شرط کے ترک ہو جانے سے بیع سود ہو جاتی ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بیع سلم کی صحت کے لئے چند شرائط ہیں: جس چیز میں بیع سلم کی جارہی ہے اس کی جنس معلوم ہو، مثلاً: گیہوں یا جو، نیز اس گیہوں وغیرہ کی کیفیت اس طرح بیان کردی جائے کہ لیتے وقت جھگڑا نہ ہو، مثلاً: فلاں قسم کا گیہوں ہو، بہت چھا ہوا نہ ہو، پالا مارا ہوا(۳) نہ ہو، خراب نہ ہو، اس میں دیگر غلہ یا مٹی ملی نہ ہو، مقدار بیع معلوم ہو، مثلاً پانچ من، ادائیگی کی تعیین ہو اور کم از کم ایک مہینہ کی مدت و مہلت ہو، راس المال کی مقدار متعین ہو، اگر مبیع

---

(۱) "ولا يصح السلم عند أبي حنيفة رحمه الله تعالى إلا بسبع شرائط: جنس معلوم كقولنا: حنطة أو شعير، ونوع معلوم كقولنا: سقية أو بخسية، وصفة معلومة كقولنا: جيد أو ردئ، ومقدار معلوم كقولنا كذا كيلاً بمكيال معروف، أو كذا وزناً، وأجل معلوم، ومعرفة مقدار رأس المال". (الهداية: ۳/ ۹۶، كتاب البيوع، باب السلم، امدادية ملتان)

(وكذا في رد المحتار: ۵/ ۲۱۴، كتاب البيوع، باب السلم، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۵۰۸/۴، كتاب البيوع، باب السلم، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۲۰۸، رقم المادة: ۳۸۵، مكتبه حنفيه كوئته)

(۲) "وعلى كل واحد منهما فسخه قبل القبض، أو بعده ما دام في يد المشتري إعداماً للفساد؛ لأنه معصية، فيجب رفعها". (رد المحتار: ۵/ ۹۱، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، سعيد)

(۳) "پالا مارنا: برف یا کہرے کا کسی ہری چیز کو خشک کر دینا۔ پالے کا مارا: سردی سے ٹھٹھرا ہوا، سردی کی وجہ سے خشک ہوا ہوا"۔ (فیروز اللغات، ص: ۲۶۲، فیروز سنز لاہور)

وزنی شے ہو جس کے لے جانے میں مزدوری لگتی ہو تو دینے کی جگہ معلوم ہو، جس چیز پر بیع سلم کی جا رہی ہے وہ چیز بکتی ہو کر لینے اور وصول پانے کے زمانہ تک بازار میں باقی ہو، وہ نایاب نہ ہو، مجلسِ عقد ہی میں راس المال حوالہ کر دیا گیا ہو۔

شرائط مذکورہ میں سے کسی ایک کا فقدان بیع سلم کے فساد کو مستلزم ہوگا، هكذا في كتب الفقه (۱)۔

فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۷/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۶/۷/۸۸ھ۔

مبیع نہ دینے کی صورت میں بیع سلم کا حکم

سوال [۸۸۸۸]: ایک شخص نے تجارت کے لئے پچاس روپیہ بایں طور ایک دوسرے شخص سے مثلاً مہینے کے اندر سے چاول، وہ بعد متعین تاریخ کو ان پچاس روپیوں کے بالعوض وہ گیہوں ادا کرے گا۔ اگر گیہوں

---

(۱) "لا يصح السلم عند أبي حنيفة رحمه الله تعالى إلا بسبع شرائط: جنس معلوم كقولنا: حنطة أو شعير. ونوع معلوم كقولك: سقية أو بخسية. وصفة معلومة كقولك: جيد أو رديء. ومقدار معلوم كقولنا: كذا كيلاً بمكيال معروف، أو كذا وزناً. وأجل معلوم. ومعرفة مقدار رأس المال إذا كان يتعلق العقد على مقداره كالمكيل والموزون والمعدود. وتسمية المكان الذي يوفيه فيه إذا كان له حمل ومؤنة. ولا يصح السلم حتى يقبض رأس المال قبل أن يفارقه فيه". (الهداية: ۹۸/۳، كتاب البيوع، باب السلم، شركت علمية ملتان)

"ولا يجوز السلم حتى يكون المسلم فيه موجوداً من حين العقد إلى حين المحل، حتى لو كان منقطعاً عند العقد موجوداً عند المحل أو على العكس أو منقطعاً فيما بين ذلك، لا يجوز". (الهداية: ۹۵/۳، باب السلم، شركت علمية ملتان)

(وكذا في رد المحتار: ۲۱۲/۵، ۲۱۵، كتاب البيوع، باب السلم، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۱۰۳/۳، ۱۰۲، كتاب البيوع، باب السلم، غفاريه كوئٹه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۵۰۸/۴، ۵۰۹، ۵۱۰، كتاب البيوع، باب السلم، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱۷۸/۳، ۱۷۹، كتاب البيوع، الباب الثامن عشر في السلم، رشيديه)

نہ ہوسکا تو جتنی رقم بدن (۱) مروجہ کے طریق کے مطابق ہوئی اس کو نرخ متعین پر ادا کرے گا، اور آج کل کی بدن مروجہ کی صورت بنیوں (۲) کے یہاں یہ ہوتی ہے کہ جب کوئی بدن پر روپیہ لینے والا شخص جنس مقررہ کو وقت پر ادا نہیں کرتا تو ایام جنس معہودہ کے ادا کرنے کے مقرر ہوتے ہیں ان سے جو دن ایسا ہو کہ کبھی جنس معہودہ گراں فروخت ہو تو اسی نرخ کے حساب سے دام کاٹتے ہیں مثلاً مقررہ مدت چار ماہ ہے اور جنس مقررہ دانہ ہو گی اور جنس معہود کے ذمہ ادا کرتے ہیں تو ان چار ماہ میں اگر گھی آدھ سیر کا کسی روز فروخت ہو گیا تو دو من گھی کے دام ایک سو ساٹھ روپے بنیں گے۔

اب اگر یہ رقم مذکور مقروض سے تاریخ مقرر شدہ پر نہ ادا کی تو ایک سو ساٹھ روپوں پر سود چالو ہو جاوے گا، مالک جب چاہے تین سال کے اندر اندر بذریعہ ڈگری اپنی رقم مع سود وصول کرسکتا ہے۔ اور اگر ایسا ہو جائے کہ گھی سیر کو فروخت ہوتا تھا اور اس وقت ڈیڑھ سیر کے نرخ پر بدنی ہوئی تھی اور بدنی ہوتے ہی مثلاً گھی دو سیر کا ہو گیا تو بنیا دو من گھی کے دام سیر کے نرخ کے حساب سے کاٹتے ہیں، دو سیر کے نرخ سے دو من گھی کے چالیس روپیہ بنا کاٹیں گے، یعنی مطلب یہ کہ پورے پچاس روپیہ یا پچاس سے کم روپیہ کبھی نہیں لیتے۔

اس مسئلہ میں دریافت طلب یہ بات ہے کہ اگر روپیہ لینے والا شخص کسی سے بدنی مذکورہ پچاس روپیہ لیتا تو مشکل سے روپیہ ملتے اور ان پر روپیہ لیتے ہی سود چالو ہو جاتا تو اس سے بہتر تو یہی ہے کہ بدنی طور روپیہ لے لے اور اس بدنی کی صورت میں چونکہ مقروض کو اپنے دل حقیقت کو دیکھتے ہوئے یہ یقین ہے کہ بہر صورت اس دو من گھی کو وقت پر ادا کردوں گا تو اس صورت میں تاہم ایک جزوی صورت بیع سلم کی جب بھی ہے۔ اس یقین مذکور کی بنا پر ایک ایسا معاملہ کرلیا جائے تو شرعاً درست ہے یا نہیں؟ نیز دوسری صورت یہ ہے کہ پچاس روپیہ لیتا تو ہے بدنی پر لیکن لینے والے کی نیت روپیہ لیتے ہی یہ ہوتی ہے کہ وقت پر وہ دام ادا کردوں گا جو دو من گھی کے۔ الخ دام کاٹے گا تو اس صورت کا حکم بھی بیان فرمایا جائے۔

عبداللہ، موضع لیدری، ضلع گوڑگانوں، تحصیل نوح۔

مورخہ ۲/ جمادی الاولیٰ/ ۵۹ھ۔

---

(۱) "بدنی: شرط لگانا، اقرار کرنا، مقرر کرنا، ٹھہرانا" (فیروز اللغات، ص: ۱۸۹، فیروز سنز، لاہور)

(۲) "بنیا: بقال، آٹا، دال بیچنے والا" (فیروز اللغات، ص: ۲۲۰، فیروز سنز، لاہور)

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ معاملہ شرعاً ناجائز ہے، اس روپیہ کے عوض اس نرخ سے فلاں تاریخ کو گیہوں دینا تو درست ہے، لیکن گیہوں نہ دینے کی صورت میں بدلی مروجہ کے طریق پر رقم کی ادائیگی کو شرط قرار دینا مفسد ہے اور بیع ان صورتوں میں سے ہے جو کہ شرط فاسد سے فاسد ہو جاتی ہے۔ گیہوں کے ادا نہ کر سکنے کی صورت اصلی رقم کی واپسی بلا کمی بیشی لازم ہے، کمی بیشی ناجائز ہے اور اس پر سود بالکل ہی حرام ہے:

"ولا يجوز لرب السلم شراء شيء من المسلم إليه برأس المال قبل قبضه، لقوله عليه السلام: "لا تأخذ إلا سلمك أو رأس مالك" أي لا تأخذ إلا ما سلمت فيه حال قيام العقد أو رأس مالك بعد الانفساخ اھ". مجمع الأنهر: ۱۰۲/۲(۱)۔

(۱) (مجمع الأنهر: ۲/۱۳۵، كتاب البيوع، باب السلم، غفاريه كوئته)

"فإن تقايلا السلم لم يشتر رب المال من المسلم إليه برأس المال شيئاً يعني قبل قبضه بحكم الإقالة، لقوله عليه الصلوة والسلام: "لا تأخذ إلا سلمك أو رأس مالك" أي إلا سلمك حال قيام العقد، أو رأس مالك حال انفساخه". (تبيين الحقائق: ۴/۱۱۵، كتاب البيوع، باب السلم، سعيد)

"ولا يجوز لرب السلم شراء شيء من المسلم إليه برأس المال بعد الإقالة قبل قبضه بحكم الإقالة، لقوله عليه الصلوة والسلام: "لا تأخذ إلا سلمك أو رأس مالك" أي إلا سلمك حال قيام العقد، أو رأس مالك حال انفساخه". (الدر المختار مع رد المحتار: ۵/۲۱۹، كتاب البيوع، باب السلم، سعيد)

(وكذا في الهداية: ۳/۹۶، كتاب البيوع، باب السلم، إمداديه ملتان)

"كل قرض جر منفعة فهو ربا". الحارث عن علي". (فيض القدير: ۹/۴۳۸۶، رقم الحديث: ۶۳۳۶، مكتبه نزار مصطفى الباز رياض)

"عن علي أمير المؤمنين رضي الله تعالى عنه مرفوعاً: "كل قرض جر منفعة فهو ربا" أخرجه الحارث بن أبي أسامة في مسنده، قال الشيخ: حديث حسن لغيره". (إعلاء السنن، كتاب الحوالة، باب كل قرض جر منفعة فهو ربا: ۱۴/۴۹۸، إدارة القرآن، كراچی)

(وكذا في رد المحتار، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية، مطلب: كل قرض جر نفعاً حرام: ۵/۱۶۶، سعيد)

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ بیع سلم نہیں، کیونکہ بیع سلم کے لئے تو ضروری ہے کہ مشتری روپیہ پہلے دے اور مسلم فیہ کی صفات متعین کر کے وقتِ معینہ پر مسلم فیہ وصول کرے(۱) اور یہاں ایسا نہیں ہوا، بلکہ یہاں ایک من دھان کی ڈیڑھ روپیہ کے عوض بیع کی اور ڈیڑھ روپیہ کی ادائیگی کا وقت متعین کر دیا ہے۔ اب اصل تو یہ ہے کہ بکر سے اپنا ڈیڑھ روپیہ زید وصول کر لے، اگر بکر کے پاس ڈیڑھ روپیہ موجود نہیں تو وہ دھان فروخت کر کے کسی جگہ سے ڈیڑھ روپیہ لا کر زید کو دیدے۔ اور یہ بھی درست ہے کہ زید اس ڈیڑھ روپیہ کے عوض بکر سے اس وقت کے نرخ سے دھان لے لے، اس میں سود نہ ہوگا۔

اگر زید اول دھان ڈیڑھ روپیہ کے عوض فروخت نہ کرتا بلکہ یہ کہتا کہ ایک من دھان اس وقت لے لو اور پھر فلاں ماہ میں اس ایک من کے عوض مثلاً ڈیڑھ من مجھے دینا، یا اس طرح معاملہ کرتا کہ اس وقت ایک روپیہ کے دھان میں لے لوں گا، تو نا جائز ہوتا(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۷/۱۱/۵۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۱/ ذیقعدہ/ ۵۸ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، ۲۱/ ذیقعدہ/ ۵۸ھ۔

---

(۱) "وشرطه بيان جنس، ونوع، وصفة، وقدر، وأجل وأقله شهر ...... وبيان قدر رأس المال في مكيل، وموزون، وعددي غير متفاوت، ومكان الإيفاء فيما له حمل .... وبقي من الشروط قبض رأس المال قبل الافتراق، وهو شرط بقائه على الصحة لا شرط انعقاده بوصفها، فينعقد صحيحاً، ثم يبطل بالافتراق بلا قبض". (الدر المختار مع رد المحتار: ۵/۲۱۲، ۲۱۴، كتاب البيوع، باب السلم، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۳/۱۷۹، كتاب البيوع، الباب الثامن عشر في السلم، الفصل الخامس في الإقالة في السلم والصلح فيه وخيار العيب، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق: ۶/۲۷۱، كتاب البيع، باب السلم، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۳/۱۴۳، كتاب البيوع، باب السلم، غفاريه كوئٹه)

(۲) "وعلته، أي علة تحريم الزيادة القدرُ مع الجنس، فإن وُجدا حرم الفضل: أي الزيادة والنسأ، ...

بیع سلم فی الفلوس

سوال [۷۸۰۰]: زید ایک عالم شخص ہے روپیہ کی ترقی کے لئے اس صورت سے ایک معاملہ کرتا ہے کہ زید نے عمر کو ۶/ ماہ کے وعدہ پر ۲۰۰/ روپیہ قرض دیا اور قرض دیتے وقت عمر سے اس مضمون کی ایک دستاویز لکھوالی کہ میں نے مبلغ ۲۰۰/ روپیہ ۶/ ماہ کے وعدہ پر بطور سلم عمر کو دیا، میعاد کے ختم ہونے پر فی روپیہ نو دونی (بڑی چوکوش والی) کے حساب سے وصول کرلوں گا، عمر نے اس کو قبول کرلیا۔

میعاد گذرنے پر عمر نے حسب قرارداد دوسو روپیہ کی دونیاں نو دونی کے حساب سے ۱۸۰۰/ دونیاں زید کے حوالہ کردیں، پھر ان دونیوں کو بازار میں بیچا کر روپیہ وغیرہ سے تبادلہ کرلیا، عوام کو جب اس معاملہ کی اطلاع ہوئی تو سودخوری کی تہمت لگائی، اس پر زید نے کہا کہ میرا یہ معاملہ بیع سلم ہے اور شیخین رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک علاوہ سونے چاندی کے سکوں کے اور تمام سکوں میں بیع سلم درست ہے، تمام کتب فقہ درمختار، شامی وغیرہ میں اس کی تصریح موجود ہے۔ اب دریافت طلب یہ ہے کہ یہ معاملہ بیع سلم ہے یا سود کا حیلہ ہے، اگر سود کا حیلہ ہے تو بیع سلم فی الفلوس کی کونسی صورت ہے جو درست ہے؟ مثال سے واضح فرمادیا جاوے۔

نیز دستاویز والے معاملے میں سود لینے کا کیا قرینہ ہے اور اس کی کیا علامت ہے اور اگر یہ معاملہ بیع سلم ہے اور عند الشیخین جائز ہے تو ایسی حالت میں جبکہ عوام اس صورت کے مرتکب کو سودخوری کی تہمت لگاتے ہیں اور زید مذہبی مقتدا بھی ہو تو اس کو ایسے معاملات سے اجتناب ضروری ہے یا نہیں؟ اگر نظر اقدس میں کوئی عبارت کتب فقہ حنفی کی ایسی ہو کہ بیع سلم فی الفلوس میں اگر نیت سود لینے کی ہو تو حرام ہے ورنہ درست تو اس کے نشان سے مطلع فرمادیں۔

محمد ساجد رنگ و بازار کٹک۔

—عينا، حلا. وإن وجد أحدهما، حل الفضل وحرم النساء". (الدر المختار مع رد المحتار: ۵/ ۱۷۲، كتاب البيوع، باب الربا، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۳/ ۱۲۰، ۱۲۱، كتاب البيوع، باب الربا، غفارية كوئته)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۴/ ۴۵۰، ۴۵۱، كتاب البيوع، باب الربا، سعيد)

(وكذا في الهداية: ۳/ ۸۰، كتاب البيوع، باب الربوا، إمداديه ملتان)

الجواب حامداً ومصلیاً:

فقہائے حنفیہ نے تصریح کی ہے کہ بیع سلم فی الفلوس شیخین رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک جائز ہے، بلکہ ظاہر الروایت امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ سے بھی جواز کی منقول ہے، البحر الرائق: "وظاهر الرواية عن الكل الجواز"۔ ۶/۱۵۶(۱)۔ فتح القدیر: ۶/۳۲۷(۲)۔ شامی: ۵/۲۰۸(۳) اور دیگر کتب میں بھی ظاہر الروایہ ائمہ ثلاثہ سے جواز کی موجود ہے۔

اصل یہ ہے کہ اثمان حقیقی سونا، چاندی میں بیع سلم جائز نہیں اور سلم، تانبا، کانسی وغیرہ کو اگر سکہ بنایا جائے تو اس کو اصطلاحاً ثمن کہا جاوے گا، حقیقت میں وہ ثمن نہیں، جس وقت اس اصطلاح کو توڑ دیا جائے گا تو ثمنیت باطل ہو جائے گی۔ جب دو مسلمان کسی ایسے سکہ میں بیع سلم کرلیں حالاں کہ وہ جانتے ہیں کہ ثمن میں بیع سلم جائز نہیں تو لامحالہ کہا جائے گا کہ انہوں نے اصطلاحی ثمنیت کو باطل کر دیا تو اب وہ نہ شرعاً ثمن ہے نہ اصطلاحاً، بلکہ مثل دوسری غیر متفاوت اشیاء کے ہے، جیسے ان اشیاء میں بیع سلم عدداً جائز ہے اسی طرح اس سکہ میں بھی جائز ہوگی:

"وأما السلم في الفلوس عدداً فجائز عند أبي حنيفة وأبي يوسف رحمهما الله تعالى، وعند محمد رحمه الله تعالى لا يجوز، بناءً على أن الفلوس أثمان عنده، فلا يجوز السلم فيها

---

(۱) "(الفلس)؛ لأنه عددي يمكن ضبطه، فيصح السلم فيه . . . وظاهر الرواية عن الكل الجواز". (البحر الرائق: ۶/۲۶۱، كتاب البيع، باب السلم، رشيديه)

(۲) "(قوله: وكذا في الفلوس عدداً) أي يجوز السلم في الفلوس عدداً، هكذا ذكره محمد رحمه الله تعالى في الجامع من غير ذكر خلاف، فكان هذا ظاهر الرواية عنه". (فتح القدير: ۷/۷۵، كتاب البيوع، باب السلم، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۳) "(قوله: وفلس) قيل: وفيه خلاف محمد لمنعه بيع الفلس بالفلسين، إلا أن ظاهر الرواية عنه كقولهما". (رد المحتار: ۵/۲۱۰، كتاب البيوع، باب السلم، سعيد)

(وكذا في النهر الفائق: ۳/۴۹۸، كتاب البيوع، باب السلم، إمداديه ملتان)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۳/۱۳۴، كتاب البيوع، باب السلم، غفاريه كوئٹه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۴/۱۱۵، كتاب البيوع، باب السلم، سعيد)

كما لا يجوز السلم في الدراهم والدنانير. وعندهما ثمنيتها ليست بلازمة، بل تحتمل الزوال؛ لأنها ثبتت بالاصطلاح فتزول بالاصطلاح، وإقدام العاقدين على عقد السلم فيها مع علمهما أنه لا صحة للسلم في الأثمان اتفاق منهما على إخراجهما عن صفة الثمنية، فتبطل ثمنيتها في حق العاقدين سابقاً على العقد، وتصير سلعاً عددية، فيصح السلم فيها، كما في سائر السلع العددية". بدائع: ۵/۲۰۸(۱)۔

اس میں شک نہیں کہ ایک حیلہ سود کا ہے، مگر جب فقہاء نے جائز لکھا ہے تو عوام کے حرام کہنے سے حرام نہیں ہوسکتا، لیکن اس قسم کے حیلہ سے بچنا اولیٰ وافضل ہے(۲)، خصوصاً جب کہ اس حیلہ کی وجہ سے علماء کو سود خواری کی تہمت لگائیں اور برا کہیں۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، ۲۴/جمادی الثانیہ/۵۲ھ۔

صحیح: عبداللطیف، ناظم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۷/جمادی الثانیہ/۵۲ھ۔

اشکال بر جواب مذکورہ

سوال[۷۸۹۱]: ا... مفتی صاحب نے لکھا ہے کہ "اس میں شک نہیں کہ یہ ایک حیلہ سود کا ہے مگر

---

(۱) (بدائع الصنائع، کتاب البیوع، فصل: وأما الذي يرجع إلى المسلم فيه: ۳۴۷/۷، دار الكتب العلمية بيروت)

"قال محمد رحمه الله تعالى في "الجامع الصغير": ويجوز السلم في الفلوس عدداً. ذكر المسألة مطلقاً من غير ذكر خلاف، فمن مشايخنا من قال: إن جواز السلم في الفلوس قولهما؛ لأن ثمنية الفلوس عندهما قابلة للبطلان؛ لأن الفلوس إنما صار ثمناً باصطلاح الناس، وإلا فهي سلعة في الأصل. وما ثبت باصطلاحهم على خلافه، فإذا أقدما على السلم فيها، والسلم لا يجوز إلا في المثمن ذلك إبطالاً لاصطلاح الأول، فعادت سلعة، فيجوز السلم فيها". (المحيط البرهاني في الفقه النعماني: ۱۸۸/۸، غفاريه كوئته)

(وكذا في المبسوط للسرخسي: ۱۴۲/۱۲، كتاب البيوع، غفاريه كوئته)

(۲) قال النبي صلى الله تعالى عليه وسلم: "دع ما يريبك إلى ما لا يريبك". (فيض القدير: ۳۴۲۵/۹، (رقم الحديث: ۴۲۱۱)، نزار مصطفى الباز رياض)

جب کہ فقہاء نے ،الخ"۔ تو عرض یہ ہے کہ جب آپ کے نزدیک یہ حیلہ یقیناً سود کا ہے، پھر فقہاء جائز کیسے لکھ سکتے ہیں، کیا ہمارے فقہاء حیلے سے سود لینے کی تعلیم دیتے ہیں، مجھ کو وقت درس حضور نے سمجھایا تھا کہ شبہ ربا بھی حرام ہے، فقہاء نے اس سے بچنے کی تاکید شدید فرمائی ہے۔

۲..... حضرت حکیم الامت مجدد الملت مولانا تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فتاویٰ امدادیہ، تتمہ اولیٰ، جلد ثالث ص: ۱۹۷ اور تتمہ ثالثہ ص: ۲۳۰، میں بیع سلم فی الفلوس کے جواب میں بیع سلم کی صحت تسلیم کرنے کے بعد ارشاد فرمایا ہے کہ: "اس حیلہ سے مقصود سود دینا ہے لہٰذا ناجائز ہوگا"(۱)۔

۳..... سائل کو بیع سلم فی الفلوس کی صحت اور اتفاقی جواز میں کلام نہیں، مقصود یہ ہے کہ واقعہ مندرجہ سوال بیع سلم میں داخل ہے یا حیلے سے سود لینا؟ حضور نے فرمایا "حیلے سے سود لینا"۔

اب میں پوچھتا ہوں کہ اس کی علامت کیا ہے جس سے ہم سمجھ لیں کہ یہاں سے سود لینا مقصود ہے، سائل کا خیال ہے کہ زید کا فوراً بازار میں جا کر دونوں کے نوٹ اور روپیہ سے تبادلہ کرنا اس کی علامت ہے کہ

---

(۱) "سوال: ایک مسئلہ کے جواب کا خواستگار ہوں، بار ہا لوگ مجھ سے پوچھتے ہیں کہ بیع سلم فی الفلوس جائز ہے یا نہیں؟ آج تک اس کا جواب نہیں دے سکا، حضور سے اس کا جواب چاہتا ہوں، انگریزی سکہ کے ایک روپیہ سے کہ انگریزی سکہ پیسہ تو پیسہ پر بیع سلم کرنا درست ہے یا نہیں؟ دلائل کی ضرورت نہیں، صرف حکم کافی ہے۔

الجواب: قال في الدر: ويصح فيما أمكن ضبط صفته كجودته ورداءته ومعرفة قدره كمكيل وموزون، وخرج بقوله: "ثمن" الدراهم والدنانير؛ لأنها أثمان، فلم يجز فيها سلم - خلافاً لمالك - وعددي متقارب كجوز وبيض وفلس، الخ". قال الشامي: "قوله: وفيه خلاف محمد، لمنعه بيع الفلس بالفلسين، فهو ثمن عنده، إلا أن ظاهر الرواية عنه كقولهما، وبيان الفرق في النهر وغيره، اهـ".
(۲۱۵/۳)

اس سے معلوم ہوا کہ پیسوں میں سلم جائز ہے جب کہ شرائط سلم کی رعایت کی جائے۔ واللہ اعلم۔

لیکن جہاں ربا سے بچنے کے لئے اس کو حیلہ قرار دیا گیا ہو، وہاں بقاعدہ "مقدمۃ الحرام حرام" اس کو ناجائز کہا جائے گا۔ جواز اس صورت میں ہے کہ احتیاط ہو جائے اور اس میں الفضاء إلی عقد بیع الربا کا احتمال نہ ہو"۔ (اشرف علی رحمہ اللہ تعالیٰ)۔ (امداد الأحکام تکملۃ إمداد الفتاوی، کتاب البیوع، فصل فی بیع السلم، بیع سلم بالفلوس جائز ہے یا نہیں: ۲۲۵/۳، ۲۲۶، مکتبہ دار العلوم کراچی)

مقصود سلم کی آڑ میں سود ہے۔ یہ خیال صحیح ہے یا نہیں؟

۴. بیع سلم فی الفلوس کی وہ کونسی صورت ہے جس میں مقصود بیع ہو، سود نہیں؟

محمد حسین بجنوری، وارد حال کٹک۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ہمارے فقہائے حنفیہ رحمہم اللہ تعالیٰ حیلہ سے سود لینے کی تعلیم نہیں دیتے بلکہ سود سے بچنے کا طریقہ اور مخرج بتاتے ہیں، جس حیلہ سے سود لینا یا کسی شئی حرام کا ارتکاب یا ابطالِ حق غیر مقصود ہو، اس سے ہمارے فقہاء نے منع فرمایا ہے اور جس حیلہ سے تخلص عن الحرام یا توصل إلی الحلال مقصود ہو، اس کی اجازت دی ہے، بلکہ اس کو مستحسن کہا ہے:

"من مذهب علمائنا أن كل حيلة يحتال بها الرجل لإبطال حق الغير أو لإدخال شبهة فيه أو لتمويه باطل، فهي مكروهة. وكل حيلة يحتال بها الرجل ليتخلص بها عن حرام أو ليتوصل بها إلى حلال، فهي حسنة. والأصل في جواز هذا النوع من الحيل قول الله تعالى ﴿وخذ بيدك ضغثاً فاضرب به ولا تحنث﴾ وهذا تعليم المخرج لأيوب النبي عليه وعلى نبينا الصلوة والسلام عن يمينه التي حلف: "ليضربن امرأته مأة عود". وعامة المشايخ على أن حكمها ليس بمنسوخ، وهو الصحيح من المذهب، كذا في الذخيرة". عالمگیری: ۶/۳۹۰، أول كتاب الحيل (۱)۔

ایک شخص کسی وجہ سے حرام میں مبتلا ہونے والا ہے، اگر وہ اس حرام سے بچنے کی کوئی تدبیر اختیار کرے تو شرعاً کچھ مذموم نہیں:

"الحيل جمع حيلة، وهي الحذق في تدبير الأمور، وهي تقليب الفكر حتى يهتدي إلى المقصود". الفن الخامس في الحيل في الأشباه، ص: ۴۱۷ (۲)۔

---

(۱) (الفتاوى العالمكيرية: ۶/۳۹۰، كتاب الحيل، الفصل الأول، رشيديه)

(۲) (الأشباه والنظائر، ص: ۴۷۷، الفن الخامس: الحيل، دار الفكر المعاصر بيروت)

= جناب مفتی اعظم ہند حضرت مولانا کفایت اللہ صاحب رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ: "فقہائے کرام نے فلوس میں بیع سلم کے جواز

محمل پر حمل کیا جائے گا(۱)۔

صحیح: عبداللطیف، ناظم مدرسہ مظاہر علوم، ۲۹/رجب/۵۲ھ۔

قسطوں پر روپیہ جمع کرکے سامان حاصل کرنا اور انعام لینا

سوال[۷۸۹۲]: یہاں پر سائیکل کے ایک تاجر نے چند ماہ سے یہ طریقہ شروع کیا ہے کہ سائیکل کے خریداروں کو بیس ماہ کے لئے ممبر خریداری بناتا ہے، ہر خریدار کو ایک خریداری نمبر دیتا ہے، ہر خریدار ہر ماہ مبلغ ۱۲/ روپیہ بیس ماہ تک جمع کرتا رہتا ہے، جب کہ کل رقم مبلغ ۲۴۰/ روپیہ ہو جاتی ہے تو سائیکل خریدار کو دے دی جاتی ہے۔ نیز دوکاندار اپنے خریداروں سے ہی لے کر ہر ماہ ایک سائیکل بطور انعام دیتا ہے اپنے ممبران میں سے جس کا نمبر خریداری مقرر کردہ نمبر مطابق ہوتا ہے۔

انعام پانے والے خریدار کو اختیار رہتا ہے، چاہے اب قسطیں بند کردے اور یہ سائیکل لے لے، یا دوسری سائیکل قسطوں کے اختتام پر حاصل کرلے تو مذکورہ شکل کو بیع سلم مانا جائے گا یا نہیں؟ اور اس شکل میں بیع فاسد ہے یا باطل یا بیع صحیح ہے؟ اور یہ انعام لینا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بیع سلم کے لئے مجلس عقد میں (رأس المال) ثمن پر مسلم الیہ کا قبضہ ضروری ہے، وہ یہاں مفقود ہے۔ اگر ثمن کا کچھ حصہ دے دیا جائے اور کچھ حصہ مسلم الیہ کی طرف بطور دین کے ذمہ میں پہلے سے تھا تو مقدار دین میں بیع سلم باطل ہو جائے گی اور صرف مقدار مخصوص میں صحیح رہے گی:

"فإن أسلم مائتي درهم في كر بر مائة دينا عليه: أي على المسلم إليه ومائة نقداً نقدها

---

(۱) "الأصل أن أمور المسلمين محمولة على السداد والصلاح حتى يظهر غيره". قال المفتي عميم الإحسان: "من مسائله أن من باع درهماً وديناراً بدرهمين ودينارين، جاز البيع، وصرف الجنس إلى خلاف جنسه تحرياً للجواز حملاً لحال المسلم على الصلاح". (قواعد الفقه، أصول الإمام الكرخي، (رقم القاعدة: ۹)، ص: ۱۱۲، الصدف پبلشرز)

(وأيضاً في قواعد الفقه، القواعد الفقهية، (رقم القاعدة: ۵۲)، ص: ۹۳، الصدف پبلشرز)

وحين اسلم وافترقا على ذلك، فالسلم في حصة الدين باطل اهـ". درمختار (۱)۔

اور صورت مسئولہ میں تو بائع کے ذمہ مقدار بائع کو دی جائے۔ اور پھر اس قرض کے عوض سائیکل خریدی جائے تو یہ بیع مداینہ کے قبیل سے ہوجائے گی (۲)۔

ہر ماہ ایک سائیکل انعام میں دینا یا لاٹری ڈال کر خریداروں کو بڑھانا ہے کہ خریدار بلا ضرورت مبلغ ۴/ روپے ماہانہ جمع کراتے رہیں، پھر ایک سائیکل تو بہر حال ملے ہی گی، ممکن ہے کہ انعام بھی نکل آوے، اگر اس انعام کی صورت میں خریدار کا روپیہ ضائع ہونے کی کوئی صورت نہیں جیسا کہ عبارت سوال سے ظاہر ہوتا ہے اور قیمت بھی پوری رہتا ہے، یعنی کہ قیمت پوری ہونے سے پہلے (خواہ ایک ہی قسط پر سہی) اگر نام نکل آئے تو

(۱) (الدر المختار مع رد المحتار: ۵/۲۱۸، باب السلم، سعيد)

"وقبض رأس المال قبل الافتراق شرط بقائه، فلو أسلم مأة نقداً ومأة ديناً على المسلم إليه في كر، بطل في حصة الدين فقط" (ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر ۳/۱۳۳، كتاب البيوع، باب السلم، غفاريه كوئته)

"فإن أسلم مأتي درهم في كر بر مأة ديناً عليه ومأة نقداً، فالسلم في الدين باطل، أي في حصة الدين؛ لأنه دين بدين". (تبيين الحقائق: ۵/۱۵، كتاب البيوع، باب السلم، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في البحر الرائق: ۶/۲۷۳، كتاب البيوع، باب السلم، رشيديه)

(۲) "فإن وقع الصلح عن إقرار، اعتبر فيه ما يعتبر في البياعات، إن وقع عن مال بمال، فيجري فيه الشفعة إذا كان عقاراً ... ولو كانا نقدين، فهما حكم الصرف، حتى لو لم يقبض المصالح عليه في المجلس، يبطل الصلح". (الفتاوى العالمكيرية: ۴/۲۳۰، كتاب الصلح، رشيديه)

"وإذا وقع عن إقرار، اعتبر فيه ما يعتبر في البياعات: إن وقع عن مال بمال لوجود معنى البيع، وهو مبادلة المال بالمال في حق المتعاقدين بتراضيهما، فتجري فيه الشفعة إذا كان عقاراً". (الهداية: ۳/۲۴۵، كتاب الصلح، شركت علميه ملتان)

(وكذا في البحر الرائق: ۷/۲۴۳، كتاب الصلح، رشيديه)

سائیکل مل جائے اور بقیہ قیمت ساقط ہو جائے تب تو بظاہر یہ صورت جائز معلوم ہوتی ہے۔ ورنہ تو جوئے کی شکل میں ہو کر ناجائز ہو جائے گی (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۸/۱۰/۸۹ھ۔

☆.....☆.....☆.....☆.....☆

(۱) "ولا خلاف بين أهل العلم في تحريم القمار، وأن المخاطرة من القمار". (أحكام القرآن للجصاص: / ۲۹ ۳، باب تحريم الميسر، دار الكتب العلمية بيروت)

"وسمي القمار قماراً؛ لأن كل واحد من المقامرين ممن يجوز أن يذهب ماله إلى صاحبه، ويجوز أن يستفيد مال صاحبه، وهو حرام بالنص". (رد المحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۴۰۳/۶، سعيد)

فصل فی الاحتکار

(ذخیرہ اندوزی کا بیان)

ذخیرہ اندوزی کا حکم

سوال [۷۴۰۳]: ایک شخص کی آمدنی کا واحد ذریعہ یہ ہے کہ وہ پیاز، لہسن، آلو، گیہوں وغیرہ خرید کر جمع کر لیتا ہے اور جب یہ چیزیں مہنگی ہو جاتی ہیں تب بیچتا ہے، کیا ایسا کرنا درست ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر بستی میں یہ اشیاء بکثرت موجود ہیں اور اس شخص کے خریدنے سے کوئی تنگی پیش نہیں آتی اور وہ پھر بعد جب موسم ختم ہے اس کو گراں فروخت کرتا ہے اور گرانی بھی اس قدر جو کہ قابلِ برداشت ہے تو اس میں گناہ نہیں، اس کی آمدنی درست ہے۔ اگر اس کے خریدنے سے تنگی اور پریشانی ہوتی ہے اور وہ ناقابلِ برداشت گراں فروخت کرتا ہے تو یہ سخت گناہ ہے(۱) اور یہ طریقہ موجبِ لعنت ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

---

(۱) "وإن اشترى في ذلك المصر وحبسه، ولا يضر بأهل المصر، لا بأس به. وإذا اشترى من مكان قريب من المصر، فحمل طعاماً إلى المصر، وحبسه، وذلك يضرّ بأهله، فهو مكروه". (الفتاوى العالمكيرية: ۲۱۳/۳، كتاب البيوع، الباب العشرون في البياعات المكروهة والأرباح الفاسدة، فصل في الاحتكار، رشيديه)

"الاحتكار مكروه، وإنه على وجوه: أحدها: أن يشتري طعاماً في مصر أو ما أشبهه، ويحبسه، ويمتنع من بيعه وذلك يضر بالناس، فهو مكروه ..... والثاني: أن يشتري في مكان قريب من المصر، فيحمل إلى المصر، ويحبسه، وذلك يضر بأهل المصر، فهو مكروه أيضاً للحديث". (المحيط البرهاني في الفقه النعماني: ۲۶۶/۸، كتاب البيع، فصل في الاحتكار، غفاريه كوئٹه)

"احتكار قوت الآدميين والبهائم في بلد يضر بأهلها: يعني يكره الاحتكار في بلد يضر بأهلها، =

والقریۃ (قولہ: یضر بأھلہ) بأن کان البلد صغیرًا اھ. شامی (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

(۱) (رد المحتار مع الدر المختار: ۶/۳۹۸، کتاب الحظر والإباحۃ، فصل في البیع، سعید)

"ویکرہ الاحتکار في أقوات الآدمیین والبھائم إذا کان ذلک في بلد یضر الاحتکار بأھلہ، وکذلک التلقي، فأما إذا کان لا یضر فلا بأس بہ. والأصل فیہ قولہ علیہ الصلوۃ والسلام: "الجالب مرزوق، والمحتکر ملعون". (الھدایۃ: ۴/۴۶۵، کتاب الکراھیۃ، فصل في البیع، مکتبہ شرکت علمیہ ملتان)

"ویکرہ الاحتکار في قوت الآدمیین والبھائم ببلد یضر بأھلہ؛ لأنہ تعلق بہ حق العامۃ". (ملتقی الأبحر). "قید بقولہ: یضر بأھلہ؛ لأنہ لو کان المصر کبیرًا لا یضر بأھلہ، فلیس بمحتکر؛ لأنہ حبس ملکہ، ولا ضرر فیہ للعامۃ". (مجمع الأنھر: ۴/۲۱۴، کتاب الکراھیۃ، فصل في البیع، غفاریہ کوئٹہ)

باب الصرف

(نقدی کی بیع کا بیان)

نوٹ وروپیہ کی بیع ریزگاری کے ساتھ

سوال[۵۹۰۷]: ریزگاری روپیہ چاندی سکہ سابق، یا روپیہ کا نسی سکہ جدید، یا نوٹ سے کمی بیشی یعنی نوٹ یا روپیہ دے کر چودہ یا پندرہ آنے سے لینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو روپیہ خالص چاندی کا روپیہ ہو یا اس میں چاندی غالب ہو اس کی بیع ایسی ریزگاری کے عوض جو خالص چاندی کی ہو یا اس میں چاندی غالب ہو کمی بیشی کے ساتھ جائز ہے، اس میں برابری ضروری ہے۔ اور ایسی ریزگاری کے عوض جو نہ خالص چاندی کی ہو اور نہ اس میں چاندی غالب ہو، کمی بیشی کے ساتھ بھی درست ہے، اس میں برابری ضروری نہیں۔

اور جو روپیہ نہ خالص چاندی کا ہو اور نہ اس میں چاندی غالب ہو، اس کی بیع ایسی ہی قسم کی ریزگاری کے عوض کمی بیشی کے ساتھ شرعاً درست ہے، اس میں برابری ضروری نہیں، البتہ خالص وغالب چاندی کی ریزگاری کے عوض اس وقت درست ہوگی جب کہ اس کی چاندی روپیہ کی چاندی سے زائد ہو، خواہ کسی قسم کی ہو، کم زیادہ لینا دینا درست نہیں۔ اسی طرح نوٹ کے عوض روپیہ کم زیادہ لینا دینا درست نہیں ہے

"وغالب الفضة والذهب فضةٌ وذهبٌ، حتى لا يصح بيع الخالصة بهما، ولا بيع بعضها ببعض إلا متساوياً وزناً، ولا يصح الاستقراض بهما إلا وزناً. وغالب الغش ليس في حكم الدراهم والدنانير، فيصح بيعها بجنسها متفاضلاً، اهـ". كنز۔

"أي وزناً وعدداً؛ لأن الحكم للغالب، فلا يضر التفاضل لجعل الغش مقابلاً بالفضة،

أو الذهب الذي في الأخرى، ولكن يشترط التقابض قبل الافتراق؛ لأنه صرف في البعض لوجود الفضة أو الذهب من الجانبين. ويشترط في الغش أيضاً؛ لأنه لا يتميز إلا بضرر. وكذا إذا بيعت بالفضة الخالصة أو الذهب الخالص، لابد أن يكون الخالص أكثر من الفضة أو الذهب الذي في المغشوش، حتى يكون قدره بمثله، والزائد بالغش على مثال بيع الزيتون بالزيت".

بحر: ۶/۲۰۷ (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، مظاہر علوم سہارنپور۔

ایضاً

سوال [۶۸۹۹]: ریزگاری کی قلت کی وجہ سے نوٹ کے بارہ آنہ یا چودہ آنہ دینا یا لینا سود کی تعریف میں شامل ہے یا نہیں؟ جبکہ قانوناً ہر دو یعنی نوٹ اور روپیہ کے سولہ آنہ قیمت مقرر ہو، کیا حکم شرعی ہے؟ کیا اس کا مرتکب کبیرہ گناہ میں شامل ہوگا؟

---

(۱) (البحر الرائق: ۶/۳۳۲، كتاب الصرف، رشيدية)

"وما غالب الفضة أو الذهب فضة وذهب، فلا يجوز بيع الخالص به، ولا بيع بعضه ببعض إلا متساوياً وزناً، ولا استقراضه إلا وزناً. وما غلب عليه الغش منهما، فهو في حكم العروض، فبيعه بالخالص على وجوه حلية السيف، ويصح بيعه بجنسه متفاضلاً بشرط التقابض في المجلس". (ملتقى الأبحر). "(قوله: على وجوه السيف)؛ لأنه إذا كانت زيادة الخالصة معلومة يجوز البيع لو تقابضا قبل الافتراق، وتكون الفضة بالفضة، والزيادة في مقابلة الغش من النحاس وغيره على مثال بيع الزيتون بالزيت. أما إذا كانت الخالصة مثل ما في المغشوش أو أقل، أو لم يعلم أيهما أقل، فلا يجوز". (مجمع الأنهر: ۳/۲۰۶، كتاب الصرف، غفاريه كوئٹه)

(وكذا في رد المحتار: ۵/۲۶۵، ۲۶۶، كتاب البيوع، باب الصرف، سعيد)

(وكذا في الهداية: ۳/۱۰۴، كتاب الصرف، إمداديه ملتان)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۳/۲۱۹، كتاب الصرف، الباب الثاني في أحكام العقد بالنظر إلى المعقود عليه، الفصل الأول في بيع الذهب والفضة، رشيدية)

الجواب حامداً ومصلياً:

نوٹ کے عوض کی زیادتی جائز نہیں (۱)، روپیہ کے عوض کی زیادتی درست ہے (۲) اور ریزگاری اور روپیہ میں خالص بیع صرف نہیں۔ البتہ اگر ایک جانب خالص چاندی یا غالب چاندی ہو اور دوسری طرف بھی ایسا ہی ہو تو مساوات شرط ہے (۳)، ورنہ چاندی کے مقابلہ میں چاندی اور کھوٹ (۴) یا دوسری دھات کے مقابلہ

---

(۱) "بيع الفلوس بعضها ببعض متفاضلا كبيع الفلس الواحد بعينه بالفلسين الآخرين بعينهما، وفيه خلاف مشهور، فقال محمد رحمه الله تعالى: إنه لا يجوز أيضاً ... والذي يظهر لهذا العبد الضعيف أن قول محمد رحمه الله تعالى أولى بالأخذ في زماننا، فإنه قد فقدت اليوم دراهم أو دنانير مضروبة بالفضة أو الذهب، وصارت الفلوس بمنزلتها في كل شيء، فلو أبيح التفاضل فيها ولو بعينها، لانفتح باب الربا بمصراعيه لكل من هب ودب، فينبغي أن يختار قول محمد رحمه الله تعالى" (تكملة فتح الملهم، كتاب المساقاة والمزارعة، باب الربا: ۱/۵۸۸، دار العلوم کراچی)

"ومشايخنا لم يفتوا بجواز ذلك في العدالي والغطارفة؛ لأنها أعز الأموال في ديارنا، فلو أبيح التفاضل فيه، ينفتح باب الربا". (الهداية: ۳/۱۰۲، كتاب الصرف، مكتبه شركت علميه ملتان)

(وكذا في بحوث في قضايا فقهية معاصرة، ص: ۱۹۳، مكتبه دار العلوم کراچی)

(۲) "اشترى خاتم فضة أو خاتم ذهب فيه فص أو ليس فيه فص بكذا فلساً، وليست الفلوس عنده، فهو جائز، تقابضا قبل التفرق أو لم يتقابضا؛ لأن هذا بيع ليس بصرف". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصرف، الباب الثاني في أحكام العقد بالنظر إلى المعقود عليه، الفصل الثالث في بيع الفلوس: ۳/۲۲۳، رشيديه)

(وكذا في رد المحتار: ۵/۱۸۰، كتاب البيوع، باب الربا، سعيد)

واضح رہے کہ ازمنۂ ماضیہ میں روپیہ چاندی کا ہوتا تھا اور ریزگاری دوسری دھات سے بنتی تھی، اس لئے ان کے درمیان کمی بیشی کے ساتھ بیع جائز تھی، لیکن موجودہ دور میں روپیہ لوہے اور کاغذ سے بنتا ہے اس لئے ریزگاری کے ساتھ تبادلے کے وقت کمی بیشی ناجائز ہے، كما تقدم في الحاشية المتقدمة.

(۳) "عن أبي سعيد الخدري رضي الله تعالى عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: "لا تبيعوا الذهب بالذهب إلا مثلاً بمثل، ولا تشفوا بعضها على بعض، ولا تبيعوا الورق بالورق إلا مثلاً بمثل، ولا تشفوا بعضها على بعض، ولا تبيعوا منها غائباً بناجز". (الصحيح لمسلم: ۲/۲۳، كتاب المساقاة والمزارعة، باب الربا، قديمي)

(۴) لیکن اس میں یہ شرط ہے کہ خالص چاندی زیادہ ہو، تاکہ چاندی، چاندی اور زائد کھوٹ کے بدلے ہو جائے۔ "لا بيع =

کی کمی بیشی، چاندی یا دوسری دھات ہونے سے ناجائز ہو جائے گی (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

- الزيتون بالزيت والسمسم بالشيرج حتى يكون الزيت والشيرج أكثر مما في الزيتون والسمسم، فيكون الزيادة بالثجير". (ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر: ۱۲۳/۳، كتاب البيوع، باب الربا، غفاريه كوئٹه)

"إذا كانت زيادة الخالصة معلومة، يجوز البيع لو تقابضا قبل الافتراق، وتكون الفضة بالفضة والزيادة في مقابلة الغش من النحاس وغيره على مثال بيع الزيتون بالزيت". (مجمع الأنهر: ۱۶۱/۳، كتاب الصرف، غفاريه كوئٹه)

(وكذا في البحر الرائق: ۲۲۵/۶، كتاب البيع، باب الربا، رشيديه)

(۱) "بيع الفلوس المعينة متفاضلاً كبيع الفلس الواحد بعينه بالفلسين الآخرين بعينهما، وفيه خلاف مشهور، فقال محمد رحمه الله تعالى إنه لا يجوز أيضاً ..... والذي يظهر لهذا العبد الضعيف أن قول محمد رحمه الله تعالى أولى بالأخذ في زماننا، فإنه قد فقدت اليوم دراهم أو دنانير مضروبة بالفضة أو الذهب، وصارت الفلوس بمنزلتها في كل شيء، فلو أبيح التفاضل فيها ولو بعينها، لانفتح باب الربا مصراعيه لكل من هب ودب، فينبغي أن يختار قول محمد رحمه الله تعالى". (تكملة فتح الملهم، كتاب المساقاة والمزارعة، باب الربا: ۵۸۸/۱، دار العلوم كراچی)

"ومشايخنا لم يفتوا بجواز ذلك في العدالي والغطارفة؛ لأنها أعز الأموال في ديارنا، فلو أبيح التفاضل فيه، ينفتح باب الربا". (الهداية: ۱۰۰/۳، كتاب الصرف، مكتبه شركت علميه ملتان)

(وكذا في بحوث في قضايا فقهية معاصرة، ص: ۱۶۲، مكتبه دار العلوم كراچی)

"اشترى خاتم فضة أو خاتم ذهب فيه فص أو ليس فيه فص بكذا فلساً، ونقدت الفلوس عنده، فهو جائز، تقابضا قبل التفرق أو لم يتقابضا؛ لأن هذا بيع ليس بصرف". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصرف، الباب الثاني في أحكام العقد بالنظر إلى المعقود عليه، الفصل الثالث في بيع الفلوس: ۲۲۴/۳، رشيديه)

(وكذا في رد المحتار: ۱۸۰/۵، كتاب البيوع، باب الربا، سعيد)

واضح رہے کہ زمانۂ ماضیہ میں روپیہ چاندی کا ہوتا تھا اور ریزگاری دوسری دھات سے بنتی تھی، اس لئے ان کے درمیان کمی بیشی کے ساتھ بیع جائز تھی، لیکن موجودہ دور میں روپیہ اور کاغذ سے بنتا ہے اس لئے ریزگاری کے ساتھ تبادلے کے وقت کمی بیشی ناجائز ہے، كما تقدم في العبارة الأولى۔

دینار کی قیمت

سوال [۷۸۹۷]: دو دینار شرعی کی قیمت کیا ہوتی ہے؟ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

دو دینار کی قیمت بازار سے دریافت کی جائے، شریعت نے اس کی قیمت مقرر نہیں کی۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۳۱/۸/۸۷ھ۔

دراہم کی قیمت

سوال [۷۸۹۸]: درہم کی قیمت موجودہ روپے کے حساب سے کتنی ہونی چاہئے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

چاندی کے ۵۰۰/ درہم کا وزن ۱۳۴/ تولہ ہے (۱)، قیمت بازار سے دریافت کرلی جائے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۹/۱۱/۸۹ھ۔

الجواب صحیح، بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۳۰/۱۱/۸۹ھ۔

روپیہ، نوٹ، ریزگاری کی متفاضلاً بیع

سوال [۷۸۹۹]: ا... فی الحال جو روپیہ رائج ہیں جس میں چاندی کم اور غش غالب ہوتا ہے یا

---

(۱) مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: "جب کہ یہ تحقیق ہو چکی ہے کہ چاندی کا نصاب دوسو درہم ہے اور تحقیق مذکورہ سے ثابت ہو گیا کہ ایک درہم کا وزن تین ماشہ ایک رتی اور ایک پانچواں حصہ رتی کا ہے تو حساب نکالنے سے واضح ہو گیا کہ چاندی کا نصاب باون تولہ چھ ماشہ ہے، اور چونکہ رائج الوقت روپیہ ہمارے زمانہ میں ساڑھے گیارہ ماشہ کا ہے تو روپیہ سے چون روپیہ بارہ آنے بھر صحیح ہوئے، یہی باون نصاب زکوٰۃ ہوا۔ درہم کا جو وزن اوپر بیان کیا گیا ہے تو تمام احکام و معاملات شرعیہ میں جہاں کہیں دراہم بولے گئے ہیں وہی دراہم شرعی مراد ہوں گے۔

اسی طرح عورت کے مہر کی کم سے کم مقدار جو حنفیہ کے نزدیک دس درہم ہے وہ تولہ ساڑھے سات ماشہ چاندی ہوئی اور چوری کی مقدار منقول پانچ درہم ہے، اس کی مقدار موجودہ روپے سے ایک روپیہ تین تولہ تین ماشہ ہوئی"۔ (جواہر الفقہ، اوزان شرعیہ، چاندی کے صحیح نصاب: ۱/۳۲۳، ۳۲۴، مکتبہ دار العلوم کراچی)

نوٹ کو پہلے کے روپیہ کے عوض متفاضلاً بیچنا جس میں چاندی غالب اور کھوٹ کم ہو جائز ہے یا نہیں؟

۲... روپیہ یا نوٹ کی بیع ریزگاری یا پیسوں سے متفاضلاً جائز ہے یا نہیں؟ نیز ہر ریزگاری کا ایک حکم ہے یا مثل گلٹ کی ریزگاری کا دوسرا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

۳... آج کل کا روپیہ اور پہلے کا روپیہ دونوں مساوی الحکم ہیں یا پہلا روپیہ نقد کے حکم میں ہے اور ثانی الذکر جو رائج ہے عروض کے حکم میں ہے؟

محمد یٰسین مبارکپوری، مدرسہ احیاء العلوم۔

الجواب: ۱، ۲، ۳: سکوں کا ایک حکم ہے، کھوٹ کے کم و بیش کی وجہ سے قیمت کم و بیش نہیں ہوتی، اس لئے صحیح یہ ہے کہ اس کی بیع متفاضلاً جائز نہیں۔ واللہ اعلم۔

عبدالرؤف قادری راناپوری۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

موجودہ روپیہ کو سابقہ روپیہ کے عوض متفاضل بیچنا شرعاً درست ہے، کیونکہ موجودہ روپیہ میں چاندی مغلوب بلکہ معدوم ہونے کی وجہ سے چاندی کے حکم میں نہیں کہ متفاضلاً بیع کی صورت میں ربوٰ لازم آئے اور تساوی واجب ہو، بلکہ اس میں ہر طرف کی کمی بیشی درست ہے۔ نوٹ حوالہ ہے(۱)، اس میں کمی بیشی جائز نہیں۔ "لأن الأقراض تقضی بأمثالها"(۲)۔

اور کمی بیشی کی صورت میں ربوٰ لازم آئے گا۔ اگر یہ تحقیق ہو جائے کہ موجودہ روپیہ میں بھی کچھ چاندی موجود ہے تو پھر اتنی شرط ضروری ہوگی کہ سابقہ روپیہ میں جس قدر چاندی ہے وہ اس چاندی سے زائد ہے جو کہ موجودہ روپیہ میں ہے، اس کے خلاف نہ ہو حتیٰ دونوں کی چاندی مساوی نہ ہو، موجودہ روپیہ کی چاندی زائد نہ

---

(۱) اب نوٹ کی حیثیت حوالہ کی نہیں، بلکہ ثمنِ عرفی کی ہے جیسا کہ آئندہ مسئلہ "نوٹ بعوض روپے کے بیع" کے تحت حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نے بھی تصریح کی ہے۔

(۲) (رد المحتار: ۳/۸۰۴، کتاب الأیمان، سعید)

"القروض یجب فی الشریعة الإسلامیة أن تقضی بأمثالها" (بحوث فی قضایا فقهیة معاصرة، ص: ۱۷۳، مکتبہ دار العلوم کراچی)

ہو، نیز تقابض ضروری ہوگا اور اس وقت موجودہ روپیہ کی چاندی کو اتنی چاندی کے مقابلہ میں قرار دیا جائے گا، اور کھوٹ کو زائد چاندی کے مقابلہ میں ہو، فلیلاحظ ما سیأتی۔

۲... نوٹ کے عوض ناجائز ہے(۱)، روپیہ کے عوض جائز ہے، پھر ریزگاری کا ایک ہی حکم ہے، اتحادِ جنس کے وقت تساوی، تقابض ضروری ہے، کما سیأتی۔

۳... موجودہ روپیہ فی الوقت چاندی کے حکم میں نہیں بلکہ فلوسِ نافقہ یا عروض کے حکم میں ہے اور گذشتہ روپیہ چاندی غالب ہونے کی وجہ سے فضہ کے حکم میں ہے:

"وغالب الفضة والذهب فضةٌ وذهبٌ، حتى لا يصح بيع الخالصة بهما ولا بيع بعضها ببعض إلا متساوياً وزناً، وغالب الغش ليس في حكم الدراهم والدنانير؛ لأن العبرة للغالب في الشرع، فصح بيعها بجنسها متفاضلاً: أي بالمغشوش مثلها عدداً أو وزناً؛ لأن الغش من كل واحد منهما يقابل بالفضة أو الذهب الذي في الآخر، فلا يضر التفاضل فيهما لاختلاف الجنس. ويشترط التقابض قبل الافتراق؛ لأنه صرف في البعض لوجود الفضة والذهب من الجانبين، ويشترط في الغش أيضاً؛ لأنه لا يتميز إلا بضرر. وكذا إذا بيعت بالفضة الخالصة أو

---

(۱) اس لئے کہ نوٹ کا حکم فلوسِ نافقہ کا ہے اور فلوس میں تفاضل کے ساتھ بیع ناجائز ہے، البتہ روپیہ کے عوض تفاضل کے ساتھ اس لئے جائز ہے کہ روپیہ چاندی کا ہے اور ریزگاری دوسری دھات کی ہے:

"بيع الفلوس معينة بالتفاضل كبيع الفلس الواحد بعينه بالفلسين الأخريين بعينهما، وفيه خلاف مشهور، فقال محمد رحمه الله تعالى: إنه لا يجوز أيضاً والذي يظهر لهذا العبد الضعيف أن قول محمد رحمه الله تعالى أولى بالأخذ في زماننا، فإنه قد فقدت اليوم دراهم أو دنانير مضروبة بالفضة أو الذهب، وصارت الفلوس بمنزلتها في كل شيء، فلو أبيح التفاضل فيها ولو بعينها، لانفتح باب الربا بمصراعيه لكل من هب ودب، فينبغي أن يختار قول محمد رحمه الله تعالى". (تكملة فتح الملهم، كتاب المساقاة والمزارعة، باب الربا: ١/٥٨٩، دار العلوم كراچی)

"ومشايخنا لم يفتوا بجواز ذلك في العدالي والغطارفة؛ لأنها أعز الأموال في ديارنا، فلو أبيح التفاضل فيه، ينفتح باب الربا". (الهداية: ٣/١١٠، كتاب الصرف، مكتبه شركت علميه ملتان)

(وكذا في بحوث في قضايا فقهية معاصرة، ص: ١٩٣، مكتبه دار العلوم كراچی)

الذهب الخالص، لابد أن يكون الخالص أكثر من الفضة أو الذهب الذي في المغشوش حتى يكون قدره بمثله والزائد بالغش، اهـ". زيلعي شرح كنز(١)۔

قوله في المتن: "(وغالب الغش ليس في حكم الدراهم إلى آخره) اعلم أن الكرخي رحمه الله تعالى يسمي هذا النوع الستوق، فقال: الستوق عندهم ما كان الصفر أو النحاس هو الغالب، فإذا كان الصفر أو النحاس هو الغالب كانت في حكم الصفر أو النحاس، حتى لا تباع بالصفر أو النحاس إلا مثلاً بمثل يداً بيد، ولكن إذا بيعت هذه الدراهم بجنسها متفاضلاً جاز، ويصرف الجنس إلى خلاف الجنس تحرياً للعقد، ويشترط التقابض لكونه صرفاً؛ لأنه بيع فضة بفضة، فلما اشترط القبض في الفضة، اشترط في الصفر أو النحاس أيضاً؛ لأن في تمييزه ... مضرةً، انتهى". شلبي حاشية زيلعي: ٤/١٤١(٢)۔

وأيضاً فيه: "ما كان الغالب فيهما الغش، صارت كالفلوس"(٣)۔

"وما غلب عليه الغش منهما، فهو في حكم العروض لا في حكم الدراهم والدنانير؛ إذ الحكم للغالب في الشرع، اهـ". مجمع الأنهر: ٢/١٢٠(٤)۔

وفيه: ٢/٨٦: "وجاز بيع فلس معين بفلسين معينين عند الشيخين رحمهما الله تعالى خلافاً لمحمد رحمه الله تعالى، اهـ".(٥)۔ وأيضاً فيه: ٢/١٦٩: "وصح بيع درهم صحيح ودرهمين غلة بدرهمين صحيحين ودرهم غلة، اهـ".(٦)۔

---

(١) (تبيين الحقائق: ٣/٥٢١، ٥٦٢، كتاب الصرف، سعيد)

(٢) (حاشية الشلبي على تبيين الحقائق: ٣/٥٦٢، كتاب الصرف، سعيد)

(٣) (تبيين الحقائق: ٣/٥٦٣، كتاب الصرف، سعيد)

(٤) (مجمع الأنهر: ٣/١٩٤، كتاب الصرف، غفاريه كوئٹه)

(٥) (مجمع الأنهر: ٣/١٢٣، كتاب البيوع، باب الربا، غفاريه كوئٹه)

(٦) (مجمع الأنهر: ٣/١٦٦، كتاب الصرف، غفاريه كوئٹه)

والمسئلۃ فی البحر(۱) ورد المحتار(۲) ومرآۃ المجلۃ وغیرہا من کتب الفقہ المتون۔

عبارات مذکورہ سے تینوں صورتوں میں سے ہر ایک کا حکم معلوم ہوگیا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۴/۹/۶۳ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۱۸/۹/۶۳ھ۔

صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۹/رمضان/۶۳ھ۔

---

(۱) "وغالب الفضۃ والذھب فضۃ وذھب یعنی، فلا یصح بیع الخالصۃ بھا ولا بیع بعضھا ببعض إلا متساویاً وزناً ... وغالب الغش لیس فی حکم الدراھم والدنانیر، فیصح بیعھا بجنسھا متفاضلاً: أی وزناً وعدداً؛ لأن الحکم للغالب، فلا یصیر الغالب لبعض الغش مغلوباً من الفضۃ أو الذھب الذی فی الآخر، ولکن یشترط التقابض فی الافتراق؛ لأنہ صرف فی البعض لوجود الفضۃ أو الذھب من الجانبین، ویشترط فی الغش أیضاً؛ لأنہ لایتمیز إلا بضرر. وکذا إذا بیعت بالفضۃ الخالصۃ أو الذھب الخالص، لابد أن یکون الخالص أکثر من الفضۃ أو الذھب الذی فی المغشوش، حتی یکون قدرہ بمثلہ والزائد بالغش علی مثال بیع الزیتون بالزیت". (البحر الرائق: ۳۳۳/۶، کتاب الصرف، رشیدیہ)

(۲) "وما غلب فضتہ وذھبہ فضۃ وذھب حکماً، فلا یصح بیع الخالص بہ ولا بیع بعضہ ببعض إلا متساویاً وزناً ... والغالب علیہ الغش منہما فی حکم عروض اعتباراً للغالب، فصح بیعہ بالخالص إن کان الخالص أکثر من المغشوش لیکون قدرہ بمثلہ والزائد بالغش". (رد المحتار: ۲۶۵/۵، ۲۶۶، کتاب البیوع، باب الصرف، سعید)

"وصح بیع الفلس المعین بفلسین معینین عندھما، وقال محمد: لایجوز؛ لأن الفلوس الرائجۃ أثمان وھو لاتتعین، ولھما: لاتتعین الفلوس إذا قوبلت بخلاف جنسہا کالنقدین". (البحر الرائق: ۲۱۹/۶، کتاب البیوع، باب الربوا، رشیدیہ)

"وصح أیضاً بیع درھم صحیح ودرھمین غلۃ بدرھمین صحیحین ودرھم غلۃ". (النھر الفائق: ۵۳۹/۳، کتاب الصرف، مکتبہ امدادیہ ملتان)

(وکذا فی الہدایۃ: ۱۱۰/۳، کتاب الصرف، مکتبہ شرکت علمیہ ملتان)

(وکذا فی فتح القدیر: ۱۵۱/۶، کتاب الصرف، مصطفی البابی الحلبی مصر)

(وکذا فی الفتاوی العالمگیریۃ: ۱۲۰/۳، کتاب البیوع، الباب الثانی فی أحکام العقد، رشیدیہ)

نوٹ کی بیع کمی بیشی سے

سوال [۷۱۰۰]: ہمارے یہاں جاری ہے کہ کسی شخص کو ایک روپیہ کے دام کسی سے لینا ہو تو وہ روپیہ لیتا ہے اور اس کو ساڑھے پندرہ آنے واپس کرتا ہے۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ یہ روپیہ اس کو لینا جائز ہے یا سود لینا ہوگا یا نوٹ دے کر پندرہ آنے لیتا ہے تو ایک آنہ کا لینا بھی لینا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: نورالدین بھروچی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب چاندی کی بیع چاندی کے عوض کی جائے تو اس میں کمی زیادتی ناجائز ہے، اگر چاندی کی بیع چاندی کے علاوہ کسی دوسری شی کے ساتھ کی جائے خواہ وہ سونا ہو خواہ سلور، پیتل، تانبا وغیرہ کچھ ہو تو اس میں برابری شرط نہیں، بلکہ کمی زیادتی جائز ہے (۱)، اور پیسہ اصل خلقت کے اعتبار سے ثمن نہیں، بلکہ متعاقدین نے اصطلاحاً اس کو ثمن قرار دیا ہے اور اس کا رواج ہوگیا ہے، لہٰذا شرعاً اس کی بھی گنجائش ہے کہ زید و عمر جب فلوس کی بیع کریں تو مروجہ ثمنیت کا اعتبار ساقط کر کے اپنی بیع میں علیحدہ یعنی رواج کے علاوہ فلوس کی قیمت متعین کرلیں:

"واعلم أن الفلوس ليست بثمن في الأصل، وإنما صارت ثمناً بمنزلة المكسور من الفضة بمعاملة الناس إياها في ذلك في شراء الدراهم اھ". در منتقی: ۲/۱۲۲ (۲)۔

"وكذا في الفلوس: أي يصح السلم فيها عدداً، لأن الثمنية ليست خلقة، وإنما الجواز فيها باصطلاح فللمتعاقدين إبطالها، خلافاً لمحمد؛ لأنها أثمان. وفي القهستاني: وظاهر الرواية عن الكل الجواز اھ". مجمع الأنهر: ۲/۸۹ (۳)۔

(۱) "عن عبادة بن الصامت رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: الذهب بالذهب، والفضة بالفضة، والبر بالبر، والشعير بالشعير، والتمر بالتمر، والملح بالملح، مثلاً بمثل، سواءً بسواء، يداً بيد، فإذا اختلفت الأصناف، فبيعوا كيف شئتم إذا كان يداً بيد". (الصحيح لمسلم: ۲/۲۵، كتاب المساقاة والمزارعة، باب الربا، قديمي)

(وسنن ابن ماجة، ص ۱۶۳، أبواب التجارات، قديمي)

(۲) (الدر المنتقى على هامش مجمع الأنهر: ۲/۱۲۲، كتاب الصرف، غفاريه كوئته)

(۳) (مجمع الأنهر: ۲/۸۹، كتاب البيوع، باب السلم، غفاريه كوئته)

ایک روپیہ کا نوٹ دے کر ۱۵/۱ آنہ لینا درست نہیں کیونکہ نوٹ کی خود قیمت ایک روپیہ یا ۱۵/۱ آنہ نہیں، بلکہ یہ ایک حوالہ اور رسید ہے(۱)، جتنے کی یہ رسید ہے اتنا ہی لیا دیا جاسکتا ہے اس میں کمی زیادتی جائز نہیں، ورنہ بدل قرض میں زیادتی کی لازم آئے گی جو کہ ربا ہے۔ فقط واللہ اعلم۔۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۹/۱۰/۶۱ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۹/۱۰/۶۱ھ۔

صحیح: عبداللطیف غفرلہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۹/۱۰/۶۱ھ۔

نوٹ بمنزلہ روپے کے ہے

سوال[۱۰۰۹]: موجودہ دور میں بیع صحیح کی شرعی پابندی کس طرح کی جائے جبکہ خریداری نوٹوں سے کی جاتی ہے جس سے چاندی سونا بھی خریدا جاتا ہے، ایک وقت میں ایک مقام پر خریداری نہیں ہوتی، قیمت میں دین بذریعہ چیک دیا جاتا ہے، یا وی پی سے بھی کیا جاتا ہے، اس حالت میں بیع شرعی کے شرائط پورے نہیں ہوتے، ورنہ کرنے والا گنہگار ہوتا ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اب جبکہ روپیہ کا وجود بہت کم ہوگیا ہے گویا کہ نایاب ہوگیا تو نوٹ کو ہی بمنزلہ روپیہ کے قرار دیدیا گیا کہ سارا کاروبار اب نوٹ ہی سے ہوتا ہے، اگر نوٹ کی وہی اصل حیثیت (حوالہ) رہے تو عام طور پر حرج عظیم

= مفتی اعظم حضرت مولانا کفایت اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا ہے کہ: "فقہاء کی دلیل "لأن الثمنية تثبت في حقهما باصطلاحهما، فتبطل بإبطالهما"۔ محتاج ہے، ممکن ہے کہ فقہائے کرام کے زمانے میں ایسا ہی ہو، لیکن موجودہ زمانہ میں مقدمہ اولیٰ کی صحت غیر مسلم ہے، بلکہ "الثمنية تثبت بقانون الحكومة، ولا ترتفع إلا بقانون الحكومة"۔ اس لئے جواز في الفلوس النافقة کا فتویٰ دینا مشکل ہے"۔ (كفاية المفتي: ۸/۱۰۵، باب السلم، فلوس میں بیع سلم کا حکم، دارالاشاعت کراچی)

اس لئے فلوس کی تعیین کو ساقط کر کے علیحدہ قیمت مقرر کر کے بیع کرنے کا جواز مشکل ہے۔

(۱) لیکن موجودہ نوٹ کی حیثیت حوالہ کی نہیں، بلکہ ثمن عرفی کی ہے جیسا کہ آئندہ مستقل عنوان: "نوٹ بمنزلہ روپے کے ہے"۔ میں مفتی صاحب نے موجودہ نوٹ کو ثمن قرار دیا ہے۔

میں چلتا ہو تو (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۲/۱/۸۸ھ۔

حج میں نوٹ کا تبادلہ کمی زیادتی سے

سوال [۷۰۰۱]: عام طور پر لوگوں کا دستور ہے کہ وہاں کی حکومت سعودیہ عربیہ میں حاجیوں کو حج کے لئے ایک خاص قسم کا نوٹ دیتی ہے جو سعودیہ عربیہ میں گراں قیمت پر فروخت ہوتا ہے تو کیا حج کا سو روپے والا نوٹ اس ملک کے دوسرے نوٹ سے کمی زیادتی کے ساتھ فروخت کرنا درست ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو نوٹ حکومت سعودیہ عربیہ میں چلانے کے لئے دیتی ہے اس کو اپنے ملک میں زیادہ قیمت پر چلانا درست نہیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی۔

ڈالر کی بیع کمی زیادتی سے

سوال [۷۰۰۲]: زید سعودیہ عربیہ میں ملازمت کے دوران ڈالر (کرنسی) خریدتا ہے اور بعد ہندوستان

---

(۱) "وبالجملة صارت هذه الأوراق اليوم كالنقود ويطلق عليها اسم النقد والعملة في العربية والإنكليزية والأردية ...... فالذي أرى أن القول بثمنيتها أصبح قوياً منذ أن جعلتها الحكومات أثماناً قانونية، وجرت الناس بقبولها عند اقتضاء ديونهم" (تكملة فتح الملهم: ۱/۵۹۰، باب تحريم بيع [illegible]، دار العلوم كراچي)

"فالذي أراه حقاً وندين الله عليه أن حكم الورق المالي كحكم النقدين في الزكاة سواء بسواء؛ لأنه يتعامل به كالنقدين تماماً، ولأن مالكه يمكنه صرفه وقضاء مصالحه به في أي وقت شاء، فمن ملك النصاب من الورق المالي ومكث عنده حولاً كاملاً، وجبت عليه زكاته" (شرح الفتح الرباني: ۸/۲۵۱، أبواب الزكاة، باب زكاة الذهب والفضة)

(وكذا في بحوث في قضايا فقهية معاصرة، ص: ۱۵۹، دار العلوم كراچي)

(۲) حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے قانونی خلاف ورزی کو مدنظر رکھ کر "درست نہیں" فرمایا، ورنہ ان نوٹوں کا دوسرے ملک کے نوٹوں سے حسب تبادلہ کمی بیشی کے ساتھ جائز ہے، كما سيأتي تخريجه تحت المسئلة الآتية. انتهى

میں جہاں بھی اس کو ڈالر کا بھاؤ اچھا ملتا ہے اسے فروخت کر دیتا ہے، ایسا کرنے پر اس کو بینکوں کے سرکاری بھاؤ سے کہیں زیادہ فائدہ ڈالر میں مل جاتا ہے۔ کیا اس کو ایسا کرنا جائز ہے جبکہ ہندوستان کی حکومت غیر اسلامی ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ڈالر کی حیثیت وہ ہے جو کہ انڈیا میں نوٹ کی ہے، یہ اصالۃً رسید اور حوالہ تھا اس رقم کا جو اس میں درج ہے کہ اس کے ذریعہ رقم وصول کی جا سکتی ہے، لیکن رفتہ رفتہ اب رقم تقریباً معدوم ہو چکی اور سب چلن نوٹ ہی رقم کی طرح مستعمل ہے۔ پس یہ نوٹ بھی اب ثمن بن چکا ہے، اس کی بیع کی زیادتی کے ساتھ درست ہے تو ڈالر کی بیع بھی کمی زیادتی کے ساتھ درست ہے، مگر اس کا خیال رہے کہ یہ قانونی جرم نہ ہو جس سے عزت اور مال دونوں خطرہ میں پڑ جائیں (۱)۔ اگر ڈالر کی حیثیت وہ نہیں جو ہندوستان میں نوٹ کی ہے تو اس کا حکم بھی

---

(۱) "أوراق العملة الأجنبية من الأوراق فهي جنس آخر، فيجوز مبادلتها بالتفاضل، فيجوز بيع ثلاث ربيات باكستانية بريال واحد سعودي. ثم إن العملات المختلفة لها قيمة معهودة في البنوك والدوائر الحكومية، فهل تجوز المبادلة بأكثر أو أقل من هذه القيمة المعهودة كما يفعل ذلك في السوق السوداء؟ والجواب: أننا إذا اعتبرنا العملة الأجنبية جنساً آخر، فالأصل أن التفاضل في مثله جائز شرعاً بالغاً ما بلغ، فلا تكون المبادلة على خلاف سعرها الحكومي رباً، ولكن يمنع من ذلك لكونه مخالفة لأولي الأمر إذا كانت الحكومة إسلامية، ولكونه عرضاً للنفس لعقوبات قانونية إذا كانت الحكومة غير إسلامية". (تكملة فتح الملهم: ١/٥٩٠، كتاب المساقاة والمزارعة، باب الربا، حكم الأوراق النقدية، دار العلوم كراچي)

(وكذا في بحوث في قضايا فقهية معاصرة، ص: ١٦٥-١٦٦، دار العلوم كراچي)

"وإذا عدم الوصفان: الجنس والمعنى المضموم إليه، حل التفاضل والنساء لعدم العلة المحرمة، والأصل فيه الإباحة. وإذا وجدا حرم التفاضل والنساء لوجود العلة. وإذا وجد أحدهما وعدم الآخر حل التفاضل وحرم النساء". (الهداية: ٣/٨١، باب الربا، كتاب البيوع، مكتبه شركت علميه ملتان)

دوسرا ہو سکتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۲۸/۲/۱۴۰۶ھ۔

ڈالر کو زائد قیمت پر فروخت کرنا

سوال [۴۰۱۰]: حبشیا میں ایک سو ڈالر کی قانونی قیمت ۳۴۵/ روپے ہندوستانی ہے، مگر بلیک مارکیٹ میں ۱۰۰/ ڈالر کی قیمت ۴۵۰/ روپیہ ہے، کبھی زیادتی بھی ہوتی ہے۔ تو یہ زائد قیمت لے کر ڈالر دینا شرعاً درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ہندوستان کا روپیہ اور حبشیا کا روپیہ برابر نہیں ہے، جو نرخ گورنمنٹ نے مقرر کر رکھا ہے وہ ایک قانونی چیز ہے، اس سے کم زیادہ پر فروخت کرتے ہیں: جو روپیہ حاصل ہوگا وہ روپیہ شرعاً جائز ہوگا، مگر قانون کی رعایت بھی رعایا کے ذمہ لازم ہے کہ اس کے خلاف کرنے سے روپیہ وعزت دونوں کا خطرہ ہے، عزت کی حفاظت بھی شرعاً ضروری ہے(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۳/۲/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۳/۲/۸۸ھ۔

غیر ملکی پونڈ وغیرہ کی بیع

سوال [۴۰۱۱]: ممالک غیر سے پونڈ کی شکل میں لندن بینک کا ڈرافٹ ہندوستان آتا ہے، اس ڈرافٹ کا گورنمنٹ آف انڈیا نے جو بھاؤ متعین کیا ہے اس بھاؤ سے انڈیا کی بینک میں ڈرافٹ کو نہ تڑواتے ہوئے خانگی تاجروں کے ہاں گورنمنٹ کے معین بھاؤ سے زیادہ رقم ملنے کی وجہ سے ڈرافٹ تڑوانا جائز ہے یا نہیں، اس فعل کا مرتکب کیسا ہے؟

---

(۱) (تقدم تخریجہ تحت عنوان: "ڈالر کی بیع کی زیادتی سے")

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر ایسا کرنے پر قانونی گرفت نہیں تو اس کی گنجائش ہے(۱)، بشرطیکہ مسلم کو خسارہ نہ ہو(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفی عنہ۔

سونے کے سیال پانی کی بیع

سوال[۷۶۰۹]: حل (یعنی سونے کا سیال پانی تیزابی اشیاء ڈال کر سونے کو تحلیل کر کے بنایا جاتا ہے اور اسے چوڑی پر چڑھاتے ہیں جس سے چوڑی سنہری خوشنما معلوم ہوتی ہے) یہاں بالعموم اس کی فروخت ادھار ہوتی ہے، لیکن اس زمانہ میں جب کہ ذریعہ خرید چاندی نہیں، بلکہ نوٹ ہے تو حل کی ادھار خرید وفروخت سود میں تو داخل نہیں، کیا عموم بلویٰ کی وجہ سے درست ہے؟

خریدار نظامی۔

---

(۱) "وأما العملة الأجنبية من الأوراق فهي جنس آخر، فيجوز مبادلتها بالتفاضل، فيجوز بيع ثلاث ربيات باكستانية بريال واحد سعودي. ثم إن العملات المختلفة لها قيمة معهودة في البنوك والدوائر الحكومية، فهل يجوز المبادلة بأكثر أو أقل من هذه القيمة المعهودة كما يفعل ذلك في السوق السوداء؟ والجواب: أنا لما اعتبرنا العملة الأجنبية جنساً آخر، فالأصل أن التفاضل في مثله جائز شرعاً بالغاً ما بلغ، فلا تكون المبادلة على خلاف سعرها الحكومي رباً، ولكن يمنع من ذلك، لكونه مخالفة لأولي الأمر إذا كانت الحكومة إسلامية، ولكونه عرضاً للنفس لعقوبات قانونية إذا كانت الحكومة غير إسلامية". (تكملة فتح الملهم: ۱/۵۹۰، كتاب المساقاة والمزارعة، باب الربا، حكم الأوراق النقدية، دار العلوم كراتشي)

(وكذا في بحوث في قضايا فقهية معاصرة، ص: ۱۶۵، ۱۶۶، دار العلوم كراتشي)

"وإذا عدم الوصفان: الجنس والمعنى المضموم إليه، حل التفاضل والنسأ لعدم العلة المحرمة، والأصل فيه الإباحة. وإذا وجدا، حرم التفاضل والنسأ لوجود العلة. وإذا وجد أحدهما وعدم الآخر، حل التفاضل وحرم النسأ". (الهداية: ۳/۸۰، باب الربا، كتاب البيوع، مكتبه شركت علميه ملتان)

(۲) نیز یہ شرط صحت بیع کے لئے کافی مشکل ہے، کیونکہ مسلم کو خسارہ کی صورت میں بھی تو الٹی کر سکتا ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ صورت داخل بیع ہے، اس کی خرید وفروخت ادھار بھی درست ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

بٹہ پر نوٹ فروخت کرنا

سوال[۷۶۰۹]: گلٹ یا چاندی کا روپیہ ۱۲/ آنہ میں بیچنا کیسا ہے؟ نیز پھٹے پرانے نوٹ کو بٹے پر لینا دینا کیا حکم رکھتا ہے؟

صوفی محمد اسحاق انصاری نصیر آباد۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

چاندی، گلٹ کا روپیہ ۱۲/ آنہ یا ڈیڑھ روپے میں بیچ شرعاً درست ہے(۲)، گر نوٹ دے کر بٹہ پر لانا

---

(۱) "إن اشتری خاتم فضة أو خاتم ذهب فیه فص أو لیس فیه فص بکذا فلساً، ولیست الفلوس عنده، فهو جائز تقابضا قبل التفرق أو لم یتقابضا؛ لأن هذا بیع ولیس بصرف". (الفتاوی العالمکیریة: ۲۲۴/۳، کتاب الصرف، الباب الثاني في العقد بالنظر إلی المعقود علیه، الفصل الثالث في بیع الفلوس، رشیدیه)

"سئل الحانوتي عن بیع الذهب بالفلوس نسیئةً، فأجاب بأنه یجوز إذا قبض أحد البدلین لما في البزازیة: لو اشتری مائة فلس بدرهم، یکفي التقابض من أحد الجانبین، ومثله ما لو باع فضةً أو ذهباً بفلوس". (رد المحتار: ۱۸۰/۵، کتاب البیوع، آخر کتاب الربا، سعید)

"وإذا اشتری الرجل فلوساً بدراهم، ونقد الثمن ولم تکن الفلوس عند البائع، فالبیع جائز، وإن اشتری خاتم فضة أو خاتم ذهب فیه فص أو لیس فیه فص بکذا فلساً، ولیست الفلوس عنده، فهو جائز، إن تقابضا قبل التفرق أو لم یتقابضا". (المبسوط للسرخسي: ۲۳/۱۴، کتاب الصرف، باب البیع بالفلوس، غفاریه کوئٹه)

(وکذا في الفتاوی الکاملیة، ص: ۹۴، باب الربا، دار الکتب العربیة پشاور)

(وکذا في الفتاوی البزازیة علی هامش الفتاوی العالمکیریة: ۵/۵۱۸، کتاب الصرف، رشیدیه)

(۲) آج کل چونکہ تانبے کے ہوتے ہیں، اس لئے چاندی کے روپے کو ان کی بیشی کے ساتھ بیچنا جائز ہے، البتہ گلٹ کے روپیہ

نوٹ درست نہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

— کے نوٹوں کی کمی بیشی کے ساتھ فروخت کرنا جائز ہے، کیونکہ ان کا حکم فلوس کا ہے، البتہ ایک ملک کی کرنسی کی کمی بیشی کے ساتھ بیع کرنا ناجائز ہے۔

"إن اشترى خاتم فضة أو خاتم ذهب فيه فص أو ليس فيه فص بكذا فلساً، وليست الفلوس عنده، فهو جائز، تقابضا قبل التفرق أو لم يتقابضا؛ لأن هذا بيع وليس بصرف". (الفتاوى العالمكيرية: ۲۲۴/۳، كتاب الصرف، الباب الثاني في أحكام العقد بالنظر إلى المعقود عليه، الفصل الثالث في بيع الفلوس، رشيديه)

"فالصحيح الراجح في زمننا أن مبادلة الأوراق النقدية إنما تجوز بشرط تماثلها، ولا يجوز التفاضل فيها". (بحوث في قضايا فقهية معاصرة، ص: ۱۶۴، دار العلوم كراتشي)

"بيع الفلوس معينة بالتفاضل كبيع الواحد بعينه بالفلسين الآخرين بعينهما، وفيه خلاف مشهور، فقال محمد رحمه الله تعالى: إنه لا يجوز أيضاً ... والذي يظهر لهذا العبد الضعيف أن قول محمد رحمه الله تعالى أولى بالأخذ في زماننا، فإنه قد نفدت اليوم دراهم أو دنانير مضروبة بالفضة أو الذهب، وصارت الفلوس بمنزلتها في كل شيء، فلو أبيح التفاضل فيها ولو بعينها، لانفتح باب الربا". (تكملة فتح الملهم، كتاب المساقاة والمزارعة، باب الربا: ۵۸۹/۱، دار العلوم كراتشي)

(۱) "عن أبي سعيد الخدري رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: "لا تبيعوا الذهب بالذهب إلا مثلاً بمثل، ولا تشفوا بعضها على بعض، ولا تبيعوا الورق بالورق إلا مثلاً بمثل، ولا تشفوا بعضها على بعض، ولا تبيعوا منها غائباً بناجز". (الصحيح لمسلم: ۲۳/۲، كتاب المساقاة والمزارعة، باب الربا، قديمي)

"عن عبادة بن الصامت رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "الذهب بالذهب، والفضة بالفضة، والبر بالبر، والشعير بالشعير، والتمر بالتمر، والملح بالملح، مثلاً بمثل، سواءً بسواء، يداً بيد، فإذا اختلفت هذه الأصناف فبيعوا كيف شئتم إذا كان يداً بيد". (الصحيح لمسلم: ۲۵/۲، كتاب البيوع، باب الربا، قديمي)

"وفي المعراج: القدر عبارة عن الوزن والكيل، والجنس عبارة عن مشاكلة المعاني اهـ. والأصل في هذا الباب الحديث المشهور وهو قوله صلى الله تعالى عليه وسلم: "الحنطة بالحنطة، والشعير بالشعير، والتمر بالتمر، والملح بالملح، والذهب بالذهب، مثلاً بمثل، يداً بيد" ..... وحرم الفضل والنساء —

سناروں سے خاک خرید کر اس سے سونا اور چاندی نکالنا

سوال[۷۰۰۸]: کچھ لوگ سناروں سے خاک خرید کر اس سے سونا چاندی نکالتے ہیں، کیا یہ جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جائز ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

☆.....☆.....☆.....☆.....☆

– بيعا أي بالقدر والجنس، لوجود العلة بتمامها . وإنما فقط بأحدهما: أي وحرم التأخير لا الفضل بوجود القدر فقط والجنس فقط". (البحر الرائق: ۶/۲۱۲، ۲۱۳، كتاب البيوع، باب الربا، رشيدية)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۴/۴۵۳، كتاب البيوع، باب الربا، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۳/۱۲۱، كتاب البيوع، باب الربا، غفارية كوئته)

(۱) لیکن اس میں یہ تفصیل ہے کہ اگر سونے یا چاندی کی خاک کو سونے یا چاندی کے عوض میں خریدا جائے تو پھر مساوات شرط ہے اور اگر روپیہ، نوٹ کے عوض خریدا جائے تو کمی بیشی کے ساتھ بھی جائز ہے۔

"عن أبي سعيد الخدري رضي الله تعالى عنه أن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم قال: "لا تبيعوا الذهب بالذهب إلا مثلاً بمثل، ولا تشفوا بعضها على بعض، ولا تبيعوا الورق بالورق إلا مثلاً بمثل، ولا تشفوا بعضها على بعض، ولا تبيعوا منها غائباً بناجز". (الصحيح لمسلم، كتاب المساقاة والمزارعة، باب الربا: ۲/۲۴، قديمي)

"عن عبادة بن الصامت رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "الذهب بالذهب، والفضة بالفضة، والبر بالبر، والشعير بالشعير، والتمر بالتمر، والملح بالملح، مثلاً بمثل، سواء بسواء، يداً بيد، فإذا اختلفت هذه الأصناف، فبيعوا كيف شئتم إذا كان يداً بيد". (الصحيح لمسلم، كتاب المساقاة والمزارعة، باب الربا: ۲/۲۵، قديمي)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب البيوع، باب الربا: ۴/۴۵۳، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب البيوع، باب الربا: ۶/۲۱۲، ۲۱۳، رشيدية)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب البيوع، باب الربا: ۳/۱۲۱، غفارية كوئته)

باب البیع بالوفاء

(بیع بالوفاء کا بیان)

بیع الوفاء

سوال[۱۰۰۱۷]: زید اپنی جائیداد بکر کے حق میں بیع قطعی کرتا ہے اور زید بکر سے یہ درخواست کرتا ہے کہ بکر زید کو یہ رعایت دیدے کہ وہ عرصہ معینہ فریقین میں اگر زید روپیہ ادا کردے تو بکر زید کو جائیداد واپس کردے۔ آیا یہ بیع شرعاً جائز یا نہیں؟

۱۸/اگست/۳۹ء۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر معاملہ میں، مجلسِ عقد میں بطور شرط یا بطور وعدہ واپسی کا کوئی ذکر نہیں آیا، بلکہ جس طرح اور لوگ شب و روز بیع وشراء کرتے ہیں، اسی طرح زید و بکر نے بھی بیع وشراء کرلی، پھر کسی دوسری مجلس میں دوسرے وقت زید نے بکر سے اس رعایت کی درخواست کرلی اور بکر نے اس کو منظور کرلیا تو شرعاً یہ بیع درست ہوگئی۔ اب زید کو قانوناً مطالبۂ واپسی کا کوئی حق باقی نہیں رہا(۱)، وہ کسی طرح بکر کو واپسی پر مجبور نہیں کرسکتا، بکر کو اس جائیداد میں

---

(۱) "والصحیح أن العقد الذي جرى بينهما إن كان بلفظ البيع، لا يكون رهناً. ثم ينظر: إن ذكرا شرط الفسخ في البيع، فسد البيع. وإن لم يذكرا ذلك وتلفظا بلفظة البيع بشرط الوفاء أو تلفظا بالبيع الجائز. وعندهما: هذا البيع عبارة عن عقد غير لازم فكذلك، وإن ذكرا البيع من غير شرط، ثم ذكرا الشرط على وجه المواعدة، جاز البيع ويلزمه الوفاء بالوعد؛ لأن المواعيد قد تكون لازمة فتجعل لازمة لحاجة الناس". (فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية: ۲/۱۶۵، فصل في الشروط المفسدة، رشيديه)

"وكذا لو تواضعا الوفاء قبل العقد ثم عقدا بلا شرط الوفاء، فالعقد جائز، ولا عبرة بالمواضعة =

مالکانہ تصرف کرنے کا پورا پورا حق حاصل ہے، اگر چاہے تو دوسرے شخص کو ہبہ یا بیع یا رہن سب کچھ کر سکتا ہے، زید کو ان تصرفات سے روکنے کا حق حاصل نہیں۔

اور حسبِ معاہدہ فریقین میں اگر زید روپیہ ادا کردے تب بھی بکر کو اختیار ہے کہ وہ اگر مناسب سمجھے اور اس کی مصالح کے خلاف نہ ہو، نیز کوئی مانع نہ ہو تو واپس کردے، اور اگر مصالح کے خلاف ہو اور نقصان ہوتا ہو تو اس کو واپسی پر مجبور نہیں کیا جاسکتا، بلکہ زید کا روپیہ لینے سے انکار کردے، غرض قضاءً اس پر کوئی حق باقی نہیں رہا، البتہ دیانۃً اس وعدہ کا پورا کرنا بہتر ہے، تاہم اگر وعدہ کرتے وقت تو پورا کرنے کی نیت تھی، لیکن بعد میں کسی مصلحت و ذاتی ضرورت یا احتمالِ نقصان کی بناء پر پورا نہیں کرتا تو شرعاً اس پر گناہ نہیں (۱)۔

= السابقة". (جامع الفصولين: ۱/۲۳۷، اسلامی کتب خانہ بنوری ٹاؤن)

(وكذا في الفتاوى الأنقروية: ۱/۲۹۳، في بيع الوفاء، دار الإشاعة العربية قندهار)

(وكذا في الدر المختار مع رد المحتار، كتاب البيوع، باب الصرف، مطلب في بيع الوفاء: ۵/۲۷۶-۲۷۷، سعيد)

"وعده أن يأتيه، فلم يأته، لا يأثم. قال بعض الفضلاء: فإن قيل: ما وجه التوفيق بين هذين القولين، فإن الحرام يأثم بفعله، وقد صرح في القنية بنفي الإثم؟ قلت: يحمل الأول على ما إذا وعد وفي نيته الخلف فيحرم؛ لأنه من صفات المنافقين. والثاني على ما إذا نوى الوفاء وعرض مانع". (الأشباه والنظائر مع شرحه للحموي، الفن الثاني، كتاب الحظر والإباحة: ۳/۲۳۷، إدارة القرآن كراچي)

(۱) "عن زيد بن أرقم رضي الله تعالى عنه، عن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم قال: "إذا وعد الرجل أخاه ومن نيته أن يفي له، فلم يف ولم يجئ للميعاد، فلا إثم عليه". قال الأشرف: هذا دليل على أن النية الصالحة يثاب الرجل عليها وإن لم يقترن معها المنوي وتخلف عنها. اهـ. ومفهومه أن من وعد وليس من نيته أن يفي، فعليه الإثم، سواء وفى به أو لم يف، فإنه من أخلاق المنافقين. ولا تعرض فيه لمن وعد ونيته أن يفي، ولم يف بغير عذر" (مرقاة المفاتيح: ۸/۶۱۵، كتاب الآداب، باب الوعد، الفصل الثاني، (رقم الحديث: ۴۸۸۱)، رشيديه)

(وكذا في مرقاة المفاتيح: ۸/۶۲۷، ۶۲۸، كتاب الآداب، باب المزاح، الفصل الثاني، (رقم الحديث: ۴۸۹۲)، رشيديه)

(وكذا في فيض القدير: ۱/۴۹۸، (رقم الحديث: ۷۹۳)، مكتبه نزار مصطفى الباز رياض)

اگر بیع نامہ میں یا اس سے پہلے بطور شرط یا بطور وعدہ واپسی کا ذکر آچکا ہے تو یہ بیع رہن کے حکم میں ہے، کل جائیداد جس کی بیع ہوئی ہے رہن رہے گی، بکر کو اس سے انتفاع ناجائز ہے، نہ اس کی آمدنی لے سکتا ہے، نہ اس کو بیع کرسکتا ہے، نہ اجارہ، نہ دان، نہ ہبہ بلکہ اس جائیداد کا محض محافظ ہے امین رہے گا اور اس کی جس قدر آمدنی ہوئی وہ بھی تمام رہن رہے گی، روپیہ وصول ہونے پر اس جائیداد کے ساتھ اس آمدنی کی بھی واپسی ضروری ہوگی۔ جس طرح بکر کو اس جائیداد سے اس عرصہ میں نفع حاصل کرنا ناجائز ہے اسی طرح زید کو بھی نفع حاصل کرنے کا حق نہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۵/۹/۵۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم، صحیح: عبداللطیف، ۲۵/ جمادی الثانیہ/ ۵۸ھ۔

بائع یا اس کے ورثہ کو مکان دوبارہ فروخت کرنے کا معاہدہ کرنا

سوال [۷۶۰۰]: ایک مکان زید نے پانچ سو روپیہ کا خریدا اور بیع نامہ تحریری لکھے جانے کے بعد بائع نے مشتری سے یہ کہا کہ تم ایک اقرار نامہ علیحدہ اس امر کا لکھ دو کہ دس سال تک اگر بائع یا اس کے ورثاء اس کو واپس لینا چاہیں گے تو میں اسی دام پر واپس کردوں گا تاکہ ہم دونوں کا اطمینان ہو جائے۔ چنانچہ فریقین رضا مند ہوگئے۔ بیع نامہ کے علاوہ ایک اقرار نامہ مضمون بالا کا لکھوا لیا گیا۔ اب دریافت طلب یہ ہے کہ آیا مشتری کو اس مکان خرید شدہ سے منافع حاصل کرنا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: حمید احمد، محلہ نخاسہ، شہر سہارنپور، ۳/ ذی الحجہ/ ۵۳ھ۔

---

(۱) "وفي حاشية الفصولين عن جواهر الفتاوى: هو أن يقول: بعت منك على أن تبيعه مني متى جئت بالثمن، فهذا البيع باطل، وهو رهن، وحكمه حكم الرهن، وهو الصحيح. قال السيد الإمام: قلت للإمام الحسن الماتريدي: قد فشا هذا البيع، وفيه مفسدة عظيمة، وفتواك أنه رهن، وأنا أيضاً على ذلك".

(رد المحتار: ۵/۲۷۶، كتاب البيوع، باب الصرف، مطلب في بيع الوفاء، سعيد)

"لا يحل له أن ينتفع بشيء منه بوجه من الوجوه وإن أذن له الراهن، لأنه أذن له في الربا، لأنه يستوفي دينه كاملاً فتبقى له المنفعة فضلاً فيكون ربا" (الدر المختار مع رد المحتار: ۶/۴۸۲، كتاب الرهن، سعيد)

(وكذا في تنقيح الفتاوى الحامدية: ۱/۲۵۴، مكتبه ميمنيه مصر)

(وكذا في كفاية المفتي: ۸/۱۲۸، دار الإشاعت كراچی)

الجواب حامداً ومصلیاً:

اولاً بیع تام اور مطلق ہوگئی، بعد میں ایک اقرار نامہ بائع اور مشتری کے درمیان بطور وعدہ تحریر کیا گیا ہے جس سے بیع پر کوئی اثر نہیں پڑتا، لہٰذا مشتری مکان کا مالک ہے اور اس مکان سے نفع حاصل کرنا مشتری کو جائز ہے:

"وفي الخيرية: فيما لو أطلق البيع ولم يذكر الوفاء، إلا أنه عهد إلى البائع أنه إن أوفى مثل الثمن يفسخ البيع معه، أجاب: هذه المسئلة اختلف فيها مشايخنا على أقوال، ونص في الحاوي الزاهدي: أن الفتوى في ذلك أن البيع إذا أطلق ولم يذكر فيه الوفاء، إلا أن المشتري عهد إلى البائع أنه إن أوفى مثل ثمنه، فإنه يفسخ معه البيع، يكون باتاً حيث كان الثمن ثمن المثل أو بغبن يسير". رد المحتار: ۵/۲۷۵(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۲/۴/۵۳ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۵/ذی الحجہ/۵۳ھ۔

---

(۱) (رد المحتار: ۵/۲۷۷، کتاب البیوع، باب الصرف، مطلب في بيع الوفاء، سعيد)

"ونص في الحاوي الزاهدي: أن الفتوى في ذلك أن البيع إذا أطلق ولم يذكر فيه الوفاء، إلا أن المشتري عهد إلى البائع بعد البيع المطلق أنه إن أوفى بمثل ثمنه، فإنه يفسخ معه البيع، يكون باتاً حيث كان بثمن ثمن المثل أو بغبن يسير" (الفتاوى الكاملية، ص: ۸۳، مطلب في بيع الوفاء، حقانيه پشاور)

"إذا أطلق البيع لكن وكل المشتري وكيلاً بفسخ البيع إذا أحضر البائع الثمن أو عهد على أنه إذا أوفاه فسخ البيع، والثمن لا يعادل المبيع، وفيه غبن فاحش، أو وضع المشتري على أصل المال ربحاً بأن وضع على مائة عشرين دينارًا فرهن. وإن كان بلا وضع ربح بمثل الثمن أو بغبن يسير فبات" (الفتاوى البزازية على هامش الفتاوى العالمكيرية: ۴/۴۰۰، كتاب البيوع، نوع فيما يتصل بالبيع الفاسد، رشيديه)

(وكذا في الحاشية الحميلة بذيل جامع الفصولين: ۱/۲۳۴، الفصل الثامن عشر في بيع الوفاء، اسلامي كتب خانه بنوري ٹاؤن كراچي)

دس سال کی مدت تک مکان فروخت کرنا

سوال[۱۲۷۹۰]: میں نے اپنی جائیداد سکنی قیمتی مبلغ دو ہزار روپیہ بوجہ ضرورت خرچ خانگی مبلغ نو سو روپیہ میں ایک شخص کو اس شرط پر بیع کردی کہ مبلغ نو سو روپیہ مذکورہ بالا دس سال کے اندر ادا کردوں تو مشتری مذکور بیع واپس کردے گا اور میرے حق میں بیعنامہ تحریر کردے گا، بدیں وجہ مشتری مذکور نے ایک اقرار نامہ بھی تحریر کرکے رجسٹری کرادیا کہ وہ دس سال کے اندر اپنا روپیہ لے کر بیع واپس کردے گا اور مشتری مذکور دس سال تک فائدہ آمدنی کرایہ وغیرہ سے اٹھاتا رہے گا۔

لہذا یہ مسئلہ دریافت طلب ہے کہ بیع مذکورہ جو کہ میعادی ہے، جائز ہے یا ناجائز؟ نیز یہ کہ مشتری جو کہ ہر ماہ تک آمدنی کرایہ وغیرہ وصول کرکے فائدہ اٹھاتا ہے وہ بھی جائز ہے یا ناجائز؟

محمد رفیع، ٹھار جوائی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

شرعاً یہ بیع صحیح نہیں ہوئی، بلکہ یہ رہن کے حکم میں ہے(۱) اور مشتری کو۔ جو کہ درحقیقت مرتہن ہے۔ اس

● (وكذا في الأشباه والنظائر، الفن الثاني، كتاب الحظر والإباحة: ۲/۲۴۳، إدارة القرآن كراچي)

(وكذا في مرقاة المفاتيح: ۸/۱۰۳، كتاب الآداب، باب الوعد، الفصل الثاني، رشيدية)

(۱) "وفي حاشية الفصولين: هو أن يقول: بعت منك على أن تبيعه مني متى جئت بالثمن، فهذا بيع باطل، وهو رهن، وحكمه حكم الرهن، وهو الصحيح". (رد المحتار: ۵/۲۷۶، كتاب البيوع، باب الصرف، مطلب في بيع الوفاء، سعيد)

"القول: وفي جواهر الفتاوى في الباب الأول: بيع الوفاء أن يقول: بعت منك على أن تبيعه مني متى جئت بالثمن. قال رضي الله عنه: هذا البيع باطل، وهو رهن، وحكمه حكم الرهن، هكذا ذكروا، وهو الصحيح. وذكر الإمام محمد بن الفضل البخاري هكذا. وقيل: بيع فاسد يوجب الملك إذا اتصل به القبض، والأول أصح". (حاشية جامع الفصولين: ۱/۲۳۶، الفصل الثامن عشر، اسلامی کتب خانہ بنوری ٹاؤن)

(وكذا في المحيط البرهاني: ۸/۳۶۲، كتاب البيع، الفصل العشرون في البياعات المكروهة، غفاريه كوئٹه)

جائیداد سے معاہدہ مذکور میں نفع حاصل کرنا جائز نہیں (۱)، جس قدر آمدنی ہوئی، وہ اصل مالک یعنی بائع کی ہوگی جو کہ در حقیقت راہن ہے اور وہ آمدنی بھی جائیداد مذکور کے ساتھ رہن رہے گی (۲)۔ اصل مالک جب مبلغ نو سو روپیہ جو کہ صورت مسئولہ میں زرِ رہن ہے، واپس کردے گا، اس وقت اس جائیداد اور اس کی آمدنی کے واپس لینے کا حق دار ہوگا۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳/ جمادی الثانیہ/۵۹ھ۔

عبد اللطیف غفرلہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳/ جمادی الثانیہ/۵۹ھ۔

ایضاً

سوال [۳۱۷۴]: زید نے اپنا مکان عمر کے ہاتھ فروخت کردیا اور دستاویز بیع قطعی کی رجسٹری کرادی اور دستاویز کے ساتھ ہی ایک اقرار نامہ عمر سے تحریر کرالیا کہ جو روپیہ زید نے عمر سے وصول کیا ہے، اگر وہ دس سال کے بعد زید عمر کو واپس کردے تو عمر زید کو مکان واپس کردے گا، اور بعد گزر جانے دس سال کے زید کو عمر سے مکان واپس لینے کا کوئی حق نہ ہوگا، مرمت، شکست وریخت دس سال تک عمر کے ذمہ رہے گی۔ ایسی صورت میں عمر کو اس مکان کا کرایہ لینا جائز ہے یا ناجائز؟ بیع ہونے سے پہلے اقرار نامہ کی شرائط طے کرلی جاتی ہیں۔

المستفتی: عبد الکریم پھر جاتی رحیم بخش، سہارنپور۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر یہ شرطیں ایجاب وقبول بیع سے پہلے کی گئی ہیں، یا بیع کے ساتھ کی گئی ہیں تو ان دونوں کا ایک

---

(۱) "ولا ينتفع المرتهن استخداماً وسكنى ولبساً وإجارةً وإعارةً؛ لأن الرهن يقتضي الحبس إلى أن يستوفي دينه دون الانتفاع". (البحر الرائق: ۲۳۸/۸، كتاب الرهن، رشيديه)

(۲) "ونماء الرهن كالولد والثمر واللبن والصوف والوبر والأرش ونحو ذلك للراهن، لتولده من ملكه، وهو رهن مع الأصل تبعاً له". (الدر المختار مع رد المحتار: ۵۲۱/۶، كتاب الرهن، باب الرهن يوضع على يد عدل، فصل في مسائل متفرقة، سعيد)

(وكذا في ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر: ۳۰۲/۴، كتاب الرهن، فصل في المتفرقات، غفاريه كوئٹه)

حکم ہے(۱)، اگر بیع قطعی کی گئی اور بعد میں شرطیں لگادی گئیں تب بھی امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان شرطوں کا ایسا ہی حال ہے جیسا کہ نفس بیع میں لگا دیتے سے ہوتا۔ اور صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اس صورت میں بیع ہوگئی اور یہ اقرار وعدہ علیحدہ ہے(۲)، اس کا پورا کرنا دیانۃً ضروری ہے، اگر پورا نہیں کرے گا تو وعدہ خلاف کہلائے گا(۳)، اس سے بیع پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے صاحبین رحمہم اللہ تعالیٰ کے قول کو راجح بتایا ہے:

"لو شرط بعد العقد يلتحق بالعقد عند أبي حنيفة رحمه الله تعالى" اهـ" در مختار.

"قبيل بيع الوفاء: كما لو شرط في العقد. وقدمنا في البيع الفاسد ترجيح قولهما، لعدم التحاق

---

(۱) دوم یہ ہے کہ یہ معاملہ بیع باطل اور رہن کی صورت ہے

"وهو أن يقول بعت منك على أن تبيعه مني متى جئت بالثمن، فهذا البيع باطل، وهو رهن، وحكمه حكم الرهن، وهو الصحيح". (رد المحتار: ۲۷۶/۵، كتاب البيوع، باب الصرف، مطلب في بيع الوفاء، سعيد)

(وكذا في حاشية جامع الفصولين: ۲۳۲/۱، الفصل الثامن عشر في بيع الوفاء وأحكامه وشرائطه وأقسامه، إسلامي كتب خانه بنوري ٹاؤن)

(۲) "وقيد بكون الشرط مقارناً للعقد؛ لأن الشرط الفاسد لو التحق بعد العقد، قيل: يلتحق عند أبي حنيفة، وقيل: لا، وهو الأصح". (البحر الرائق: ۱۳۲/۶، كتاب البيع، باب البيع الفاسد، رشيديه)

(وكذا في جامع الفصولين: ۲۳۴/۲، الفصل التاسع والثلاثون، إسلامي كتب خانه بنوري ٹاؤن)

(وكذا في النهر الفائق: ۳۴۵/۳، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، إمداديه ملتان)

(وكذا في فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية: ۱۸۳/۲، كتاب البيوع، باب العيوب، رشيديه)

(۳) "الخلف في الوعد حرام". (الأشباه والنظائر مع شرحه للحموي، الفن الثاني، كتاب الحظر والإباحة: ۳۴۶/۳، إدارة القرآن كراچی)

"قال النووي رحمه الله تعالى: أجمعوا على أن من وعد إنساناً شيئاً ليس بمنهي عنه، فينبغي أن يفي بوعده". (مرقاة المفاتيح: ۹۲۷/۸، ۲۲۸، كتاب الآداب، باب المزاح، الفصل الثاني، رشيديه)

(وكذا في فيض القدير: ۸۹۱/۲، رقم الحديث: ۱۰۸۴، مكتبة نزار مصطفى الباز رياض)

الشرط المتأخر من العقد به"۔ شامی: ۴/۲۷۵(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۴/۱۰/۶۰ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۴/۱۰/۶۰ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، ۱۵/شوال/۶۰ھ۔

مکان فروخت کرکے دوبارہ خریدنے کا معاہدہ

سوال[۷۹۱۲]: زید مجبوری کی وجہ سے بکر کے ہاتھ اپنا مکان فروخت کرتا ہے اور رجسٹری بھی کراتا ہے اس طریقہ پر کہ اگر مجھے سہولت ہوئی تو ایک سال بعد رقم ادا کرکے حاصل کرلوں گا، ورنہ یہ مکان بکر کا ہوگا۔ کیا یہ طریقہ جائز ہے اور بکر کا زید کے اس مکان کو بیچ تصرف میں لانا درست ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس شرط کے ساتھ فروخت کرنا بیع فاسد ہے، بلکہ یہ رہن کے حکم میں ہے، اس کو بیع الوفاء کہتے ہیں، وہ مکان رہن ہوگا(۲)، اس سے نفع اٹھانا مرتہن کو درست نہیں ہوگا۔ لیکن اگر بیع تو بلا شرط کے کرلی جائے، اس کے بعد دوسری مجلس میں پھر واپسی کا معاہدہ کرلیا جائے تو بیع درست ہوجائے گی(۳)، اور مدت معینہ میں رقم ادا

---

(۱) (رد المحتار، کتاب البیوع، باب الصرف، مطلب في بیع الوفاء: ۵/۲۷۸، سعید)

(۲) "هو أن یقول: بعت منک علی أن تبیعه مني متی جئت بالثمن، فهذا البیع باطل، وهو رهن، وحکمه حکم الرهن، وهو الصحیح". (رد المحتار: ۵/۲۷۶، کتاب البیوع، باب الصرف، مطلب في بیع الوفاء، سعید)

(وکذا في المحیط البرهاني في الفقه النعماني، کتاب البیع، الفصل الخامس والعشرون في البیاعات المکروهة والأرباح الفاسدة: ۸/۲۶۰، غفاریه کوئٹه)

(وکذا في حاشیة جامع الفصولین: ۱/۲۳۴، الفصل الثامن عشر في بیع الوفاء وأحکامه وشرائطه وأقسامه، اسلامی کتب خانه، بنوری ٹاؤن کراچی)

(۳) "لو أطلق البیع ولم یذکر الوفاء إلا أنه عهد إلی البائع أنه إن أوفی مثل الثمن، یفسخ البیع معه" أجاب: هذه المسئلة اختلف فیها مشایخنا علی أقوال، ونص في الحاوي الزاهدي: أن الفتوی في ذلک أن البیع إذا أطلق ولم یذکر فیه الوفاء، إلا أن المشتري عهد إلی البائع أنه إن أوفی مثل ثمنه، فإنه یفسخ

کرنے پر حسبِ معاہدہ وہ مکان واپس کرنا اخلاقاً لازم ہوگا (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، ۱۳/۷/۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۷/۸۷ھ۔

زمین بیع کردہ دوبارہ لینے کا دل میں خیال رکھنا

سوال [۵۰۷۹]: زید اپنی مجبوری کی بناء پر بکر سے ایک متعین زمین کو مناسب قیمت پر لے کر رجسٹر آفس جاکر بکر کو رجسٹری کردی اور بکر اس کا مالک بن کر زمین کو آباد کرتا ہے، دوبارہ زمین واپس لینے کی شرط بھی نہیں رہتی ہے مگر دل میں یکگونہ خیال ہوتا ہے۔ یہ معاملہ صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر یہ معاملہ معاہدہ کا ہو جس میں واپسی کی شرط نہیں تھی تو یہ بیع صحیح ہوگئی (۲)، پھر زبانی وعدہ خارج سے ہوا، اس کی تکمیل اخلاقاً کردی جائے: "لأن الخلف في الوعد حرام". الأشباه والنظائر (۳)۔ لیکن بیع کو تو زید کو واپس لینے کا حق نہیں۔ اگر وعدہ نفسِ بیع میں داخل ہے تو یہ بیع بالوفاء ہے جس کے متعلق شامی نے متعدد اقوال نقل کئے ہیں، راجح یہ ہے کہ یہ صورۃً بیع ہے مگر معنیً رہن ہے (۴)۔ شیٔ مرہون سے انتفاع مرتہن کو

= معه البيع، يكون بائناً حيث كان الثمن ثمن المثل أو بغبن يسير". (رد المحتار: ۵/۲۷۶، كتاب البيوع، باب الصرف، مطلب في بيع الوفاء، سعيد)

(وكذا في الفتاوى الكاملية، ص: ۸۳، مطلب في بيع الوفاء، حقانيه پشاور)

(وكذا في الفتاوى البزازية على هامش الفتاوى العالمكيرية: ۴/۴۰۶، كتاب البيوع، نوع فيما يتصل بالبيع الفاسد، رشيديه)

(وكذا في حاشية جامع الفصولين: ۱/۲۳۹، الفصل الثامن عشر في بيع الوفاء وأحكامه وشرائطه وأقسامه، اسلامي كتب خانه بنوري ٹاؤن)

(۱) (راجع، ص: ۲۶، رقم الحاشية: ۳)

(۲) (راجع، ص: ۲۶۳، رقم الحاشية: ۱)

(۳) (الأشباه والنظائر مع شرحه للحموي: ۳/۲۳۷، إدارة القرآن كراچي)

(۴) (راجع، ص: ۲۶۳، رقم الحاشية: ۴)

بیع الوفاء کی ایک صورت

سوال[۱۱۷]: زید نے بکر سے کہا کہ بعوض ستر ہ سو روپیہ رقبہ دو بیگہ زمین گروی لے لو، بکر نے جواباً کہا کہ میں اس طرح خلاف شرع گروی کی زمین اپنی تحویل میں نہیں لے سکتا، اگر تمہاری مرضی ہو تو مختصر سال کے واسطے بطور معاملہ پندرہ سو روپیہ مجھ سے لے کر اپنی دو بیگہ زمین میرے قبضہ میں دیدو اور سالانہ سو روپے کے حساب سے دو بیگہ کا معاملہ ادا شدہ رقم سے منہا کرتے جاؤ، اگر اس عرصہ میں کسی وقت تم کو ضرورت لاحق ہو تو منہا شدہ رقم کے علاوہ باقی زر مجھے واپس کر کے اپنی زمین لے سکتے ہو، ہمارا اس پر کسی طرح کا حق دعویداری شرعی نہ ہوگا، مثلاً دس سال تک تم دو صد روپیہ معاملہ کا منہا کر چکے ہو۔

اب تیرہ سو روپیہ باقی ہے، اس موقع پر تمہاری رائے واپسی کی ہو تو وہ تیرہ سو روپیہ کی رقم دے کر اپنی زمین چھوڑا سکتے ہو، اس عرصہ تک کاشتکاری اور اس کا نفع ہمارا مال ہوگا۔

زید نے اس موجودہ صورت پر معاملہ طے کیا اور رقم بکر سے لے لی اور زمین بکر کے حوالہ کردی، مگر کاغذات پٹواری میں اس کا اندراج بلفظ رہن ہوا ہے اور عاقدین کا منشا رہن کا نہیں ہے۔ اب قابلِ دریافت یہ امر ہے کہ موجودہ صورت مذکورہ ٹھیکہ ہے یا رہن؟ جواب سے مشرف فرمادیں۔

اس صورت میں بعض اس کو ٹھیکہ شمار کرتے ہیں اور بعض دیگر رہن۔ پس واضح فرمایا جائے۔ نیز ٹھیکہ اور رہن کا فرق یا مابہ الامتیاز کیا ہے، جس سے ہم لوگوں کو آئندہ دونوں کا فرق معلوم ہو جائے؟ نیز امام احمد رضا خاں صاحب

= "أن البيع الذي تعارف عليه أهل سمرقند وسموه بيع الوفاء تحرزاً عن الربا في الحقيقة رهن، والمبيع في يد المشتري كالرهن في يد المرتهن، لايملكه ولا يحل الانتفاع به". (المحيط البرهاني في الفقه النعماني، كتاب البيع، الفصل الخامس والعشرون، في البياعات المكروهة والأرباح الفاسدة: ۲۶۹/۸، غفاريه كوئٹه)

"الثاني: وفي جواهر الفتاوى في الباب الأول: بيع الوفاء أن يقول: بعت منك على أن تبيعه مني متى جئت بالثمن. قال رضي الله تعالى عنه: هذا البيع باطل، وهو رهن، وحكمه حكم الرهن، هكذا ذكر، وهو الصحيح، ذكر الإمام محمد بن الفضل البخاري هكذا. وقيل: بيع فاسد يوجب الملك إذا اتصل به القبض، والأول أصح". (حاشية جامع الفصولين: ۲۳۳/۲، الفصل الثامن عشر في بيع الوفاء، اسلامی کتب خانہ بنوری ٹاؤن)

تعالیٰ انتفاع بالمرہون کے کس بناء پر قائل ہوتے ہیں، جبکہ تصریحات علمائے ظاہر کی اس کے خلاف ہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس عقد کا حاصل یہ ہے کہ مالک زمین زید نے اپنی زمین بکر کو کرایہ پر دی ہے اور رقم مذکور بطور کرایہ طے کر کے پیشگی وصول کر لی، مجموعی رقم کے ساتھ ہر سال کا کرایہ بھی ظاہر کر دیا اور بکر نے زید کو یہ بھی اختیار دیدیا کہ اگر مدت مذکورہ سے قبل اس معاملہ کو فسخ کرنا چاہو اختیار ہے، بقیہ رقم پیشگی وصول شدہ سے واپس کر دی جائے گی۔

یہ معاملہ شرعاً کرایہ اور ٹھیکہ ہے، رہن نہیں (۱)، مگر حیلہ کی صورت ہے، اس لئے بوقت ضرورت ایسی صورت پر عمل کرنا شرعاً درست ہے (۲)۔ رہن میں شئی مرہون کو محض وثوق کے لئے مرتہن کے پاس رکھا جاتا ہے (۳) اور ٹھیکہ کا حاصل ہے "تملیك المنفعة بالعوض"۔ جو کہ رہن میں قطعاً مفقود ہے۔

امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کا استدلال اس حدیث سے ہے:

"عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه، عن النبي صلى الله عليه وسلم: "لبن الدر يحلب بنفقة

---

(۱) "هي (أي الإجارة) بيع منفعة معلومة بعوض معلوم دين أو عين. وما صلح ثمناً صلح أجرة". (ملتقى الأبحر، كتاب الإجارة: ۳/ ۵۱۱، غفاريه كوئٹه)

"هي تمليك نفع بعوض، وكل ما صلح ثمناً صلح أجرة". (الدر المختار: ۶/ ۴، كتاب الإجارة، سعيد)

(۲) "وكل حيلة يحتال بها الرجل ليتخلص بها عن حرام أو ليتوصل بها إلى حلال، فهي حسنة". (الفتاوى العالمكيرية: ۶/ ۳۹۰، كتاب الحيل، الفصل الأول في بيان جواز الحيل وعدم جوازها، رشيديه)

"الضرورات تبيح المحظورات". (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۲۹، (رقم المادة: ۲۱)، دار الكتب العلمية بيروت)

(۳) "فهو فك عسرة الطالب عن الراهن، ووثوق قلب المرتهن بما يحصل ماله". (البحر الرائق: ۸/ ۴۲۸، كتاب الرهن، رشيديه)

"ولأنه عقد وثيقة لجانب الاستيفاء، فيعتبر بالوثيقة في طرف الوجوب، وهي الكفالة". (الهداية: ۴/ ۵۱۲، كتاب الرهن، مكتبه شركت علميه ملتان)

إذا كان مرهوناً، والظهر يركب بنفقته إذا كان مرهوناً، وعلى الذي يحلب ويركب النفقة. اهـ

ابوداؤد نے اس کی تخریج وتصحیح کی ہے (۱)۔ بذل المجہود: ۴/۲۹۳ میں بڑی تفصیل سے اس حدیث پر کلام کرکے اس کا محمل بیان کیا ہے جو کہ ائمہ ثلاثہ کے خلاف نہیں (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور۔

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور، ۶/ربیع الثانی/۶۳ھ۔

میعادی بیع اور اس کا نفع

سوال [۷۹۱۸]: ۱ ..... کریم بخش نے ایک مہاجن سے چار سو روپے سود پر قرض لئے اور اصل وسود کل پانچ سو روپے ہوگئے، کریم بخش نے مہاجن سے دو سو پچاس روپے میں اپنا حساب بیباق کرنا طے کرلیا اور مہاجن کو دو سو پچاس روپے دینے کے لئے اپنا مکان عمر کو تین سو روپے میں کردیا اور عمر سے ایک اقرار نامہ لکھوالیا کہ وہ اس کے تین سو روپے واپس کرنے پر مکان اس کو واپس کردے گا، اور چھ ماہوار کرایہ کا ایک ٹھیکہ نامہ لکھ کر عمر کو دے دیا۔ سوال یہ ہے کہ بیع میعادی جائز ہے یا ناجائز؟

۲ . یہ کہ چھ روپے ماہوار کریم بخش سے عمر کو یہ مکان لینا جائز ہے یا نہیں؟

---

(۱) سنن أبي داود: ۲/۱۳۱، كتاب البيوع، باب في الرهن، إمداديه ملتان

(۲) "وقد اختلف العلماء في تأويله، فقال أحمد بن حنبل: للمرتهن أن ينتفع بالرهن بالحلب والركوب بقدر النفقة ... وقال الشافعي وأبو حنيفة ومالك وجمهور العلماء رحمهم الله تعالى: لا ينتفع من الرهن بشيء، بل الفوائد للراهن والمؤن عليه ... قال الحافظ في الفتح: وأجاب الطحاوي عن الحديث بأنه محمول على أنه كان قبل تحريم الربوا، فلما حرم الربوا حرم أشكاله من بيع اللبن في الضرع، وقرض كل منفعة تجر ربوا. قال: فارتفع بتحريم الربوا ما أبيح في هذا للمرتهن. واحتج الموفق في المغني بأن نفقة الحيوان واجبة، وللمرتهن فيه حق، وقد أمكن استيفاء حقه من نماء الرهن والنيابة عن المالك فيما وجب عليه واستيفاء ذلك من منافعه، فجاز ذلك كما يجوز للمرأة أخذ مؤنتها من مال زوجها عند امتناعه بغير إذنه والنيابة عنه في الإنفاق". (بذل المجهود: ۵/۲۹۳، كتاب البيوع، باب في الرهن، إمداديه ملتان)

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱..... بیع میں واپسی کی شرط لگانے سے بیع فاسد ہوجاتی ہے(۱) جس کا فسخ کرنا واجب ہوتا ہے(۲)، یہ درحقیقت رہن ہے، رہن سے نفع حاصل کرنا جائز نہیں، بلکہ یہ سود ہے(۳)، لہٰذا یہ میعادی بیع نا جائز ہے۔

۲..... یہ چھ روپے لینا نا جائز ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۹/۸۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ۔

بیع میعادی میں بیع سے انتفاع

سوال[۱۱۹۰]: زید اپنا مکان عمر کے ہاتھ فروخت کرتا ہے اس کی فروختگی کے شرائط یہ ہیں:

---

(۱) "وهو بشرط لا يقتضيه العقد وفيه نفع لأحد المتعاقدين أو لمبيع يستحق، فهو فاسد". (ملتقى الأبحر على هامش مجمع الأنهر: ۲/۶۹، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، غفاريه كوئته)

(۲) "ويجب على كل واحد منهما فسخه قبل القبض ويكون امتناعاً عنه أو بعده ما دام المبيع بحاله في يد المشتري إعداماً للفساد؛ لأنه معصية، فيجب رفعها". (الدر المختار: ۵/۹۰، ۹۱، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، سعيد)

(۳) "هو أن يقول: بعت منك على أن تبيعه مني متى جئت بالثمن، فهذا البيع باطل، وهو رهن، وحكمه حكم الرهن، وهو الصحيح". (رد المحتار: ۵/۲۷۶، كتاب البيوع، باب الصرف، مطلب في بيع الوفاء، سعيد)

"قوله: وفي جواهر الفتاوى في الباب الأول: بيع الوفاء أن يقول: بعت منك على أن تبيعه مني متى جئت بالثمن، قال رضي الله عنه: هذا البيع باطل، وهو رهن، وحكمه حكم الرهن، هكذا ذكروا، وهو الصحيح. وذكر الإمام محمد بن الفضل البخاري هكذا. وقيل: بيع فاسد يوجب الملك إذا اتصل به القبض، والأول أصح". (حاشية جامع الفصولين: ۱/۲۳۴، الفصل الثامن عشر، اسلامی کتب خانه بنوری ٹاؤن کراچی)

"لا يحل له أن ينتفع بشيء منه بوجه من الوجوه وإن أذن له الراهن؛ لأنه أذن له في الربا؛ لأنه يستوفي دينه كاملاً، فتبقى له المنفعة فضلاً، فيكون ربا". (رد المحتار: ۶/۴۸۲، كتاب الرهن، سعيد)

۱- جو رقم میں نے اس وقت بیع فروخت کرنے کے وقت عمر سے لی ہے اس رقم کو اگر دس سال میں واپس دیدوں تو زید کو عمر مکان اراضی واپس دے گا۔ اگر زید دس سال کے اندر رقم عمر کو ادا نہ کر سکا تو بعد گذر جانے دس سال کے بیع قطعی سمجھا جاوے گا یعنی پھر زید اپنا مکان عمر سے واپس نہیں لے سکتا۔

۲- اس دس سال کا کرایہ اس زید کے مکان سے عمر وصول کرے گا اور عمر اپنے تصرف میں لائے گا، اور جو کچھ مرمت شکست وریخت مکان مذکور میں دس سال کے اندر ہوں گے وہ عمر مرمت کرادے گا۔ ایسی شکل میں زید کے اس مکان کا کرایہ جو میعادی بیع ہے عمر کو اپنے تصرف میں لانا جائز ہے یا ناجائز؟ اگر کرایہ جائز ہے تو بحوالہ کتب تحریر فرمادیجئے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ بیع شرعاً رہن کے حکم میں ہے اور شیٔ مرہون سے نفع حاصل کرنا جائز نہیں، لہٰذا مکان کی شکست وریخت کی مرمت اصل مالک یعنی زید کے ذمہ ہے اور دس سال کے کرایہ کا مالک بھی زید ہی ہے، عمر کو یہ کرایہ تصرف میں لانا درست نہیں:

"وفي حاشية الفصولين عن جواهر الفتاوى: هو أن يقول: بعت منك على أن تبيعه مني متى جئت بالثمن، فهذا البيع باطل، وهو رهن، وحكمه حكم الرهن، وهو الصحيح" اهـ. شامی: ۴/۲۷۶(۱)۔

"ونفقة الرهن والخراج والعشر على الراهن، والأصل أن كل ما يحتاج إليه لمصلحة الرهن بنفسه وتبقيته فعلى الراهن؛ لأنه ملكه، وكل ما كان لحفظه فعلى المرتهن؛ لأن حبسه له" اهـ. درمختار: ۵/۳۴۶(۲)۔

"لا يحل له أن ينتفع بشيء منه بوجه من الوجوه وإن أذن له الراهن" اهـ. شامی: ۵/۳۱۰(۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۳/۱۰/۶۱ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۲۵/شوال/۶۱ھ۔

---

(۱) (رد المحتار: ۵/۲۷۶، کتاب البیوع، باب الصرف، مطلب في بيع الوفاء، سعید)

(۲) (الدر المختار مع رد المحتار: ۶/۸۵، کتاب الرهن، سعید)

(۳) (رد المحتار: ۶/۴۸۲، کتاب الرهن، سعید)

باب الربوا

(سود کا بیان)

سود کسے کہتے ہیں؟

سوال [۷۹۲۰]: کیا حکم ہے اور سود کسے کہتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو زیادتی بلا معاوضہ حاصل ہو وہ سود ہے (۱) جیسے ایک من گندم دے کر ایک من ایک سیر گندم لینا، اس

---

(۱) "الربوا هو الفضل المستحق لأحد المتعاقدين في المعاوضة الخالي عن عوض شرط فيه". (الهداية: ۳/۸۰، باب الربوا، مكتبه شركت علميه ملتان)

"أما في اصطلاح الفقهاء، فهو زيادة أحد البدلين المتجانسين من غير أن يقابل هذه الزيادة عوض". (كتاب الفقه على المذاهب الأربعة: ۲/۲۴۴، مباحث الربا، تعريفه وأقسامه، دار الكتب العلمية بيروت)

"وهو في الشرع عبارة عن فضل مال لا يقابله عوض في معاوضة مال بمال". (الفتاوى العالمكيرية: ۳/۱۱۷، الباب التاسع، الفصل السادس في تفسير الربوا، رشيديه)

"باب الربا: هو فضل مال بلا عوض في معاوضة مال بمال". (كنز الدقائق، ص: ۲۲۸، باب الربا، رشيديه)

"الربا ... وشرعاً فضل ولو حكماً، فدخل ربا النسيئة والبيوع الفاسدة، فكلها من الربا، خال عن عوض بمعيار شرعي، وهو الكيل والوزن، مشروط لأحد المتعاقدين في المعاوضة". (الدر المختار مع رد المحتار: ۵/۱۶۸، باب الربا، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب البيوع، باب الربا: ۴/۳۶۰، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر: ۳/۱۴۰، كتاب البيوع، باب الربا، مكتبه غفاريه كوئته)

(وكذا في تكملة فتح الملهم، كتاب البيوع، باب الربا: ۱/۵۶۲، مكتبه دار العلوم كراتشي)

تولہ چاندی دے کر سیر وقولہ چاندی لینا، پانچ تولہ سونا چاندی دے کر سوا چھ پانچ تولہ سونا لینا، سود پیدا کر ایک سو پانچ روپیہ لینا وغیرہ وغیرہ۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۱/۸۸ھ۔

دارالحرب اور غیر دارالحرب میں سود کے متعلق ایک اہم تفصیلی بحث وتحقیق

سوال [۷۶۲۱]: ہندوستان میں موجودہ حالات میں مختلف کاروبار کے لئے حکومت سے مسلمانوں کو سود پر روپیہ لینا یا دینا کیسا ہے؟

(الف) نیز سود لینے پر ضرورت مند اور غیر ضرورت مند دونوں کا حکم ایک ہے یا فرق ہے، اگر فرق ہو تو براہ کرم اس کی وضاحت فرمائیں کہ کس قدر ضرورت اور اضطراب عذر بن سکتا ہے؟

(ب) سود کی حرمت مؤبد و مقید ہے، نیز سود کی حرمت جن حالات میں نازل ہوئی وہ کیسے تھے؟ مسلمانوں کی اقتصادی و معاشرتی حالت کیا اس وقت موجودہ مسلمانوں سے زیادہ بہتر تھی؟

(ج) "یجوز للمحتاج الاستقراض بالربح". "الأشباه والنظائر" فن اول (۱) اس کا مصداق کیا ہے؟

(د) فتاویٰ عزیزی جلد اول میں لکھا ہے: "و دادنِ سود بحربین بایں وجہ حلال است کہ خوردنش حرام بمسلمانان درست نیست، و آنہا حرام خوارند، اگر چیزے بطریق سود دادہ خواہد شد بیش ازیں نیست کہ حرام خواہند خورد" (۲)۔

اس عبارت کی اور بھی سود کی متعدد عبارتیں "ولا ربوا بین حربی و مسلم مستأمن"۔ درمختار ۶/۴۲ (۳)، وغیرہ سے کیا ہندوستان میں موجودہ حالات میں مسلمانوں کو سود پر روپیہ لینے پر استدلال صحیح ہے؟

(ہ) "لا ربا بین حربی و مسلم"۔ جو امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے، یہ کس حدیث سے مستنبط

---

(۱) (الأشباہ والنظائر، الفن الأول، القاعدۃ الخامسۃ، ص: ۹۳، قدیمی)

(۲) (فتاویٰ عزیزی، مسئلۂ سود دادن بحربیان: ۱/۲۰۳، رحیمیہ دیوبند)

(۳) (الدر المختار، کتاب البیوع، باب الربا: ۵/۱۸۶، سعید)

ہے، نیز امام صاحب کے اس قول کی ان آیات قرآنیہ صریحہ دربارۂ حرمتِ ربوا کے ساتھ - جن میں اطلاق سود کی حرمت وارد ہے- تطبیق کی کوئی صورت ہو سکتی ہے؟

(و) مستأمن کے لئے دارالحرب میں بعض حالات میں اگر سود لینے یا دینے کی گنجائش نکلے تو کیا شرعاً صرف دارالحرب کے اس حکم ہی پر معاملہ ختم ہو جائے گا، یا دارالحرب کے دوسرے احکام کا اطلاق بھی مستأمن پر ہوگا؟ براہِ کرم اس کی وضاحت فرمائیں، جیسا کہ وجوب ہجرت وغیرہ۔

(ز) ہمارے اکابر دیوبند کا اس بارے میں کیا مسلک رہا ہے؟ امید ہے کہ موجودہ حالات کے پیش نظر جو ابتلاء اس بارے میں ہو رہا ہے اس کو مدنظر رکھتے ہوئے مدلل، مفصل جواب مرحمت فرمائیں گے۔

رشید احمد قاسمی، مالپوری، ضلع گونڈا، ڈاک میرات۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

(الف) سود کی حرمت (سود لینے) والے اور سود دینے والے دونوں پر حدیث شریف میں لعنت آئی ہے، بلکہ سود کا رقعہ لکھنے والے اور گواہی دینے والے کو بھی لعنت میں شریک کیا گیا ہے:

"عن جابر رضي الله تعالى عنه قال: لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم آكل الربوا وموكله وكاتبه وشاهديه وقال: "هم سواء". رواه مسلم". مشكوة شريف، ص: ۲۴۴(۱)۔

---

(۱) (مشكوة المصابيح، ص: ۲۴۴، كتاب البيوع، باب الربا، الفصل الأول، قديمي)

"وعن عبد الله بن حنظلة رضي الله تعالى عنه غسيل الملائكة قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "درهم ربوا يأكله الرجل وهو يعلم أشد من ستة وثلاثين زنية"۔

"وعن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "الربوا سبعون جزءاً، أيسرها أن ينكح الرجل أمه". (مشكوة المصابيح، ص: ۲۴۶، كتاب البيوع، باب الربوا، الفصل الثالث، قديمي)

- "وعن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "أربعة حق على الله أن لا يدخلهم الجنة، ولا يذيقهم نعيمها: مدمن الخمر، وآكل الربوا، وآكل مال اليتيم بغير حق، والعاق لوالديه" (المستدرك للحاكم، كتاب البيوع: ۲/۴۳، دار الفكر بيروت)

جو شخص اپنی ضرورت کی وجہ سے مجبور ہے، اپنی مجبوری اور اس مذکورہ لعنت دونوں کو وزن کرلے، پھر اگر ضرورت کا وزن زیادہ ہو تو وہ اپنی مجبوری کی حد تک مجبور ہوگا۔

(ب) سود کی حرمت قطعی ہے، مطلق ہے، منصوص ہے: ﴿وأحل الله البيع وحرم الربوا﴾ الآية (۱)۔

"عن عمر بن الخطاب رضي الله تعالى عنه: أن آخر مانزلت آية الربا وأن رسول الله صلى الله عليه وسلم قبض، ولم يفسرها لنا، فدعوا الربوا والريبة". رواه ابن ماجة والدارمي". مشكوة شريف، ص: ۲٤٦ (۲)۔

"قوله: (آخر مانزلت): أي آية تعلقت بالمعاملات آية الربو، ثابتة غير منسوخة، لكن رسول الله صلى الله عليه وسلم قبض ولم يفسرها بحيث يحيط بجميع جزئياتها وموادها، فينبغي لكم أن تدعوا الربوا الصريح، وما يشبه الأمر فيه تورعاً واحتياطاً. هذا ما يفهم من ظاهر سوق العبارة. وقال الطيبي: يعني أن هذه الآية ثابتة غير منسوخة غير متشبهة، فلذلك لم يفسرها النبي صلى الله عليه وسلم، فأخيرها على ماهي عليه، ولا ترتابوا فيها، واتركوا العجلة في حل الربوا". لمعات هامش مشكوة شريف (۳)۔

جب سود کی حرمت نازل ہوئی، معاشی حالت عامۃً بہت کمزور تھی، بعضوں بلکہ بہتوں کے گھر میں آگ نہیں جلتی تھی، پیٹ پر پتھر باندھتے تھے، مہر میں دینے کے لئے لوہے کی انگوٹھی تک میسر نہیں آئی، تن پوشی کو کپڑا تک نہیں تھا، لنگی ہے تو کرتا نہیں، کرتا ہے تو لنگی نہیں، صرف ایک لنگی بدن پر ہے، اس میں نصف مہر میں دینے کو آمادہ ہو گئے (۴)۔

---

(۱) (سورة البقرة: ۲۷۵)

(۲) (مشكوة المصابيح، ص: ۲٤٦، كتاب البيوع، باب الربا، الفصل الثالث، قديمي)

(۳) (لمعات التنقيح على هامش مشكوة المصابيح، ص: ۲٤٦، كتاب البيوع، باب الربوا، قديمي)

(۴) "عن سهل بن سعد الساعدي رضي الله تعالى عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم جاءته امرأة، فقالت: يارسول الله! إني قد وهبت نفسي لك، فقامت قياماً طويلاً، فقام رجل فقال: يارسول الله! زوجنيها إن لم تكن لك بها حاجة، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "هل عندك من شيء تصدقها إياه؟" قال: ماعندي إلا إزاري هذا، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "إنك إن أعطيتها إزارك =

یہود کے قرض میں دبے ہونے کی وجہ سے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو غلام بنانے کی دھمکی دی گئی، جس کی وجہ سے مدینہ طیبہ چھوڑ کر روپوش ہونے کا ارادہ کرلیا(۱)۔ فقط [illegible]

— جلست لا أراولك. فالتمس شيئاً" قال: لا أجد شيئاً، قال: "فالتمس ولو خاتماً من حديد". فالتمس، فلم يجد شيئاً" (سنن أبي داود: ۲۸۷/۱، باب في التزويج على العمل، إمدادية، ملتان)

(۱) "أخرج البيهقي عن عبد الله الهوزني رحمه الله تعالى قال: لقيت بلالاً رضي الله تعالى عنه مؤذن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم بحلب، فقلت: يا بلال! حدثني كيف كانت نفقة رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم؟ فقال: ما كان له شيء إلا أنا الذي كنت ألي ذلك منه منذ بعثه الله إلى أن توفي. فكان إذا أتاه الإنسان المسلم فرآه عائلاً يأمرني، فأنطلق، فأستقرض، فأشتري البردة والشيء، فأكسوه وأطعمه، حتى اعترضني رجل من المشركين، فقال: يا بلال! إن عندي سعة، فلا تستقرض من أحد إلا مني، ففعلت، فلما كان ذات يوم توضأت ثم قمت لأؤذن بالصلوة، فإذا المشرك في عصابة من التجار، فلما رآني قال: يا حبشي! قال: قلت: يالبيه! فتجهمني، وقال قولاً عظيماً –أو غليظاً– وقال: أتدري كم بينك وبين الشهر؟ قلت: قريب، قال: إنما بينك وبينه أربع ليال، فآخذك بالذي لي عليكم، فإني لم أعطك الذي أعطيتك من كرم منك ولا من كرامة صاحبك، وإنما أعطيتك لتصير لي عبداً فأذرك ترعى في الغنم كما كنت قبل ذلك.

قال: فأخذني في نفسي ما يأخذ في أنفس الناس، فانطلقت، فناديت بالصلوة حتى إذا صليت العتمة، ورجع رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم إلى أهله، فاستأذنت عليه فأذن لي، فقلت: يا رسول الله بأبي أنت وأمي! إن المشرك الذي ذكرت لك أني كنت أتدين منه قد قال: كذا وكذا، وليس عندك ما يقضي عني ولا عندي، وهو فاضحي، فأذن لي أن آتي (آبق) بعض هؤلاء الأحياء الذين قد أسلموا حتى يرزق الله رسوله صلى الله تعالى عليه وسلم ما يقضي عني"

فخرجت حتى أتيت منزلي، فجعلت سيفي وجرابي ورمحي ونعلي عند رأسي، فاستقبلت بوجهي الأفق، فكلما نمت انتبهت، فإذا رأيت علي ليلاً نمت حتى انشق عمود الصبح الأول، فأردت أن أنطلق، فإذا إنسان يدعو: يا بلال! أجب رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم، فانطلقت حتى أتيته، فإذا أربع ركائب عليهن أحمالهن، فأتيت رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم، فقال لي رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "أبشر، فقد جاءك الله بقضاء دينك"،

فحمدت الله، وقال: "ألم تمر على الركائب المناخات الأربع"؟ قال: قلت: بلى، قال: "فإن —

وغیرہ وغیرہ (۱)۔ احادیث وسیر میں بڑی حد تک یہ حالات مذکور ہیں، آج کل کا یہاں کا مسلمان عموماً ان حالات سے ناآشنا ہے۔

(ج) قاعدہ تو یہ بیان کیا ہے: "الحاجة تنزل منزلة الضرورة" (۲)۔ اسی ذیل میں استقراض بالربح کے جواز کو لکھا ہے، حاجت کی کوئی تفصیل بتشریح شرح میں بیان نہیں کی۔ بظاہر مطلب یہ ہے کہ جو شخص اس درجہ محتاج ہو کہ کما نہیں سکتا ہے اور بغیر قرض لئے گذارہ کی کوئی صورت نہیں اور قرض بغیر ربا نہیں ملتا، وہ اپنی مجبوری کی حد تک معذور ہے۔

(د) مطبوعہ فتاویٰ عزیزی میں رطب ویابس کو شامل کر دیا گیا ہے، جس میں مبتدعین وروافض کی تدلیس بھی ہے، موضوع روایات بھی ہیں، غلط مسائل بھی ہیں، بغیر سوال وجواب کے بھی بعض عبارات ہیں، اس لئے جب تک کتب معتمدہ سے تائید نہ ہو جائے، اس پر اعتماد نہیں کیا جاتا۔ تقریباً پچاس مقامات کے متعلق تو میری یادداشت میں کلام ونظر ہے، بعض مسائل تو بالیقین روافض کی تائید میں ہیں۔ جس نے حضرت شاہ صاحب کی "تحفۂ اثنا

لک رقابهن وما عليهن – فإذا عليهن كسوة وطعام أهداهن له عظيم فدك – فاقبضهن إليك ثم اقض دينك".

قال: ففعلت، فحططت عنهن أحمالهن، ثم علفتهن، ثم عمدت إلى تأذين صلوة الصبح. الخ".
(حياة الصحابة للعلامة الشيخ محمد يوسف الكاندهلوي رحمه الله تعالىٰ، باب إنفاق الصحابة في سبيل الله، كيف كانت نفقة النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، قصة بلال رضي الله تعالىٰ عنه في ذلك مع مشرك: ۲/۲۱۰، ۲۱۱، دار القلم دمشق)

(۱) "عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها قالت: كان يأتي علينا الشهر ما نوقد فيه ناراً، إنما هو التمر والماء إلا أن نؤتى باللحيم" (صحيح البخاري، كتاب الرقاق، باب: كيف كان عيش النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وأصحابه: ۲/۹۵۶، قديمي)

(۲) (الأشباه والنظائر، ص: ۹۳، القاعدة الخامسة، قديمي)

"الحاجة تنزل منزلة الضرورة عامة أو خاصة". (شرح المجلة، ص: ۳۳، (رقم المادة: ۳۲)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"يجوز للمحتاج الاستقراض بالربح". (الأشباه والنظائر، ص: ۹۳، الفن الأول، قديمي)

عشریہ" کا مطالعہ کیا ہے وہ جانتا ہے، حضرت شاہ صاحب کا مزاج و مذہب کیا تھا۔ اس لئے اس مجموعہ کو یہ کہنا کہ حضرت شاہ صاحب ہی کا ہے صحیح نہیں:

"لا [ربوا] بین حربي ومسلم مستأمن ولو بعقد فاسد أو قمار ثمة؛ لأن ماله ثمة مباح، فيحل برضاه مطلقاً بلا غدر، خلافاً للثاني والثلاثة". در مختار (۱)۔

اس میں بظاہر جواز کا عموم معلوم ہوتا ہے، کیونکہ ربا اور عقدِ فاسد وقمار میں زیادتی کا حصول دونوں طرف محتمل ہے، لیکن تقاضائے علت یہ ہے کہ جواز اسی صورت تک محدود ہے جب تک زیادتی مسلمان کو ہو: "لأن ماله ثمة مباح"۔ اس لئے فتح القدیر سے علامہ شامی نے نقل کیا ہے:

"فالظاهر أن الإباحة بقيد نيل المسلم الزيادة"۔ ردالمحتار: ۴/۱۸۸ (۲)۔

پھر اس کی تائید میں شرح السیر الکبیر سے نقل کیا ہے کہ:

"قلت: ويدل على ذلك ما في السير الكبير وشرحه حيث قال: وإذا دخل المسلم دار الحرب بأمان، فلا بأس بأن يأخذ منهم أموالهم بطيب أنفسهم بأي وجه كان؛ لأنه إنما أخذ المباح على وجه عرّي عن الغدر، فيكون ذلك طيباً، والأسير والمستأمن سواء، حتى لو باعهم درهماً بدرهمين، أو باعهم ميتة بدراهم، أو أخذ مالاً منهم بطريق القمار، فذلك كله طيب له، ملخصاً. فانظر كيف جعل موضوع المسئلة الأخذ من أموالهم برضاهم، فعلم أن المراد من الربوا والقمار في كلامهم ما كان على هذا الوجه وإن كان اللفظ عاماً؛ لأن الحكم يدور مع علته غالباً"۔ ردالمحتار، ص: ۱۸۸ (۳)۔

---

(۱) (الدر المختار: ۵/۱۸۶، كتاب البيوع، باب الربا، سعيد)

(۲) (ردالمحتار، كتاب البيوع، باب الربا: ۵/۱۸۶، سعيد)

(۳) (ردالمحتار، كتاب البيوع، باب الربا: ۵/۱۸۹، سعيد)

"ولا بين المسلم والحربي ثمة ...... فالظاهر أن الإباحة بقيد نيل المسلم الزيادة، وقد التزم الأصحاب في الدرس: أن مرادهم من "حل الربا والقمار" ما إذا حصلت الزيادة للمسلم، نظراً إلى العلة وإن كان إطلاق الجواب خلافه". (منحة الخالق على البحر الرائق: ۶/۲۲۶، كتاب البيع، باب الربا، رشيديه) ......

اس تفصیل کے بعد حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت کردہ فتویٰ میں جو علت بیان کی گئی ہے اس پر کچھ کلام کرنے کی ضرورت نہیں، نیز خود اس قول "لاربوا الخ" کی حیثیت اور "المبسوط" کی روایات کا جواب آگے آرہا ہے۔

(۵) نصب الرایہ ص ۴۴ میں "الحديث الثامن: قال عليه السلام: "لاربوا بين المسلم والحربي في دار الحرب" قلت: غريب، وأسنده البيهقي في المعرفة في كتاب السير عن الشافعي قال: قال أبو يوسف رحمه الله تعالى: إنما قال أبو حنيفة رحمه الله تعالى هذا؛ لأن بعض المشيخة حدثنا عن مكحول عن رسول الله صلى الله عليه وسلم "أنه لا ربا بين أهل الحرب". أظنه قال: "وأهل الإسلام". قال الشافعي: وهذا ليس بثابت، ولا حجة فيه". انتهى كلامه (۱)۔

یہ حدیث منقطع ہے، مکحول صحابی نہیں، واسطہ غیر معلوم ہے، جس کا صحابی ہونا بھی متعین نہیں کہ انقطاع کو غیر مضر کہا جائے۔ "غريب، ليس بثابت، لا حجة فيه" کی بھی تصریح ہے، اصحاب صحاح نے اس کو اپنی کتاب میں نہیں لیا۔ اگر مرفوع صریح ثابت اور صحیح تو جو بھی روایت کی جائے تب بھی نص قرآنی کے لئے وہ مخصص نہیں بن سکتی، كما هو المذكور في كتب الأصول (۲)۔

= "وقد التزم الأصحاب في الدرس أن مرادهم من حل الربا والقمار ما إذا حصلت الزيادة للمسلم، نظراً إلى العلة وإن كان إطلاق الجواب خلافه". (فتح القدير: ۶/۱۷۸، كتاب البيوع، باب الربا، مصطفى البابي الحلبي مصر)

"دخل مسلم أو ذمي دار الحرب بأمان أو بغيره، وعقد مع الحربي عقد الربا بأن اشترى درهماً بدرهمين، أو درهماً بدينار إلى أجل معلوم، فذلك كله جائز عند الطرفين. وقال القاضي: لا يجوز بين المسلم والحربي ثمة إلا ما يجوز بين المسلمين، والصحيح قولهما. رأيت في بعض الكتب أن هذا الاختلاف فيما إذا اشترى منهم درهمين بدرهم، أما إذا اشترى منهم درهماً بدرهمين، فلا يجوز بالاتفاق، كذا في المحيط". (الفتاوى العالمكيرية: ۳/۲۴۸، كتاب الصرف، الباب الخامس في أحكام العقد بالنظر إلى أحوال العاقدين، الفصل السادس في الصرف في دار الحرب، رشيديه)

(۱) (نصب الراية، كتاب البيوع، باب الربا، الحديث الثامن: ۴/۴۴، مؤسسة الريان، بيروت)

(۲) "تخصيص القرآن بخاص خبر الآحاد، فالعلماء متفقون على أن اللفظ العام الوارد في القرآن =

اسی روایت کی بناء پر امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہو یا کسی اور دوسری روایت پر ان کے قول کی بناء ہو، اس قول کی تشریح میں شراح فقہاء نے کلام کیا ہے: ایک تشریح یہ ہے کہ "لاربوا" نفی ہے بمعنی "نہی"، ان مواقع پر بھی جائز نہیں، کما فی العنایۃ (۱)۔

شبہ ہوتا تھا کہ حربی مباح الاموال ہے، اس لئے جس طرح بھی لیا اس کو قطع فرمایا کہ نص قطعی سے حرمت جیسا ثابت ہے تو اس کا ارتکاب جائز نہیں کہ تاویل کی حاجت ہو۔

دوسری تشریح یہ ہے کہ دارالاسلام سے دارالحرب میں امن لیکر جو مسلم داخل ہوں، عقود فاسدہ وغیرہ کے ذریعہ جو مال حاصل کرکے لے آئے، وہ اسی کی ملک ہے، اس کو مال غنیمت تصور کرکے اس میں سے خمس وصول کرنے کا حق بیت المال کو نہیں۔ بخلاف اس کے کہ ایک جماعت حملہ کے لئے جائے اور وہاں سے لائے، اس جماعت کی حفاظت وغیرہ کی ذمہ داری امام المسلمین نے لی ہے، لہٰذا اس میں سے خمس لینے کا حق ہے، اس تشریح کی صورت میں دارالحرب سے دارالاسلام کی طرف منتقل ہونے پر ملک تام حاصل ہوگی (۲)۔

= يجوز تخصيصه بالقرآن، أو بالسنة المتواترة، ولكنهم مختلفون في جواز تخصيصه بسنة الآحاد؛ لأن القرآن قطعي الثبوت، والسنة الآحاد ظنية الثبوت، فلا يقوى الظني على تخصيص القطعي، وهذا ما قال به الأحناف. فلايجوز عندهم تخصيص عام القرآن بسنة الآحاد". (الوجيز في أصول الفقه، ص: ۳۱۸، طهران إيران)

"وذلك عام كذلك. أي النصوص الأربعة التي تمسك بها علي وابن مسعود رضي الله تعالى عنهما في الجمع بين الأختين والأمة، لكن عند الشافعي هو دليل فيه شبهة، فيجوز تخصيصه بخبر الواحد والقياس. أي تخصيص عام الكتاب بكل واحد من خبر الواحد والقياس. وعندنا هو قطعي مساو للخاص، وسيجيء معنى القطعي، فلايجوز تخصيصه بواحد منهما مالم يخص بقطعي". (التوضيح والتلويح، ص: ۶۰، ۶۸، نور محمد كتب خانه)

(۱) "ويحتمل بقوله: "لاربوا" النهي عن الربوا، كقوله تعالى: ﴿فلا رفث ولا فسوق ولا جدال في الحج﴾". (العناية شرح الهداية على هامش فتح القدير: ۶/۱۷۹، كتاب البيوع، باب الربوا، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۲) "في كافي الحاكم: وإن بايعهم المستأمن بدرهم بدرهمين نقداً أو نسيئة، أو بايعهم بالخمر والخنزير والميتة، فلا بأس بذلك؛ لأن له أن يأخذ أموالهم برضاهم في قولهما، ويجوز شيء من ذلك في قول أبي يوسف". (رد المحتار: ۴/۱۹۲، باب المستامن، سعيد)

تیسری تشریح یہ ہے کہ مسلم مستامن جو مالِ حربی عقودِ فاسدہ ربویہ کے ذریعہ دارالحرب میں حربی سے حاصل کرتا ہے، اس پر ربا کا اطلاق نہیں ہوتا، بلکہ جس طرح سے مالِ مباح حطب وحشیش وغیرہ پر استیلاء سے ملک حاصل ہوجاتی ہے اسی طرح یہاں بھی ہے، فرق یہ ہے کہ یہاں قابض کی رضامندی ضروری ہے، وہ بصورتِ عقد حاصل ہے، تو موجبِ ملک عقد نہیں بلکہ موجبِ ملک استیلاء ہے اور عقد صرف تحصیلِ رضائے قابض کے لئے ہے:

"إن مال الحربي ليس بمعصوم، بل هو مباح في نفسه، إلا أن المسلم المستأمن منع من تملكه من غير رضاه، ولما فيه من الغدر والخيانة، فإذا بذله باختياره ورضاه، فقد زال هذا المعنى، فكان الأخذ استيلاءً على مال مباح غير مملوك، وأنه مشروع مفيد للملك كالاستيلاء على الحطب والحشيش، وبه تبين أن العقد ههنا ليس بتملك بل هو تحصيل شرط التملك، وهو رضاه؛ لأن ملك الحربي لا يزول بدونه، وما لم يزل ملكه لا يقع الأخذ تملكاً، لكنه إذا زال فالملك للمسلم يثبت بالأخذ والاستيلاء، لا بالعقد، فلا يتحقق الربا؛ لأن الربا اسم لفضل يستفاد بالعقد". بدائع الصنائع: ۵/۲۰۲ (۱)۔

---

(۱) (بدائع الصنائع: ۴/۱۱۸، کتاب البیوع، فصل: في شرائط جریان الربا، دارالکتب العلمیة بیروت)

"إذا دخل المسلم دار الحرب بأمان، أو بغير أمان، وعقد مع حربي عقد الربا بأن اشترى درهماً بدرهمين، أو اشترى درهماً بدينار إلى أجل ... ... قال أبو حنيفة ومحمد رحمهما الله تعالى: ذلك كله جائز، وقال أبو يوسف رحمه الله تعالى: لا يجوز بين المسلم وأهل الحرب في دار الحرب، إلا ما يجوز بين المسلمين. والصحيح قولهما؛ لأن مال الحربي على الإباحة الأصلية، إلا أن الذي دخل دار الحرب بأمان التزم أن لا يتعرض لهم ولما في أيديهم إلا برضاهم، فيحرم عليه الأخذ بدون رضاهم تحرزاً للغدر. وإذا أعطى برضاهم، فقد انعدم الغدر والخيانة، فيأخذه المسلم بحكم الإباحة الأصلية، وتأثير المعاقدة في تحصيل الرضا بالأخذ لا في التملك". (المحيط البرهاني: ۸/۳۲۶، کتاب الصرف، فصل العشرون في الصرف في دار الحرب، مکتبہ غفاریہ کوئٹہ)

(وکذا في تبیین الحقائق: ۳/۴۴۲، کتاب البیوع، باب الربا، دارالکتب العلمیة بیروت)

(وکذا في المبسوط للسرخسي: ۱۴/۵۶، کتاب البیوع، باب الصرف في دار الحرب، مکتبہ غفاریہ کوئٹہ)

المبسوط کی روایت: "کل ربوا في الجاهلية فهو موضوع تحت قدمي" سے نقل کی ہیں، بعد میں تو یہ حکم نازل ہوا تھا: ﴿يا أيها الذين آمنوا اتقوا الله وذروا ما بقي من الربوا إن كنتم مؤمنين، فإن لم تفعلوا فأذنوا بحرب من الله ورسوله﴾ الآية(۱)۔

نہ یا اہلِ حرب ہی کے ذمہ تھا جس کو وصول کرنے کی اجازت نہیں دی گئی، اس مضمون کی روایت بھی المبسوط: ۱۴/۵۷ میں مذکور ہیں(۲)۔

(و) ۱۸۵۷ء میں شاملی کا معرکہ پیش آیا، پھر ریشمی خط کی تحریک چلی۔ کراچی۔ تفصیلات وغیرہ واسباب تو مالٹا کا واقعہ پیش ہوا۔ ہمارا شاندار ماضی، علمائے دیوبند کا روشن مستقبل، تحریک شیخ الہند، اسیرِ مالٹا، نقشِ حیات، وغیرہ میں تفصیلات مذکور ہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

حکومت کے سودی قرضے اور بینکوں کے سود کا شرعی حکم

سوال [۷۵۰۴]: حکومت کے ترقیاتی منصوبوں میں ہندوستانی عوام کی خوشحالی اور فلاح وبہبود کے لئے بہت سے شعبے قائم کئے گئے ہیں جن کے ذریعہ حسبِ ضرورت ومصلحت طویل المیعاد قرضے دیئے جاتے ہیں اور ان پر نہایت کم سود لیا جاتا ہے۔

چھوٹے چھوٹے صنعتوں سے لیکر بڑے بڑے فیکٹری پلانٹوں تک میں حکومت قرض دیتی ہے، اس سے غیر مسلم حضرات خاطر خواہ فائدہ اٹھا رہے ہیں اور دن بدن اقتصادی میدان میں ترقی کرتے چلے جا رہے ہیں۔ مسلمانوں کو اس قرض کے لینے میں دشواری یہ ہے کہ اس میں سود دینا پڑتا ہے، نیز آج کل لین دین اور تجارتی معاملات بڑی حد تک سودی طور پر چل رہے ہیں، کیونکہ آج کل تجارت کا انحصار بڑی حد تک بینکوں پر ہے جو قسم قسم کے تمام سودی کاروبار کرتی ہیں۔

اگر مسلمان حکومت سے قرض لیکر اقتصادی میدان میں آگے بڑھنے کی سعی کرتے ہیں تو قرآن کی

---

(۱) (سورة البقرة: ۲۷۹)

(۲) (المبسوط للسرخسي، كتاب البيوع، باب الصرف في دار الحرب: ۱۴/۵۷، مكتبه غفاريه كوئٹه)

آیات حرمت سود ان کا دامن پکڑتی ہیں اور اگر اس سے بچنے کی سعی کرتے ہیں تو اقتصادی میدان میں وہ پچھڑ جاتے ہیں۔ وقت کا اہم سوال یہ ہے کہ ہمیں ایسی حالت میں کیا کرنا چاہیے؟ ڈربن سے مسٹر احمد صاحب نے اسی قسم کا ایک سوال مرتب کر کے بطور استفتاء ہندوستان کے علماء کی خدمت میں روانہ کیا ہے، حضرت اقدس مفتی صاحب مدظلہ نے اس کا جواب بڑی تفصیل سے دیا ہے، ہم اس جواب کو من وعن شائع کر رہے ہیں، انشاء اللہ ہندوستانی مسلمانوں کو اس جواب سے بڑی روشنی حاصل ہوگی۔

قمر الدین ایڈیٹر ماہنامہ نظام کانپور۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

سود کی حرمت فروعی اور اختلافی نہیں، بلکہ منصوص وقطعی ہے: ﴿وحرم الربوا﴾ (۱) اللہ تعالیٰ نے سود کو حرام قرار دیا ہے۔

تحریم ربا نازل ہونے پر بقایا سود کے وصول کرنے کی بھی ممانعت کر دی گئی، بلکہ اس کو بمنزلہ شرط ایمان قرار دے دیا گیا: ﴿وذروا ما بقی من الربوا إن کنتم مؤمنین﴾ (۲)۔

"سود کا بقایا چھوڑ دو اگر تم ایمان والے ہو" (قرآن)۔

جو لوگ سود لینے سے باز نہ آئیں ان کے لئے اعلان جنگ ہے: ﴿فإن لم تفعلوا فأذنوا بحرب من الله ورسوله﴾ (۳)۔

"اگر تم نے ایسا نہ کیا (سود کا بقایا نہ چھوڑا) تو اللہ اور رسول کی طرف سے اعلان جنگ ہے"۔

سودخوار کا حشر اس طرح بیان کیا گیا ہے: ﴿الذین یأکلون الربوا لا یقومون إلا کما یقوم الذی

---

(۱) قال الله تعالى: ﴿وأحل الله البيع وحرم الربوا﴾ (سورة البقرة: ۲۷۵)

(۲) قال الله تعالى: ﴿يأيها الذين آمنوا اتقوا الله وذروا ما بقي من الربوا إن كنتم مؤمنين﴾ (سورة البقرة: ۲۷۸)

(۳) (سورة البقرة: ۲۷۸، ۲۷۹)

آیت۔ آیت مذکورہ بالا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مؤمنین کو دوزخ کی آگ کی دھمکی دی ہے جو درحقیقت کافروں کے لئے ہے، اگر مؤمنین تقاضے تقویٰ اس کی حرام کردہ چیز (سود) سے پرہیز کرتے ہیں"۔

انسان کے بدن میں جو گوشت حرام مال سے پیدا ہو وہ نارِ جہنم کے لائق ہے، سود کا ایک درہم جان بوجھ کر لینا چھتیس دفعہ زنا کرنے سے بھی زیادہ شدید ہے:

"عن عبد الله بن حنظلة غسيل الملائكة رضي الله تعالى عنهما قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "درهم ربوا يأكله الرجل وهو يعلم أشد من ستة وثلاثين زنية". رواه أحمد والدار قطني، وروى البيهقي في شعب الإيمان عن ابن عباس رضي الله تعالى عنه وزاد وقال: "من نبت لحمه من السحت فالنار أولى به". مشكوة المصابيح، ص: ۲۴۶ (۱)۔

"حضرت عبداللہ بن حنظلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "جان بوجھ کر سود کا ایک درہم (چار آنہ بھر) کھانا چھتیس مرتبہ زنا کرنے سے زیادہ سخت ہے"۔ اور ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ جس کا گوشت حرام غذا سے پرورش پایا ہے وہ جہنم کے لئے زیادہ لائق ہے"۔

سود لینے والے، سود دینے والے، سود کا رقعہ لکھنے والے، سود کی گواہی دینے والے سب پر حدیث شریف میں لعنت آئی ہے اور سب کو اس گناہ میں برابر قرار دیا ہے:

"عن جابر رضي الله تعالى عنه قال: لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم آكل الربوا

---

(۱) (مشكوة المصابيح، ص: ۲۴۶، كتاب البيوع، باب الربوا، الفصل الثالث، قديمي)

"عن سمرة بن جندب رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "رأيت الليلة رجلين أتياني، فأخرجاني إلى أرض مقدسة، فانطلقنا حتى أتينا على نهر من دم، فيه رجل قائم، وعلى وسط النهر رجل بين يديه حجارة، فأقبل الرجل الذي في النهر، فإذا أراد الرجل أن يخرج رمى الرجل بحجر في فيه، فرده حيث كان، فجعل كلما جاء ليخرج رمى في فيه بحجر، فيرجع كما كان، فقلت: من هذا؟ فقال الذي رأيته: آكل الربو". (الصحيح للبخاري: ۲۸۰/۱، كتاب البيوع، باب آكل الربو وشاهده وكاتبه، قديمي)

وموکلہ وکاتبہ وشاھدیہ، وقال: "ھم سواء". رواہ مسلم". مشکوۃ شریف(۱)۔

"حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی ہے سود کھانے والے، سود دینے والے اور سود کا رقعہ لکھنے والے اور سود کی گواہی دینے والے پر اور فرمایا کہ: "یہ سب کے سب گناہ میں برابر ہیں"۔

سود کے ستر اجزاء ہیں، سب سے ہلکا جز ماں سے بدفعلی کرنے کے برابر ہے، سود سے مال بظاہر بڑھتا ہوا نظر آئے گا، مگر اس کا انجام قلت ہے:

"عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "الربوا سبعون جزءاً أيسرها أن ينكح الرجل أمه".

"وعن ابن مسعود رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "إن الربوا وإن كثر فإن عاقبته تصير إلى قل". رواهما ابن ماجة والبيهقي في شعب الإيمان، وروى أحمد الأخير". مشكوة شريف، ص: ۲۴۶(۲)۔

"حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: "سود کے ستر درجے ہیں اور ان میں سب سے ہلکا درجہ اپنی ماں کے ساتھ بدکاری کرنے کے برابر ہے"۔

اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم

---

(۱) (مشكوة المصابيح، ص: ۲۴۴، كتاب البيوع، باب الربوا، الفصل الأول، قديمي)

"عن علي رضي الله تعالى عنه أنه سمع رسول الله صلى الله عليه وسلم: "لعن الله آكل الربوا وموكله وكاتبه ومانع الصدقة، وكان ينهى عن النوح". (مشكوة المصابيح، ص: ۲۴۶، كتاب البيوع، باب الربوا، الفصل الثالث، قديمي)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "أتيت ليلة أسري بي على قوم بطونهم كالبيوت فيها الحيات ترى من خارج بطونهم، فقلت: من هؤلاء يا جبرئيل؟ قال: هؤلاء أكلة الربوا". (مشكوة المصابيح، المصدر السابق)

(۲) (مشكوة المصابيح، كتاب البيوع، باب الربوا، الفصل الثالث، ص: ۲۴۶، قديمي)

نے فرمایا کہ: ''سود سے اگرچہ مال بڑھتا ہے مگر اس کا انجام قلت ہے''۔

حرمتِ ربا کی آیت محکم ہے، منسوخ نہیں۔ شبہ رباسے بھی بچنے کا حکم ہے:

''عن عمر بن الخطاب رضي الله تعالى عنه أن آخر ما نزلت آية الربوا، وأن رسول الله صلى الله عليه وسلم قبض ولم يفسرها لنا، فدعوا الربوا والريبة''. رواه ابن ماجة، والدارمي''. مشكوة: ٦٤٦(١)۔

''قوله: (آخر ما نزلت آية الربوا) يعني هي ثابتة غير منسوخة، لكن رسول الله صلى الله عليه وسلم قبض ولم يفسر بحيث يحيط بجميع جزئياتها وموادها، فينبغي لكم أن تدعوا الربوا الصريح، وما يشبه الأمر تورعاً واحتياطاً. هذا ما يفهم من ظاهر سوق العبارة. وقال الطيبي: يعني أن هذه الآية ثابتة غير منسوخة غير مشتبهة، فلذلك لم يفسرها النبي صلى الله تعالى عليه وسلم، فأجروها على ما هي عليه، ولا ترتابوا فيها، واتركوا الحيلة في حل الربوا''. لمعات ومرقات(٢)۔

''حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ (معاملات سے متعلق) سب سے آخری سود کی آیت ہے، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ایسے وقت ہوئی کہ سود کی (ہر ہر جزئیات کی تفصیل) نہیں بیان کی، اس لئے سود کے ساتھ ساتھ جس میں سود کا شبہ ہو اُسے بھی چھوڑ دو''۔

''عمر کے قول: ''آخر ما نزلت'' کا مطلب یہ ہے کہ یہ آیت ثابت غیر منسوخ ہے، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام جزئیات کو بطور احاطہ بیان نہیں فرمایا، اس لئے تمہارے لئے مناسب ہے کہ تم سود اور سود

(١) (مشكوة المصابيح، كتاب البيوع، باب الربوا، الفصل الثالث، ص: ٢٤٦، قديمي)

(٢) حاشية مشكوة المصابيح، كتاب البيوع، باب الربوا، الفصل الثالث، (رقم الحاشية: ٣)، ص: ٢٤٦، قديمي)

(ومعناه في مرقاة المفاتيح: ٦/٧٤، كتاب البيوع، باب الربوا، الفصل الثالث، رشيديه)

کے مشابہ تمام چیزیں تورع اور احتیاط کی وجہ سے چھوڑ دو۔ ظاہر عبارت سے یہی مفہوم سمجھا جاتا ہے۔

طیبی نے کہا کہ یہ آیت ثابت غیر منسوخ غیر مشتبہ ہے، اسی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تشریح نہیں فرمائی، اس لئے تم لوگ اس کو اس کے ظاہری مفہوم پر جاری رکھو اور اس میں کچھ شک نہ کرو اور سود کے حلت کے سلسلہ میں حیلہ حیلہ ترک کردو"۔

مقروض اگر قرض کے دباؤ میں کوئی ہدیہ پیش کرے تو وہ ہدیہ بھی ربا ہے، نام بدلنے سے حقیقت نہیں بدلتی ہے:

"عن أبي بردة بن أبي موسى رضي الله تعالى عنهم قال: قدمت المدينة، فلقيت عبدالله بن سلام، فقال: إنك بأرض فيها الربوا فاش، فإذا كان لك على رجل حق فأهدى إليك حمل تبن أو حمل شعير أو حمل قت، فلا تأخذه، فإنه ربوا". رواه البخاري". مشكوة المصابيح(۱)۔

---

(۱) (مشكوة المصابيح، ص: ۲۴۶، كتاب البيوع، باب الربوا، الفصل الثالث، قديمي)

"عن عبد الله بن مسعود رضي الله تعالى عنه، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "الربا ثلاثة وسبعون باباً، أيسرها مثل أن ينكح الرجل أمه، وإن أربى الربا عرض الرجل المسلم". (المستدرك للحاكم، كتاب البيوع: ۲/۳۷، دار الفكر بيروت)

"عن عطاء الخراساني أن عبد الله بن سلام رضي الله تعالى عنه قال: "الربا اثنان وسبعون حوباً، أصغرها حوباً كمن أتى أمه في الإسلام، ودرهم من الربا أشد من بضع وثلاثين زنية، قال: ويأذن الله بالقيام للبر والفاجر يوم القيامة إلا لآكل الربا، فإنه لا يقوم إلا كما يقوم الذي يتخبطه الشيطان من المس". (مصنف عبد الرزاق: ۸/۳۱۶، دار الكتب العلمية بيروت)

"عن ابن عباس رضي الله تعالى عنهما قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "من أعان ظالماً بباطل ليدحض بباطله حقاً، فقد برئ من ذمة الله عزوجل وذمة رسول الله صلى الله عليه وسلم. ومن أكل درهماً من ربا، فهو مثل ثلاث وثلاثين زنية. ومن نبت لحمه من سحت، فالنار أولى به". (المعجم الصغير للطبراني: ۱/۱۴۲، دار الكتب العلمية بيروت)

"حضرت ابو بردہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ میں مدینہ آیا اور حضرت عبداللہ بن سلام سے ملاقات ہوئی تو حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ تم ایسے علاقہ میں رہتے ہو جس میں سود کا رواج بہت زیادہ ہے، پس اگر تمہارا کسی پر حق ہو اور وہ تمہیں ہدیہ میں بھوسہ یا جو کا گٹھر یا گھاس دے تو وہ بھی نہ لو، کیونکہ وہ بھی سود ہے"۔

ہدیۂ مالی کے علاوہ بھی کسی اور منفعت کے قبول کرنے کی اجازت نہیں:

"عن أنس رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "إذا أقرض أحدكم قرضاً، فأهدي إليه أو حمله على الدابة، فلا يركبه ولا يقبلها، إلا أن يكون جرى بينه وبينه قبل ذلك". رواه ابن ماجة والبيهقي في شعب الإيمان". مشکوٰۃ شریف، ص: ۲۴۶(۱)۔

"حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: "جب کوئی کسی کو قرض دے، پس اس قرض خواہ کو اگر قرض دار کچھ ہدیہ دے، یا اپنی سواری پر سوار کرائے تو نہ سوار ہو اور نہ اس ہدیہ کو قبول کرے، مگر یہ کہ قرض سے پہلے ہدیہ وغیرہ کا لین دین ہوتا ہو"۔

مسلمانانِ افریقہ کے جو حالات سوال میں درج ہیں، ان کے مقابلہ میں ان مسلمانوں کے حالات

---

(۱) (مشکوٰۃ المصابیح، ص: ۲۴۶، کتاب البیوع، باب الربوا، الفصل الثالث، قدیمی)

"عن عبد الله بن مسعود رضي الله تعالىٰ عنه، عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "ما ظهر في قوم الزنا والربا، إلا أحلوا بأنفسهم عذاب الله". (مجمع الزوائد: ۴/۱۱۸، دار الفكر بيروت)

"وكتب رسول الله صلى الله عليه وسلم لأهل نجران: "بسم الله الرحمن الرحيم هذا ما كتب محمد النبي رسول الله صلى الله عليه وسلم لنجران ... ولنجران وحاشيتها جوار الله وذمة محمد النبي على أنفسهم وملتهم وأرضيهم ... ولا يغير حق من حقوقهم ولا ملتهم ... ومن أكل الربا من ذي قبل فذمتي منه بريئة". (دلائل النبوة للبيهقي: ۵/۳۸۹، باب وفد نجران وشهادة الأساقفة لنبينا صلى الله عليه وسلم، دار الكتب العلمية بيروت)

نیز وہ دور انگیز تھے جن کو خطاب کرکے سود کو حرام قرار دیا گیا اور سخت وعیدیں سنائی گئی ہیں۔

وہ حضرات کفار کے قرضہ میں دبے ہوئے تھے، کفار ان کا خون چوس رہے تھے، حتی کہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دوبارہ غلام بنانے کی دھمکی دی گئی تھی جس سے پریشان ہو کر انہوں نے مدینہ پاک سے مخفی طور پر قرض کی ادائیگی کا انتظام ہونے تک کے لئے باہر چلے جانے کا ارادہ کرلیا تھا(۱)۔ وہ حضرات پیٹ پر پتھر

---

(۱) "أخرج البيهقي عن عبدالله الهوزني رحمه الله تعالى قال: لقيت بلالاً رضي الله تعالى عنه مؤذن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم بحلب، فقلت: يابلال! حدثني كيف كانت نفقة رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم؟ فقال: ما كان له شيء إلا أنا الذي كنت ألي ذلك منه منذ بعثه الله إلى أن توفي، فكان إذا أتاه (الإنسان) المسلم فرآه عارياً يأمرني، فانطلق، فأستقرض، فأشتري البردة والشيء، فأكسوه وأطعمه، حتى اعترضني رجل من المشركين، فقال: يابلال! إن عندي سعة، فلا تستقرض من أحد إلا مني، ففعلت، فلما كان ذات يوم توضأت ثم قمت لأؤذن بالصلوة، فإذا المشرك في عصابة من التجار، فلما رآني قال: يا حبشي! (قال): قلت: يالبيه، فتجهمني، وقال قولاً عظيماً -أو غليظاً- وقال: أتدري كم بينك وبين الشهر؟ قلت: قريب، قال: إنما بينك وبينه أربع ليال، فآخذك بالذي لي عليكم، فإني لم أعطك الذي أعطيتك من كرامتك ولا من كرامة صاحبك، وإنما أعطيتك لتصير لي عبداً فأذرك ترعى في الغنم كما كنت قبل ذلك.

قال: فأخذني في نفسي ما يأخذ في أنفس الناس، فانطلقت، فأذنت بالصلوة حتى إذا صليت العتمة، ورجع رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم إلى أهله، فاستأذنت عليه فأذن لي، فقلت: يارسول الله! بأبي أنت وأمي! إن المشرك الذي ذكرت لك أني (كنت) أتدين منه قد قال: كذا وكذا، وليس عندك ما يقضي عني ولا عندي وهو فاضحي، فأذن لي أن آتي (إلى) بعض هؤلاء الأحياء الذين قد أسلموا حتى يرزق الله رسوله صلى الله تعالى عليه وسلم ما يقضي عني"

فخرجت حتى أتيت منزلي، فجعلت سيفي وجرابي ورمحي ونعلي عند رأسي، فاستقبلت بوجهي الأفق، فكلما نمت انتبهت، فإذا رأيت عليّ ليلاً نمت حتى انشق عمود الصبح الأول، فأردت أن أنطلق، فإذا إنسان يدعو: يابلال! أجب رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم، فانطلقت حتى أتيته، فإذا أربع ركائب عليهن أحمالهن، فأتيت رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم، فقال لي رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "أبشر، فقد جاءك الله بقضاء دينك". .... ـ

باندھتے تھے، کئی کئی روز تک فاقہ کرتے تھے، بھوک کی وجہ سے غش کھا کھا کر گر جاتے تھے (۱)، دو دو، تین تین مہینے تک گھر میں آگ نہیں سلگتی تھی۔

کپڑا بھی پورا تن پوشی کے لئے موجود نہیں تھا، چادر ہے تو تہبند نہیں، تہبند ہے تو کرتا نہیں (۲)۔

نکاح کی غرض سے مہر میں دینے کو لوہے کی انگوٹھی تک میسر نہیں آئی، صرف ایک لنگی بدن پر تھی، اس میں سے آدھی لنگی مہر دینے پر آمادہ ہوئے (۳)۔ بچوں کو بھوکا روتا ہوا دیکھ کر تین چار دانے کھجور حاصل کرنے کے لئے یہودی

= لحمدت الله، وقال: "ألم تمر على أثر كانت المناخات الأربع؟" قال: قلت: بلى، قال: "فإن لك رقابهن وما عليهن — فإن عليهن كسوة وطعام أهداهن له عظيم فدك — فاقبضهن إليك ثم اقض دينك".

قال: ففعلت، فحططت عنهن أحمالهن، ثم علفتهن، ثم عمدت إلى تأذين صلاة الصبح. الخ".
(حياة الصحابة للعلامة الشيخ محمد يوسف الكاندهلوي رحمه الله تعالى، باب إنفاق الصحابة في سبيل الله، كيف كانت نفقة النبي صلى الله تعالى عليه وسلم، قصة بلال رضي الله تعالى عنه في ذلك مع مشرك: ۲/۲۰۰، ۲۰۱، دار القلم دمشق)

(۱) "عن محمد بن سيرين قال: كنا عند أبي هريرة رضي الله تعالى عنه وعليه ثوبان ممشقان من كتان، فتمخط في أحدهما، ثم قال: بخ بخ، يتمخط أبو هريرة في الكتان، لقد رأيتني وإني لأخر فيما بين منبر رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم وحجرة عائشة من الجوع مغشياً علي، فيجيء الجائي فيضع رجله على عنقي، يرى أن بي الجنون، وما بي جنون وما هو إلا الجوع".

"عن فضالة بن عبيد رضي الله تعالى عنه أن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم كان إذا صلى بالناس يخر رجال من قامتهم في الصلاة من الخصاصة وهم أصحاب الصفة" الحديث. (جامع الترمذي، أبواب الزهد، باب ما جاء في معيشة أصحاب النبي صلى الله تعالى عليه وسلم: ۲/۶۲، سعيد)

(۲) "عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: لقد رأيت سبعين من أصحاب الصفة، ما منهم رجل عليه رداء، إما إزار وإما كساء، قد ربطوا في أعناقهم، فمنها ما يبلغ نصف الساقين ومنها ما يبلغ الكعبين، فيجمعه بيده كراهية أن ترى عورته". (مشكوة المصابيح، باب فضل الفقراء وما كان من عيش النبي صلى الله تعالى عليه وسلم، ص: ۴۴۷، قديمي)

(۳) "عن سهل بن سعد رضي الله تعالى عنه أن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم جاءته امرأة =

مزدوری کرنا پڑی (۱)۔

خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کے نفقہ کے لئے دینی جہاد میں کام آنے والی زرہ یہودی کے پاس رہن رکھنے کی نوبت آئی (۲)۔ اسی حال میں آپ کا وصال ہوا (۳)۔ ان حالات کے باوجود ان

= فقالت: يا رسول الله! إني وهبت نفسي لك، فقامت طويلاً فقام رجل فقال: يا رسول الله! زوجنيها إن لم تكن لك بها حاجة. فقال: "هل عندك من شيء تصدقها"؟ قال: ما عندي إلا إزاري هذا. قال: "فالتمس ولو خاتماً من حديد" فالتمس فلم يجد شيئاً". (مشكوة المصابيح، كتاب النكاح، باب الصداق، الفصل الأول، ص: ۲۷۷، قديمي)

(۱) "وأخرج الطبراني بإسناد حسن عن فاطمة رضي الله تعالى عنها أن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم أتاها يوماً، فقال: "أين ابناي"؟ يعني حسناً وحسيناً - قلت: أصبحنا وليس في بيتنا شيء يذوقه ذائق. فقال علي رضي الله تعالى عنه: أذهب بهما فإني أتخوف أن يبكيا عليك وليس عندك شيء، فذهب إلى فلان اليهودي. فتوجه إليه النبي صلى الله تعالى عليه وسلم، فوجدهما يلعبان في شربة بين أيديهما فضل من تمر. فقال: "يا علي! ألا تقلب ابني قبل أن يشتد الحر"؟

قال: أصبحنا وليس في بيتنا شيء، فلو جلست يا رسول الله حتى أجمع لفاطمة رضي الله تعالى عنها فضلاً من تمر، فجعله في حرقة، ثم أقبل، فحمل النبي صلى الله تعالى عليه وسلم أحدهما وعلي الآخر حتى أقلبهما. كذا في الترغيب". (حياة الصحابة للعلامة الشيخ محمد يوسف الكاندهلوي رحمه الله تعالى، باب تحمل الشدائد في الله، عنوان: جوع علي وفاطمة رضي الله تعالى عنهما: ۱/۳۰۱، دار القلم دمشق)

(۲) "عن عائشة رضي الله تعالى عنها قالت: رهن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم يهودياً درعاً وأخذ منه طعاماً". (المسند للإمام أحمد: ۲۳۸/۷، رقم الحديث: ۲۵۳۰۲، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(ومشكوة المصابيح، كتاب البيوع، باب السلم والرهن، الفصل الأول، ص: ۲۵۰، قديمي)

(۳) "عن عائشة رضي الله تعالى عنها قالت: ماشبع آل محمد من خبز الشعير يومين متتابعين حتى قبض رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم". (مشكوة المصابيح، باب فضل الفقراء وما كان من عيش النبي صلى الله تعالى عليه وسلم، الفصل الأول، ص: ۴۴۲، قديمي)

حضرات کو کفار کے مال و دولت کی طرف نظر اٹھا کر دیکھنے کو بھی منع فرمادیا گیا:

﴿ولا تمدن عينيك إلى ما متعنا به أزواجاً منهم زهرة الحيوة الدنيا لنفتنهم فيه، ورزق ربك خير وأبقى﴾ (الآية) (۱)۔

"اور ہرگز آنکھیں اٹھا کر آپ ان چیزوں کی طرف نہ دیکھیں جن سے ہم نے ان (دنیاداروں) کے مختلف گروہوں کو ان کی آزمائش کے لئے متمتع کر رکھا ہے کہ وہ سب کچھ محض دنیاوی زندگی کی رونق ہے اور آپ کے رب کا عطیہ اس سے بدرجہا بہتر اور پائیدار ہے"۔

نیز ارشاد ہے: ﴿ولولا أن يكون الناس أمة واحدة لجعلنا لمن يكفر بالرحمن لبيوتهم سقفاً من فضة ومعارج عليها يظهرون، ولبيوتهم أبواباً وسرراً عليها يتكئون، وزخرفاً، وإن كل ذلك لما متاع الحيوة الدنيا، والآخرة عند ربك للمتقين﴾ (۲)۔

"اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ تمام آدمی ایک ہی طریقے کے ہوجاویں گے تو جو خدا کے ساتھ کفر کرتے ہیں ان کے لئے بھی ان کے گھروں کی چھتیں چاندی کی کر دیتے اور زینے بھی، جن پر چڑھا کرتے اور ان کے گھروں کے کواڑ بھی اور تخت بھی جن پر تکیہ لگا کر بیٹھتے ہیں اور سونے کے بھی، اور یہ سب کچھ بھی نہیں، صرف دنیوی زندگی کی چند روزہ کامرانی ہے اور آخرت آپ کے پروردگار کے ہاں خدا ترسوں کے لئے ہے"۔

مال میں کفار کی حرص کو قرآن پاک نے منع فرمایا ہے مگر اسی کو آج مسلمان بار بار للچائی ہوئی نظریں اٹھا کر دیکھتا ہے اور ان ہی کی روش پر چلنے کے لئے راستہ تلاش کرتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ یہ بھی اسی منزل پر پہنچے گا جس منزل پر وہ پہنچے۔

سودی کاروبار کے ذریعے سے نہ مسلمان کا مال ترقی کر سکتا ہے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے: "ان

(۱) (سورۃ طٰہٰ: ۱۳۱)

(۲) (سورۃ الزخرف: ۳۳-۳۵)

الربوا وإن كثر، فإن عاقبته تصير إلى قل"(۱)۔

"سود خواہ کتنا ہی زیادہ ہو، اس کا انجام کو قلت ہے"۔

مال گھٹ جاتا ہے، جیسا کہ ارشاد ہے ﴿يمحق الله الربوا﴾ (سورة البقرة: ۲۷۶)

"اللہ تعالیٰ سود کو گھٹاتے ہیں"۔

لہٰذا سودی کاروبار کو باب مسلم کی حفاظت یا ترقی کا ذریعہ تجویز کرنا نصوص قرآن وحدیث کا مقابلہ کرنا ہے، مسلمانوں کی کامیابی اور ترقی حرام وحلال کی تمیز کے بغیر مال جمع کرنے اور تجارت کو فروغ دینے میں ہرگز نہیں، بلکہ اس کی ترقی اور کامیابی احکام شریعت کی پابندی میں ہے، حرام اور لعنت کے کاموں سے پوری طرح پرہیز کرنے میں ہے۔

دینی اداروں اور مدرسوں کو اگر حرام مال سے چلایا جائے گا تو ان سے ایسے لوگ تیار ہوکر نکلیں گے جو خود بھی حرام وحلال کی تمیز سے بے بہرہ ہوں گے اور قوم کو حرام سے روکنے کا جذبہ بھی ان میں نہیں ہوگا، اسی طرح ایسے لوگوں کو تیار کرنا ظاہر ہے کہ کوئی دینی خدمت نہیں جس سے رضائے خداوندی میسر آسکے جو کہ مسلمان کی خلقت کا اصل مقصد ہے۔

جب عام معاشرہ بگڑ چکا ہو، غیر قومیں حرام مال سے ترقی کی راہ پر گامزن ہوں تو علماء کا یہ کام نہیں کہ مسلمانوں کے لئے بھی جواز کی راہ نکال کر ان غیر قوموں کے اتباع کا فتویٰ دیدیں، بلکہ ان کی ذمہ داری ہے کہ رضائے خداوندی اور ابدی نجات کا پورا نقشہ قوم کے سامنے اخلاص وقوت کے ساتھ پیش کریں، متعین طور پر بلا کسی تذبذب کے حکم خداوندی بتادیں۔

اگر کوئی شخص مستامن وغیرہ مخصوص حالات میں کسی بلا میں گرفتار ہوجائے اور اس کے لئے شرعی

---

(۱) "عن ابن مسعود رضي الله تعالى عنه أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "الربا وإن كثر، فإن عاقبته تصير إلى قل". (مسند أحمد بن حنبل: ۱/۴۲۴، (رقم الحديث: ۳۷۵۴)، دار إحياء التراث العربي بيروت)

"عن ابن مسعود رضي الله تعالى عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "ما أحد أكثر من الربا، إلا كان عاقبة أمره إلى قلة". (سنن ابن ماجة، ص: ۱۶۵، باب التغليظ في الربا، قديمي)

ضرورت کے پیش نظر کسی قول پر کوئی گنجائش نکل سکتی ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ اس کو عام ضابطہ بنا کر منہی عنہ کو ختم کر دیا جائے۔

﴿هذا صراطی مستقیماً فاتبعوه ولا تتبعوا السبل﴾ (الآیة)(۱)۔

"یہ میرا سیدھا راستہ ہے، بس اسی پر چلو اور دوسرے راستوں پر مت چلو"۔

﴿ولا تتبعوا خطوات الشیطان﴾(۲)۔

"شیطان کے نقش قدم پر مت چلو"۔

اگر بگڑے ہوئے معاشرے اور دیگر اقوام کی ترقیات سے متاثر ہو کر مسلمان کے لئے حرام کی راہیں کھول دیں تو اس کا انجام بہت خطرناک ہے۔ علمائے بنی اسرائیل نے اول قوم کو معاصی سے روکا، وہ نہیں رکی تو روکنا چھوڑ دیا اور معاشرہ میں قوم کے ساتھ شریک ہوگئے تو سب پر لعنت کی گئی:

"عن عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "لما وقعت بنو إسرائیل فی المعاصی، نهتهم علماؤهم فلم ینتهوا، فجالسوهم فی مجالسهم، وآکلوهم وشاربوهم، فضرب اللہ قلوب بعضهم ببعض، فلعنهم علی لسان داؤد وعیسی ابن مریم، ذلك بما عصوا وکانوا یعتدون". قال: فجلس رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم وکان متکئاً فقال: "لا، والذی نفسی بیده! حتی تأطروهم أطراً". رواه الترمذی وأبو داود.

فی روایة قال: "کلا، واللہ! لتأمرن بالمعروف ولتنهون عن المنکر، ولتأخذن علی یدی الظالم، ولتأطرنه علی الحق أطراً، ولتقصرنه علی الحق قصراً، أو لیضربن اللہ بقلوب

---

(۱) (سورة البقرة: ۲۰۸)

قال اللہ تعالیٰ: ﴿ولا تتبعوا السبل فتفرق بکم عن سبیله﴾ (سورة الأنعام: ۱۵۳)

﴿یا أیها الذین آمنوا لا تتبعوا خطوات الشیطان﴾ (سورة النور: ۲۱)

(۲) قال اللہ تعالیٰ: ﴿یا أیها الناس کلوا مما فی الأرض حلالاً طیباً ولا تتبعوا خطوات الشیطان﴾ (سورة البقرة: ۱۶۸)

وقال اللہ تعالیٰ: ﴿کلوا مما رزقکم اللہ، ولا تتبعوا خطوات الشیطان﴾ (سورة الأنعام: ۱۴۲)

بعضکم علیٰ بعض، ثم لیلعننکم کما لعنهم". مشکوٰۃ شریف، ص: ۴۳۸ (۱)۔

''حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''جب بنی اسرائیل معاصی میں مبتلا ہوئے تو علماء نے پہلے تو ان کو روکا لیکن وہ نہیں رکے مگر اس حال میں بھی ان کی مجلس میں بیٹھتے رہے اور ان کے ساتھ کھاتے پیتے رہے، پس اللہ تعالیٰ نے بعض کے دلوں کو بعض کے ساتھ ملادیا اور عیسیٰ بن مریم اور داؤد علیہما السلام کے ذریعہ ان پر لعنت بھیجی، یہ اس لئے کہ انہوں نے نافرمانی کی اور وہ حد سے تجاوز کر گئے تھے''۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم ٹیک لگائے تھے، اٹھ کر بیٹھ گئے اور فرمایا: ''قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے یہاں تک کہ تم ان کو حق کی طرف مائل کرو''۔

حرام کا دروازہ کھول دینے پر کیا لعنت نازل ہوگی۔ اگر جدوجہد، کوشش اور جانفشانی وقتی ضد پیدا ہو تو اس سے بچانے کی یہ صورت نہیں کہ حرام کا دروازہ کھول دیا جائے، بلکہ اس کی صورت یہ ہوگی کہ نصوص قرآنی اور احادیث نبوی کی زیادہ سے زیادہ تلقین کی جائے۔

﴿ولا تتمنوا ما فضل الله به بعضكم على بعض﴾ (۲)۔

"ولا تحاسدوا ولا تباغضوا ولا تدابروا وكونوا عباد الله إخوانا". وفي رواية: "ولا تنافسوا". متفق عليه". مشکوٰۃ شریف، ص: ۴۲۷ (۳)۔

''اللہ نے بعض کو بعض پر جو فضیلت دی ہے اس کی تمنا نہ کرو۔''

''اور آپس میں حسد، بغض، اور ایک دوسرے کی غیبت مت کرو، اور سب لوگ بھائی بھائی بن کر رہو''۔ اور ایک روایت میں ہے کہ ''دنیا میں ایک دوسرے پر بڑھنے کی

(۱) (مشکوٰۃ المصابیح، ص: ۴۳۸، باب الأمر بالمعروف، الفصل الثانی، قدیمی)

(۲) (سورۃ النساء: ۳۲)

(۳) (مشکوٰۃ المصابیح، ص: ۴۲۷، باب ما ینهی عنه من التهاجر والتقاطع واتباع العورات، قدیمی)

ترغیب دی جائے۔

سرمایہ دار طبقہ کو ایثار و ہمدردی سکھائی جائے:

"عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما قال: سمعت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقول: "ليس المؤمن الذي يشبع وجاره جائع إلى جنبه". مشكوة شريف، ص: ۴۲۴(۱)۔

"حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ میں نے سنا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: "وہ مومن کامل ہی نہیں جو خود تو پیٹ بھرے اور اس کا پڑوسی بھوکا ہو"۔

"عن جرير بن عبد الله رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى عليه وسلم: "لا يرحم الله من لا يرحم الناس". متفق عليه". مشكوة شريف(۲)۔

"حضرت جریر بن عبداللہ سے مروی ہے کہ جناب رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: "جو لوگوں پر رحم نہ کرے، اللہ اس پر رحم نہیں فرماتا"۔

غریب طبقہ کو صبر و قناعت کا سبق دیا جائے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے عمومی حالات زندگی سنائے جائیں:

"عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها قالت: ما شبع آل محمد من خبز الشعير يومين متتابعين حتى قبض رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم". متفق عليه".

---

(۱) (مشكوة المصابيح، ص: ۴۲۴، باب الشفقة والرحمة على الخلق، الفصل الثالث، قديمي)

(۲) (مشكوة المصابيح، ص: ۴۲۱، باب الشفقة والرحمة على الخلق، الفصل الأول، قديمي)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: سمعت أبا القاسم الصادق المصدوق صلى الله عليه وسلم: "لا تنزع الرحمة إلا من شقي".

"وعن عبد الله بن عمرو رضي الله تعالىٰ عنهما قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "الراحمون يرحمهم الرحمن، ارحموا من في الأرض، يرحمكم من في السماء". (مشكوة المصابيح، ص: ۴۲۳، باب الشفقة والرحمة على الخلق، الفصل الثاني، قديمي)

مشکوٰۃ المصابیح (۱)۔

"حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ آلِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے لگاتار دو دن تک جو کی روٹی پیٹ بھر کر نہیں کھائی، یہاں تک کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی"۔

"عن عمر رضي الله تعالیٰ عنه قال: دخلت علی رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم، فإذا هو مضطجع علی رمال حصير ليس بينه وبينه فراش، قد أثر الرمال بجنبه متكئاً علی وسادة من أدم حشوها ليف، قلت: يا رسول الله! ادع الله، فليوسع علی أمتك، فإن فارس، والروم قد وسع عليهم، وهم لايعبدون الله. فقال: "أو في هذا أنت يا ابن الخطاب! أولئك قوم عجلت لهم طيباتهم في الحيوة الدنيا". وفي رواية: "أما ترضی أن تكون لهم الدنيا ولنا الآخرة". متفق عليه" (۲)۔

"حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک چٹائی پر لیٹے ہوئے تھے، جس پر کوئی بستر بچھا ہوا نہیں تھا، جس سے آپ کے پہلو شریف میں چٹائی کے نشان بن گئے (جیسا کہ عموماً چٹائی وغیرہ پر بیٹھنے یا لیٹنے سے ہوتا ہے) اور چمڑے کا ایک تکیہ جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی اس پر آپ ٹیک لگائے تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے یہ دیکھ کر عرض کیا کہ: یا رسول

---

(۱) (مشکوٰۃ المصابیح، ص: ۴۴۶، کتاب الرقاق، باب فضل الفقراء وما كان من عيش النبي صلی الله عليه وسلم، الفصل الأول، قديمي)

"وعنها (أي عن عائشة رضي الله تعالیٰ عنها) قالت: ماشبع آل محمد صلی الله تعالیٰ عليه وسلم يومين من خبز بُرّ إلا وأحدهما تمر".

"وعنها (أي عن عائشة رضي الله تعالیٰ عنها) قالت: توفي رسول الله صلی الله عليه وسلم وماشبعنا من الأسودين". (مشکوٰۃ المصابیح، ص: ۳۶۵، كتاب الأطعمة، الفصل الأول، قديمي)

(۲) (مشکوٰۃ المصابیح، كتاب الرقاق، باب فضل الفقراء، وما كان من عيش النبي صلی الله تعالیٰ عليه وسلم، الفصل الأول، ص: ۴۴۶، قديمي)

اللہ! دعاء فرمایئے کہ اللہ آپ کی امت (مسلمانوں) پر وسعت فرمادے، روم اور فارس جو اللہ کی عبادت نہیں کرتے، ان پر دنیا کس قدر کشادہ ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: "اے ابن خطاب! کیا تم بھی اس خیال میں ہو، ان کے لئے دنیا کی زندگی ہی میں ان کی مرغوبات دیدی گئی ہیں، کیا تم اس پر راضی نہیں، کہ ان کے لئے دنیا ہے اور ہمارے لئے آخرت"۔

"عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: لقد رأيت سبعين من أصحاب الصفة مامنهم رجل عليه رداء: إما إزار وإما كساء، قد ربطوا في أعناقهم، فمنها مايبلغ نصف الساقين، ومنها مايبلغ الكعبين، فيجمعه بيده كراهة أن ترى عورته". رواه البخاري، اهـ. مشكوة المصابيح، ص: ٤٤٧ (١)۔

"حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے اصحاب صفہ میں سے ستر صحابہ کو دیکھا، ان کے پاس کوئی چادر نہیں تھی، اگر ازار یا کملیاں بھی تھی تو اس کی یہ حالت تھی کہ وہ اس کو گلے میں باندھ لیتے تو کسی صحابی کا کپڑا نصف پنڈلی تک ہوتا اور کسی کا ٹخنہ تک، وہ بمشکل اُسے اپنے ہاتھ سے پکڑے رہتے کہ کہیں کشف عورت نہ ہوجائے"۔

"عن قتادة بن النعمان رضي الله تعالى عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: "إذا أحب الله عبدا، حماه الدنيا، كما يظل أحدكم يحمي سقيمه الماء". رواه الترمذي، وأحمد". مشكوة شريف، ص: ٤٤٨ (٢)۔

"حضرت قتادہ بن النعمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ

(١) (مشكوة المصابيح، ص: ٤٤٧، باب فضل الفقراء وما كان من عيش النبي صلى الله عليه وسلم، الفصل الأول، قديمي)

(٢) (مشكوة المصابيح، ص: ٤٤٨، باب فضل الفقراء، وما كان من عيش النبي صلى الله تعالى عليه وسلم، الفصل الثاني، قديمي)

علیہ وسلم نے فرمایا کہ: "جب اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندہ سے محبت فرماتے ہیں تو اس کو دنیا سے ایسے بچاتے ہیں جیسے تم اپنے بیمار کو پانی سے"۔

"عن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "من رضی من اللہ بالیسیر من الرزق، رضی اللہ عنہ بالقلیل من العمل"(۱)۔

"حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو تھوڑے سے رزق پر اللہ سے راضی ہے، اللہ تعالیٰ بھی اس کے تھوڑے عمل سے راضی رہیں گے"۔

"عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "من جاع، أو احتاج، فكتمه الناس، كان حقاً على الله أن يرزقه سنة من حلال". رواه البيهقي في شعب الإيمان(۲)۔

"حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: "جو بھوکا ہو یا کوئی حاجت مند ہو اور لوگوں پر ظاہر نہ کرے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لیا ہے کہ ایک سال کا حلال رزق اس کے لئے مقدر فرما دیں" (حاجت ظاہر نہ کرنے کی برکت سے)۔

"عن عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "إن الله يحب عبده المؤمن الفقير المتعفف أبا العيال". رواه ابن ماجة". مشکوۃ شریف(۳)۔

"عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ اپنے مؤمن بندہ کو پسند کرتے ہیں جو فقیر ہو عفیف اور بال

(۱) (مشکوۃ المصابیح، ص: ۴۴۹، الفصل الثالث، باب فضل الفقراء وما كان من عيش النبي صلى الله تعالى عليه وسلم، قديمي)

(۲) (مشکوۃ المصابیح، المصدر السابق)

(۳) (مشکوۃ المصابیح، المصدر السابق)

نہیں ہوا ہوگا۔

اسی طرح تعلیماتِ نبویہ عام ہوسکتی ہیں، اور امتِ مسلمہ کا افتراقی امتیاز باقی رہ سکتا ہے جس کے باقی رکھنے کی ذمہ داری دینی علماء کے سر ہے۔ اگر دورِ حاضر کے سیلِ رواں میں بہنا شروع کردیا تو یہ امت اپنا تاجِ افتخار مغربی اقوام کے قدموں پر نذر کرکے ان ہی اقوام میں مدغم ہوجائے گی اور سخت قسم کا خسارہ اٹھائے گی اور اس طرزِ عمل سے ملتِ اسلامیہ کو بڑا دھکا لگے گا، جس سے قہرِ خدا جوش میں آجائے گا، اور کوئی نہ کوئی عذاب سے دوچار ہونا پڑے گا، جس کے نمونے پیش آتے رہتے ہیں۔ جب نافرمانی عام ہوجائے اور اس طرح پر روک ٹوک ختم ہوجائے تو عذابِ عمومی کی وعید حدیث پاک میں بیان فرمائی گئی ہے:

"عن أبي بكر رضي الله تعالى عنه: ما من قوم يعمل فيهم المعاصي ثم يقدرون على أن يغيروا ثم لا يغيرون إلا يوشك أن يعمهم الله بعقاب" (۱)۔

"حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جس قوم میں خدا کی نافرمانی ہورہی ہو اور کچھ لوگ نافرمانی کو روکنے پر قادر ہوں، پھر بھی وہ نہ روکیں تو عنقریب اللہ پاک ان پر عمومی عذاب نازل فرمائے گا"۔

"عن جرير بن عبد الله رضي الله تعالى عنه قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: "ما من رجل يكون في قوم يعمل فيهم بالمعاصي يقدرون على أن يغيروا عليه ولا يغيرون إلا أصابهم الله منه بعقاب قبل أن يموتوا". رواه أبو داؤد وابن ماجة" (مشكوة شريف، ص: ۴۳۷، ۴۳۶) (۲)۔

"حضرت جریر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ "اگر کسی قوم میں کوئی شخص معصیت میں مبتلا ہو اور اہلِ قوم اس کو روکنے پر قادر ہوں، پھر وہ نہ روکیں تو اللہ تعالیٰ مرنے سے قبل پوری قوم پر عمومی عذاب نازل فرمائے گا"۔

(۱) (مشكوة المصابيح، ص: ۴۳۷، ۴۳۶، باب الأمر بالمعروف، الفصل الثاني، قديمي)

(۲) (مشكوة المصابيح، المصدر السابق)

ایسی حالت میں دعائیں بھی قبول نہیں ہوں گی اور خدا تعالیٰ کی طرف سے نصرت وہدایت بھی نہیں ہوگی:

"عن حذیفة رضي الله تعالیٰ عنه أن النبي صلی الله علیه وسلم قال: "والذي نفسي بیده! لتأمرن بالمعروف ولتنهون عن المنکر، أو لیوشکن الله أن یبعث علیکم عذاباً من عنده، ثم تدعونه ولا یستجاب لکم". رواه الترمذي". مشکوٰة المصابیح، ص: ۴۳۶ (۱)۔

"حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے رہو، ورنہ اللہ تعالیٰ عنقریب اپنا عذاب تم پر نازل کرے گا، پھر تم دعا کرو گے لیکن دعا قبول نہ کی جائے گی"۔

تو پھر کیا ان تعمیرات اور تجارت میں عذاب الٰہی روکنے کی قوت ہے؟ نہیں، ہرگز نہیں، بلکہ یہ تو عذاب الٰہی کا سبب ہیں، اگر ان کو حرام طریق (سودی کاروبار) سے تجارت کیا جاتا تو عذاب کیوں آتا۔ اور جہاں جہاں عذاب کا شعور آیا ہے، کیا وہاں ان تجارات وتعمیرات نے کوئی حفاظت کی؟ اگر موسم خراب ہو اور امرود سے ہیضہ پھیلنے کا اندیشہ ہو تو حفاظانِ صحت کے ماہرین حدودِ میونسپلٹی میں بھی امرود کا داخلہ ہونا بند کرادیتے ہیں، یہ نہیں دیکھتے کہ بندر اور گدھے امرود کھا رہے ہیں اور ان کو کس وجہ سے ہیضہ نہیں ہوتا کہ ان کی غرض میں انسانوں کو بھی اجازت دیدی جائے۔ فقط واللہ الموفق لما یحب ویرضی۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

بینک سے سودی قرض لینا

سوال [۷۹۰۴]: یہاں ملیشیا میں تجارت پیشہ مسلمان آباد ہیں، وہ لوگ بینک سے تجارت کے لئے روپیہ لیتے ہیں، بینک ان سے ایک فیصد زائد وصول کرتا ہے۔ اسی طرح کچھ لوگ ملازمت پیشہ ہیں وہ گورنمنٹ سے قرض لیتے ہیں تو اس کو نصف یعنی سود پیسہ میں نصف روپیہ زائد دینا پڑتا ہے۔ یہ سود ہوا یا نہیں؟

---

(۱) (مشکوٰة المصابیح، ص: ۴۳۶، ۴۳۷، باب الأمر بالمعروف، الفصل الثاني، قدیمي)

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ سود ہے، سود لینے اور سود دینے والے پر حدیث شریف میں لعنت آئی ہے، اور دونوں کو گناہ میں برابر فرمایا گیا ہے:

"عن جابر رضي الله تعالى عنه قال: لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم آكل الربو وموكله وكاتبه وشاهديه، وقال: "هم سواء". رواه مسلم". مشكوة شريف، ص: ۲۴۴ (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

سودی قرض لینا

سوال [۷۰۲۳]: میں پرائمری اسکول کا ماسٹر ہوں، پانچ بچے ہیں، والدہ ہیں، گھر کی ضروریات کے لئے سودی قرض لیتا ہوں، ہر وقت دل پریشان رہتا ہے، حتی کہ دین کے کاموں کو بھی اچھی طرح سے نہیں ادا کر پاتا۔ ایسی حالت میں اپنا ذریعہ معاش ٹھیک کرنے کے لئے سرکار سے مستقل قرضہ لے سکتا ہوں یا نہیں؟ جس میں کچھ سود بھی قسطوں کے ساتھ ادا کرنا پڑے گا، ایسی صورت میں میرے لئے گنجائش ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

سود لینا اور سود دینا حرام ہے (۲)، اگر گذارہ کی کوئی صورت نہ ہو تو احتیاج کے لئے بقدر ضرورت سودی

---

(۱) (مشكوة المصابيح، ص: ۲۴۴، باب الربوا، الفصل الأول، قديمي)

قال الله تعالى: ﴿وأحل الله البيع وحرم الربوا﴾ (البقرة: ۲۷۵)

"عن عبد الله بن حنظلة غسيل الملائكة رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "درهم ربوا يأكله الرجل وهو يعلم أشد من ستة وثلثين زنية".

"عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "الربوا سبعون جزءاً أيسرها أن ينكح الرجل أمه". (مشكوة المصابيح، ص: ۲۴۶، باب الربوا، الفصل الثالث، قديمي)

"قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "كل قرض جر منفعة فهو ربا". (فيض القدير: ۴۸۲۸/۱۰، رقم الحديث: ۶۳۳۶، مكتبه نزار مصطفى الباز، رياض)

(۲) (راجع رقم الحاشية: ۱)

قرض لینے کی گنجائش ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/۱/۸۸ھ۔

سرکاری قرضہ

سوال[۷۴۲۵]: مرکزی وصوبائی حکومتیں کاروبار، کارخانہ جات اور دوسری صنعتوں وغیرہ کی ترقی وترویج کے واسطے روپیہ اور دوسری چیزیں بطورِ قرض معمولی سود پر دیتی ہیں، آپ بخوبی واقف ہیں کہ حکومت کے پاس جو روپیہ ہوتا ہے وہ سب پبلک سے ہی تحصیل کیا ہوا ہوتا ہے، یا وہ رقم ہوتی ہے جو ہماری حکومت دوسری حکومتوں سے قرض کی شکل میں یا امداد کی شکل میں حاصل کرتی ہے۔

(الف) کیا حکومت سے سود پر انفرادی کاروبار یا کارخانہ جات وغیرہ کے لئے روپیہ قرض لیا جا سکتا ہے؟

(ب) کیا حکومت سے سود پر قرض مندرجہ بالا کاروبار کے واسطے جبکہ اپنی ذاتی منافع کے لئے امداد باہمی

---

(۱) "ويجوز للمحتاج الاستقراض بالربح". (الأشباه) قال الحموي: "وذلك نحو أن يقترض عشرة دنانير مثلاً ويجعل لربها شيئاً معلوماً في كل يوم ربحاً". (غمز عيون البصائر للحموي: ۱/۲۹۴، القاعدة الخامسة، الفصل الأول، إدارة القرآن، كراچي)

"المشقة تجلب التيسير" (الأشباه والنظائر: ۱/۲۵۴، إدارة القرآن، كراچي)

"الضرورات تبيح المحظورات، ومن ثم جاز أكل الميتة عند المخمصة ... وكذا إتلاف المال، وأخذ مال الممتنع من أداء الدين بغير إذنه، ودفع الصائل ولو أدى إلى قتله" (الأشباه والنظائر، ص: ۸۵، الفن الأول، القاعدة الخامسة: الضرر يزال، قديمي)

لیکن ضرورت جب پوری ہو جائے تو اس کے بعد مزید سودی قرض کا سلسلہ بڑھانا جائز نہیں۔

"الحاجة إذا عمت كانت كالضرورة". (الأشباه للسيوطي، ص: ۱۷۹)

"الحاجة تنزل منزلة الضرورة" (الأشباه والنظائر: ۱/۳۲۵، إدارة القرآن كراچي)

"الحاجة تنزل منزلة الضرورة عامة أو خاصة". (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۳۳، رقم المادة: ۳۲، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"الضرورات تتقدر بقدرها" (شرح المجلة، ص: ۳۰، رقم المادة: ۲۲)

(وكذا في الأشباه والنظائر: ۱/۲۷۶، إدارة القرآن، كراچي)

کی بنا پر چلائے جائیں، لیا جاسکتا ہے؟

(ج) کیا اس طرح سود پر قرض لے کر کئے گئے کاروبار سے حاصل شدہ آمدنی جائز ہوگی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

حکومت نے جو روپیہ دوسری حکومتوں سے قرض لیا ہے وہ اس کی مالک ہوگئی، اور وہ اسی کی ذمہ دار ہے، جو روپیہ پبلک سے قانونی حد میں رہ کر یا جبراً قوت سے لیا ہے، وہ بھی استیلاء کی وجہ سے اس کی ملک میں آگیا (۱)۔

(الف) سودی معاملہ کرنا جائز نہیں ہے، سود قلیل ہو یا کثیر (۲)، اگر بینک اس روپیہ کو اپنی ملک تصور کرکے قرض کے نام سے دے اور سود لے تو یہ مزید خسارہ ہے کہ اپنا ہی روپیہ لیا ہے، پھر اس کو واپس کرنا ہے اور سود دینا ہے۔

(ب) اس کی بھی اجازت نہیں (۳)۔

(ج) سود پر قرض لینا تو ناجائز ہوگا، مگر اپنے کاروبار سے جو آمدنی حاصل ہوئی اس کو ناجائز نہیں

---

(۱) "إذا سبى كافر كافراً آخر بدار الحرب وأخذ ماله، ملكه، لاستيلاء على مباح ... وإن غلبوا على أموالنا ولو عبداً مؤمناً وأحرزوها بدارهم ملكوها". (الدر المختار: ۴/۱۶۰، باب استيلاء الكفار، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۲/۲۴۳، الباب الخامس في استيلاء الكفار، رشيدية)

(وكذا في البحر الرائق: ۵/۱۰۲، كتاب السير، باب استيلاء الكفار، رشيدية)

(۲) "عن عبد الله بن حنظلة رضي الله تعالى عنه غسيل الملائكة قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "درهم ربوا يأكله الرجل وهو يعلم أشد من ستة وثلاثين زنية". (مجمع الزوائد، كتاب البيوع، باب ماجاء في الربا: ۴/۱۱۷، دار الفكر)

(ومشكوة المصابيح، ص: ۲۴۶، باب الربوا، الفصل الثالث، قديمي)

(۳) "ولهذا لا يجوز أن يرد المقترض إلى المقرض إلا ما اقترضه منه أو مثله تبعاً للقاعدة الفقهية القائلة: كل قرض جر نفعاً فهو ربا". (فقه السنة، البيع، القرض: ۳/۱۴۸، دار الكتاب العربي بيروت)

"كل قرض جر منفعة فهو ربا". (فيض القدير، (رقم الحديث ۶۳۳۶): ۹/۴۲۸۷، مكتبة نزار مصطفى الباز رياض)

(وكذا في الأشباه والنظائر، الفن الثاني، كتاب المداينات، ص: ۴۵۴، قديمي)

کہا جائے گا(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۸/۲/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ۔

سود پر قرض لینا

سوال [۷۲۹۸]: زید کو روپیہ کی اشد ضرورت پیش آئی اور اس نے بہ مجبوری اپنی جائیداد رہن رکھ کر سود پر روپیہ قرض لے لیا۔ ایسی حالت میں جب کہ تحت مجبوری کی حالت میں سود پر روپیہ لیا ہے تو اس کے لئے حکم کیا ہے، وہ بیاز یہ بحالت مجبوری اس فعل سے گنہگار ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

سود دینا حرام ہے(۲)، ایسے شخص پر حدیث شریف میں لعنت آئی ہے(۳)۔ حرام کا ارتکاب

---

(۱) سود پر لی ہوئی رقم قرض ہے، اس میں فی نفسہٖ کوئی خباثت نہیں ہے، بلکہ خباثت ان کے درمیان سودی معاملہ اور اس کے بعد مقرض کو حاصل ہونے والی زیادتی میں ہے، لہٰذا سود پر لی ہوئی رقم (قرض) سے کاروبار چلا کر مستقرض کو جو نفع ہوتا ہے وہ حرام نہیں کہا جائے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

"وقال الحنفية: يبطل الشرط لكونه منافياً للعقد، ويبقى القرض صحيحاً. وقولهم ببطلان الشرط لكونه منافياً للعقد فيه تصريح بأن القرض إذا كان مشروطاً بمنفعة يلزم منه بطلانه معاً، ولذا استثنوا الشرط خفيفاً للعقد عن الانقلاب، وإلا لم يكن لإبطاله معنى. ومرادهم بكون القرض صحيحاً والشرط باطلاً أن المستقرض إذا قبض الدراهم التي استقرضها بالشرط يصير ديناً عليه، ولا تكون أمانة غير مضمونة. وأما أن الإقراض والاستقراض بالشرط جائز فكلا، فقد صرح في "الدر" عن "الخلاصة": القرض بالشرط حرام والشرط لغو. وفيه أيضاً: واعلم أن المقبوض بقرض فاسد كمقبوض ببيع فاسد سواء اهـ" (إعلاء السنن، كشف الدجى عن وجه الربا: ۱۴/۵۶۶، إدارة القرآن كراچی)

(۲) قال الله تعالى: ﴿وأحل الله البيع وحرم الربوا﴾ (سورة البقرة: ۲۷۵)

(۳) "عن جابر رضي الله تعالى عنه قال: لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم آكل الربوا وموكله وكاتبه وشاهديه، وقال: هم سواء". (مشكوة المصابيح، باب الربوا، الفصل الأول، ص: ۲۴۴، قديمي)

اضطراری حالت میں معاف ہے، یعنی اگر جان کو قوی خطرہ ہے، یا عزت کا قوی خطرہ ہے، نیز اور کوئی صورت اس سے بچنے کی نہیں، مثلاً جائیداد فروخت ہو سکتی ہے، نہ روپیہ بغیر سود کے مل سکتا ہے تو ایسی حالت میں زید شرعاً معذور ہے(۱)۔ اور اگر ایسی ضرورت نہیں بلکہ کسی اور دنیوی کاروبار کے لئے ضرورت ہے، یا روپیہ بغیر سود کے مل سکتا ہے، یا جائیداد فروخت ہو سکتی ہے تو پھر سود پر قرض لینا جائز نہیں، کبیرہ گناہ ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۹/۱۰/۵۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۳۰/ شوال/ ۵۶ھ۔

سرکاری سودی قرضہ

سوال[۷۴۹۶]: ۱۔۔۔ زید کاشتکار ہے اور اپنے بیل بیچ سے کاشت کرتا ہے، اچانک اس کے بیل مرجاتے ہیں اور وہ اپنے پاس سے بیل خرید سکنے کی گنجائش نہیں پاتا، لہٰذا اس کو بیلوں کے لئے سودی قرض لینا کیسا ہے؟

۲۔۔۔ زید کاشتکار کے یہاں خشک سالی کئی سالوں سے پیداوار بہت ہی کم ہوتی ہے، حتیٰ کہ گھریلو اخراجات کے لئے اس کو قرض لینے کی نوبت آگئی، حالانکہ وہ اتنی زمین رکھتا ہے کہ اگر آبپاشی وغیرہ کا معقول

---

(۱) "ويجوز للمحتاج الاستقراض بالربح". (الأشباه والنظائر، ص: ۹۳، الفن الأول، في القاعدة السادسة، قديمي)

"الضرورات تبيح المحظورات، ومن ثم جاز أكل الميتة عند المخمصة وإساغة اللقمة بالخمر والتلفظ بكلمة الكفر للإكراه". (الأشباه والنظائر مع شرحه للحموي، ص: ۱۸۴، الفن الأول، القاعدة الخامسة، قديمي)

(وكذا في شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۲۹، (رقم المادة: ۲۱)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"الحاجة تنزل منزلة الضرورة عامة أو خاصة". (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۳۳، (رقم المادة: ۳۲)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿إنما حرم عليكم الميتة والدم ولحم الخنزير وما أهل لغير الله به، فمن اضطر غير باغ ولا عاد، فإن الله غفور رحيم﴾ (سورة النحل: ۱۱۵)

انتظام ہو سکے تو خاص پیداوار ہوسکتی ہے۔ چونکہ آبپاشی کا انتظام نہیں، بہتریں بنا زمین افتادہ رہ جاتی ہے، اور پوری زمین نہیں بو سکتے ہیں، زمین کے علاوہ زید کوئی ذریعۂ آمدنی نہیں رکھتا ہے جس سے اس کا کام چل سکے۔ ایسی مجبوری میں آبپاشی کی غرض سے سرکار سے قرض لینا کیسا ہے؟ جبکہ اس میں سود بھی دینا ہوگا اور کبھی کبھی اصل قرض سے کم و بیش چھوٹ بھی مل جاتی ہے جس کی وجہ سے سود کا اضافہ اور چھوٹ کی کمی مل کر وصول ہونے والا قرض اصل قرض کے برابر ہو جاتا ہے، لیکن یہ شکل ہمیشہ نہیں ہوتی؟

۳ سوسائٹی کے بینک (جس میں فیس ممبری جمع کر کے حصہ دار بننا پڑتا ہے اور اس میں صرف حصہ داری کو قرض دیا جاتا ہے) سے قرض لینا اور پیداوار کی ترقی کے لئے ایک علیحدہ شعبہ قائم کیا ہے، حصہ دار بننے کی کوئی صورت نہیں بلکہ سرکار سے براہ راست یا اور کسی شخص خاص سے سودی قرض لینا کیسا ہے؟ تینوں شکلیں یکساں ہیں، یا کوئی فرق ہے، جبکہ معاملہ سود ہر ایک میں ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

۱-۲-۳ ... پہلی دونوں صورتوں میں سودی قرض لینے کی گنجائش نہیں ہے، البتہ اگر انسان کے پاس کھانے پینے کو کچھ نہ ہو اور بے حد درجہ تنگ پریشانی ہو اور بلا سود قرض نہ ملتا ہو تو بقدر ضرورت سودی قرض لینے کی گنجائش ہے، ہر حالت میں خداوند قدوس کی طرف متوجہ ہونے کی ضرورت ہے، اسی پر بھروسہ کرنا چاہئے۔ "یجوز للمحتاج الاستقراض بالربح" کذا فی الأشباہ والنظائر، ص: ۱۱۵ (۱)۔

---

(۱) (الأشباه والنظائر، ص: ۹۳، الفن الأول، قبيل القاعدة السادسة، قديمي)

"وفي القنية من الكراهية: يجوز للمحتاج الاستقراض بالربح" (البحر الرائق، كتاب البيع، باب الربا: ۲۱۱/۶، رشيديه)

"وإذا كانت هناك ضرورة أو حاجة ملحة تقتضيه معطي الفائدة أن يلجأ إلى هذا الأمر، فإن الإثم في هذه الحالة يكون على آخذ الربا (الفائدة) وحده وهذا بشرط أن تكون هناك ضرورة أو حاجة ملحة لا مجرد توسع في الكماليات أو أمور يستغنى عنها ... ومن ناحية أخرى، عليه أن يستنفد كل طريقة للخروج من مأزقه المادي، وعلى إخوانه المسلمين أن يعينوه على ذلك، فإن لم يجد وسيلة إلا هذه الطريقة فليقدم عليه غير باغ ولا عاد، فإن الله غفور رحيم". (الحلال والحرام في الإسلام ليوسف القرضاوي: "من كل الربا وكاتبه"، ص: ۲۱۹، المكتب الإسلامي، بيروت)

۳...... کسی سوسائٹی بینک (جس سے قرض لینے کے لئے ممبری فیس دینا ضروری ہو) سے قرض لینا درست نہیں، "کل قرض جر نفعاً فهو حرام"(۱)۔ اور سودی لین دین ممنوع وحرام ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/۹/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/۴/۸۸ھ۔

سرکاری سودی قرض

سوال[۷۴۰۸]: ۱...... حکومت چند بطور قرضہ کے کچھ روپیہ رقم تجارت وغیرہ کے سلسلہ میں قرض خواہ کو دیتی ہے، پھر حکومت اس روپیہ کی واپسی کے لئے قسط مقرر کر لیتی ہے اور اصل روپیہ سے کچھ زائد لیتی ہے۔ پس ایسی صورت میں ہم مسلمانوں کو لینا چاہئے یا نہیں؟ اور حکومت سے لین دین روپیہ کا اس صورت میں کیسا ہے؟

باہمی سودی فنڈ

سوال[۷۴۰۹]: ۲...... ہم چند نوجوانوں نے ایک فنڈ آپس میں جمع کر کے کھول رکھا ہے، چنانچہ اس فنڈ کے ماتحت بہت سے سامان خریدے جاتے ہیں، مگر اس کے فروخت کی نوبت تک ٹھیک ہے، مگر ادھار کا سلسلہ یوں ہے کہ جو سامان لیتا ہے اس سے ایک ماہ کی، دو ماہ کی مدت متعین کر لی جاتی ہے۔ اب اگر وہ شخص اس متعینہ مدت میں روپیہ نہیں دیتا ہے تو ذمہ داران فنڈ متعینہ مدت کی رقم میں اضافہ کر کے لیتے ہیں۔ تو کیا ایسی صورت میں جائز ہے؟

= (وكذا في شرح المجلة للأتاسي: ۱/۱۹۵، مكتبه حبيبيه كوئٹه)

(۱) (الأشباه والنظائر، الفن الثاني، كتاب المداينات، ص: ۲۵۷، قديمي)

"قال عليه الصلاة والسلام: "كل قرض جر منفعة فهو ربا" الحرث عن علي رضي الله تعالى عنه".

(فيض القدير، (رقم الحديث: ۶۳۳۶)، ۹/۴۶۲۸، مكتبه نزار مصطفى الباز رياض)

(۲) قال الله تعالى: ﴿وأحل الله البيع وحرم الربوا﴾ (سورة البقرة: ۲۷۵)

ایضاً

سوال [۶۴۳۰]: ۱… ہم کپڑے سازی کا کاروبار کرتے ہیں اور مہاجنوں (۱) کے یہاں سے سوت ادھار لاتے ہیں اور ادھار ونقد میں بڑا فرق ہوتا ہے، مثلاً نقد ۵۰/ روپیہ کا ملے گا اور اگر ادھار لینا ہے تو وہی سوت ۶۰/ روپیہ کا ملتا ہے۔ بہرحال جو حضرات نقد لاتے ہیں، وہ گھر لاکر پھر گاہکوں کو ادھار کا دام رکھ کر فروخت کرتے ہیں، یا نقد لے کر گھر کے کسی آدمی کے نام بھی ادھار فروخت کردیتے ہیں اور گاہکوں کو ایک اصول کے مطابق نفع رکھ کر دیتے ہیں، ایسی صورت جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱… یہ سود ہے اور سود کا لینا بھی حرام ہے، دینا بھی حرام ہے (۲) جس کا گذارہ بغیر اس قرض کے ہوسکتا ہے وہ ہرگز قرض نہ لے۔

۲… سامان کی دو قیمتیں تجویز کرلی جاویں: ایک نقد کی، دوسری ادھار کی، پھر خریدار سے دریافت کیا جائے کہ آپ کس طرح خریدیں گے نقد یا ادھار، پھر جو صورت وہ بتائے اس کے موافق اس کو قیمت بتادی جائے اور ادھار کی صورت میں مدت متعین کرلی جائے (۳)۔ اگر خریدار اس مدت میں قیمت نہ دے تو اس پر

---

(۱) "مہاجن: ساہوکار، سود گری" (فیروز اللغات، ص: ۱۳۲۰، فیروز سنز لاہور)

(۲) "عن أبي سعيد الخدري رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "الذهب بالذهب والفضة بالفضة والبر بالبر والشعير بالشعير والتمر بالتمر والملح بالملح، مثلاً بمثل، سواءً بسواء، يداً بيد، فمن زاد أو استزاد فقد أربى، الآخذ والمعطي فيه سواء". (مشكوة المصابيح، ص: ۲۴۴، باب الربا، الفصل الأول، قديمي)

"ما حرم أخذه، حرم إعطاءه … فأخذ الرشوة ممنوع كإعطائها، ومثل ذلك الربا". (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۳۳، (رقم المادة: ۳۴)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"ما حرم أخذه حرم إعطاءه … كالربا". (الأشباه والنظائر، ص: ۱۵۵، الفن الأول، القاعدة الرابعة عشر، قديمي)

(۳) "البيع مع تأجيل الثمن وتقسيطه صحيح، يلزم أن تكون المدة معلومة في البيع بالتأجيل والتقسيط". (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۴۴، (رقم المادة: ۲۴۵، ۲۴۶)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

اضافہ کیا جائے، اس طرح درست ہے، ورنہ سود ہوکر معاملہ ناجائز ہوجائے گا(۱)۔

۳... نمبر: ۲ سے اس کا جواب واضح ہے، ادھار کی مدت کے اعتبار سے قیمتوں میں تفاوت جائز ہے، مگر اس کی صورت بھی یہی ہے کہ خریدار سے دریافت کرلی جائے کہ کتنی مدت میں قیمت دیگا، اس کے اعتبار سے قیمت جاری کی جائے (۲)، اس میں اگر تاخیر ہو تو قیمت میں اضافہ نہ کیا جائے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند، ۹۰/۱/۸ھ۔

ایک روپیہ قرض دیکر ۱/۸ آنہ واپس لینا

سوال[۷۹۳۱]: زید بکر کو ایک روپیہ انتفاع کے لئے بعوض ایک سال قرض دیتا ہے، لیکن بکر سے

= "لأن للأجل شبهاً بالمبيع، ألا يرى أنه يزاد في الثمن لأجل الأجل". (الهداية: ۷۲/۳، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية، امداديه ملتان)

(وكذا في البحر الرائق: ۱۱۳/۶، كتاب البيع، باب المرابحة والتولية، رشيديه)

(۱) "عن أبي سعيد الخدري رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "الذهب بالذهب، والفضة بالفضة، والبر بالبر، والشعير بالشعير، والتمر بالتمر، والملح بالملح، مثلاً بمثل، سواءً بسواء، يداً بيد، فمن زاد أو استزاد فقد أربى، الآخذ والمعطي فيه سواء". (مشكوة المصابيح، ص: ۲۴۴، باب الربا، الفصل الأول، قديمي)

"ما حرم أخذه، حرم إعطاؤه فأخذ الرشوة ممنوع كإعطائها، ومثل ذلك الربا".

(شرح المجلة، ص: ۳۳، (رقم المادة: ۳۴)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"ما حرم أخذه حرم إعطاؤه ...... كالربا". (الأشباه والنظائر، ص: ۱۵۵، الفن الأول، القاعدة الرابعة عشر، قديمي)

(۲) "وإذا عقد العقد على أنه إلى أجل كذا بكذا، وبالنقد بكذا، أو قال: على أنه إلى شهر بكذا وإلى شهرين بكذا، فهو فاسد؛ لأنه لم يعاطه على ثمن معلوم، ولنهي النبي صلى الله عليه وسلم عن شرطين في بيع، وهذا هو تفسير الشرطين في بيع، ومطلق النهي يوجب الفساد في العقود الشرعية. وهذا إذا افترقا على هذا، فإن كان يتراضيان بينهما ولم يتفرقا حتى قاطعه على ثمن معلوم وأتما العقد عليه، فهو جائز". (المبسوط للسرخسي: ۸/۱۳، باب البيوع الفاسدة، دار المعرفة بيروت)

روپیہ مقروضہ وصول کرنے کے وقت بجائے ایک روپیہ کے اٹھارہ آنہ پیسے لیتا ہے۔ اب مطلب امر یہ ہے کہ صورتِ مرقومہ شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ تسلی بخش جواب مع دلائل ارقام فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ سود ہے لہٰذا حرام ہے: ﴿وأحل الله البيع وحرم الربوا﴾ (الآية)(۱)۔ "كل قرض جر نفعاً حرام"(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۸/۱۲/۵۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۱۸/ذی الحجہ/۵۸ھ۔ صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم۔

مال فروخت کرنے پر کچھ پابندی لگانا:

سوال [۷۴۳۲]: کپڑا بننے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ بنانے والا سوت (۳) دو، کچھ روپے لے کر کے

---

(۱) (سورة البقرة: ۲۷۵)

(۲) (الأشباه والنظائر، الفن الثاني، كتاب المداينات، ص: ۲۵۷، قديمي)

"قوله عليه السلام: "كل قرض جر منفعة فهو ربا". الحارث عن علي رضي الله تعالى عنه" (فيض القدير، ۹/۴۲۸۷، (رقم الحديث: ۶۳۳۶)، مكتبة نزار مصطفى الباز رياض)

"القرض بالشرط حرام، والشرط لغو، بأن يقرض على أن يكتب به إلى بلد كذا، ليوفي دينه. وفي الأشباه: كل قرض جر نفعاً حرام". (الدر المختار، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية، فصل في القرض: ۵/۱۶۶، سعيد)

"عن علي أمير المؤمنين مرفوعاً: "كل قرض جر منفعة فهو ربا". "وعن عطاء قال: كانوا يكرهون كل قرض جر منفعة" (إعلاء السنن: ۱۴/۴۹۸، ۵۰۰، كتاب الحوالة، إدارة القرآن كراچی)

"محمد قال: أخبرنا أبو حنيفة عن حماد عن إبراهيم رحمهم الله تعالى قال: "كل قرض جر منفعة، فلا خير فيه". (كتاب الآثار، ص: ۱۷۰، باب القرض، سعيد)

"وعن أنس رضي الله تعالى عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "إذا أقرض الرجل الرجل، فلا يأخذ هدية". (مشكوة المصابيح، ص: ۲۴۶، باب الربوا، الفصل الثالث، قديمي)

(۳) "سوت: کاتا ہوا دھاگا، کتا ہوا سوت، کچے دھاگے کا ڈورا"۔ (فیروز اللغات، ص: ۸۱۶، فیروز سنز لاہور)

دیتا ہے اور تیار ہونے والے مال کو اپنی دوکان پر لانے کی پابندی عائد کرتا ہے، اور دوسری قسم کی پابندی میں بھی کوئی کسر باقی نہیں رکھتا، مثلاً سوت کو رنگ بھراتا، یا کسی دوسرے کے یہاں مال نہ بھرا جائے، لہٰذا سوت کی جب بکری کر کے دیتا ہے تو اس طرح کی پابندی کہاں تک صحیح ہے؟ بہر کیف سوت رنگاتے رنگاتے روپیہ بڑھ جاتا ہے۔ چونکہ ادھار ہماری طرف زیادہ ہوتا ہے، تو اس میں کمیشن ملتا ہے، بعد میں اس کمیشن کو وہی سوت فروخت کرنے والا لیتا ہے۔

نیز ساڑیاں کر کے جب حرز ور لاتا ہے (۱) اور وہی سوت بیچنے والا دلال اس کو بھی بازار میں فروخت کرتا ہے جس میں پلاسٹک کی تھیلی لگی ہے، اس کی قیمت بازار میں پانچ پیسہ ہے، مگر وہ دس پیسہ رکھتا ہے۔ کیا یہ صورت کہاں تک جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب سوت فروخت کیا اور روپیہ قرض دے دیا تو ان پابندیوں کا حق نہیں (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۴/۱۴۰۹ھ۔

حفاظت کے لئے بینک میں روپیہ رکھنا

سوال [۷۶۲۴]: ایک شخص متولی اس خیال سے کہ شریعت اسلام میں اس چیز کی ممانعت ہے کہ کسی بینک میں روپیہ جمع کیا جائے، روپیہ اپنے پاس رکھتا ہے، کچھ لوگ کہتے ہیں کہ موجودہ لوگوں سے بینک میں رکھنا بہتر ہے۔ اس میں کیا صحیح ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بہتر یہ ہے کہ بینک میں روپیہ داخل نہ کیا جائے، اگر اور کوئی صورت نہ ہو تو بدرجۂ مجبوری بینک میں بھی

---

(۱) "ساڑیاں کرنا: جمع ہے ساڑی کی، ایک قسم کی لمبی دھوتی، جسے عورتیں آدھی باندھتی اور آدھی اوڑھتی ہیں"۔ (فیروز اللغات، ص: ۷۱۴، فیروز سنز لاہور)

(۲) "لا یمنع أحد من التصرف في ملكه أبداً، إلا إذا أضرّ بغيره ضرراً فاحشاً"۔ (شرح المجلة، ص: ۶۵۴، رقم المادة: ۱۱۹۷، مکتبہ حنفیہ کوئٹہ)

روپیہ داخل کرنا جائز ہے بشرطیکہ وہاں روپیہ ضائع ہونے کا اندیشہ نہ ہو(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

مسلم بینک کا قیام اور اس کی آمدنی

سوال [۶۱۳۳]: ۱..... یہاں پر مسلم تاجر حضرات صرف مسلمانوں ہی سے لین دین کی غرض سے اپنا خاص مسلم بینک قائم کرنا چاہتے ہیں۔ اور جس طرح مسلم فنڈ کے اندر دیوبند وغیرہ میں ہر ایک سو روپیہ پر ایک فارم کی قیمت مقرر ہے کہ روپیہ لینے والے کو پہلے فارم قیمتاً خریدنا پڑتا ہے، تو اس طرح پر یہاں مسلم بینک میں اگر فارم کی قیمت متعین کی جائے تو یہ کیسا ہے؟ مسلم بینک میں صرف ضمانت پر بلا سود روپیہ دیا جائے گا۔

۲..... مسلم بینک کے حصہ دار اس کی آمدنی کو اپنے استعمال میں لا سکتے ہیں یا اس کی آمدنی کو صرف دینی و مذہبی کاموں میں خرچ کر دیا جائے؟

---

(۱) "قال النبي صلى الله تعالى عليه وسلم: "دع ما يريبك إلى لا ما يريبك" (فيض القدير، رقم الحديث: ۴۲۱۱–۴۲۱۳، ۳۲۵/۳–۳۲۷، مكتبة نزار مصطفى الباز رياض)

"ولا بأس بأن يؤاجر المسلم دار أمن الذمي ليسكنها، فإن شرب فيها الخمر أو عبد فيها الصليب أو أدخل فيها الخنازير، لم يلحق المسلم إثم في شيء من ذلك؛ لأنه لم يؤاجرها لذلك، والمعصية في فعل المستأجر، وفعله دون قصد رب الدار، فلا إثم على رب الدار في ذلك". (المبسوط للسرخسي، كتاب الإجارات، باب الإجارة الفاسدة: ۳۹/۱۶، مكتبه حبيبيه)

"الحاجة تنزل منزلة الضرورة، عامة كانت أو خاصة، ولهذا جوزت الإجارة على خلاف القياس للحاجة". (الأشباه والنظائر، ص: ۹۳، القاعدة الخامسة، الفن الأول، قديمي كراچي)

"المشقة تجلب التيسير، والأصل فيها قوله تعالى: ﴿يريد الله بكم اليسر ولا يريد بكم العسر﴾ (الأشباه والنظائر، ص: ۷۵، القاعدة الرابعة، الفن الأول، قديمي كراچي)

"الحاجة تنزل منزلة الضرورة عامة أو خاصة..... ومنه تجويز بيع السلم مع أنه بيع المعدوم..... ومنه تجويز الاستئجار على الطاعات بالطل قياساً لجوزه للحاجة استحساناً".

(شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۳۳، رقم المادة: ۳۲، مكتبه حنفيه كوئٹه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱- ضمانت کے بغیر بھی بلاسود قرض لینا درست ہے، ایک روپیہ کا فارم خریدنا سود میں داخل نہیں(۱)۔

۲- آمدنی کی کیا صورت ہے جبکہ وہاں سود نہیں لیا جاتا، جتنا روپیہ وہاں سے کسی نے قرض لیا ہے اتنا ہی واپس کرے گا، اور ایک روپیہ کا فارم ملتا ہے بلکہ مزید کچھ خرچ کرتا ہوگا، پھر آمدنی کی کیا صورت ہے جس کے استعمال کرنے کا سوال ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۵/۸۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۵/۸۲ھ۔

مسلم فنڈ کی رقوم کو بینک یا ڈاکخانہ میں رکھنا

سوال [۶۹۳۵]: ضلع بجنور کے چند دوستوں نے جمعیۃ علمائے ہند کے شائع شدہ تعمیری پروگرام کی روشنی میں اور مسلم فنڈ دیوبند کی طرز پر ایک مسلم فنڈ قائم کیا ہے، اس میں داخل شدہ تمام رقوم امانت کی حفاظت کا فی الحال کوئی ذریعہ نہ ہونے کی وجہ سے اراکین مسلم فنڈ نے مشورہ کر کے ڈاکخانہ میں یہ رقوم جمع کرنے کو پاس بک کھلوالی ہے، منتظمین کا ارادہ ہے کہ جب فنڈ کی آمدنی معتد بہ ہوگی تو اس کی حفاظت کا انتظام بھی اپنے طور پر کر لیا جائے گا۔ اس پر بعض ممبران کا اعتراض ہے کہ رقوم امانت کا ڈاکخانہ یا بینک وغیرہ میں جمع کرنا جائز نہیں، "چونکہ گورنمنٹ ان رقوم کے اندر تصرف کرتی ہے اور امانت کے اندر تصرف جائز نہیں ہے" یہی قابل اعتراض ہے۔

---

(۱) "﴿وأحل الله البيع وحرم الربوا﴾" (البقرة: ۲۷۵)

"لأن الربوا هو الفضل المستحق لأحد المتعاقدين في المعاوضة الخالي عن عوض شرط فيه". (الهداية: ۳/۸۰، باب الربوا، مكتبه شركت علميه ملتان)

"وهو في الشرع عبارة عن فضل مال لا يقابله عوض في معاوضة مال بمال". (الفتاوى العالمكيرية، الباب التاسع، الفصل السادس في تفسير الربوا: ۳/۱۱۷، رشيديه)

"فهو زيادة أحد البدلين المتجانسين من غير أن يقابل هذه الزيادة عوض". (الفقه على المذاهب الأربعة: ۲/۲۴۵، مبحث الربوا، دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ رقوم امانت بغرض حفاظت کرنٹ اکاؤنٹ یا کسی بھی رجسٹرڈ بینک میں جمع کیا جائے تو شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟ نیز واضح رہے کہ یہ مسلم فنڈ شائع شدہ دستور العمل کے ص ۳ پر کالم بعنوان "سرمایہ" یہ عبارت مرقوم ہے "مسلم فنڈ دیوبند کا سرمایہ خزانہ دارالعلوم اور کسی بھی رجسٹرڈ بینک میں محفوظ رہے گا"۔ اس معاملہ میں شرعی حکم سے مطلع فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

امانت عموماً دو قسم کی رکھی جاتی ہے: ایک نوٹ کی شکل میں، دوسری سونے، چاندی یا زیور کی شکل میں۔ دوسری قسم کو تو بعینہ محفوظ رکھا جاتا ہے، اس میں تصرف نہیں کیا جاتا۔ پہلی قسم میں تصرف کیا جاسکتا ہے(1)۔ آپ مسلم فنڈ سے براہ راست تحقیق کرلیں کہ اس کا کون سا سرمایہ خزانہ دارالعلوم یا رجسٹرڈ بینک میں محفوظ رہتا ہے۔ یہ ظاہر بات ہے کہ امانت کو بعینہ محفوظ رکھنا ضروری ہے(2)، اس میں تصرف جائز نہیں(3)۔ ہاں! اگر اصل

---

(1) "لا يتعين الثمن بالتعيين في العقد مثلاً: لو أرى المشتري البائع ذهباً مجيدياً في يده، ثم اشترى بذلك الذهب شيئاً لا يجبر على أداء ذلك الذهب بعينه، بل له أن يعطي البائع ذهباً مجيدياً من ذلك النوع غير الذي أراه إياه.

يراد بالعقد عقد المعاوضة كالبيع والإجارة أو ما عداهما من العقود كالإيداع والشركة، فتتعين فيه النقود بالتعيين، فلو أودع رجلاً عشرين ذهباً عثمانياً، لزم الوديع أن يرد هذه الذهبات عينها". (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۱۴۳، (رقم المادة: ۲۴۳)، مكتبة حنفية كوئته)

"أحكام النقد: لا يتعين في المعاوضات ... ولا يتعين في المهر والوكالة قبل التسليم، وأما بعده فالعادة كذلك، ويتعين في الأمانات والهبة والصدقة والشركة". (شرح الأشباه والنظائر: ۳/۵۲، أحكام النقد وما يتعين فيه، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في رد المحتار: ۵/۱۵۳، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية، سعيد)

(2) "عن عبد الله بن عمرو رضي الله تعالى عنهما، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "أربع من كن فيه كان منافقاً خالصاً، ومن كانت فيه خصلة منهن كانت فيه خصلة من النفاق حتى يدعها: إذا اؤتمن خان، وإذا حدث كذب، وإذا عاهد غدر، وإذا خاصم فجر". (مشكوة المصابيح، كتاب الإيمان، باب الكبائر وعلامات النفاق، الفصل الأول، ص: ۱۷، قديمي)

قال الملا علي القاري رحمه الله تعالى: "إذا اؤتمن" - بصيغة المجهول للمفعول - أي وضع عنده أمانة "خان" أي بالتصرف الغير الشرعي". (مرقاة المفاتيح: ۱/۲۹۲، كتاب الإيمان، رشيدية)

(3) "لا يجوز لأحد أن يتصرف في ملك غيره بلا إذنه، أو وكالة منه، أو ولاية عليه، وإن فعل كان

مالک اجازت دیدے تو تصرف درست ہے، پھر یہ امانت نہیں رہے گی بلکہ اس کو قرض کہا جائے گا (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۸/۵/۹۲ھ۔

= ضمناً (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۲۱، (رقم المادة: ۹۶)، مكتبه حنفيه كوئته)

"ليس لأحد أن يأخذ مال غيره بلا سبب شرعي". (شرح المجلة، ص: ۶۱، (رقم المادة: ۹۷)، مكتبه حنفيه كوئته)

(۱) "وعارية الدراهم والدنانير والفلوس قرض؛ لأن الإعارة إذن في الانتفاع، ولا يتأتى الانتفاع إلا باستهلاك عينها، فيصير مأذوناً في ذلك". (المبسوط للسرخسي: ۱۱/۱۴۵، كتاب العارية، مكتبه غفاريه كوئته)

"إذا استعار الدراهم فقال له: أعرتك دراهمي هذه، كان بمنزلة أن يقول: أقرضتك، وكذلك كل مكيل وموزون؛ لأن الإعارة تمليك المنفعة، ولا يمكن الانتفاع إلا باستهلاك عينها، فكان ذلك تمليكاً للعين اقتضاءً، وتمليك العين إما بالهبة أو بالعرض والقرض أدناهما". (العناية شرح الهداية على هامش فتح القدير: ۹/۱۳، كتاب العارية، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في رد المحتار: ۵/۶۸۰، كتاب العارية، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۷/۴۸۰، كتاب العارية، رشيديه)

"وعارية الثمنين والمكيل والموزون والمعدود قرض". (البحر الرائق: ۷/۴۸۰، كتاب العارية، سعيد)

"عارية الثمنين والمكيل والموزون والمعدود والمتقارب عند الإطلاق قرض ضرورة استهلاك عينها، فيضمن المستعير بهلاكها". (رد المحتار: ۵/۶۸۱، كتاب العارية، سعيد)

"وعارية الثمنين والمكيل والموزون والمعدود قرض؛ لأن الإعارة إذن في الانتفاع بها، ولا يتأتى الانتفاع بهذه الأشياء إلا باستهلاك عينها، ولا يملك الاستهلاك إلا إذا ملكها، فاقتضت تمليك عينها ضرورةً، وذلك بالهبة أو بالقرض، والقرض أدناهما ضرراً، لكونه يوجب رد المثل، ولأن العارية توجب رد العين، والقرض يوجب رد المثل، وهو يقوم مقام العين". (تبيين الحقائق: ۶/۲۰۳، كتاب العارية، دار الكتب العلمية بيروت)

مسلم فنڈ سے متعلق تحقیق

سوال [۷۹۳۱] : باسمہ سبحانہ تعالیٰ :

حضرت اقدس دامت برکاتہم ! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

آج کل جابجا مسلم فنڈ کا قیام ہوتا جارہا ہے، جمعیۃ العلماء کے پروگراموں میں اس کو بھی شامل کیا گیا ہے، دیوبند مسلم فنڈ کا قیام حضرت مولانا اسعد صاحب کی سرپرستی میں اور لکھنؤ والے بریلی میں حضرت مولانا علی میاں صاحب کی سرپرستی میں ہے اور جابجا اسی طرح ہوتا جارہا ہے۔

دیوبند مسلم فنڈ کے کسی پروگرام کے موقع پر آپ کے اردگرد مدرسے کے بہت سے مدرسین وعلماء جمع ہو گئے تھے، اس وقت آنجناب نے یہ فرمایا تھا کہ ایک فتویٰ میں نے لکھا ہے اس کو دیکھ لو، پھر سوال کرو میں جواب دوں گا، اس وقت سارے لوگوں کے سوال کا جواب دینا مشکل ہے۔ حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب بجنوری نے بار بار آپ کے پاس جاکر سوال کئے جس کو انہوں نے آکر بتلایا اور اخیر میں کہا کہ اب مجھ کو اطمینان ہو گیا۔

یہاں بھی مسلم فنڈ قائم ہے، آپ حضرات کے اس پروگرام کی ہمت افزائی کی وجہ سے ہم لوگوں کو شرح صدر رہا کہ جائز ہے، لیکن اسی دوران کچھ لوگوں نے بہار امارت شرعیہ اور دارالعلوم دیوبند مفتی احمد علی سعید صاحب سے فتویٰ منگائے جس میں ناجائز ہونے کا فتویٰ دیا گیا اور حضرت مولانا مفتی نظام الدین صاحب مدظلہ کا لکھا ہوا فتویٰ جس پر حضرت والا کے دستخط ہیں، اس میں جائز کہا گیا، تینوں فتاویٰ منسلک ہیں۔ مسلمانوں کے اس ملی کام کے لئے دفتر کا قیام، ملازمین کی تنخواہ اور دیگر مصارف ضروری ہے۔ اگر فارم یا معاہدہ نامہ کی قیمت دفتری ضرورت کے موافق نہ رکھی جائے بلکہ کم رکھی جائے تو کام چلنا مشکل ہے۔ اس لئے اس کا لحاظ رکھتے ہوئے فتویٰ صادر فرمایا جائے۔

سوالات مندرجہ ذیل ہیں:

۱......قرض کے فارم، معاہدہ نامہ کی قیمت، ملازمین کی تنخواہ اور دیگر دفتری مصارف کے لحاظ رکھنا جائز ہے یا نہیں؟

۲......قرض کی مدت ختم ہونے پر فارم قرض، معاہدہ نامہ کی تجدید اور اس کی از سر نو قیمت لینا جائز

ہے یا نہیں؟

۳... قرض کی میعاد ختم ہونے پر ایک رونوٹس کے بعد راہن کی مرضی ہو یا نہ ہو بقدرِ قرض شیٔ مرہون کی فروختگی جائز ہے یا نہیں؟ ضروری بات یہ ہے کہ معاہدہ نامہ میں اس کی صراحت ہوتی ہے کہ "میعاد پر قرض نہ ادا کرنے کی صورت میں زیور فروخت کردیا جائے گا"۔

۴... فارم، قرض، معاہدہ نامہ کی قیمت قرض دیتے وقت وضع کرلیا جائے یا وہ اپنے پاس سے ادا کرے؟

۵... فارم ومعاہدہ نامہ کی قیمت سے حاصل شدہ رقم جو دفتری خرچ اور ضروریات مصارف سے بچ جائے۔ اس کا مصرف کیا ہے؟ صرف فقراء پر اس کا صدقہ ضروری ہے یا مسلمانوں کے دیگر ملی کاموں میں صرف کیا جاسکتا ہے؟

۶... قرض حاصل کرنے والے کی جو رقم مسلم فنڈ میں کسی دوسری قسط امانت وغیرہ میں جمع ہے، اگر مستقرض یہ چاہتا ہے کہ میرا قرض اس مد سے وضع کرلیا جائے اور میری مرہونہ شیٔ مجھے واپس کردی جائے، فروخت نہ کی جائے۔ تو اس صورت میں شیٔ مرہونہ کی فروختگی جمع شدہ رقم سے وضع کے بغیر جائز ہے کہ نہیں؟

۷... شیٔ مرہونہ پر قرض کی میعاد گذرنے کے بعد کرایہ کے طور پر کوئی رقم قرض گیرندہ سے وصول کرنا کیسا ہے؟ شیٔ مرہونہ کی حفاظت کا خرچہ کس کے ذمہ ہے، مسلم فنڈ پر یا مستقرض پر؟

۸... مسلم فنڈ چلانے والے سودی لین دین سے مسلمانوں کی بچانے کی نیت رکھیں، یا اس سے حاصل شدہ آمدنی سے مسلمانوں کے رفاہی کاموں کو زیادہ سے زیادہ درجے کی نیت رکھیں، دونوں نیتوں میں سے کس کو اصل بنائیں؟

احرار الحق، بہرائچ۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

مکرمی زید احترامہ سلام مسنون!

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس طرح ربا کی حرمت منصوص ہے، بیع مطلق کی حلت بھی منصوص ہے، قال اللہ تعالیٰ ﴿واحل اللہ

البیع وحرم الربوا﴾ الآیۃ (۱)۔

معاملۂ سود کرنے کے سلسلہ میں متعدد اشخاص پر لعنت آئی ہے جیسا کہ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے:

"قال: لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آکل الربوا وموکلہ وکاتبہ وشاہدیہ، وقال: "ھم سواء". رواہ مسلم"۔

یہ روایت مشکوۃ شریف، ص: ۲۴۴ میں موجود ہے (۲)۔

دوسری روایت میں سود کے ایک درہم کو چھتیس مرتبہ زنا کرنے سے بدترین فرمایا ہے (۳)۔ ایک روایت میں اپنی ماں سے بدفعلی کرنے کے برابر بتایا گیا (۴)۔ اس لئے مسلمانوں کو سودی کاروبار لین دین کرنے کے پاس بھی نہیں جانا چاہیے۔ سود حاصل کرنے کی نیت سے حیلہ اختیار کرنا بھی ممنوع ہے، لیکن سود سے بچنے کی نیت سے جائز تدبیر اختیار کرنا بھی درست ہے (۵)۔ جو شخص صرف خوفِ خدا کے پیشِ نظر حرام سے بچتا

(۱) (سورۃ البقرۃ: ۲۷۵)

(۲) (مشکوۃ المصابیح، ص: ۲۴۴، باب الربا، الفصل الأول، قدیمی)

(۳) "عن عبد اللہ بن حنظلۃ غسیل الملائکۃ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "درھم ربوا یأکلہ الرجل وھو یعلم أشد من ستۃ وثلثین زنیۃ". (مشکوۃ المصابیح، ص: ۲۴۶، باب الربوا، الفصل الثالث، قدیمی)

(۴) "عن أبی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "الربوا سبعون جزءً، أیسرھا أن ینکح الرجل أمہ". (مشکوۃ المصابیح، المصدر السابق)

(۵) "إن کل حیلۃ یحتال بھا الرجل لإبطال حق الغیر، أو لإدخال شبھۃ فیہ، أو لتمویہ باطل، فھی مکروھۃ. وکل حیلۃ یحتال بھا الرجل لیتخلص بھا عن حرام، أو لیتوصل بھا إلی حلال، فھی حسنۃ". (الفتاوی العالمکیریۃ: ۶/۳۹۰، الفصل الأول فی بیان جواز الحیل وعدم جوازھا، رشیدیہ)

"فالحاصل أن ما یتخلص بہ الرجل من الحرام، أو یتوصل بہ إلی الحلال من الحیل، فھو حسن، وإنما یکرہ ذلک: أن یحتال فی حق الرجل حتی یبطلہ، أو فی باطل حتی یموھہ، أو فی حق یدخل فیہ شبھۃ، فما کان علی ھذا السبیل، فھو مکروہ". (المبسوط للسرخسی: ۳۰/۲۳۰، کتاب الحیل، مکتبہ غفاریہ کوئٹہ)

چاہتا ہو، اللہ تعالیٰ اس کے لئے مخرج بنادیتے ہیں: ﴿ومن یتق اللہ یجعل لہ مخرجاً﴾(۱)۔

عقودِ مالیہ میں احد العاقدین کو کچھ زیادتی حاصل ہو جائے اگرچہ مثلیات ہی میں ہو، اس میں بھی دو صورتیں ہیں: کبھی وہ زیادتی حرام ہوتی ہے اور کبھی وہ حلال۔

حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اعلیٰ قسم کی کھجوریں لائی گئیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا: "کیا وہاں کی سب کھجوریں ایسی ہی ہوتی ہیں؟" عرض کیا گیا نہیں، دو صاع یہ معمولی کھجوریں دے کر ایک صاع اعلیٰ کھجوریں لی جاتی ہیں، ارشاد فرمایا: "اوہ! اوہ! یہ تو سود ہے"(۲)۔

حدیث مشہور میں چھ چیزوں کو ذکر فرمایا گیا "مثلاً بمثل، یداً بید، والفضل ربا" ان میں کھجوریں بھی آئی ہیں(۳)۔

---

(۱) سورة الطلاق: ۲/

(۲) "عن یحییٰ بن حسان قال: ثنا معاویة - وھو ابن سلام - قال: أخبرنی یحییٰ وھو ابن أبی کثیر قال: سمعت عقبة بن عبد الغافر یقول: سمعت أبا سعید یقول: جاء بلال بتمر برنی، فقال له رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم: "من أین ھذا؟" فقال بلال: تمر کان عندنا ردیٌّ فبعت منه صاعین بصاع لنطعم النبی صلی اللہ علیه وسلم. فقال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم عند ذلک: "أوّہ! عین الربا، لاتفعل، ولکن إذا أردت أن تشتری التمر، فبعه ببیع آخر، ثم اشتر به".

"عن أبی سعید الخدری رضی اللہ عنه قال: أتی رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم بتمر فقال: "ما ھذا التمر من تمرنا"؟ فقال الرجل: یارسول اللہ! بعنا تمرنا صاعین بصاع من ھذا. فقال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم: "ھذا الربا، فردوہ، ثم بیعوا تمرنا، واشتروا لنا من ھذا". (الصحیح لمسلم: ۲/۲۷، کتاب المساقاة والمزارعة، باب الربوا، قدیمی)

(وصحیح البخاری: ۱/۲۹۳، باب إذا أراد بیع تمر بتمر خیر منه، قدیمی)

(۳) "عن أبی سعید الخدری رضی اللہ تعالیٰ عنه قال: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم: "الذھب بالذھب، والفضة بالفضة، والبر بالبر، والشعیر بالشعیر، والتمر بالتمر، والملح بالملح، مثلاً بمثل، یداً بید، فمن زاد أو استزاد فقد أربیٰ، الآخذ والمعطی فیه سواء". (الصحیح لمسلم، کتاب المساقاة والمزارعة، باب الربا: ۲/۲۵، قدیمی)

(وکذا فی نصب الرایة، کتاب البیوع، باب الربا: ۴/۲۴، مکتبه حنفیه کوئٹه)

(وکذا فی الدرایة فی منتخب تخریج أحادیث الھدایة: ۲/۲۴، کتاب البیوع، باب الربا، شرکت علمیه ملتان)

اس لئے سود حاصل کرنے کیلئے کوئی حیلہ اور تدبیر اختیار کرنا ممنوع ہے اور سود سے بچنے کے لئے تدبیر اختیار کرنا درست ہے۔ نماز جیسی عبادت بلکہ ام العبادات بھی نیت صحیح نہ ہونے کی وجہ سے منہ پر پھینک کر ماردی جاتی ہے، اور اس کا ثمرہ "ویل" ملتا ہے ﴿فویل للمصلین﴾ الآیۃ (۱)۔ ہجرت بھی قابل قبول نہیں ہوتی۔

جو شخص سود سے بچنا چاہتا ہے وہ ماجور ہے۔ جب دو معاملے ہوں: ایک قرض کا جس کا تعلق روپے روپئے سے ہے، دوسرا بیع کا جس کا تعلق کاغذ وفارم سے ہے، اور دونوں شرعاً درست ہوں تو مجموعہ کو بھی درست کہنے کی گنجائش ہے، جیسا کہ حضرت اقدس مولانا تھانویؒ نے حوادث الفتاوی، حصہ ثانیہ، ص: ۱۵۵ پر ایک سوال کے جواب میں ارشاد فرمایا ہے:

الجواب:

"یہ ایک مرکب ہے دو معاملوں سے: ایک قرض جو اصل رقم سے متعلق ہے، دوسرا اجرت جو فارم پر لکھنے اور درخواست کرنے پر بنام فیس کے لی جاتی ہے۔ اور وہ دونوں معاملے جائز ہیں، پس دونوں کا مجموعہ بھی جائز ہے۔ اور چونکہ اس میں ابتلائے عام ہے اس لئے یہ تاویل کرکے جواز کا فتویٰ مناسب ہے" فقط ۱۹/شوال/۱۳۳۲ھ (۲)۔

اگر "صفقۃ فی صفقۃ" کا اشکال ہو تو ممکن ہے کہ بی بی فنڈ سے روپیہ لینے میں دو معاملے ہیں: ایک رہن بالقرض یا قرض بالرہن، اس کا تعلق روپے سے ہے اور شئی مرہون زیور وغیرہ سے ہے۔ دوسرا معاملہ بیع ہے، اس کا تعلق کاغذ معاہدہ وغیرہ سے ہے۔ دونوں معاملے الگ الگ درست ہیں، پس مجموعہ بھی درست ہے۔

رہی یہ بات کہ "کاغذ کی قیمت زیادہ ہے" سو بعض کی اپنی اصلی لاگت کے اعتبار سے کم قیمت ہوتی ہے، کسی صفت خاصہ کی وجہ سے اس کی قیمت بڑھ جاتی ہے، سرکاری اسٹامپ مختلف قیمتوں کے ہوتے ہیں، خود ذاتی مالیت کچھ نہیں مگر ان کے ذریعہ عدالتی کاروائی کی جاتی ہے اس لئے ان کی قیمت زیادہ ہے، ایسے ہی یہ فارم

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿فویل للمصلین الذین هم عن صلاتهم ساهون. الذین هم یراءون ویمنعون الماعون﴾ (سورۃ الماعون: ۴، ۵، ۶، ۷)

(۲) (امداد الفتاوی: ۳/۱۰۲، مکتبہ دار العلوم کراچی)

چاہے متعاقدین کم قیمت سہی، اس کے ذریعہ قرض ورہن کا معاملہ سہل وآسان ہو جاتا ہے، اس لئے اگر زیادہ قیمت ہو تو کوئی اشکال نہیں۔

حضرت تھانوی نے بیع آثار کے جواز کی دوسری وجہ ابتلائے عام بھی بیان فرمائی ہے، مگر اول تو وہ پہلی علت کی وجہ سے جائز فرما چکے ہیں، یعنی "دومعاملے الگ الگ" دوسرے یہ کہ ابتلائے عام حرام کو حلال کرنے میں مؤثر نہیں، اس سے معلوم ہوا کہ یہ ابتلائے عام درجۂ علت میں نہیں بلکہ موقعۂ مصلحت میں ہے، اصل علت وہی ہے کہ دومعاملے الگ الگ ہیں۔

اب نمبر وار آپ کے سوالات کے جوابات درج ہیں:

۱..... فارم کی قیمت متعین کرلینا درست ہے، خاص کر جب کہ سود سے بچنے کیلئے دفتری طور پر یہ کام کیا جائے کہ کسی کو نفع اندوزی مقصود نہیں، فتح القدیر میں جزئیہ موجود ہے کہ ایک کاغذ کا پرزہ بڑی قیمت (ایک ہزار) پر فروخت کرنا درست ہے(۱)، یہاں تو یہ کاغذ کا پرزہ بھی نہیں، بلکہ ایک درجہ میں چیک کی حیثیت رکھتا ہے، چیک کی بیع کے متعلق "ردالمحتار شرح الدر المختار" میں بحث موجود ہے(۲)۔

۲..... قرض کی مدت ختم ہونے پر معاملہ کردیا جائے مستقرض سے کہا جائے کہ اپنا رہن واپس لے لو، قرض ادا کردو، اگر اس کے پاس ادا کرنے کے لئے نہ ہوں تو وہ کہیں سے قرض لیکر دیدے، پھر نئے سے مستقل معاملہ کرے، لیکن پہلا معاملہ ختم کئے بغیر فارم تو وہی رہے، فارم کی قیمت از سر نو لی جائے، یہ درست نہیں۔

۳..... جب معاہدہ نامہ میں اس کی صراحت ہے کہ میعاد پر قرض نہ ادا کرنے کی صورت میں زیور فروخت کردیا جائے گا تو یہ راہن کی طرف سے توکیل ہے، وکیل کو فروخت کرنے کا اختیار ہے، پھر بقدر قرض رکھ کر زائد راہن کو واپس کردے۔

---

(۱) لم أجد

(۲) "بيع البراءات التي يكتبها الديوان على العمال لا يصح بخلاف بيع حظوظ الأئمة" (الدر المختار). "(قوله: بخلاف بيع حظوظ الأئمة) بالحاء المهملة والظاء المشالة جمع حظ بمعنى النصيب المرتب له من الوقف، فإنه يجوز بيعه". (رد المحتار، كتاب البيوع، مطلب البيوع بالتعاطي: ۴/ ۵۱۶، سعيد)

۴- ... فارم قرض معاہدہ نامہ قیمت دے کر مستقل خرید لیا جائے تاکہ وہ معاملہ مستقل رہے۔

۵- فارم و معاہدہ نامہ کی قیمت سے حاصل شدہ رقم جو فنڈ کی خرچ و ضروری مصارف سے بچ جائے اس کو فنڈ کی توسیع میں خرچ کیا جا سکتا ہے۔ اور بہتر تو یہ ہے کہ جیسے جیسے رقم زائد بچتی جائے، فارم و معاہدہ نامہ کی قیمت میں تخفیف کر دی جائے۔

۶- جب کہ راہن کی کوئی رقم کسی دوسری مد میں فنڈ میں جمع ہے اور وہ کہتا ہے کہ اگر مقدار قرض اس رقم سے وصول کر لیں اور میرا زیور واپس کر دیں تو پھر بھی مرہونہ کو فروخت کرنے کی اجازت نہیں، کیونکہ موکل نے وکیل کو بیع مرہون سے معزول کر دیا اب اس کو بیع کرنے کا حق نہیں۔

۷- شئ مرہون واپس کرتے وقت قرض گیرندہ سے کوئی مزید رقم بنام خرچہ حفاظت وصول کرنے کا حق نہیں(۱)۔

۸- مسلم فنڈ چلانے والے مسلمانوں کو سودی لین دین سے بچانے کی نیت رکھیں(۲)، مسلم فول

---

(۱) "المصاريف التي تلزم لمحافظة الرهن كأجرة المحل والحارس على المرتهن، ولو شرطت على الراهن فالشرط باطل، ويراد بالمحل محل حفظ الرهن كمأوى الغنم والاصطبل لو كان الرهن حيواناً، وأجرة ذلك واجبة على المرتهن ولو كان في قيمة الرهن فضل عن الدين؛ لأن وجوب ذلك بسبب الحبس، وحق الحبس في الكل ثابت له" (شرح المجلة، ص: ۴۱۹، رقم المادة: ۷۲۳، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"وعليه أي على المرتهن مؤنة حفظه أي الرهن أي ما يحتاج في حفظ نفس الرهن ومؤنة رده أي رد الرهن إلى يده أي إلى يد المرتهن إن خرج من يده ... وأجرة بيت حفظه وأجرة حافظه" (مجمع الأنهر ۴: ۲۷۴، كتاب الرهن، مكتبه غفاريه كوئٹه)

"وأجرة المأوى والمسكن تكون على المرتهن" (فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الرهن، فصل في جناية الرهن والجناية عليه ونفقة الرهن ومؤنته: ۳/ ۶۱۰، رشيديه)

(۲) "درء المفاسد أولى من جلب المصالح ... لأن اعتناء الشرع بالمنهيات أشد من اعتنائه بالمأمورات". (الأشباه والنظائر، الفن الأول، القاعدة الخامسة، ص: ۹۱، قديمي)

"درء المفاسد أولى من جلب المنافع؛ لأن اعتناء الشرع بالمنهيات أشد من اعتنائه —

کے رفاہی کاموں کو زیادہ سے زیادہ فروغ دینے کی نیت ہرگز نہ رکھیں، بلکہ اگر قرضہ اس حیثیت میں ہو جائے کہ اس کو قرض کے فارم ومعاہدہ نامہ کی قیمت کی ضرورت نہ رہے تو فارم ومعاہدہ نامے بلا قیمت ہی دیا کریں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، مظاہر علوم سہارنپور، ۱۸/۹/۱۴۰۲ھ۔

جواب مذکور پر اشکال

بسم تعالیٰ!

سوال [۷۴۲۳]: حضرت اقدس دامت فیوضکم!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔

اشکال کا جواب اس لئے نہیں طلب ہے کہ دو خامیاں ہیں: پہلا یہ ہے کہ مسلم فنڈ قرض اسی وقت دیتا ہے جب فارم خرید کرلیا جاوے، یہ بات لوگوں کو اچھی طرح معلوم ہے، کسی پر تعامل ہے، یہ قرض بشرط بیع معلوم ہوتا ہے اور "لا یحل سلف وبیع" کی ممانعت کے تحت داخل معلوم ہوتا ہے۔

دوسری خامی یہ ہے کہ "دو معاملے جب الگ الگ درست ہوں تو مجموعہ بھی درست ہو" یہ قاعدہ سمجھ میں نہیں آیا، کیونکہ بیع اور اعتاق، یا بیع اور اجارہ، یا بیع اور اعارہ وغیرہ دونوں الگ الگ صحیح ہوں اور ان سب کو بیع کیلئے شرط بنادیا جاوے اور مجموعہ صحیح ہو جائے ایسا نہیں ہے، کیونکہ ان صورتوں میں مقتضائے عقد کے خلاف شرط لگنے کی وجہ سے بیع فاسد ہو جاتی ہے، اس لئے قرض الگ صحیح ہو اور فارم کی بیع الگ صحیح ہو اور بیع قرض کے لئے شرط بن رہی ہے، پھر بھی مجموعہ صحیح ہونے پر اشکال ہے۔

حررہ [illegible] غفرلہ،

۱۱/ رمضان المبارک/۱۴۰۲ھ۔

"بالضرورات، ومن ثم جاز ترک الواجب دفعاً للمشقة، ولو يسامح في الإقدام على المحرمات". (قواعد الفقه، ص: ۸۱، رقم القاعدة: ۳۴، الصدف پبلشرز)

(وكذا في شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۳۲، رقم المادة: ۳۰، مكتبه حنفيه كوئٹه)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب حامداً ومصلیاً:

بیع کا معاملہ ایک شخص سے ہے کہ اس سے فارم خرید یں، پھر اس کو کوئی مطلب نہیں کہ خریدار اس کو استعمال کرتا ہے یا نہیں، یہ بلا شرط بھی درست ہے، اگرچہ بائع وکیل ہو مقرض کا، مگر حقوقِ عقدِ بیع (مثلاً اجبار او بایجاب تسلیم قبض ثمن وغیرہم) وکیل کی طرف راجع ہوتے ہیں، جب اصیل عاقد نہ ہو بلکہ وکیل عاقد ہو(۱)، حتی کہ اگر ملک مسلم میں کسی طرح کوئی ممنوع العقد چیز: خمر، خنزیر مثلاً آجائے، وہ خود اس کو فروخت نہیں کرسکتا، کیونکہ اس کے حق میں وہ مال متقوم نہیں، البتہ کسی ذمی کی توکیل کے ذریعہ بیع ہوسکتی ہے(۲)۔

قرض اور دین کا معاملہ مقرض سے ہے، اس کی طرف سے اتنی شرط ہے کہ مخصوص رقم پیش کر کے وہ

---

(۱) "وشرائط الصحة أربع وعشرون، منها عامة، ومنها خاصة، فالعامة هي شرائط الانعقاد الأحدى عشرة المارة؛ لأن ما لا ينعقد لا يصح، وعدم التوقيت ومعلومية المبيع والثمن بما يرفع الجهالة، وخلو البيع عن شرط مفسد والرضا والفائدة". (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۱/۲۰۳، رقم المادة: ۳۶۱، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"لا يشترط إضافة العقد إلى الموكل في البيع والشراء والإجارة والصلح عن إقرار، فإن لم يضفه الوكيل إلى موكله، واكتفى بإضافته إلى نفسه، صح أيضاً. وعلى كلتا الصورتين لا تثبت الملكية إلا لموكله، ولكن إن لم يضف العقد إلى الموكل، تعود حقوق العقد إلى العاقد: يعني الوكيل". (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۱/۷۸۱، (رقم المادة: ۱۴۶۱)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"وحقوق عقد يضيفه الوكيل إلى نفسه كبيع وإجارة وصلح عن إقرار، تتعلق به إن لم يكن محجوراً، فيسلم المبيع ويتسلمه، ويقبض الثمن ويطالب به، ويرجع به عند الاستحقاق، ويخاصم في عيب مشريه، ويرد به إن لم يسلمه إلى موكله، وبعد تسليمه لا إلا بإذنه، ويخاصم في عيب مبيعه".

(ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر: ۳/۳۱۰، كتاب الوكالة، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(وكذا في رد المحتار، كتاب الوكالة: ۵/۵۱۳، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۳/۵۶۴، كتاب الوكالة، الباب الأول، وأما ما يتصل بذلك، رشيديه)

(۲) "أن المسلم لا يملك بيع الخمر، ويملك توكيل الذمي به". (رد المحتار: ۵/۵۱۲، كتاب الوكالة، سعيد)

نیز طرح اس کا ثبوت نص میں بھی ہے: ﴿یا أیها الذین آمنوا إذا تداینتم بدین إلی أجل مسمی فاکتبوه﴾ الآیۃ (۱)۔ اگر کوئی کاتب اجرت کتابت لے اس کے لئے یہ بھی جائز ہے (۲) اگر ظاہر ہے کہ یہ قرض شرط نہیں ہے جس کی بناء پر معاملہ قرض ناجائز ہو جائے۔ کاتب وکیل مقرض ہو یا غریب سب کا حکم ایک ہے۔

"شخص واحد سے دو معاملے ہوں اور ایک دوسرے کے لئے شرط قرار دیا جائے، پھر بھی مجموعہ درست ہو" اس پر جو خلجان ہے جس کا تعلق حضرت تھانویؒ کی منقولہ عبارت سے ہے، اس کا جواب جس طرح آپ میرے ذمہ سمجھ رہے ہیں آپ کے ذمہ بھی ہے، وہ یہ ہے کہ دو معاملوں میں سے ایک کو دوسرے کے لئے شرط قرار دیا جائے تب ناجائز ہے جیسے پھلوں کی بیع درختوں پر اور پھل پکنے تک درختوں کو اجارہ پر لیا جائے، یا عاریۃً پر لیا جائے، یہ شرط کر لی جائے (۳)۔

---

(۱) (سورۃ البقرۃ: ۲۸۲)

(۲) "وتنوع بورد علی العمل، کاستئجار المحترفین للأعمال کالقصارۃ والخیاطۃ، والکتابۃ، وما أشبه ذلک، کذا فی المحیط". (الفتاوی العالمکیریۃ: ۴/۴۱۱، کتاب الإجارۃ، رشیدیہ)

"یجوز إجارۃ الآدمی للخدمۃ أو لإجراء صنعۃ ببیان المدۃ أو تعیین العمل ... مفاده أنه لابد فی إجارۃ الآدمی من تعیین المنفعۃ: إما بتعیین المدۃ، وإما بتعیین العمل، وإلا فالإجارۃ فاسدۃ". (شرح المجلۃ لسلیم رستم باز: ۱/۲۰۲، رقم المادۃ: ۵۶۲، مکتبہ حنفیہ کوئٹہ)

(۳) "عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم: "أنه نهی عن بیع وشرط". (إعلاء السنن، باب النهی عن البیع بالشرط: ۱۴/۱۶۰، کتاب البیوع، إدارۃ القرآن، کراچی)

"وإن شرط ترکها علی الأشجار فسد البیع". (الدر المختار). "وشرط ترکها علی الشجر، والمرضا به، یفسد البیع عندهما، وعلیه الفتوی" (رد المحتار، کتاب البیوع، مطلب فی بیع الثمر والزرع والشجر مقصوداً: ۴/۵۵۶، سعید)

لیکن بیع اس صورت میں فاسد ہے کہ بیع بدو صلاح سے قبل ہو اور درختوں پر چھوڑنے کی شرط لگائی جائے:

"وأما بیعها بعد الظهور قبل بدو صلاحها، ففیه صور ثلاثة ... والصورۃ الثانیۃ أن یشترط المشتری ترک الثمار علی الأشجار حتی یحین الجداد، وهذه الصورۃ باطلۃ بالإجماع، ولا یصح البیع فیها عند أحد". (تکملۃ فتح الملهم: ۱/۳۹۸، کتاب البیوع، مکتبہ دار العلوم کراچی)

میں نے تو مسلم فنڈ دیوبند کے ذمہ دار کو بھی مشورہ دیا تھا کہ قرض فروش مستقل آدمی کو علیحدہ قرار دیا جائے، آپ یہ کام نہ کریں تاکہ دو معاملے دو شخصوں سے الگ الگ ہو جائیں۔ اگر کوئی مقترض کتابت کو شرط قرار دے تو یہ درست ہے۔

اس کی مہذب اور سہل صورت یہ فارم ہے اور اس کی قیمت بعوض اجرت کتابت ہے اور فارم بھی متقوم ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۴۰۲/۹/۱۱ھ۔

اشکال باقی ہے

الاستفتاء[۷۹۲۸]: حضرت اقدس مدظلہم!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

حضرت والا کی دعا سے بخیریت پہونچ گیا تھا، مدرسہ کی قریب والی مسجد میں اعتکاف اخیر عشرہ کا کیا ہے، دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ قبول فرمائیں۔ حضرت مولانا منور حسین صاحب مدظلہم کی خدمت میں سلام مسنون عرض ہے کہ مسلم فنڈ کے فتویٰ دینے کے بعد حضرت والا نے فرمایا تھا کہ مزید سوال کرنا چاہو تو بھیجو، اجازت ہے، اس لئے چند سوالات کرتا ہوں:

تیسرا سوال یہ تھا کہ "قرض کی میعاد ختم ہونے پر ایک دو نوٹس دینے کے بعد راہن کی مرضی ہو یا نہ ہو، بقدر قرض شیٔ مرہون کی فروختگی جائز ہے یا نہیں، ضروری بات یہ ہے کہ معاہدہ نامہ میں اس کی صراحت ہوتی ہے کہ "میعاد پر قرض نہ ادا کرنے کی صورت میں زیور فروخت کر دیا جائے گا"۔

تو یہ راہن کی طرف سے توکیل ہے، وکیل کو فروخت کرنے کا اختیار ہے، پھر بقدر قرض رکھ کر زائد کو واپس کر دے۔

مدرسہ کے مفتی مولانا عبدالعزیز صاحب نے ایک اشکال کیا تھا، وہ اشکال مجھے بھی ہوا تھا تو حضرت والا نے جواب دیا تھا کہ دو صورتیں ہیں: ایک صورت یہ ہے کہ زبان سے فروخت کرنے کو روک دے تو اس صورت میں فروخت کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ موکل نے وکیل کو معزول کر دیا۔

دوسری صورت یہ کہ زبان سے منع نہ کرے بلکہ دل سے چاہتا ہو کہ فروخت نہ کرے تو ایسی صورت میں

فروخت کرنا جائز ہے۔ جواب اسی صورت پر محمول ہے۔ سوال یہ ہے کہ قرض لینے والا قرض ادا نہیں کرتا اور زبان سے شئ مرہون کی فروختگی کو رد کرتا ہے تو ایسی صورت میں قرض کی ادائیگی کیسے ہو، مستقرضین کا حال یہ ہے کہ ادائیگی میں بڑی ٹال مٹول کرتے ہیں تو ادائیگی قرض کی کیا شکل ہو؟ مسلم فنڈ کے ذمہ دار تنخواہ دار آدمیوں سے کام کراتے ہیں، ایک ملازم صرف فارم فروخت کرتے ہیں، دوسرا ملازم قرض دیتا ہے، کاغذات ایک دوسرے کی طرف منتقل ہوتے رہتے ہیں۔ دوسرا ملازم اپنا متعلقہ کام ہی کاغذ کے آنے پر کرتا ہے، نہ ایجاب ہوتا ہے نہ قبول ہوتا ہے، سارا نفع فنڈ کو ملتا ہے۔

حضرت والا نے خلجان دوسرے کے جواب میں تحریر فرمایا تھا کہ میں نے مسلم فنڈ دیوبند کے ذمہ دار کو بھی مشورہ دیا تھا کہ فارم فروشی مستقل آدمی کو علیحدہ قرار دیا جائے، آپ یہ کام نہ کریں، تا کہ دو معاملے دو شخصوں سے الگ الگ ہو جائیں۔ مسلم فنڈ نے اگر اپنا ایک ملازم فارم فروخت کرنے پر مقرر کر دیا، حالانکہ وہ دفتر ہی کا آدمی ہے اور فائدہ مسلم فنڈ ہی کو ملتا ہے تو کیا یہ صورت آپ کی مقرر کردہ صورت میں داخل ہے یا نہیں، یعنی اس صورت سے جو نفع مسلم فنڈ کو حاصل ہو وہ درست ہوگا یا نہیں؟

اگر اجنبی آدمی فارم فروخت کرے اور نفع خود لے تو ایسی صورت میں مسلم فنڈ کے اخراجات کیسے پورے ہوں، فارم کی قیمت تو فروخت کرنے والا لے گا، مسلم فنڈ کے ہاتھ کیا آئے گا کہ وہ ہر ضرورت پوری کرے؟ خط کشیدہ صورت کا نفع اگر مسلم فنڈ کو جائز ہو جاتا ہے تو "کل قرض جر نفعا فهو ربوا" سے اس کا اخراج کس طرح ہوگا؟ اگر ایک آدمی قرض اس صورت پر دے کہ فلاں سامان میرے وکیل یا ملازم سے خرید او ر وہ سامان بہت گراں فروخت کرتا ہے اور مستقرض مجبوراً اس کو خریدتا ہے۔ کیا یہ صورت درست ہے، در آنحالیکہ نفع مقرض ہی کو ملے گا؟ والسلام۔

احرار الحق غفرلہ۔

مکرم و محترم زید مجدکم!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

قال فی الدر المختار: "فإن شرطت الوکالة فی عقد الرهن لم ینعزل بعزله ولا بموت

الراهن ولا المرتهن، للزومها بلزوم العقد، الخ". وقال قبله: "فإن وكّل الراهن المرتهن، أو وكّل العدل أو غيرهما عند حلول الأجل، صح توكيله، الخ". الدر المختار. قال الشامي تحت قوله: (للزومها بلزوم العقد): "لأنها لما شرطت في ضمن عقد الرهن، صارت وصفاً من أوصافه وحقاً من حقوقه، ألا ترى أن عقد الوكالة لزيادة الوثيقة، فيلزم بلزوم أصله، وتمامه في النهاية". رد المحتار: ۵/۳۲۴(۱)۔

عبارتِ منقولہ سے معلوم ہوا کہ جب اصل قرضہ رہن میں بطور معاہدہ یہ شرط درج ہے کہ میعادِ مقررہ پر اگر قرض واپس نہ کیا تو ہم اس کو یعنی شی مرہون کو فروخت کرکے اپنا قرض وصول کر لیں گے تو پھر مقترض کو حق ہے کہ حلولِ اجل پر مرہون کو بحیثیت وکیلِ راہن فروخت کردے، اگر راہن اجازتِ بیع نہ دے اور دین بھی واپس نہ کرے تو اس صورت میں وکیل معزول نہیں ہوگا۔ وکالتِ مقررہ سے یہ صورت وکالت چونکہ ضمناً رہن میں ہے متحقق ہے، رہن بھی توثیق کے لئے ہے کہ اصل دین ضائع نہ ہوجائے اور توکیل زیادہ توثیق کے لئے ہے۔

سوال نمبر ۶، کے جواب میں جو عزلِ وکیل کے متعلق لکھا گیا ہے وہ اس کے معارض نہیں، کیونکہ مستقرض کی رقم پہلے سے دوسرے مد میں جمع ہے، وہ اس سے دین وصول کرنے کی اجازت دیتا ہے اور شی مرہون کو واپس مانگتا ہے تو یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسا کہ دین واپس کرکے مرہون کو واپس لیتا ہے(۲)، جب کہ مقرض کو بعینہٖ دین بغیر کسی خلجان کے وصول ہو رہا ہے تو مقصدِ رہن (توثیق) اور مقصدِ وکالت (زیادہ توثیق) حاصل ہے اور وکالت اسی لئے تھی کہ وصولِ دین ہوجائے اور اب وہ وکالت بیع مرہون سے معزول کرتا ہے تو انعزال ہوجائے گا۔ نیز وکیل اگر بیع مرہون کرے اور پھر اس کی قیمت سے دین وصول کرے تو یہ طولِ عمل بلا فائدہ ہے،

---

(۱) (رد المحتار: ۶/۵۰۳، کتاب الرہن، سعید)

"يصح توكيل الراهن المرتهن أو العدل أو غيرهما ببيع المرهون عند حلول الأجل، وليس للراهن عزل ذلك الوكيل من الوكالة. وذلك لأنها لما شرطت في ضمن عقد الرهن، صارت وصفاً من أوصافه، وحقاً من حقوقه، ألا ترى أن عقد الوكالة لزيادة الوثيقة، فيلزم بلزوم أصله".

(شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۳۲۱، (رقم المادة: ۷۶۰)، مكتبه حنفيه كوئته)

(۲) "وإذا أخذ المرتهن دينه، فعليه أن يرد الرهن، فإن منعه بعد سؤاله، فهو غاصب". (النتف في الفتاوى، ص: ۳۴۲، كتاب الرهن، سعيد)

اس میں مستقرض کا ضرر بھی ہے۔

(دوم) جب حقوقِ عقد عاقد کی طرف عائد ہیں اور عاقد وکیل اصیل ہے تو گویا قلجان ہے، مقرض اور ہے اور بائع دوسرا ہے اگرچہ بائع وکیل مقرض ہے، نیز بیع کا مدار بلا شرط ہے، البتہ مشتری اس سے فائدہ قرض کا حاصل کرتا ہے تو یہاں بیع پر قرض مرتب ہوتا ہے، نہ کہ قرض پر بیع، اور بیع میں نفع درست ہے، قرض میں درست نہیں، یہی فرمایا گیا کہ "کل بیع جر نفعاً فهو ربا" (۱) حتی کہ بیع کی ایک مستقل قسم کا نام ہی بیع "مرابحہ" ہے، اس میں نفع صراحۃً ہوتا ہے (۲)۔

بیع کے لئے صریح ایجاب وقبول کے بجائے اگر تعاطی ہو جائے تب بھی درست ہے (۳) جیسے ایک

---

(۱) "لقوله عليه السلام "كل قرض جر منفعةً فهو ربا". الموقوف عن عليٍّ رضي الله تعالىٰ عنه". (فيض القدير، ۹/۴۸۷۳، (رقم الحديث: ۶۳۳۶)، مكتبه نزار مصطفىٰ الباز رياض)

"كل قرض جر نفعاً حرام" (الأشباه والنظائر، الفن الثاني، كتاب المداينات، ص: ۲۵۷، قديمي)

(وكذا في تكملة فتح الملهم، كتاب المساقاة والمزارعة، باب الربا، ربا النسيئة وأقسامه: ۱/۵۷۸، مكتبه دار العلوم كراچی)

(۲) "عن أبي سحر عن شيخ لهم قال: رأيت علىٰ علي رضي الله تعالىٰ عنه إزاراً غليظاً، قال: "اشتريته بخمسة دراهم، فمن أربحني فيه درهماً بعته إياه". (إعلاء السنن: ۱۴/۲۲۰، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية، إدارة القرآن، كراچی)

"التولية بيع بثمن سابق، والمرابحة به وبزيادة". (تبيين الحقائق: ۴/۴۴۳، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية، دار الكتب العلمية بيروت)

"هي: أي التولية بيع بثمن سابق، والمرابحة به وبزيادة" (البحر الرائق: ۶/۱۷۴، كتاب البيع، باب المرابحة والتولية، رشيديه)

(۳) "وأما الفعل فالتعاطي وهو التناول في خسيس ونفيس ولو من أحد الجانبين". (الدر المختار). "أي حقيقة التعاطي وضع الثمن، وأخذ المثمن عن تراض منهما من غير لفظ". (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب البيوع، مطلب في حكم البيع مع الهزل: ۴/۵۱۳، سعيد)

"ويسمى هذا بيع تعاطي، مثال ذلك: أن يعطي المشتري الخباز مقداراً من دراهم، فيعطيه الخباز بها مقداراً من الخبز بدون تلفظ بإيجاب وقبول". (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۹۰، (رقم المادة: ۱۷۵)

شخص کارڈ فروخت کرتا ہے اس طرح کہ مشتری پیسے رکھ دیتا ہے، کارڈ اٹھا لیتا ہے، زبانی ایجاب وقبول کچھ نہیں ہوتا:

"شراء الشيء اليسير بثمن غالٍ لحاجة القرض يجوز ويكره، الخ". درمختار۔ وقال الشامي بعد نقل صُوَر الاختلاف: "وكان شمس الأئمة الحلواني يفتي بقول الخصاف وابن سلمة، ويقول: هذا ليس بقرض جرّ منفعة، بل هذا بيع جرّ منفعة، وهي القرض، الخ".

ردالمحتار: ۴/۱۷۵ (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

کمپنی کے فارم فروخت کرنا

سوال [۶۹۲۹]: ایک کمپنی کا یہ طریقہ ہے کہ وہ اپنا چھپا ہوا فارم تقریباً ۱۰/ کو فروخت کرتی ہے۔ کمپنی مذکور کو اس ذریعہ آمد میں فارم کے علاوہ اور کچھ نہیں ملتا، جس کی یہ صورت ہے کہ زید نے ایک فارم خرید کیا اس فارم پر کمپنی کی جانب سے پانچ خانے ہے اور ہر خانہ میں ایک شخص کا نام معہ پتہ کے درج ہے، غرض ایک فارم پر پانچ اشخاص کے نام معہ پتہ کے اندراج ہیں۔

کمپنی مذکور کا یہ اصول ہے کہ جو شخص (زید) فارم خریدے وہ مبلغ ۱/ بذریعہ منی آرڈر اس شخص کے پاس روانہ کردے جس کا نام خانہ نمبر ۱ پر تحریر ہے، اس کے بعد کمپنی مذکور زید (جس شخص نے فارم خرید کیا اور ۱/ روانہ کیا) کو چار فارم اور روانہ کردے گی کہ وہ ان فارموں کو اپنے دوستوں کو تقسیم کردے ان چار فارموں پر زید کا نام نمبر: ۵/ پر ہوگا اور باقی...... غرض جس شخص کے پاس روپیہ گیا ہے اس کا نام ان فارموں میں نہیں ہوگا۔

زید ان چار فارموں کو ا-ب-ج-د، میں تقسیم کردے گا اور ا-ب، ۱۶ اشخاص اسی ترکیب سے عمل کریں گے تو ۶۴، ۴×۱۶ اشخاص کے پاس زید کا نام نمبر: ۳، پر ہوگا، اور یہ ۶۴ اشخاص اسی طرح کریں گے تو (۴×۶۴) ۲۵۶ اشخاص زید کا نام نمبر: ۲، پر پائیں گے، اور یہ ۲۵۶ اسی طرح کریں گے، تو (۴×۲۵۶) ۱۰۲۴۔ اشخاص سے زید کو ۱۰۲۴/ روپیہ ملے گا۔

---

(۱) (ردالمحتار: ۵/۱۶۶، کتاب البیوع، باب المرابحة والتولیة، فصل في القرض، سعید)

زید کا یہ فعل کیسا ہے، حکم شرعی کیا ہے، اس روپیہ کا استعمال جائز ہے یا ناجائز؟ فقط۔

بندہ احقر الیاس قریشی، سہارنپور۔

نوٹ: اس میں ہر شخص کو جو کہ کمپنی مذکور کے اصول پر عمل کرے گا، اس کو مبلغ ۱۰۲۴/ روپیہ ملے گا، یہ لاٹری والا حساب نہیں ہے کہ اگر سو آدمی شریک ہوں تو صرف ایک کو ملے، باقی محروم رہیں، اس میں ہر شخص کو ملے گا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

کمپنی نے زید کے ہاتھ ۱۰/ میں فارم فروخت کیا، یہ ۱۰/ تو فارم کی قیمت ہوگی، اب زید اس شخص کے نام جس کا نام خانہ نمبر ۱ میں ہے مبلغ ۱/ کیوں روانہ کرتا ہے، اور یہ ایک روپیہ کس شی کا عوض ہے، اور اخیر میں ۱۰۲۴/ جو زید کو ملے ہیں، یہ کیوں ملے ہیں، کس چیز کے عوض میں ملے ہیں، اگر اس ایک ۱/ روپیہ کا معاوضہ ہے تو تمام عوض اسے نہیں ملا کہ جس نے وہی ایک روپیہ روانہ کیا تھا۔ نیز ایک روپیہ کا معاوضہ ۱۰۲۴/ شرعاً جائز نہیں، کیوں کہ یہ سود ہے ﴿واحل الله البيع وحرم الربوا﴾(۱)۔ یہی حال ہر شخص کی آمدنی کا ہے۔

پس صورت مسئولہ کسی عقد شرعی میں داخل نہیں اور سود وقمار پر مشتمل ہے کہ ہر شخص کی آمدنی کا سلسلہ موقوف ہے دوسرے شخص کے ان فارموں کو تقسیم کرنے اور ۱/ روپیہ روانہ کرنے پر اور یہ معلوم نہیں کہ وہ

---

(۱) (سورة البقرة: ۲۷۵)

قال الله تعالى: ﴿يا أيها الذين امنوا لا تأكلوا الربوا أضعافاً مضاعفة، واتقوا الله لعلكم تفلحون، واتقوا النار التي أعدت للكافرين﴾ (سورة آل عمران: ۱۳۱)

وقال الله تعالى: ﴿ولا تأكلوا أموالكم بينكم بالباطل﴾ [۲: ۱۸۸] قال البغوي: "بالباطل بالحرام. يعني بالربا، والقمار، والغصب، والسرقة". (معالم التنزيل: ۲۰۵/۱)

"عن أبي سعيد الخدري رضي الله تعالى عنه، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "الذهب بالذهب، والفضة بالفضة، والبر بالبر، والشعير بالشعير، والتمر بالتمر، والملح بالملح، مثلاً بمثل، يداً بيد، فمن زاد أو استزاد، فقد أربى، الآخذ والمعطي فيه سواء". (الصحيح لمسلم: ۲۵/۲، كتاب المساقاة والمزارعة، باب الربا، قديمي)

ایسا کرے گا یا نہیں (۱) کیونکہ شرعاً اس میں فارم خریدنے پر اس کا معاملہ ختم ہوچکا، اب روانہ کرنے اور انعام تقسیم کرنے کا وہ مکلف نہیں، پس یہ معاملہ اور یہ آمدنی شرعاً ناجائز ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۷/۵/۵۵ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۹/ جمادی الاولیٰ/۵۵ھ۔

مقروض ہندو سے دودھ لینا

سوال [۶۹۴۰]: ہندوؤں سے دودھ خریدنا جائز ہے یا نہیں، جب ہندو مقروض ہو اور زیادہ بھی دیتا ہے اور روپیہ بھی وصول ہوجائے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہاں دو چیزیں ہیں: ایک بائع کا ہندو ہونا، دوسرے بائع کا مقروض ہونا اور اس وجہ سے اس کا زیادہ دینا۔ پہلی چیز کے متعلق یہ ہے کہ جب تک اس کی ناپاکی کا علم نہ ہو تو اس کا خریدنا جائز ہے اور ناپاکی

---

(۱) "وحقیقته (أی حقیقة القمار) تملیک المال علی المخاطرة". (أحکام القرآن للجصاص، سورة المائدة، باب تحریم الخمر: ۲/۴۶۵، دار الکتاب العربی بیروت)

"لأن القمار من القمر الذی یزداد تارةً، وینقص أخری. وسمی القمار قماراً؛ لأن کل واحد من المقامرین ممن یجوز أن یذهب ماله إلی صاحبه، ویجوز أن یستفید مال صاحبه، وهو حرام بالنص". (رد المحتار: ۶/۴۰۳، کتاب الحظر والإباحة، فصل فی البیع، سعید)

(وکذا فی التعریفات الفقهیة الملحقة بقواعد الفقه، القاف، القمار، ص: ۴۳۴، الصدف پبلشرز، کراچی)

(۲) "والحرام المحض: هو ما فیه صفة محرمة لا یشک فیها: کالشدة المطربة فی الخمر، والنجاسة فی البول، أو حصل بسبب منهی عنه قطعاً: کالمحصل بالظلم، والربا، ونظائره". (إحیاء علوم الدین للغزالی: ۲/۱۱۸، کتاب الحلال والحرام، الباب الثانی فی مراتب "الشبهات ومثاراتها وتمییزها عن الحلال والحرام، دار إحیاء التراث العربی، بیروت)

"أما المال المکتسب بطریق لم یأذن به الشارع، ولم یأذن به مالک هذا المال، فإن کسبه محرم، لا یختلف عن الکسب الحاصل بطریق السرقة أو الربا". (أحکام المال الحرام، ص: ۶۳)

اختلاف کی وجہ سے ندلینا احوط ہے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفی عنہ، ۱۵/۱۱/۵۳ھ۔

صحیح: عبداللطیف، ۶/ذی الحجہ/۵۳ھ۔

قسط وقت پر ادا نہ کرنے کا جرمانہ بھی سود ہے

سوال[۱۳۱۰]: ایک فرم شرکت میں جاری تھی لیکن کسی وجہ سے شرکاء نے فرم سے علیحدگی اختیار کرلی، ایک شریک جس کے ذمہ اس کا بقایا دینا آیا اور قسطوار دیگر شرکاء کی ادائیگی آئی، اگر روپیہ قسط وار ادا نہیں ہوا تو ایک روپیہ فی صد ماہوار خرچ طلب کرنے کا اختیار ہوگا۔ لہٰذا جواب عنایت فرمایا جائے کہ ایک روپیہ فی صد ماہوار سود کے ضمن میں تو نہیں آیا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ ایک روپیہ فی صد ماہوار سود ہے، اس کا لینا دینا جائز نہیں (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۶/۶/۸۹ھ۔

= ہیں مگر بہت سے امور میں مذہب اسلام اور شرع کے موافق بھی فیصلہ کرتے ہیں، پس ہندوستان امام ابوحنیفہ اور صاحبین رحمہم اللہ کسی کے نزدیک دارالحرب نہیں ہے"۔ (مجموعۃ الفتاویٰ، کتاب العلم والعلماء، ہندوستان دارالحرب ہے یا نہیں؟ ۱/۱۳۳-۱۳۴، سعید)

(۱) "قد تمعنت الأمة على أن الخروج من الخلاف مستحب مطلقاً، لأن خلاف الأئمة لاسيما خلاف جمهور هم يورث شبهة في الجواز، وقد قال النبي صلى الله عليه وسلم: "الحلال بيّن والحرام بيّن، وبينهما شبهات، فمن اتقى الشبهات فقد استبرأ لدينه". لاسيما وكون الهند دارالحرب عند الإمام محل نظر بعد، فالشبهة فيه قوية غير ضعيفة، والتوقي عنه واجب من غير ريبة". (إعلاء السنن، كتاب البيوع، أبواب بيوع الربا، باب الربا في دارالحرب بين المسلم والحربي: ۱۴/۳۶۶، ۳۶۷، إدارة القرآن، كراچی)

"ولو سلمنا جواز الربا بين المسلم والحربي في الهند، فلاريب أن جانب الاحتياط والتوقي أولى وأحرى". (إعلاء السنن: ۱۴/۳۶۸، كتاب البيوع، أبواب بيوع الربا، باب الربا في دارالحرب بين المسلم والحربي، إدارة القرآن، كراچی)

(۲) قال الله تعالى: ﴿وأحل الله البيع وحرم الربوا﴾ (سورة البقرة: ۲۷۵) ......

مستاجر سے قرض لینا

سوال [۷۱۳۴]: میرے مکان میں کرایہ دار ہیں ان سے قرض لینا چاہتا ہوں، وہ یہ کہتے ہیں کہ میں آپ کو اس شرط پر قرض دوں گا کہ جب تک قرض واپس نہیں کریں گے، میں کرایہ مکان نہیں دوں گا۔ شرعاً درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس طرح معاملہ نہیں کرنا چاہیے (۱)، آپ بجائے ان کے پاس قرض کی ضمانت کے طور پر کوئی چیز زیور

- وقال الله تعالیٰ: ﴿یا أیها الذین آمنوا لاتأکلوا الربوا أضعافاً مضاعفةً، واتقوا الله لعلکم تفلحون، واتقوا النار التی أعدت للکافرین﴾ (سورة آل عمران: ۱۳۰، ۱۳۱)

"محمد قال: أخبرنا أبو حنیفة رضی الله تعالیٰ عنه قال: حدثنا عطیة العوفی عن أبی سعید الخدری رضی الله تعالیٰ عنه، عن النبی صلی الله علیه وسلم أنه قال: "الذهب بالذهب مثل بمثل والفضل ربوا، والفضة بالفضة مثل بمثل والفضل ربوا، والحنطة بالحنطة مثل بمثل والفضل ربوا، والشعیر بالشعیر مثل بمثل والفضل ربوا، والتمر بالتمر مثل بمثل والفضل ربوا، والملح بالملح مثل بمثل والفضل ربوا". وبه نأخذ، وهو قول أبی حنیفة رحمه الله تعالیٰ" (کتاب الآثار، باب شراء الدراهم الثقال بالخفاف والربا، ص: ۱۶۹، سعید)

(والصحیح لمسلم: ۲/۲۴، کتاب المساقات والمزارعة، باب الربا، قدیمی)

(وکذا فی مشکوٰة المصابیح، ص: ۲۴۴، کتاب البیوع، باب الربوا، الفصل الأول، قدیمی)

(۱) چونکہ مستاجر نے قرض دینے کی وجہ سے اس کے ذمہ واجب الاداء رقم سے نفع اٹھانے کی شرط لگادی ہے، یہ قرض سے نفع لینے کی ایک قسم کا نفع ہے جو کہ ناجائز ہے۔

"کل قرض جر نفعاً، فهو ربا" (الأشباه والنظائر، ص: ۲۵۷، الفن الثانی، کتاب المداینات، قدیمی)

"القرض بالشرط حرام، والشرط لغو، علی أن یکتب به إلی بلد کذا لیوفی دینه. وفی الأشباه: کل قرض جر نفعاً، فهو ربا". (الدر المختار: ۵/۱۶۶، کتاب البیوع، باب المرابحة والتولیة، فصل فی القرض، سعید)

وغیرہ رہن رکھ دیں کہ جب آپ اُن کا قرض واپس کردیں گے تو اپنا رہن اس سے واپس لے لیں گے (۱) یا ان سے کرایہ پیشگی لے لیں اور اس سے اپنی ضرورت پوری کرلیں (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

مسلمان سے سود لینا اور سود در سود حرام در حرام

سوال [۷۹۰۳]: زید کا باپ سود در سود کھانے کا عادی ہے، مادری ترکہ میں زید بھی ایک دستاویز میں حصہ دار ہے اور سود خوار باپ کے حکم پر دستاویز کی نالش (۳) کر کے سود در سود کی ڈگری حاصل کرتا ہے اور وصولیابی کے لئے زید اپنے باپ کے ذریعہ وکیل کر کے کارروائی وصولیابی کر رہا ہے، باوجودیکہ زید بالغ ہوگیا ہے اور ذریعہ تحصیل علم دینی احکام خداوندی سے واقف بھی ہے۔ ایسی صورت میں زید کو خدا کے روبرو جواب دہی کرنی ہوگی یا نہیں؟ فقط والسلام۔

راقم رواق کا ایک طالب علم، ایک مسلمان، معروضہ ۱۵/نومبر/۱۹۳۲ء۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسلم سے سود لینا حرام ہے اور سود در سود حرام در حرام ہے، قال اللہ تبارک وتعالیٰ: ﴿یا أیها الذین آمنوا لا تأکلوا الربوا أضعافاً مضاعفةً، واتقوا اللہ لعلکم تفلحون، واتقوا النار التی أعدت للکافرین﴾ (٤)۔

---

(۱) "روی أنه علیه الصلوة والسلام اشتری من یهودی طعاماً، ورهنه بها درعه". (مجمع الأنهر: ۲۶۹/۴، کتاب الرهن، مکتبه غفاریه کوئٹه)

(۲) "فسبها أی سبب الإجارة بستحق به لتعجیل أو بشرطه فی الإجارة، ووجهه أن امتناع ثبوت الملک للمؤجر فی البدل لمجرد العقد إنما هو لتحقق المساواة، لکون أحد العوضین منفعة لایمکن استیفاء ها حالاً. . . . . أنه إذا عجله المستاجر أو شرط تعجیله، فیکون قد أبطل المساواة التی استحقها بمقتضی العقد". (شرح المجلة لسلیم رستم باز، ص: ۲۶۲ (رقم المادة: ۴۶۸)، مکتبه حنفیه کوئٹه)

(۳) "نالش: دعویٰ، حاکم کے سامنے چارہ جوئی"۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۳۳۵، فیروز سنز، لاہور)

(۴) (سورة آل عمران: ۱۳۱)

= "عن أبی هریرة رضی اللہ تعالیٰ عنه، عن النبی صلی اللہ علیه وسلم قال: "اجتنبوا السبع

حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ آیت تمام قرآن شریف میں سب سے زیادہ خوفناک ہے، اس میں اہلِ ایمان کو اس آگ سے ڈرایا گیا ہے جو کہ کفار کے لئے تیار کی گئی۔

"كان أبوحنيفة رحمه الله تعالى يقول: هي أخوف آية في القرآن حيث أوعد الله المؤمنين بالنار المعدة للكافرين إن لم يتقوه في اجتناب محارمه". تفسير مدارك: ١/٢٩٤(١)۔

جس طرح مسلم سے سود لینا حرام ہے، اسی طرح اس کی گواہی دینا، نیز اس کی کتابت کرنا وغیرہ بھی حرام ہے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سود کھانے والوں، سود کھلانے والے، سود کی گواہی دینے والے، سود کا تحریر لکھنے والے سب پر لعنت فرمائی ہے: "لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم آكل الربوا وموكله وكاتبه وشاهديه". رواه مسلم(٢)۔

= الموبقات". قالوا: يارسول الله! وما هن؟ قال: "الشرك بالله، والسحر، وقتل النفس التي حرم الله إلا بالحق، وأكل الربا، وأكل مال اليتيم، والتولي يوم الزحف، وقذف المحصنات المؤمنات الغافلات". (صحيح البخاري، كتاب الوصايا، باب قول الله تعالى: ﴿إن الذين يأكلون أموال اليتمى ظلماً إنما يأكلون في بطونهم ناراً وسيصلون سعيراً﴾: ١/٣٨٨، قديمي)

"عن عطاء الخراساني أن عبد الله بن سلام رضي الله تعالى عنه قال: الربا اثنان وسبعون حوباً أصغرها حوباً كمن أتى أمه في الإسلام، ودرهم من الربا أشد من بضع وثلاثين زنية. قال: ويأذن للبر والفاجر إلا لآكل الربا، فإنه لايقوم إلا كما يقوم الذي يتخبطه الشيطان من المس". (مصنف عبدالرزاق: ٨/٣١٦، دارالكتب العلمية بيروت)

(وشعب الإيمان للبيهقي، باب في قبض اليد عن الأموال المحرمة، رقم الحديث: ٥٥١٣، ٤/٣٩٣، دارالكتب العلمية بيروت)

(١) (تفسير مدارك التنزيل: ١/٢٩٤، (سورة آل عمران، آیت: ١٣١)، قديمي)

(٢) (الصحيح لمسلم: ٢/٢٧، كتاب المساقاة والمزارعة، باب الربا، قديمي)

"عن ابن عباس رضي الله تعالى عنهما قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "من أعان ظالماً بباطل ليدحض بباطله حقاً، فقد برئت من ذمة الله عزوجل وذمة رسوله صلى الله عليه وسلم. ومن أكل درهماً من رباً، فهو مثل ثلاث وثلاثين زنية. ومن نبت لحمه من سحت، فالنار أولى به". (المعجم الصغير للطبراني: ١/١٤٧، دارالكتب العلمية بيروت)

لہٰذا زید اگر مسلم سے سود لے گا یا کسی طرح مسلم سے سود وصول کرنے میں اپنے باپ کی امداد کرے گا تو وہ بھی باپ کی طرح گناہ کا مرتکب ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی لعنت کا مورد بنے گا اور آخرت میں سزا کا مستحق ہوگا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، یکم/ رمضان المبارک/ ۱۳۵۵ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، یکم/ رمضان/ ۵۵ھ۔

ایک روپیہ لگا کر نام نکلنے کی صورت میں ۵۰/ روپیہ لینا

سوال [۷۶۲۲]: ۱..... ایک آدمی نے دس نمبر رکھے ہیں، ایک روپیہ لگاتے ہیں، جس کا نام نکلتا ہے اس کو ۵۰/ روپیہ دیتے ہیں، جس کا نہیں نکلتا اس کو ساقط کر دیتے ہیں۔ یہ جائز ہے یا نہیں؟

۲..... اس مسئلہ میں یوں حیلہ کرتے ہیں کہ میں نے ہبہ کر دیا۔ تو کیا اس طرح ہبہ کر کے دینا جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱..... یہ معاملہ قمار بھی ہے اور ربا بھی، قمار اس لئے ہے کہ اگر نمبر نہ نکلا تو جو روپیہ دیا تھا، وہ ضبط ہو جائے گا۔ اور ربا اس لئے ہے کہ ایک روپیہ کے عوض نمبر نکلنے پر ۵۰/ روپیہ ملتے ہیں، اور قمار بھی حرام ہے اور ربا بھی حرام ہے۔

لقوله تعالى: ﴿إنما الخمر والميسر والأنصاب والأزلام رجس من عمل الشيطن، فاجتنبوه﴾ الآية(۱)۔ ولقوله تعالى: ﴿أحل الله البيع وحرم الربوا﴾(۲)۔

= "قوله: "وكاتبه وشاهديه". قال النووي: فيه تصريح بتحريم كتابة المترابيين والشهادة عليهما، وبتحريم الإعانة على الباطل". (مرقاة المفاتيح: ۶/ ۵۰، كتاب البيوع، باب الربا، الفصل الأول، رشيديه)

(۱) (سورة المائدة: ۹۰)

قال الله تعالى: ﴿يسئلونك عن الخمر والميسر، قل فيهما إثم كبير ومنافع للناس، وإثمهما أكبر من نفعهما﴾ (سورة البقرة: ۲۱۹)

وقال الله تعالى: ﴿إنما يريد الشيطان أن يوقع بينكم العداوة والبغضاء في الخمر والميسر، ويصدكم عن ذكر الله وعن الصلوة، فهل أنتم منتهون﴾ (سورة المائدة: ۹۱)

"قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "إن الله حرم على أمتي الخمر، والميسر، والمزر، =

...جرم ہونے سے اصل حقیقت نہیں بدلتی، اس کا نام ہبہ رکھ دینے سے یہ حلال نہیں ہوگا، بلکہ حرام ہی رہے گا(۲)۔

"عن أبي بردة بن أبي موسى رضي الله تعالى عنه قال: قدمت المدينة، فلقيت عبد الله بن سلام، فقال: إنك بأرض فيها الربوا فاش، فإذا كان لك على رجل حق، فأهدى إليك حمل تبن أو حمل شعير أو حمل قت، فلا تأخذه، فإنه ربوا". رواه البخاري". (مشكوة المصابيح، ص: ۲۴۶)(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۶/۲/۸۹ھ۔

قرض پر منافع سود ہے

سوال[۷۵۲۵]: زید نے عمرو سے ایک ہزار روپیہ لیا اور کہا کہ میں چالیس روپیہ ماہوار منافع تجھ کو دیتا رہوں گا جب تک اصل رقم ادا کروں، زید حسب وعدہ چالیس روپیہ ماہوار منافع کا دیتا رہا۔ ایک سال گذرنے کے بعد سوئے اتفاق سے زید کا کاروبار میں ہزار روپیہ کا گھاٹا ہو گیا، ذاتی رقم اور عمرو کا ایک ہزار روپیہ سب خسارے میں چلا گیا، اسی پر بس نہیں بلکہ ہزاروں کا مقروض بھی ہو گیا، پھر بھی زید کسی نہ کسی طرح وعدہ کے مطابق عمرو کو چالیس روپیہ ماہوار دیتا رہا۔ اور ابھی بھی یکمشت سو دو سو روپیہ بھی دے دیتا ہے۔

= والغبيراء والكوبة، وزاد لي صلوة الوتر". (مسند أحمد بن حنبل، مسند عبد الله بن عمرو رضي الله تعالى عنهما: ۲/۳۵۵، رقم الحديث: ۶۵۴۸، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

(وسنن أبي داود، كتاب الأشربة، باب ما جاء في السكر: ۲/۱۶۲، إمداديه)

"لأن القمار من القمر الذي يزداد تارةً وينقص أخرى. وسمي القمار قماراً، لأن كل واحد من المتقامرين ممن يجوز أن يذهب ماله إلى صاحبه، ويجوز أن يستفيد مال صاحبه، وهو حرام بالنص".

(رد المحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۶/۴۰۳، سعيد)

(۲) (سورة البقرة: ۲۷۵)

قال الله تعالى: ﴿يا أيها الذين آمنوا لا تأكلوا الربوا أضعافاً مضاعفةً، واتقوا الله لعلكم تفلحون﴾

(سورة آل عمران: ۱۳۰)

(۱) (مشكوة المصابيح، ص: ۲۴۶، كتاب البيوع، باب الربوا، الفصل الثالث، قديمي)

۱.....اس قسم کا معاہدہ کرنا از روئے شرع جائز یا نہیں؟

۲..... منافع سمجھ کر زید جو دے رہا ہے اس کا دینا اور بکر کا لینا جائز ہے یا نہیں؟

۳..... زید نے معاہدہ کرتے وقت صراحتاً کہا تھا کہ تم کو میں بطور منافع کے چالیس روپیہ ماہوار دوں گا اور منافع ہی سمجھ کر دے رہا ہے۔ کیا اس کے باوجود بھی سود ہوگا؟

۴.....زید نے بطور منافع کے جو رقم بکر کو دی ہے، کیا قرض دار اصل رقم ایک ہزار کی ادائیگی قرار دی جا سکتی ہے؟

۵..... اس نقصان کے باوجود کیا منافع کا چالیس روپیہ ماہوار دینا اب بھی لازم ہے، اور کیا اصل رقم بھی دینا ضروری ہے، اگر ہے تو موجودہ حالت میں زید کس طرح وہ رقم ادا کرے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱، ۲، ۳..... قرض پر اس طرح رقم دینے کا معاہدہ کرنا اور رقم دینا جائز نہیں، یہ یقیناً سود ہے، اس کا نام منافع رکھنے سے بھی سود ہی ہے، کتب فقہ میں ہے: "کل قرض جر نفعاً حرام". درمختار (۱) یعنی جس قرض سے نفع ملے وہ حرام ہے۔

۴..... اس کو اصل قرض کی ادائیگی میں محسوب کرلیا جائے تو سود سے چھٹکارہ ہو جائے گا (۲)۔

۵..... اصل قرض کی واپسی لازم ہے، جتنی رقم منافع کے نام پر دی جا چکی ہے، اس رقم کو ادا شدہ

---

(۱) (الدر المختار، باب المرابحة والتولية، فصل في القرض: ۵/۱۶۶، سعید)

"لايجوز أن يرد المقترض إلى المقرض إلا ما اقترضه منه أو مثله تبعاً للقاعدة الفقهية القائلة: "كل قرض جر نفعاً فهو ربا". (فقه السنة، القرض: ۳/۱۲۸، ۱۳۸، دار الكتاب العربي بيروت)

(۲) "إن سبيل التوبة مما بيده من الأموال الحرام، إن كانت من رباً فليردها على من أربى عليه، ويطلبه إن لم يكن حاضراً". (الجامع لأحكام القرآن للقرطبي، (سورة البقرة، تحت الآية: ﴿فإن لم تفعلوا فأذنوا بحرب من الله ورسوله، وإن تبتم فلكم رؤوس أموالكم﴾ (رقم الآية: ۲۷۹): ۳/۲۳۸، دار إحياء التراث العربي بيروت)

"أن من شرط التوبة أن ترد الظلامة إلى أصحابها، فإن كانت ذلك في المال، وجب أداءه عيناً أو ديناً، ما دام مقدوراً عليه". (القواعد للزركشي: ۲/۲۲۵)

کیا جائے، بقیہ رقم کی ضبطی یا شکل وار ادا کی جائے یا معاف کرالیا جائے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۲۶/۱۲/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، ۲۶/۱۲/۹۰ھ۔

منافع قرض

سوال [۷۵۹۶]: زید نے عمر کو مبلغ چار ہزار روپے تجارت کیلئے دیا اور کہا کہ اس روپے میں جو رقم کو نفع ہو یا نقصان ہو، میں جانوں، تم مجھے چالیس روپے ماہوار بطور نفع کے دیتے رہو، باقی جتنا بھی نفع ہو وہ سب تمہارا، اور میری رقم باقی رہے گی، نقصان جو ہو وہ سب تم کو برداشت کرنا پڑے گا۔ ایسی صورت میں شریعت مطہرہ کا کیا حکم ہے، کیا اس شرط کے ساتھ یہ معاملہ جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس طرح معاملہ کرنا شرعاً جائز نہیں، یہ سود ہے (۲)، اور سود کو اللہ تعالیٰ نے حرام فرمایا ہے: ﴿وأحل الله

---

(۱) "الديون تقضى بأمثالها". (رد المحتار، كتاب الصوم، مطلب ما قاله السبكي من الاعتماد على قول الحساب مردود: ۲/۳۹۵، سعيد)

(۲) "قوله عليه السلام: "كل قرض جر منفعة فهو ربا". أي في حكم الربا، فيكون عقد القرض باطلاً، فإذا شرط في عقده ما يجلب نفعاً إلى المقرض من نحو زيادة قدر أو صفة، بطل". (فيض القدير (رقم الحديث: ۶۳۳۶)، ۹/۴۶۸۳، مكتبة نزار مصطفى الباز رياض)

"عن فضالة بن عبيد رضي الله تعالى عنه صاحب النبي صلى الله عليه وسلم أنه قال: "كل قرض جر منفعة، فهو وجه من وجوه الربا". (إعلاء السنن: ۱۴/۵۱۲، كتاب الحوالة، إدارة القرآن كراچی)

"كل قرض جر نفعاً حرام أي إذا كان مشروطاً". (رد المحتار، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية، فصل في القرض: ۵/۱۶۶، سعيد)

"لا يجوز أن يرد المقترض إلى المقرض إلا ما اقترضه منه أو مثله تبعاً للقاعدة الفقهية القائلة: "كل قرض جر منفعة فهو ربا". (فقه السنة، القرض: ۳/۱۴۸، دار الكتاب العربي بيروت)

وكذا في الأشباه والنظائر، الفن الثاني، كتاب المداينات، ص: ۲۵۸، قديمي)

البیع وحرم الربوا﴾ الآیۃ (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

قرض پر نفع لینا سود ہے

سوال [۷۴۹۶]: زید نے عمر سے ایک ہزار روپیہ نقد اس شرط پر حاصل کیا کہ اس روپیہ کو تجارت میں لگا کر عمر کو دس روپیہ ماہوار بطور منافع دیتا رہے گا، چنانچہ زید نے چالیس ماہ تک متواتر دس روپیہ ماہوار عمر کو ادا کئے اور زید بتقاضائے الٰہی فوت ہوگیا، باقاعدہ حساب تجارت کا جس سے نفع ونقصان ظاہر ہو یا جن لوگوں کا لینا یا دینا بذمہ زید پایا جاتا ہو نہیں چھوڑا، بلکہ ایک کافی رقم قرضہ کی کئی ہزار روپیہ کی زید کے ذمہ بعد اس کے فوت ہونے کے ثابت ہوئی۔

ورثائے زید نے اپنے متوفی عزیز کو بار قرض سے سبکدوش کرنے کے لئے قرض خواہاں سے ان کی اصل رقوم معلوم کرکے ان کی واجب رقوم ادا بھی کردی ہے اور عمر کا روپیہ بھی ادا کردینا چاہتے ہیں، چنانچہ بعد انتقال زید کے قریب چار سو روپیہ بالاقساط عمر کو دے بھی چکے ہیں، لیکن ورثائے زید کہتے ہیں کہ زید نے چالیس ماہ تک رقم ادا کی ہے وہ شرعی نقطہ نظر سے منافع نہیں ہے، بلکہ سود ہے، کیوں کہ کوئی معاہدہ وشرائط تجارت کے نقصان میں بھی عمر کے شریک رہنے کی نہیں پائی جاتی۔ لہٰذا اگر وہ رقم سے پوری کردی جائے تو باقی رقم ورثائے زید ادا کرنے کو تیار ہیں۔

اور عمر کا بیان ہے کہ جو دس روپیہ ماہوار زید نے ادا کئے وہ بطور منافع کے دیئے ہیں، لہٰذا پوری رقم ورثاء کو ادا کرنا چاہئے، البتہ وہ رقم جو بعد وفات ہونے کے زید کے ورثاء سے عمر کو حاصل ہوچکی ہے اس کو اصل رقم سے وہ ضرور منہا کرنے پر رضامند ہے، جو کچھ شرعی حکم ہو، بالتشریح عنایت فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

بظاہر زید نے جو عمر سے ایک ہزار روپے شرط مذکور پر حاصل کیا ہے، یہ قرض ہے، اس صورت میں دس روپے کا منافع بالیقین سود ہے جس کا وصول کرنا عمر کو حرام ہے (۲)، لہٰذا ان رقوم کو بھی اصل رقم

(۱) (سورۃ البقرۃ: ۲۷۵)

(۲) "قال علیہ الصلوٰۃ والسلام: "کل قرض جر منفعۃ فہو ربا". (فیض القدیر (رقم الحدیث: ۶۳۳۶): =

میں شمار کرنا واجب ہے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

غلہ قرض دیکر زیادہ وصول کرنا

سوال [۷۴۲۸]: اکثر کاشت کے وقت بیج دیتے ہیں اور ایک من کے بجائے سوا من کھیت کاٹنے کے بعد لیتے ہیں۔ یہ سود ہے یا کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ سود ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

= ۹/ ۲۸۴، مکتبہ مصطفی الباز ریاض)

"عن علی أمیر المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہ مرفوعاً: "کل قرض جر منفعة فهو ربا". وكل قرض شرط فيه الزيادة فهو حرام بلا خلاف". (إعلاء السنن: ۱۴/ ۴۹۹، كتاب الحوالة، باب كل قرض جر منفعة فهو ربا، إدارة القرآن كراچى)

"كل قرض جر منفعة فهو وجه من وجوه الربا". (تكملة فتح الملهم: ۱/ ۵۷۵، كتاب المساقات والمزارعة، دار العلوم كراچى)

"كل قرض جر نفعاً فهو حرام". (رد المحتار، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية، فصل في القرض: ۵/ ۱۶۶، سعيد)

(وكذا في الأشباه والنظائر، الفن الثاني، كتاب المداينات، ص: ۲۵۷، قديمى)

(وكذا في فقه السنة، القرض: ۳/ ۱۰۹، دار الكتاب العربى بيروت)

(۱) یعنی جب اصل میں شمار ہوگا تو اس کی ادائیگی بھی اسی اصل کے تابع ہو جائے گی، چونکہ حرام مال کو مالک کی طرف واپس کرنا واجب ہی ہے:

"والحاصل أنه إن علم أرباب الأموال وجب رده عليهم، وإلا فإن علم عين الحرام لا يحل له، ويتصدق به بنية صاحبه". (رد المحتار، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، مطلب فيمن ورث مالاً حراماً: ۵/ ۹۹، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس عشر في الكسب: ۵/ ۳۴۹، رشيديه)

(۲) "عن أبي سعيد الخدري رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: =

مکی کی گیہوں سے ادھار بیع

سوال [۷۴۱۲]: کسی نے مکا، شکر قندی اس نیت سے کسی کو دی کہ فصل پر گیہوں لے لوں گا۔ یہ کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مکا، شکر قندی فروخت کرنا اس شرط پر کہ اس کے عوض فصل پر گیہوں لے گا یعنی گیہوں کو قیمت قرار دینا اور اس کو فصل پر وصول کرنا درست نہیں ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفی عنہ، دار العلوم دیوبند۔

= "الذهب بالذهب، والفضة بالفضة، والبر بالبر، والشعير بالشعير، والتمر بالتمر، والملح بالملح مثلاً بمثل، يداً بيد، فمن زاد أو استزاد، فقد أربى، الآخذ والمعطي فيه سواء". (الصحيح لمسلم، كتاب المساقاة والمزارعة، باب الربا: ۲۵/۲، قديمي)

(وجامع الترمذي، أبواب البيوع، باب ماجاء أن الحنطة بالحنطة مثلاً بمثل، وكراهية التفاضل فيه: ۲۳۵/۱، سعيد)

(وكذا في نصب الراية، كتاب البيوع، باب الربا: ۳۶/۴، مكتبه حقانيه)

(وكذا في الدراية في منتخب تخريج أحاديث الهداية، كتاب البيوع، باب الربا: ۱۵۷/۲، مكتبه شركت علميه ملتان)

(۱) "عن عبادة بن الصامت رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "الذهب بالذهب، والفضة بالفضة، والبر بالبر، والشعير بالشعير، والتمر بالتمر، والملح بالملح، مثلاً بمثل، سواءً بسواء، يداً بيد، فإذا اختلفت هذه الأصناف، فبيعوا كيف شئتم إذا كان يداً بيد". (مشكوة المصابيح، ص: ۲۴۴، كتاب البيوع، باب الربوا، قديمي)

(وجامع الترمذي: ۲۳۵/۱، كتاب البيوع، باب ماجاء في أن الحنطة بالحنطة مثلاً بمثل الخ، سعيد)

"وعلته القدر مع الجنس، فإن وجدا، حرم الفضل والنساء، وإن عدما، حلا. وإن وجد أحدهما، حل الفضل، وحرم النساء". (تنوير الأبصار مع الدر المختار: ۱۷۲/۵، كتاب البيوع، باب الربا، سعيد)

"وعلته القدر والجنس، فحرم بيع الكيلي والوزني بجنسه متفاضلاً أو نسيئةً ولو غير مطعوم كالجص والحديد، وحل متماثلاً بعد التقابض، أو متفاضلاً غير معير كحفنة بحفنتين، وبيضة =

قرض دینے کی وجہ سے ایک کلو گوشت دینا

سوال [۷۵۰۱]: ایک قصاب نے زید سے پندرہ روپے گوشت کی تجارت کے لئے دیا اور یہ شرط کی کہ جب تک دوسرے یا تیسرے روز تک واپس نہ کروں گا تو تم کو ایک سیر گوشت دیا کروں گا، چنانچہ زید جو دوا بعد سب روپے واپس کروں گا تو گویا کہ گوشت کا جو روپیہ ہے زائد قصاب کی طرف سے مل رہا ہے، اس کا کھانا جائز ہے؟ اور کیا یہ صورت مضاربت میں داخل ہو سکتی ہے اور اگر زید نے اس کو کھا لیا ہے اور وہ ناجائز ہے تو اب سے اس کے بچاؤ اور معافی ہونے کی کیا صورت نکل سکتی ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ سود ہے، ناجائز ہے "کل قرض جر نفعاً حرام" درمختار۔ قال الشامی: "أي إذا كان مشروطاً" اھ۔ شامی: ۴/۲۹۲(۱)۔

= بيضتين، والتمرة بتمرتين، لأن وجد الوصفان حرم الفضل والنساء، وإن عدما حلا، وإن وجد أحدهما فقط، حل التفاضل لا النساء". (ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر: ۳/۱۰۲، كتاب البيوع، باب الربا، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۱) (رد المحتار: ۵/۱۶۶، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية، فصل في القرض، سعيد)

"قال عليه الصلاة والسلام: "كل قرض جر منفعة فهو ربا". (فيض القدير، رقم الحديث: ۶۳۳۶، ۹/۴۶۳۵، مكتبه مصطفى الباز رياض)

"عن علي أمير المؤمنين رضي الله تعالى عنه مرفوعاً: "كل قرض جر منفعة فهو ربا". وكل قرض شرط فيه الزيادة فهو حرام بلا خلاف". (إعلاء السنن: ۱۴/۴۹۹، كتاب الحوالة، باب كل قرض جر منفعة فهو ربا، إدارة القرآن كراچی)

"كل قرض جر منفعة فهو وجه من وجوه الربا". (تكملة فتح الملهم: ۱/۵۷۵، كتاب المساقات والمزارعة، دار العلوم كراچی)

"كل قرض جر نفعاً فهو حرام". (رد المحتار، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية، فصل في القرض: ۵/۱۶۶، سعيد)

(وكذا في الأشباه والنظائر، الفن الثاني، كتاب المداينات، ص: ۲۵۷، قديمي)

اس سے سبکدوش ہونے کی صورت یہ ہے کہ اس گوشت کی قیمت ادا کردے، یا اس روپے میں سے منہا کردے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۱/۳/۵۵ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔ صحیح: عبداللطیف، ۱۱/ ربیع الاول/۵۵ھ۔

سودی کام میں شرکت

سوال[۷۹۵۱]: کفار کے اشتراک میں کوئی کام تجارت کھانا وغیرہ جائز ہے جبکہ وہ سود خور ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

سودی کام میں اشتراک درست نہیں(۲)، سودی کھانا بھی درست نہیں(۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

= (وكذا في فقه السنة، القرض: ۳/۱۸۲، دار الكتاب العربي بيروت)

(۱) "ويردونها على أربابها إن عرفوهم، وإلا تصدقوا بها؛ لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد على صاحبه". (رد المحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۶/۳۸۵، سعيد)

"والحاصل أنه إن علم أرباب الأموال، وجب رده عليهم، وإلا فإن علم عين الحرام لا يحل له، ويتصدق به بنية صاحبه". (رد المحتار، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، مطلب فيمن ورث مالاً حراماً: ۵/۹۹، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس عشر في الكسب: ۵/۳۴۹، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى الكاملية، ص: ۱۵۰)

(۲) قال الله تعالى: ﴿وأحل الله البيع وحرم الربوا﴾. (سورة البقرة: ۲۷۵)

وقال الله تعالى: ﴿يا أيها الذين آمنوا لا تأكلوا الربوا أضعافاً مضاعفة، واتقوا الله لعلكم تفلحون، واتقوا النار التي أعدت للكافرين﴾. (سورة آل عمران: ۱۳۰، ۱۳۱)

"عن جابر رضي الله تعالى عنه قال: لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم آكل الربوا وموكله وكاتبه وشاهديه، وقال: "هم سواء". (الصحيح لمسلم: ۲/۲۷، كتاب المساقاة والمزارعة، باب الربا، قديمي)

"عن عبد الله بن حنظلة رضي الله تعالى عنه غسيل الملائكة قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "درهم ربوا يأكله الرجل وهو يعلم أشد من ستة وثلاثين زنية". (مجمع الزوائد، كتاب البيوع، باب ما جاء في الربا: ۴/۱۱۷، دار الفكر بيروت)

(۳) "أهدى إلى رجل شيئاً أو أضافه، إن كان غالب ماله من الحلال، فلا بأس، إلا أن يعلم بأنه حرام، فإن =

سودی معاملہ کی اعانت

سوال [۷۹۵۲]: میں نے ایک شخص کو ادھار بیاج پر تین ہزار روپیہ تین ماہ کے لئے دلوا دیا تھا(۱)۔ مگر روپیہ دینے والے نے بیاج کا معاملہ پہلے ہی کاٹ لیا اور میں نے اس کو تین ہزار روپے اپنے پاس سے ملا کر پورا کردیا، کیونکہ اس کو اتنے روپے کی ضرورت تھی اب وہ روپیہ مع بیاج کے واپس دے گا۔ ایسی صورت میں میرے لئے کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

آپ اپنا روپیہ لے سکتے ہیں، مگر اس سودی معاملہ کی اعانت کے گناہ میں آپ کی بھی شرکت ہوگئی (۲) توبہ استغفار ضروری ہے (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

– كان الغالب هو الحرام، ينبغي أن لا يقبل الهدية، ولا يأكل الطعام" (الفتاوى العالمكيرية: ۵/ ۳۴۲، كتاب الكراهية، الباب الثاني عشر، رشيديه)

(۱) "بیاج: سود، بازنفع، جو قرض پر زیادہ لیں"۔ (فیروز اللغات، ص: ۲۵۴، فیروز سنز لاہور)

(۲) قال الله تعالى: ﴿وتعاونوا على البر والتقوى ولا تعاونوا على الإثم والعدوان﴾ (سورة المائدة: ۲)

"عن عبد الرحمن بن عبد الله ابن مسعود عن أبيه رضي الله تعالى عنه قال: إن النبي صلى الله عليه وسلم لعن آكل الربا وموكله وشاهده وكاتبه". (سنن أبي داود، كتاب البيوع، باب في آكل الربا وموكله: ۲/ ۱۱۷، مكتبه امداديه ملتان)

"قال الخطابي: سوى رسول الله صلى الله عليه وسلم بين آكل الربا وموكله، إذ كل لا يتوصل إلى أكله إلا بمعاونته ومشاركته إياه، فهما شريكان في الإثم كما كانا شريكين في الفعل .... "وكاتبه وشاهديه" قال النووي: فيه تصريح بتحريم كتابة المترابيين، والشهادة عليهما، وبتحريم الإعانة على الباطل". (مرقاة المفاتيح: ۶/ ۵۱، كتاب البيوع، باب الربا، رشيديه)

"قوله: لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم آكل الربوا وموكله وكاتبه وشاهديه، وقال: "هم سواء" هذا تصريح بتحريم كتابة المتبايعين .... وفيه تحريم الإعانة على الباطل". (شرح النووي مع صحيح مسلم: ۲/ ۲۸، كتاب المساقات والمزارعة، باب الربا، قديمي)

(۳) قال الله تعالى: ﴿أفلا يتوبون إلى الله ويستغفرونه، والله غفور رحيم﴾ (سورة المائدة: ۷۴)

سود پر قرض لے کر اس سے کاروبار کرنا

سوال [۷۵۵۳]: گورنمنٹ کی طرف سے کاشتکاروں کو بونے کے لئے روپیہ ادھار فصل پوری جانے سے قبل ملتے ہیں جتنا دیا جاتا ہے اس سے زیادہ مقررہ وقت ادھر سے لیا جاتا ہے، ظاہر ہے کہ یہ سود ہے، آج تک شاید ہی میری طرف کوئی ایسا کاشتکار ہو جو اس سے بچا ہو، ایسی صورت میں کیا اپنے کسی عزیز کے یہاں کھانا کھا سکتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

کاشتکار کو جو ملتا ہے وہ قرض ہے (۱)، سود نہیں، پھر اس سے جو مقدار زائد وصول کی جاتی ہے وہ

وقال الله تعالیٰ: ﴿یا أیها الذین اٰمنوا توبوا إلی الله توبة نصوحاً﴾ (سورة التحریم: ۸)

"واتفقوا علی أن التوبة من جمیع المعاصی واجبة علی الفور لا یجوز تأخیرها، سواء کانت المعصیة صغیرة أو کبیرة" (شرح النووی علی صحیح مسلم، کتاب التوبة: ۲/۳۵۴، قدیمی)

"والکلام فی التوبة کثیر، وحیث کانت أهم الأوامر الإسلامیة وأول المقامات الإیمانیة ومبدأ طریق السالکین ومفتاح باب الواصلین، لا بأس فی ذکر شيء مما یتعلق بها، فنقول: هي الندم علی المعصیة لکونها معصیة وقال الإمام النووي: التوبة ما استجمعت ثلاثة أمور: أن یقلع عن المعصیة، وأن یندم علی فعلها، وأن یعزم عزماً جازماً علی أن لا یعود إلی مثلها أبداً، فإن کانت تتعلق بآدمي، لزم رد الظلامة إلی صاحبها أو وارثه أو تحصیل البراءة منه، ورکنها الأعظم الندم.

وفي شرح المقاصد: قالوا: إن کانت المعصیة في خالص حق الله تعالیٰ، فقد یکفي الندم کما في ارتکاب الفرار من الزحف وترک الأمر بالمعروف ولم یختلف أهل السنة وغیرهم في وجوب التوبة علی أرباب الکبائر" (روح المعاني، سورة التحریم، تحت آیة: ﴿یا أیها الذین اٰمنوا توبوا إلی الله توبة نصوحاً﴾: ۲۸/۱۵۸، ۱۵۹، دار إحیاء التراث العربي بیروت)

(۱) "هو (أي القرض) عقد مخصوص یرد علی دفع مثلي لآخر لیرد مثله" (تنویر الأبصار مع الدر المختار، کتاب البیوع، باب المرابحة والتولیة، فصل في القرض: ۵/۱۶۱، سعید)

"الدیون تقضی بأمثالها" (رد المحتار، کتاب الصوم، مطلب فیما یقوله الحسکي من الاعتماد علی قول الحساب مردود: ۲/۳۸۹، سعید)

سود ہے (۱)، کاشتکار کے گھر کا کھانا سود نہیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

محمود۔

دارالحرب کی تعریف اور سود لینا

سوال[۷۹۵۳]: کیا ہندوستان دارالحرب ہے؟ دارالحرب کی کیا شرائط ہیں؟ پھر دارالحرب کے اندر سود لینا کیسا ہے؟

---

(۱) "فمنه الربا ما هو بيع، ومنه ما ليس ببيع، وهو ربا أهل الجاهلية، وهو القرض المشروط فيه الأجل وزيادة مال على المستقرض". (أحكام القرآن للجصاص: ۱/۴۶۹، بيروت)

"وكل قرض شرط فيه الزيادة، فهو حرام بلا خلاف. قال ابن المنذر: أجمعوا على أن المسلف إذا شرط على المستسلف زيادةً أو هديةً، فأسلف على ذلك أن أخذ الزيادة على ذلك ربا. فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "كل قرض جر منفعةً فهو ربا". (إعلاء السنن، كتاب الحوالة، باب كل قرض جر منفعة فهو ربا: ۱۴/۴۹۹، إدارة القرآن كراچی)

(وفيض القدير، (رقم الحديث: ۶۳۳۶): ۹/۴۰۲۸، مكتبه نزار مصطفى الباز رياض)

(۲) "لأن القرض إعارة ابتداءً حتى يصح بلفظها، معاوضة انتهاءً؛ لأنه لا يمكن الانتفاع به إلا باستهلاك عينه، فيستلزم إيجاب المثل في الذمة، ولا يجوز في غير المثلي؛ لأنه لا يجب ديناً في الذمة ويملكه المستقرض بالقبض كالصحيح". (رد المحتار، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية، فصل في القرض: ۵/۱۶۱، سعيد)

"والدليل على كون القرض صدقةً ابتداءً، مارواه الطبراني والبيهقي، بإسناد حسن عن عبد الله بن مسعود رضي الله تعالى عنه أن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم قال: "كل قرض صدقة".

"وعن عبد الله بن مسعود رضي الله تعالى عنه أن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم قال: "ما من مسلم يقرض مسلماً قرضاً مرةً إلا كان كصدقتها مرتين". رواه ابن ماجة". (إعلاء السنن، كتاب الحوالة، باب كل قرض جر منفعة فهو ربا، دليل كون القرض صدقةً ابتداءً: ۱۴/۵۰۸، ۵۰۹، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في رد المحتار: ۵/۱۶۱، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية، فصل في القرض، سعيد)

الجواب حامداً ومصلیاً:

دار الحرب وہ مقام ہے جس کا اقتدار اعلیٰ مسلم کے قبضہ میں نہ ہو(۱)۔ اس اعتبار سے ہندوستان دار الحرب ہے۔ سود لینا حرام ہے، نص قطعی میں اس کی حرمت موجود ہے ﴿وحرم الربوا﴾(۲)۔ اس میں کسی مقام کی تخصیص نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۰/۲/۹۹ھ۔

دار الحرب کی تفصیلی بحث اور سود کا حکم

سوال [۷۵۹۵]: ایک شخص سود کو حلال سمجھتا ہے اور لوگوں کو ترغیب دیتا ہے۔ کیا سود لینا جائز ہے؟ جواز میں شخصی و مکانی خصوصیت کا اعتبار کیا گیا ہے یا نہیں، کاروبار کیسا ہے؟ کیا یہ مطلق ہر لحاظ سے دار الحرب ہے، اگر ہے تو کیوں اور اگر نہیں تو مستقل سود کو کیا حکم ہے؟ پھر یہ اعتقاد حلت کے بعد ترغیب کرنے والا اور عام طور سے ترویج دینے والا کیسا ہے؟ بالفرض ہندوستان میں سود حلال بھی ہو تو کیا عوام قوم کے عقائد وخیانات کی خرابی وتباہی کو ملحوظ رکھتے ہوئے بھی وہی حکم رہے گا؟ بسط تحریر ہو۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

سود کی حرمت نص قطعی سے ثابت ہے ﴿واحل اللہ البیع وحرم الربوا﴾(۳)۔ جو شخص سود سے احتراز نہ کرے اس کے متعلق ارشاد ہے: ﴿فان لم تفعلوا فاذنوا بحرب من اللہ ورسولہ﴾(۴)۔

ابو البرکات نسفی نے آیت: ﴿لا تاکلوا الربوا﴾(۵) کی تفسیر میں لکھا ہے:

---

(۱) "ان المراد بدار الاسلام بلاد یجری فیہا حکم امام المسلمین، ویکون تحت قہرہ، وبدار الحرب بلاد یجری فیہا امر عظیمہا، وتکون تحت قہرہ" (الفتاوی العزیزیۃ، ص: ۳۲۱، باب الفقہ، سعید)

(۲) قال اللہ تعالی: ﴿واحل اللہ البیع وحرم الربوا﴾ (سورۃ البقرۃ: ۲۷۵)

(۳) (سورۃ البقرۃ: ۲۷۵)

(۴) (سورۃ البقرۃ: ۲۷۹)

(۵) قال اللہ تعالی: ﴿یا ایہا الذین آمنوا لا تاکلوا الربوا اضعافاً مضاعفۃ، واتقوا اللہ لعلکم تفلحون، واتقوا النار التی اعدت للکافرین﴾ (سورۃ آل عمران: ۱۳۰)

"كان أبو حنيفة رحمه الله تعالى يقول: هي أخوف آية في القرآن حيث أوعد الله المؤمنين بالنار المعدة للكافرين إن لم يتقوه في اجتناب محارمه". مدارك التنزيل، ص: ١٤٦/١(١)۔

حدیث میں سود کھانے والے پر لعنت وارد ہوئی ہے۔

"عن جابر بن عبد الله رضي الله تعالى عنه قال: لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم آكل الربوا ومؤكله الخ". مسلم شریف، ص: ٢٧/٢(٢)۔

سود کھانے والوں کا حشر بری طرح ہوگا:

"ثم ذكر عقوبة آكل الربوا فقال: ﴿الذين يأكلون الربوا﴾ استحلالاً ﴿لا يقومون﴾ من قبورهم يوم القيامة ﴿إلا كما يقوم﴾ في الدنيا ﴿الذي يتخبطه الشيطان من المس﴾ من الجنون. ﴿ذلك﴾ التخبط علامة آكل الربوا في الآخرة ﴿بأنهم قالوا إنما البيع مثل الربوا﴾". تفسير ابن عباس رضي الله تعالى عنه، ص: ٣٨(٣)۔

اس لیے علی الاطلاق تو کوئی اہل علم بھی جوازِ سود کا قائل نہیں ہو سکتا، البتہ دار الحرب میں مسلم مستامن

---

* وقال الله تعالى: ﴿ولا تأكلوا أموالكم بينكم بالباطل﴾ (سورة البقرة: ١٨٨)

(١) (مدارك التنزيل: ٢٠٢/١، (سورة آل عمران: ١٣١)، قديمي)

قال الله تعالى: ﴿الذين يأكلون الربوا لا يقومون إلا كما يقوم الذي يتخبطه الشيطان من المس﴾ (سورة البقرة: ٢٧٥)

قال العلامة البغوي رحمه الله تعالى: ﴿بالباطل﴾ بالحرام يعني بالربا والقمار والغصب والسرقة". (معالم التنزيل: ٢٠٥/١، قديمي)

(٢) (الصحيح لمسلم: ٢٧/٢، كتاب المساقاة والمزارعة، باب الربا، قديمي)

"عن عبد الله بن مسعود رضي الله تعالى عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "الربا ثلاثة وسبعون باباً أيسرها مثل أن ينكح الرجل أمه، وإن أربى الربا عرض الرجل المسلم". (المستدرك للحاكم، كتاب البيوع، (رقم الحديث: ٢٣٠٥)، ٣٧/٢، دار الفكر بيروت)

(٣) (تفسير ابن عباس، (سورة البقرة: ٢٧٥)، ص: ٣٨، صديقيه كتب خانه اكوڑه خٹك)

کوکافر حربی سے طرفین رحمہما اللہ تعالیٰ کے قول کے مطابق سود لینے والے کے لئے گنجائش ہے، امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ اور ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس صورت میں بھی ناجائز ہے:

"ولا (ربوا) بين المسلم والحربي في دار الحرب، خلافاً لأبي يوسف رحمه الله تعالى والأئمة الثلاثة". الدر المنتقي: ۲/ ۹۰ (۱)۔

سودی کاروبار کا مفہوم عام ہے جو سود لینے اور دینے ہر دو کو شامل ہے، اس لئے اس کے جواز کا فتویٰ دینا مطلقاً کسی کے قول پر بھی درست نہیں، کیونکہ سود دینا کسی کے نزدیک بھی جائز نہیں۔

"فالظاهر أن الإباحة بقيد نيل المسلم الزيادة، وقد ألزم الأصحاب في الدرس أن مرادهم من حل الربوا والقمار ما إذا حصلت الزيادة للمسلم نظراً إلى العلة، وإن كان إطلاق الجواب خلافه، والله تعالى أعلم، اهـ". منحة الخالق: ٦/ ١٣٦ (٢)۔

ہندوستان کے متعلق علماء کی آراء مختلف ہیں، دونوں طرف اہلِ تحقیق ہیں ہر جانب دلائل موجود ہیں، بندہ کوئی فیصلہ نہیں کرسکتا ہے، گنجائش ہر جانب میں ہے، اختلاف کی وجہ سے اجتناب بالیقین احوط ہے (۳)۔

---

(۱) (الدر المنتقي على هامش مجمع الأنهر: ۳/ ۱۴۲، باب الربا، مكتبه غفاريه كوئٹه)

"ولا ربا بين المسلم والحربي في دار الحرب عند الطرفين خلافاً لأبي يوسف والشافعي رحمهما الله تعالى". (مجمع الأنهر، باب الربا: ۳/ ۱۴۲، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۲) (منحة الخالق على هامش البحر الرائق: ۶/ ۲۳۶، كتاب البيع، باب الربا، رشيديه)

"فالظاهر أن الإباحة بقيد نيل المسلم الزيادة، وقد ألزم الأصحاب في الدرس أن مرادهم من حل الربا والقمار ما إذا حصلت الزيادة للمسلم، نظراً إلى العلة وإن كان إطلاق الجواب خلافه". (رد المحتار: ۵/ ۱۸۶، كتاب البيوع، باب الربا، سعيد)

(وكذا في فتح القدير: ۶/ ۱۷۸، كتاب البيوع، باب الربا، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۳) "وقد اتفقت الأمة على أن الخروج من اختلاف مستحب قطعاً، لأن خلاف الأئمة لاسيما خلاف جمهورهم يورث شبهة في الجواز، وقال النبي صلى الله عليه وسلم: "الحلال بيّن والحرام بيّن، وبينهما شبهات، فمن اتقى الشبهات فقد استبرأ لدينه". لاسيما وكون الهند دار الحرب عند الإمام محل نظر بعد، فالشبهة إذن قوية غير ضعيفة، والتوقي عنه واجب من غير ريبة". (إعلاء السنن: ۱۴/ ۳۶۷، كتاب البيوع، باب الربا، إدارة القرآن، كراچي)

جن حضرات کے نزدیک ہے، وہ دارالحرب کی تعریف اس طرح فرماتے ہیں:

"دار الحرب ما خافوا فيه من الكافرين". جامع الرموز" (۱)۔

"إذا أجروا فيها أحكام الشرك، فإنها تصير دار الحرب، سواء كانت متصلةً بدار الحرب أولم تكن، ويبقى فيها مسلم أو ذمي آمناً بالأمان الأول أو لم يبق، اھ". خزانة المفتيين (۲)۔

"المراد بدار الحرب بلاد يجري فيها أمرُ عظيمها، وتكون تحت قهره، اھ، كافي. وإن لا يبقى فيه مسلم ولا ذمي آمناً بالأمان السابق، سواء ترك بعض شعائر الإسلام أولا، وسواء أعلن شعائر الكفر أو لا، اھ. إذا أجرى أهل الحرب في بلدة من بلاد أهل الإسلام أحكامَ أهل الحرب، تصير دار الحرب كيف ما كان، اھ". فتاویٰ قاضی خان برهامش هندیه: ۵۸٤/۳ (۳)۔

جن حضرات کے نزدیک نہیں، وہ دارالحرب کی اس طرح تعریف کرتے ہیں:

"ودار الإسلام لا تصير دار الحرب بالإجراء أحكام الشرك فيها، وأن تكون متصلةً بدار الحرب لا يكون بينهما وبين دار الحرب مصرٌ آخر للمسلمين، ولا يبقى فيها مسلم أو ذمي آمناً بالأمان الأول، فما لم توجد هذه الشرائط، لا تصير دار الحرب. ومعنى قولنا: أن لا يبقى مسلم أو ذمي آمناً بالأمان الأول أن لا يبقى مسلم أو ذمي آمناً على نفسه إلا بأمان المشركين، اھ". خزانة المفتيين (٤)۔

"وفي سير الأصل لأبي اليسر: أن دار الإسلام، لا تصير دار الحرب مالم يبطل جميع

(۱) (جامع الرموز: ۵۵٦/۳، باب الجهاد، المطبعة الكريمية ببلدة قزان)

(۲) (مجموعة الفتاوى، كتاب العلم والعلماء، عنوان مسئله: ہندوستان دارالحرب ہے یا نہیں؟: ۲۳/۱، سعید)

(۳) (فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب السير، باب الردة وأحكام أهلها، فصل فيما يصله الارتداد: ۵۸۳/۳، رشيديه)

(٤) (خزانة المفتيين، بحواله مجموعة الفتاوى بعبدالحي اللكنوي، كتاب العلم والعلماء، ہندوستان دارالحرب ہے یا نہیں؟: ۲۳/۱، سعید)

ما صارت به دار الإسلام؛ لأن الحكم إذا ثبت تعلة فما بقي من العلة شيء يبقى ببقائه. وفي دستور دار الإسلام بوجود أحكام الإسلام، فما بقي علقة من علائق الإسلام، يترجح جانب الإسلام، اه"(۱)۔

"وذكر الحلواني: إنما تصير دار الحرب بإجراء أحكام الكفر، وأن لا يحكم فيها بحكم من أحكام الإسلام، وأن تتصل بدار الحرب، وأن لا يبقى فيها مسلم ولا ذمي آمناً بالأمان الأول .... فإذا وجدت الشرائط كلها، صارت دار الحرب، وعند تعارض الدلائل والشرائط يبقى ما كان على ما كان، أو يترجح جانب الإسلام احتياطاً"(۲)۔

فریقین کے دلائل سامنے ہیں، دونوں طرف اہلِ تحقیق ہیں۔ مولانا عبدالباری رحمہ اللہ تعالیٰ فرنگی محلی لکھنوی، مولانا عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ تعالیٰ، نواب صدیق حسن خان بھوپالی نے ہندوستان کو دارالحرب نہیں لکھا ہے، بلکہ دارالاسلام مانا ہے چنانچہ مجموعۃ الفتاوی ۱/۲۳۶، میں ہے:

"لیکن بلادِ ہند جو قبضۂ نصاریٰ میں ہیں، دارالحرب نہیں ہے، اور ان میں کافر سے سود لینا جائز نہیں ہے اور ۲/۱۰۷، میں ہے ہندوستان دارالحرب ہے یا نہیں، بلکہ دارالاسلام ہے۔ چنانچہ ان عباراتِ فقہیہ سے واضح ہوتا ہے اول قول پس یہ بلاد دارالحرب نہ ہوں گے نہ بمذہب امام اور نہ بمذہب صاحبین"(۳)۔

اور ۲/۲۲۵، میں ہے:

"والصحيح أنه (أي ملك الإنجريز) دار الإسلام، ولم يصر

---

(۱) (خزانة المفتيين، بحواله مجموعة الفتاوى بعبد الحي اللكنوي، كتاب العلم والعلماء، ہندوستان دارالحرب ہے یا نہیں؟: ۱/۲۳۶، سعید)

(۲) (الفتاوى البزازية على هامش الفتاوى العالمكيرية: ۶/۳۱۲، كتاب السير، الفصل الثالث في المحظور والإباحة، رشيديه)

(۳) (مجموعة الفتاوى، كتاب الصلوة، عنوان: ہندوستان میں نماز جمعہ اور اس کے بعد چار رکعت ظہر احتیاطی کا حکم: ۲/۲۳۸، سعید)

دار الحرب ہیں ۔الخ"(۱)۔

مولانا عبدالباری صاحبؒ اپنی تحریر میں نواب صدیق حسن صاحب کی عبارت نقل کرتے ہیں

"ہندوستان عموماً و ریاسات اسلامیہ خصوصاً نزد امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ دار الحرب نیست فی الحال در مختار و فتویٰ مشاہیر فقہائے حنفیہ ہند مثل علمائے دہلی و رام پور و بھوپال، وجہ آں ہمیں است کہ مملکت ہند خصوصاً ریاسات اسلامیہ آں دار الاسلام است نہ دار الحرب ۔ بعض معاصرین نوشتہ اند: "الاحتیاط أن نجعل هذه البلاد دار الإسلام وإن كانت السلاطين في الظاهر هؤلاء الشياطين، والله تعالى أعلم" مجموعہ رسالہ ہجرة و قربانی گاؤ"۔

اور حضرت مولانا شاہ اسمٰعیل شہیدؒ نے ۱۲۳۳ھ میں ہندوستان کے اکثر حصہ کو دار الحرب قرار دیا ہے، چنانچہ صراط مستقیم میں ص ۹۵ پر فرماتے ہیں:

"بلکہ حال ہندوستان را دریں جزو زماں کہ سن یک ہزار و دو صد و سی و سوم است کہ اکثرش دریں ایام دار الحرب گردیدہ، الخ" "(۲)۔

نیز ان کے استاد اور چچا اور مرشد کے شیخ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلویؒ فرماتے ہیں:

"در کافی می نویسند: إن المراد بدار الإسلام بلاد يجري فيها حكم إمام المسلمين وتكون تحت قهره، وبدار الحرب بلاد يجري فيها أمر عظيمها وتكون تحت قهره انتهى۔ دریں شہر حکم امام المسلمین قطعاً جاری نیست، و حکم رؤسائے نصاریٰ بے دغدغہ جاری است ۔ و مراد از

---

(۱) (مجموعة الفتاوى، كتاب العلم والعلماء، عنوان مسئله: ہندوستان دار الحرب ہے یا نہیں ۲۲۵/۲، سعید)

(۲) (صراط مستقیم، (فارسی) فصل چہارم در بیان طریق زدے طاعات ص: ۹۵، مطبع مجتبائی واقع دہلی)

اجرائے احکام کفر این است که در مقدمهٔ ملک داری و بندوبست رعایا و اخذ خراج و باج و عشور اموال تجارت و سیاست قطاع طریق و سراق و فصل خصومات و سزائے جنایات کفار بطور خود حاکم باشند آری

اگر بعض احکام اسلام را مثل جمعه و عیدین و اذان و ذبح بقر تعرض نکنند نکرده باشند لیکن اصل الاصول این چیزها نزد ایشان هبا و هدر است، زیرا که مساجد را بے تکلف هدم می نمایند، و هیچ مسلمان یا ذمی بغیر استیمان ایشان درین شهر و در نواح آن نمی تواند آمد برائے منفعت خود از واردین و مسافرین و تجار مخالفت نمی نمایند

اعیان دیگر مثل شجاع الملک و ولایتی بیگم بغیر حکم ایشان درین بلاد داخل نمی توانند شد، و ازین شهر تا کلکته عمل نصاری ممتد است. آری در چپ و راست مثل حیدرآباد و لکهنؤ و رامپور احکام خود جاری نه کرده اند بسبب مصالحت و اطاعت مالکان آن ملک.

و از ورود احادیث و تتبع سیرت صحابهٔ کرام و خلفائے عظام همین مفهوم می شود، زیرا که در عهد حضرت صدیق اکبر رضی الله تعالی عنه ملک بنی یربوع را حکم دار الحرب دادند، با وجودیکه مسلمانان هم درین بلاد موجود بودند و علی هذا القیاس در عهد خلفائے کرام همین طریق مسلوک بود، بلکه در عهد حضرت پیغمبر صلی الله علیه وسلم فدک و خیبر را حکم دار الحرب فرمودند، حالانکه تجار اهل اسلام بلکه بعضے سکنه آنجا نیز دران مکانات و وادی القری

مشرف باسلام بودند وفدک وخیبر را کمالِ اتصال بود با مدینہ منورہ.

انتہی"۔ فتاوی عزیزی (۱)۔

حضرت شاہ صاحب موصوف نے ایک دوسرے مقام پر دارالحرب کی تعریف میں تین قول نقل فرما کر تیسرے قول کو ترجیح دی ہے اور اسی بناء پر ہندوستان وغیرہ انگریز کی عملداری کو دارالحرب قرار دیا ہے:

"وفرقۂ سوم ازیں ہم ترقی کردہ اند کہ حدِّ دارالحرب آنست:

"أن لایبقی فیہ مسلم ولا ذمي آمناً بالأمان السابق، سواء ترك بعض شعائر الإسلام أولا، وسواء أعلن شعائر الکفر أولا". وہمیں قول ثالث را محققین ترجیح دادہ اند، وبہ ہمیں تقریر معمورۂ انگریزان واشباہ ایشان بلاشبہ دارالحرب است، اھ"۔ فتاوی عزیزی: ۱/۱۶۲ (۲)۔

دارالحرب میں حربی کفار سے سود لینے کو جو شخص حلال اعتقاد کرے امام ابوحنیفہ وامام محمد رحمہما اللہ تعالیٰ کے قول کے مطابق اس کا اعتقاد صحیح ہے۔ جس سود کی حرمت پر اجماع ہے اور اس کی حرمت نصوصِ قطعیہ سے ثابت ہے، اس کے متعلق ملا علی قاری نے شرح فقہ اکبر میں ص: ۲۱۲ پر لکھا ہے:

"وفي جواهر الفقه: من جحد فرضاً مجمعاً علیه کالصلوة والصوم والزکوة والغسل من الجنابة، کفر. قلت: وفي معناه من أنکر حرمة محرم مجمع علیه کشرب الخمر والزنا وقتل النفس وأکل مال الیتیم والربا" (۳)۔

ص: ۲۲۱ پر لکھا ہے کہ:

"من أنکر حرمة الحرام المجمع علی حرمته، أو شك فیها: أي یستوي الأمر فیه کالخمر والزنا واللواطة والربا، أو زعم أن الصغائر والکبائر حلال، کفر" (۴)۔

(۱) (فتاوی عزیزی، ص: ۳۰۳، باب الفقہ، سعید)

(۲) (فتاوی عزیزی، ص: ۵۵۲، مسائل سود، سعید)

(۳) (شرح الفقه الأکبر، ص: ۱۷۲، فصل من ذلك فیما یتعلق بالقرآن والصلاة، قدیمی)

(۴) (شرح الفقه الأکبر، ص: ۱۸۹، فصل في الکفر صریحاً وکنایةً، قدیمی)

لیکن دوسرے مقام پر اس قول عام کے ساتھ قید کر کے بیان کیا ہے، چنانچہ فرماتے ہیں:

"وعلى هذا الأصل يتفرع ما ذكر في الفتاوى من أنه إذا اعتقد الحرام حلالاً، فإن كانت حرمته لعينه وقد ثبت بدليل قطعي يكفر، وإلا فلا، بأن تكون حرمته لغيره أو ثبت بدليل ظني. وبعضهم لم يفرق بين الحرام والحلال لعينه ولغيره، فقال: من استحل حراماً وقد علم في دين النبي صلى الله عليه وسلم تحريمه كنكاح ذوي المحارم، أو شرب الخمر، أو أكل ميتة، أو دم مسفوح، أو لحم خنزير من غير ضرورة، فكافر". شرح فقه أكبر، ص: ۱۸۶(۱)۔

اسی طرح مجمع الانہر: ۱/۶۹۰(۲)، اور فتاوی عالمگیری: ۲/۲۷۲(۳) میں اس مسئلہ کو قید کر کے بیان کیا ہے۔ علامہ ابن نجیم نے ایک اور بھی تفصیل کی ہے:

"(يكفر) بقوله: الحرام أحب إلي جواباً لقول القائل له: كل من الحلال، لا بقوله: إني أحتاج إلى كثرة المال، والحلال والحرام عندي سواء، ولا بقوله للحرام: هذا حلال، من غير أن يعتقده، فلا يكفر السوقي بقوله: هذا حلال، للحرام ترويجاً لشرائه. والأصل أن من اعتقد الحرام حلالاً، فإن كان حراماً لغيره كمال الغير لا يكفر، وإن كان لعينه فإن كان دليله قطعياً كفر، وإلا فلا. وقيل: التفصيل في العالم، وأما الجاهل فلا فرق بين الحلال والحرام لعينه ولغيره، وإنما الفرق في حقه أن ما كان قطعياً كفر به، وإلا فلا". بحر: ۵/۱۳۲(۴)۔

---

(۱) (شرح الفقه الأكبر، ص: ۲۵۴، مطلب: استحلال المعصية ولو صغيرة كفر، قديمي)

(۲) "أو يعتقد الحلال حراماً أو بالعكس، هذا إذا كان حراماً بعينه، وحرمته ثابتة بدليل قطعي، أما لو بالأخبار لا يكفر". (مجمع الأنهر: ۱/۶۹۰، كتاب السير، باب المرتد، الخامس في المتفرقات، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۳) "من اعتقد الحرام حلالاً أو على القلب يكفر ... هذا إذا كان حراماً لعينه، وهو يعتقده حلالاً حتى يكون كفراً. أما إذا كان حراماً لغيره فلا. وفيما إذا كان حراماً لعينه إنما يكفر إذا كانت الحرمة ثابتة بدليل مقطوع به، أما إذا كانت بأخبار الآحاد فلا يكفر". (الفتاوى العالمكيرية: ۲/۲۷۲، كتاب السير، الباب التاسع في أحكام المرتدين، ومنها ما يتعلق بالحلال والحرام، رشيدية)

(۴) (البحر الرائق: ۵/۲۰۵، كتاب السير، باب أحكام المرتدين، رشيدية)

نیز مسئلہ تکفیر میں سخت ترین احتیاط کی ضرورت ہے، اس لئے کف لسان من التکفیر لازم ہے۔ جبکہ اس اعتقاد کے باطل اور خلاف نصوص ہونے میں کوئی تامل نہیں:

"وفی جامع الفصولین: التکفیر شیء عظیم، فلا أجعل المؤمن کافراً متی وجدت روایة أنه لایکفر" بحر: ۱۲۵/۵" (۱)۔

تاہم اگر مستقل منکر نصوص ہے تو پھر اشتباہ کفر ہے:

"إذا کان فی المسئلة وجوه توجب التکفیر، ووجه واحد یمنع التکفیر، فعلی المفتی أن یمیل إلی الوجه الذی یمنع التکفیر تحسیناً للظن بالمسلم. زاد فی البزازیة: إلا إذا صرح بإرادة موجب الکفر، فلا ینفعه التأویل حینئذ. وفی التاتارخانیة: لایکفر بالمحتمل؛ لأن الکفر نهایة فی العقوبة فیستدعی نهایة فی الجنایة، ومع الاحتمال لانهایة". بحر: ۱۲۵/۵" (۲)۔

حرام شیٔ کو رواج دینا حرام ہے: ﴿وتعاونوا علی البر والتقوی، ولاتعاونوا علی الإثم والعدوان﴾ (۳)۔

حلال پر اعتقادِ حلت اور حرام پر اعتقادِ حرمت حکم شرعی اور مامور بہ ہے (۴)، اس میں اعتقادات اور خیالاتِ عوام قوم کی قربانی و بربادی کیا ہے، بہاں بحکم میں ضرور جاتی ہے، اسی طرح مباح کو درجۂ وجوب دینے میں بھی جاتی ہے (۵) اگر بصورتِ حسابت أخذ ربٰو من الکافر الحربی بہ مفتی بہ ہو اخذ ربٰو من المسلم

---

(۱) (البحر الرائق: ۲۱۰/۵، کتاب السیر، باب احکام المرتدین، رشیدیه)

(۲) (البحر الرائق، المصدر السابق)

(۳) (سورة المائدة: ۲)

(۴) "عن أبی هریرة رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: "القرآن علی خمسة أوجه: حلال، وحرام، ومحکم، ومتشابه، وأمثال. فأحلوا الحلال، وحرموا الحرام، واعملوا بالمحکم، وآمنوا بالمتشابه، واعتبروا بالأمثال". (مشکوٰة المصابیح، ص: ۳۲، باب الاعتصام بالکتاب والسنة، الفصل الثانی، قدیمی)

(۵) "وأما ما یفعل عقب الصلوة من السجدة فمکروه إجماعاً؛ لأن العوام یعتقدون أنها واجبة أو سنة، وکل جائز أدی اعتقاده ذلک، کره". (رد المحتار: ۱۲۰/۲، کتاب الصلوة، مطلب: یشترط العلم بدخول الوقت، سعید)

تک تو بھی سداً للذرائع ممانعت کا حکم ہوگا(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۱۴/ صفر المظفر/ ۱۳۵۱ھ۔

---

(۱) "سد الذرائع أصل من أصول الشريعة الإسلامية، وحقيقته منع المباحات التي يتوصل بها إلى مفاسد أو محظورات".

"سد الذرائع لا يقتصر على مواضع الاشتباه والاحتياط، وإنما يشمل كل ما من شأنه التوصل به إلى الحرام". (الفقه الإسلامي وأدلته، قرار رقم: ۹۶/ ۸/۵ ۹، بشأن سد الذرائع: ۵۲۵۸/۷، رشيديه)

کوئی بھی مباح کام اگر کسی حرام اور ناجائز کام کے ارتکاب کا سبب بنتا ہو تو اس مباح کو سداً للذرائع ترک کرنا لازم ہے:

قال الله تعالى: ﴿ولا تسبوا الذين يدعون من دون الله فيسبوا الله عدواً بغير علم﴾ فنهى الله سبحانه عن سب الآلهة الباطلة حذراً أن يكون سبباً لسب الإله الحق جل وعلا شانه، وقال الله تعالى: ﴿ولا تخضعن بالقول، فيطمع الذي في قلبه مرض﴾ ولها أمثال في الكتاب والسنة". (جواهر الفقه، تفصيل الكلام في مسئلة الإعانة على الحرام: ۲/۴۴۹، مكتبه دار العلوم كراچى)

وقال الله تعالى: ﴿ولا يضربن بأرجلهن ليعلم ما يخفين من زينتهن﴾، مع أن إبداء الزينة منهي عنه مقصود بالنهي؛ لأنه فنهي عما هو ذريعة إليه خاصةً، إذ الضرب بالأرجل لم يعلل النهي عنه أحد، لعلم أن المرأة ذات زينة وإن لم تظهر (أي الزينة) فضلاً عن مواضعها". (امداد الفتاوی، عورتوں کے پردہ اور نظر ولمس وغیرہ کے احکام: ۴/۱۹۳، مکتبہ دار العلوم کراچی)

عربی عبارات کا ترجمہ شبیر احمد

۱- اللہ تعالیٰ نے بیع کو حلال فرمایا ہے اور سود کو حرام کر دیا ہے"۔ (بیان القرآن پ:۳)

۲- پھر اگر تم اس پر عمل نہ کرو گے تو اشتہار سن لو جنگ کا اللہ کی طرف سے اور اس کے رسول کی طرف سے (یعنی تم پر جہاد ہوگا)۔ (بیان القرآن ۳)

۳- حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ قرآن میں یہ آیت سب سے زیادہ خوف دلانے والی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مومنین کو اس آگ کی دھمکی دی ہے جو کفار کے لئے تیار کی گئی ہے

کہ حرام چیزوں سے بچنے میں اللہ تعالیٰ سے مدد مانگے۔

۴- حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سود کے کھانے والے اور کھلانے والے پر لعنت فرمائی ہے۔

۵- پھر سود کھانے والے کی سزا ذکر فرمائی کہ جو لوگ سود کو حلال سمجھ کر کھاتے ہیں وہ قیامت کے روز اپنی قبروں سے اس طرح کھڑے ہوں گے جیسے دنیا میں وہ شخص کھڑا ہوتا ہے جس کو شیطان لپیٹ کر خبطی بنا دے (یعنی حیران و مدہوش) یہ حیران و مدہوش ہونا آخرت میں سود خواری کی علامت ہے اس لئے کہ انہوں نے (سود کے حلال ہونے پر استدلال کرتے ہوئے) کہا تھا کہ بیع بھی مثل سود کے ہے۔

۶- مسلم اور حربی کے درمیان دارالحرب میں رباکیں، امام ابو یوسف اور ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ تعالیٰ کا اس میں اختلاف ہے کہ ان حضرات کے نزدیک مسلم اور حربی کے درمیان دارالحرب میں بھی ربا حرام ہے۔

۷- یہی ظاہر یہ ہے کہ اباحت مسلم کو زیادتی حاصل ہونے کی قید کے ساتھ ہے اور اصحاب درر نے اس کو لازم کیا ہے کہ ان کی مراد سود اور جوئے کے حلال ہونے سے وہ صورت ہے جبکہ مسلم کو زیادتی حاصل ہو علت کی جانب نظر کرتے ہوئے اگرچہ جواب کے اطلاق کا تقاضہ اس کے خلاف ہے اور اللہ تعالیٰ زیادہ جاننے والا ہے۔

۸- دارالحرب وہ ہے جس میں کفار سے خوف ہو (جو صحیح ہو) جب کہ اس میں احکام شرک نافذ کردیے جائیں تو وہ دارالحرب بن جائے گا، چاہے دارالحرب سے متصل ہو یا نہ ہو، مسلم اور ذمی پہلے امان سے مامون رہے یا نہ رہے: بحث ”الخفیین“۔

دارالحرب سے مراد وہ ملک ہے جس میں اس کے بڑے کا حکم جاری ہو اور وہ اس کے قبضہ میں ہو (کافی)۔ یہ کہ نہ رہے اس میں کوئی مسلم اور نہ کوئی ذمی پہلے امان سے مامون، چاہے بعض شعائر اسلام ترک کردیے گئے ہوں یا نہ، اور شعائر کفر کا اعلان ہو یا نہ، اگر اہل حرب اہل اسلام کے شہروں میں سے کسی شہر میں اپنے احکام جاری کردیں تو وہ شہر دارالحرب بن جائے گا جس طرح بھی ہو۔

۹- دارالاسلام دارالحرب نہیں بنتا مگر جب کہ احکام شرک اس میں نافذ کردیے جائیں اور یہ کہ وہ دارالحرب سے متصل ہو جائے کہ اور دارالحرب اور اس کے درمیان مسلمانوں کا کوئی شہر نہ ہو

اور نہ ہو کوئی مسلم یا کوئی ذمی امانِ سابق کے ساتھ مامون نہ رہے، پس جب تک یہ شرائط نہ پائی جائیں وہ دارالحرب نہیں بنے گا۔ اور تیسری شرط کے اس قول کا مطلب: "کوئی مسلم یا ذمی پہلے امن کے ساتھ مامون نہ رہے" یہ ہے کہ مسلم یا ذمی بغیر مشرکین کے امن دینے کے مامون نہ ہوا ہو"۔

"ابوالیسر" کی سیر: "اصل یہ ہے کہ دارالاسلام دارالحرب اس وقت تک نہیں بنتا جب تک کہ وہ تمام باتیں ختم نہ ہو جائیں جن سے دارالاسلام بنتا ہے، اس لئے کہ حکم جب کسی علت کی وجہ سے ثابت ہو گیا تو علت کا جب تک کچھ بھی حصہ باقی رہے گا وہ حکم بھی باقی رہے گا اور مشہور یہی ہے: دارالاسلام احکامِ اسلام کے نفاذ کی وجہ سے ہے، چنانچہ جب تک علائقِ اسلام میں سے کچھ بھی باقی ہے جانبِ اسلام کو ترجیح دی جائے گی۔ صوفی نے ذکر کیا کہ دارالحرب احکامِ کفر جاری کرنے سے بنتا ہے اور یہ کہ حکامِ اسلام میں سے اس میں کوئی حکم نہ چلتا ہو اور دارالحرب متصل ہو جائے اور کوئی مسلم اور ذمی امانِ اول سے مامون نہ رہے۔ پس یہ سب شرطیں جب پائی جائیں گی اس وقت دارالحرب بنے گا اور دلائل و شرائط کے تعارض کے وقت جیسا کہ ابھی ہے ویسا ہی رہے گا اور احتیاطی طور پر جانبِ اسلام کو ترجیح دی جائے گی"۔

۱۰- "صحیح یہ ہے کہ (ہندوستان) (ملکِ انگریز) دارالاسلام ہے، ابھی تک دارالحرب نہیں بنا"۔

۱۱- "ہندوستان عموماً اور اسلامی ریاستیں خصوصاً امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک دارالحرب نہیں، ہند کے مشہور فقہائے حنفیہ مثلاً علمائے دہلی و رامپور و بھوپال کا فتویٰ اور تحقیق یہی ہے، اس کی وجہ یہی ہے کہ مملکتِ ہند خصوصاً اس کی اسلامی ریاستیں دارالاسلام ہیں، نہ کہ دارالحرب۔ بعض معاصرین نے لکھا ہے احتیاط یہی ہے کہ ہم ان شہروں کو دارالاسلام قرار دیں اگرچہ بظاہر سلاطین یہ شیاطین ہیں"۔

۱۲- بلکہ ہندوستان کا حال اس وقت ۱۳۴۳ھ میں یہ ہے کہ اس کا اکثر حصہ دارالحرب ہو گیا ہے۔

۱۳- "کافی میں لکھتے ہیں کہ دارالاسلام سے مراد وہ ملک ہے جس میں امام المسلمین کا حکم جاری ہو اور وہ ملک اس کے قبضہ میں ہو، اور دارالحرب سے مراد وہ ہے کہ جس میں اس کے بڑے کا حکم جاری ہو اور وہ اس کے تسلط میں ہو۔ اس شہر میں امام المسلمین کا حکم بالکل جاری نہیں، بلکہ وہ سامنے =

نصاریٰ کا حکم بے کھٹکے جاری ہے۔

اور احکام کفر کے اجراء سے مراد یہ ہے کہ مقدمہ ملک داری اور رعایا کے بندوبست اور مال تجارت سے ٹیکس اور عشر کے لینے اور چوروں ڈکیتوں کے انتظام اور لڑائی جھگڑے کے فیصلے اور جرائم کی سزا کے مقدمہ میں کفار اپنے طور پر حاکم ہوں، ہاں اگر بعض احکام اسلام مثلاً جمعہ، عیدین، اذان اور ذبح گائے پر روک ٹوک نہ کریں لیکن اصل بات یہ ہے کہ یہ چیزیں ان کے نزدیک بے حیثیت ہیں اس لئے کہ مساجد کو بلا تکلف منہدم کر دیتے ہیں اور کوئی مسلمان یا ذمی ان کے امان دیئے بغیر اس ملک اور اس کے اردگرد میں نہیں رہ سکتا۔

اپنے نفع کی خاطر آنے والے مسافروں اور تاجروں سے مخالفت نہیں کرتے۔ دوسرے بڑے لوگ مثلاً شجاع الملک اور ولایتی بیگم بغیر ان کے حکم کے ان شہروں میں داخل نہیں ہو سکتے۔ اور اس شہر کلکتہ تک نصاریٰ کا عمل دخل پھیلا ہوا ہے، مگر دائیں بائیں مثلاً حیدرآباد، لکھنؤ، رام پور میں اپنے احکام جاری نہیں کئے ہیں ان شہروں کے مالکوں کو اپنی فرمانبرداری اور مصالحت کی وجہ سے۔

اور از روئے حدیث اور صحابہ کرام و متعلقہ تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی سیرت میں تتبع و تلاش سے یہی سمجھ میں آتا ہے، اس لئے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں ملک نجی پر موتہ کو مسلمانوں کے اس میں ہونے کے باوجود دارالحرب کا حکم دیا ہے۔ اسی طرح خلفائے کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے عہد میں بھی یہی طریقہ رائج تھا، بلکہ حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں فدک وغیرہ کو دارالحرب کا حکم دیا حالانکہ مسلمان تاجر بعض وہاں کے رہنے والے اور وادی القریٰ میں رہنے والے مشرف باسلام تھے اور فدک وغیرہ پر معنوں سے مکمل طور پر ہوئے تھے۔"

۱۴- تیسرے فرقہ نے اس سے بھی آگے بڑھ کر دارالحرب کی یہ تعریف کی ہے کہ جس میں کوئی مسلم یا ذمی امان سابق کے ساتھ مامون نہ رہے، بعض شعائر اسلام ترک ہو گئے ہوں یا نہ ہوئے ہوں اور شعائر کفر کا اعلان ہوا ہو یا نہ ہو اور اسی تیسرے قول کو محققین نے ترجیح دی ہے، اس تحریر کی بنیاد پر محمد یزدان جیسے لوگوں کی عملداری والا ملک یقیناً دارالحرب ہے"۔

۱۵- "اس فرض کا انکار کرنا جس کی فرضیت کا اتفاق ہے کفر ہے جیسے نماز، روزہ، زکوٰۃ اور جنابت کے غسل کا، اسی طرح جس نے ایسے حرام کا جس کی حرمت کا انکار کیا جس پر اتفاق ہے جیسے شراب

ہندوستان میں سود کا حکم

سوال[۷۹۵۶]: ہمارے علاقہ میں ایک عالم صاحب آئے جو دیوبند کے پڑھے ہوئے ہیں اور کہتے ہیں کہ علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ تعالیٰ کے شاگرد ہیں۔ کہتے ہیں کہ ہندوستان دارالحرب ہے، لہٰذا یہاں مسلمان ہندوؤں سے سودی لین دین کر سکتا ہے، یعنی سود لے سکتا ہے، کیا یہ صحیح ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مجھے تو یہ معلوم ہے کہ حضرت مولانا انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ تعالیٰ ایک مجلس میں موجود تھے، یہ مسئلہ وہاں زیرِ گفتگو آیا، دیگر اہلِ علم حضرات اس پر گفتگو فرما رہے تھے، حضرت شاہ صاحب سے عرض کیا گیا کہ آپ فرمائیں تو یہ جواب دیا تھا:

"جس کو جہنم میں جانا ہو راستہ سیدھا ہے، مگر ہماری گردنوں کو پل نہ کر مت جاؤ"۔

قرآن کریم میں صاف صاف مذکور ہے ﴿وأحل الله البيع وحرم الربوا﴾(۱)۔ حرمتِ ربا سے قبل جو لوگ اہلِ حرب سے معاملات کرتے تھے ان کو بھی گزشتہ بقیہ سود لینے سے منع فرما دیا گیا: ﴿يا أيها الذين آمنوا اتقوا الله وذروا ما بقي من الربوا إن كنتم مؤمنين﴾ الآية(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

=

۱۹- "فتاوی صغری میں ہے کہ کفر بڑی خطرناک چیز ہے میں کسی مومن کو کافر نہیں کہوں گا جب تک اس کو کافر کہنے کی کوئی روایت موجود ہے"۔

۲۰- "اگر مسئلہ میں چند وجوہ تکفیر کی ہوں اور صرف ایک وجہ عدمِ تکفیر کی ہو تو مفتی کو چاہیے کہ مومن کے ساتھ حسنِ ظن رکھتے ہوئے اس وجہ کو ترجیح دے جو عدمِ تکفیر کی ہے۔ بزازیہ میں یہ زیادتی ہے کہ مگر جب ارادہ کفر کی وضاحت ہو جائے تو اس وقت تاویل فائدہ نہیں دے گی"۔

اور تاتارخانیہ میں ہے کہ احتمال کے ساتھ تکفیر نہیں کی جائے گی، اس لئے کہ کفر سزا میں انتہاء ہے تو جرم بھی انتہا ہونا چاہیے، اور احتمال کے ساتھ انتہا نہیں ہو سکتی"۔

۲۱- "وہ نیکی اور تقویٰ میں ایک دوسرے کی اعانت کرتے رہیں اور گناہ و زیادتی میں ایک دوسرے کی اعانت نہ کریں"۔ (بیان القرآن، پ:۹)۔

(۱) (سورة البقرة: ۲۷۵)

(۲) (سورة البقرة: ۲۷۹)

ومراد از اجرائے احکام کفر این ست که در مقدمهٔ ملک داری، وبند وبست رعایا، واخذ خراج وباج، وعشور اموال تجارت، وسیاست قطاع الطریق وسراق، وفصل خصومات، وسزائے جنایات کفار خود حاکم باشند آرے اگر بعضے احکام اسلام را مثل جمعه وعیدین واذان وذبح بقر تعرض نکرده باشند، لیکن اصل الاصول این چیزها نزد ایشان هدر است، زیرا که مساجد رابے تکلف هدم می نمایند، وهیچ مسلمانے وذمی بغیر استیمان ایشان درین شهر ودر نواح آن نمی تواند آمد برائے منفعت خود از واردین ومسافرین وتجار مخالفت نمی نمایند، اعیان دیگر مثل شجاع الملک وولایتی بیگم بغیر حکم ایشان درین بلده داخل نمی توانند شد، وازین شهر تا کلکته عمل نصاری ممتد است، آرے در چپ وراست مثل حیدرآباد ولکهنؤ ورام پور احکام خود جاری نکرده اند بسبب مصالحت واطاعت مالکان آن ملک"۔ فتاوی عزیزی، ص ۱۷(۱)۔

ص: ۱۱۵، پر تحریر فرماتے ہیں:

"وصحیح آنست که دار الاسلام دار الحرب می شود، درین اختلاف است که کی می شود، طائفه می گویند که اگر یک چیز از شعائر اسلام ممنوع باشد، مثل اذان وختان دار حرب می گردد، وطائفه گفته مدار صیرورت دار الاسلام دار الحرب بر محو شعائر اسلام است، بلکه هر گاه شعائر کفر بے دغدغه باعلان شود، دار الحرب می گردد، گو شعائر اسلام هم بر قرار باشد، وفرقه سوم ازین هم ترقی کرده است، وگفته اند که: حد دار الحرب آنست که [illegible]

(۱) (فتاوی عزیزی، ص ۴۲۰، باب الفقه، سعید)

وذمی، امنا بالأمان السابق، سواء ترک بعض شعائر الإسلام أو لا، وسواء أعلن شعائر کفر أو لا، وهمیں قول ثالث را محققین ترجیح داده اند، وبریں تقدیر معمور انگریز وانتباع ایشاں بلاشبہ دار الحرب است"(۱)۔

اسی طرح اور بھی متعدد تحریرات میں ہندوستان کو دارالحرب قرار دیکر فرمایا ہے: "إذا ثبت المشی ثبت بلوازمہ" یعنی جب ہندوستان کا دارالحرب ہونا ثابت ہوگیا تو یہاں حسب شرائط سود لینا بھی درست ہے۔ جس شدت سے حضرت شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالیٰ ہندوستان کو دارالحرب قرار دے کر اخذِ ربا کی اجازت دیتے ہیں، اسی قدر بلکہ اس سے بھی زیادہ شدت سے مولانا عبدالحی رحمہ اللہ تعالیٰ دارالحرب ہونے کا انکار کرکے سود منع فرماتے ہیں، چنانچہ ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں کہ:

"ہندوستان دارالحرب نہیں ہے، بلکہ دارالاسلام ہے، چنانچہ ان عبارات فقہیہ سے واضح ہوتا ہے (ان عبارات کا اقتباس یہ ہے):

"فی سیر الأصل لأبی الیسر: أن دار الإسلام لا یصیر دار الحرب مالم یبطل جمیع ماصارت به دار الإسلام، لأن الحکم إذا ثبت بعلة فمابقی شیئ من العلة، یبقی بتمامه، وفی المنشور دار الإسلام بإجراء أحکام الإسلام، فمابقی علقة من علائق الإسلام یترجح بجانب الإسلام"(۲)۔

اور ہدایہ میں ہے:

"والبلاد التی فی أیدی الکفرة الیوم لاشک أنها بلاد الإسلام، لعدم اتصالها ببلاد الحرب ولم یظهروا فیها أحکام الکفر، بل القضاة مسلمون .... وأما البلاد التی علیها ولاة من جهتهم یجوز إقامة الجمعة والأعیاد وأخذ الخراج، وتقلید القضاة وتزویج الأیامی .... وأما البلاد التی علیها ولاة کفار، فیجوز فیها أیضاً إقامة الجمعة والأعیاد، والقاضی قاض

(۱) فتاوی عزیزی، ص: ۵۵۶، مسائل سود، سعید)

(۲) (مجموعة الفتاوی، کتاب الصلوة، عنوان: ہندوستان میں نماز جمعہ ادا اس کے بعد چار رکعت ظہر احتیاطی کا حکم: ۱/۲۳۹، سعید)

بقراضي المسلمين ...... وقد تقرر أن بقاء شيء من العلة يبقي الحكم، وقد حكمنا بلا خلاف بأن هذه الديار قبل استيلاء التتار كانت من ديار الإسلام، وبعد استيلائهم إعلان الأذان أو الجمعة والجماعات والحكم بمقتضى الشرع والفتوى والتدريس قائع بلا نكير من ملوكهم، فالحكم بأنها من بلاد الحرب لاجوبة له نظراً إلى الدراسة والدراية، وإعلان مع الخمور وأخذ العشر والمكوس، والحكم من البعض برسم التتار كإعلان بني قريظة بالتهود وطلب الحكم من الطاغوت في مقابلة محمد عليه الصلوة والسلام في عهده بالمدينة، ومع ذلك كانت بلدة الإسلام بلا ريب.

وذكر الحلواني: أنه إنما تصير دار الحرب بإجراء أحكام الكفر أن لايحكم فيها بحكم من أحكام الإسلام، وأن يتصل بدار الحرب، وأن لايبقى فيها مسلم ولا ذمي آمناً بالأمان الأول ...... فإذا وجدت الشرائط كلها، صارت دار الحرب. وعند تعارض الدلائل والشرائط يبقى ما كان على ما كان، أو يترجح جانب الإسلام احتياطاً. وظاهره أنه إذا جرت أحكام المسلمين وأحكام أهل الشرك، لاتكون دار الحرب، الخ"(١)۔

ان عبارات کے بعد حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ نے دار الحرب کی شرائط کا ہندوستان میں انکار کیا ہے اور آخر میں نتیجہ کے طور پر لکھا ہے کہ:

"یہ بلاد دار الحرب نہ ہوں گے نہ بمذہب امام رحمہ اللہ تعالیٰ و نہ بمذہب صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ"۔۲/۱۷۰(۲)۔

---

(١) (الفتاوى البزازية على هامش الفتاوى العالمكيرية: ٣١٢/٦، كتاب السير، الفصل في الحظر والإباحة، رشيديه)

(٢) العبارة بتمامها: "ہندوستان دار الحرب نہیں ہے، بلکہ دار الاسلام ہے، چنانچہ ان عبارات فقہیہ سے واضح ہوتا ہے، خزانۃ المفتین میں ہے:

"دار الإسلام لاتصير دار الحرب إلا بإجراء أحكام الشرك فيها، وأن يكون متصلاً بدار الحرب لايكون بينها وبين دار الحرب مصر آخر للمسلمين، وأن لايبقى فيه مسلم وذمي آمناً بالأمان الأول. فما لم توجد هذه الشرائط، لاتصير دار الحرب ...... اهـ" ...... =

شاہ عبدالعزیز صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی تحریر سے بعض کے نزدیک ہندوستان کے دارالحرب ہونے کی نفی معلوم ہوتی تھی اور بعض سے اثبات معلوم ہوتا تھا، اور مولانا عبدالحی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی کے نزدیک بھی دارالحرب نہیں۔ اگر ہندوستان دارالحرب نہیں تب بھی تو کسی کے نزدیک بھی کسی کو کسی سے سود لینا درست نہیں، اور اگر دارالحرب ہے تو امام ابوحنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک مسلم مستامن (جو کہ دارالاسلام کا رہنے والا ہو اور امن لے کر کسی ضرورت سے کچھ مدت کے لئے دارالحرب میں گیا ہو) کو حربی سے ہندوستان میں سود لینا درست ہے۔ ائمہ ثلاثہ امام مالک، امام شافعی، امام احمد اور قاضی ابو یوسف رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک پھر بھی جائز نہیں (۱)۔

حضرت گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ کے مطبوعہ فتاویٰ میں عدم جواز کی تصریح ہے، حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے بڑی شدت کے ساتھ انکار فرمایا ہے، چنانچہ "رافع الضنک من منافع البنک" میں اس کے عدم جواز کو بڑی

= اور ظاہر ہے کہ یہاں ہندوستان میں یہ مفقود ہے، اس لئے کہ شعائر اسلام میں ہنود حکام کی طرف سے مداخلت اور ممانعت نہیں ہے، اگرچہ اکثر قضاۃ کفار ہیں اور خلاف اسلام احکام جاری کرتے ہیں، مگر بہت سے امور میں مذہب اسلام اور شرع کے موافق بھی فیصلہ کرتے ہیں، پس ہندوستان امام ابوحنیفہ و صاحبین رحمہم اللہ کے نزدیک دارالحرب نہیں ہے"۔ (مجموعۃ الفتاویٰ: ۲۳/۱، ۲۹: کتاب العلم والعلماء، ہندوستان دارالحرب ہے یا نہیں؟ سعید)

(۱) "وبين الحربي والمسلم ثمة: أى لاربا بينهما في دار الحرب، وكذلك إذا تبايعا بيعاً فاسداً في دار الحرب، فهو جائز، وهذا عند أبي حنيفة ومحمد رحمهما الله تعالى، وقال أبو يوسف والشافعي رحمهما الله تعالى: لا يجوز". (تبيين الحقائق: ۴۳۲/۴، كتاب البيوع، باب الربا، سعيد)

"(ولا بين حربي ومسلم) مستأمن ولو بعقد فاسد أو قمار (ثمة)، لأن ماله ثمة مباح، فيحل برضاه مطلقاً بلا غدر، خلافاً للثاني والثلاثة". (الدر المختار: ۱۸۶/۵، باب الربا، سعيد)

"(ولا بين الحربي والمسلم ثمة): أى لاربا بينهما في دار الحرب عندهما خلافاً لأبي يوسف". (البحر الرائق: ۲۰۹/۶، باب الربا، رشيديه)

"قال إبراهيم النخعي وأبو حنيفة والثوري ومحمد رحمهم الله تعالى: إنه لاربا بين أهل الحرب وأهل الإسلام في دار الحرب. وقال أبو يوسف والشافعي وأحمد ومالك رحمهم الله تعالى بخلافه". (إعلاء السنن: ۳۳۲/۱۴، باب الربا في دار الحرب، إدارة القرآن، كراچی)

تفصیل سے تحریر فرمایا ہے (۱)۔ دونوں طرف اہل تحقیق ہیں، لہٰذا سود لینے میں بھی گنجائش ہے، اختلاف کی وجہ سے نہ لینا احوط ہے (۲)۔ بہتر ہے کہ بینک میں روپیہ داخل نہ کیا جائے (۳)، اگر داخل کیا جائے تو وہاں کا سودی روپیہ ہرگز نہیں چھوڑنا چاہیے، بلکہ وہاں سے وصول ضرور کرلینا چاہیے اور اس کے بعد مقتضائے تقویٰ یہ ہے کہ اس کے مصارفِ خیر غرباء، مساکین پر صرف کردیا جائے (۴)۔

"لا (ربوٰ) بين حربي ومسلم مستأمن ثمة ولو بعقد فاسد كقمار ثمة؛ لأن ماله ثمة مباح فيحل برضاه مطلقاً بلا غدر، خلافاً للثاني والثلاثة". در مختار، والبسط في رد المحتار (۵)۔

---

(۱) (إمداد الفتاوى: ۱۵۷/۳، رسالة: رافع الضنك عن منافع البنك، مكتبه دارالعلوم كراچی)

(۲) "وقد اتفقت الأمة على أن الخروج من الخلاف مستحب قطعاً؛ لأن خلاف الأئمة لاسيما خلاف جمهورهم يورث شبهة في الجواز، وقال النبي صلى الله عليه وسلم: "الحلال بيّن والحرام بيّن، وبينهما شبهات، فمن اتقى الشبهات فقد استبرأ لدينه" لاسيما وكون الهند دار الحرب عند الإمام محل نظر جداً، فالشبهة إذن قوية غير ضعيفة، والتوقي عنه واجب من غير ريبة". (إعلاء السنن: ۳۷۴/۱۴، كتاب البيوع، باب الربا، إدارة القرآن، كراچی)

(۳) قال الله تعالى: ﴿وتعاونوا على البر والتقوى، ولا تعاونوا على الإثم والعدوان، واتقوا الله إن الله شديد العقاب﴾ (سورة المائدة: ۲)

(راجع للتفصيل جواهر الفقه، تفصيل الكلام في مسئلة الإعانة على الحرام: ۴۴۹/۲، ۴۵۵، دارالعلوم كراچی)

(۴) "والسبيل في المعاصي ردها، وذلك ههنا برد المأخوذ إن تمكن من رده بأن عرف صاحبه، وبالتصدق به إن لم يعرفه ليصل إليه نفع ماله إن كان لا يصل إليه عين ماله". (الفتاوى العالمكيرية: ۳۴۹/۵، كتاب الكراهية، الباب الخامس عشر في الكسب، رشيديه)

"ويردونها على أربابها إن عرفوهم، وإلا تصدقوا بها؛ لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد على صاحبه". (رد المحتار: ۳۸۵/۶، كتاب الحظر والإباحة، باب الاستبراء وغيره، فصل في البيع، سعيد)

(۵) (رد المحتار: ۱۸۶/۵، كتاب البيوع، باب الربا، سعيد)

اور سود کے جواز کے شرائط "رافع الضنک" میں مذکور ہیں(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۶/۳/۵۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۱۸/ربیع الثانی/۵۶ھ۔

---

(۱) "یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے اور قائلین بالجواز کے نزدیک بھی اس میں آٹھ قیود ہیں: ۱- وہ محل دارالحرب ہو، ۲- معاملہ ربوا کا حربی سے ہو، ۳- مسلم حنفی ہے، شافعی اور حنبلی سے ہو، اور مسلم اصلی وہ ہے جو دارالحرب میں آنے کے قبل اسلام لایا ہو، جو دار حرب میں پیدا ہوا ہو، ۴- معاملہ کرنے والا وہ مسلم ہو جو دارالاسلام سے دارالحرب میں امن لے کر آیا ہو یا وہ مسلم ہو جو دارالحرب ہی میں اسلام لایا ہو وہ مسلم اصلی نہ ہو جو خود دارالحرب میں رہتا ہو، ان قیود میں راقم کی تصریح کہیں نظر سے نہیں گزری مگر اس قاعدہ کی تصریح ہے کہ روایات فقہیہ کے مفاہمت حجت ہیں، اس بناء پر وہ بھی روایت سے یہ قیود لازم ہے"۔ (امداد الفتاوی، کتاب الربوا، رسالہ رافع الضنک عن منافع البنک: ۳/۱۵۷، مکتبہ دارالعلوم کراچی)

ترجمہ:

"دارالاسلام سے مراد وہ ملک ہے کہ جس میں مسلمانوں کے امام کا حکم جاری ہو اور وہ اس کے تسلط میں ہو، اور دارالحرب سے وہ ملک مراد ہے جس میں ان کے بڑے کا حکم جاری ہو اور وہ ان کے تسلط میں ہو۔ اس شہر میں مسلمانوں کے امام کا حکم بالکل جاری نہیں اور رؤسائے نصاریٰ کا حکم بے کھٹکے جاری ہے۔ احکام کفر کے جاری ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ملک داری اور رعایا کے بندوبست کے مقدمہ، ٹیکس اور مال تجارت سے عشر وصول کرنے چوروں اور ڈاکوؤں کے، باہمی جھگڑوں کے فیصلہ کرنے اور جرائم کی سزا دینے میں کفار خود حاکم ہوں، اگرچہ بعض احکام اسلام مثلاً جمعہ، عیدین، اذان اور گائے کے ذبح کے ساتھ تعرض نہ کرتے ہوں، لیکن اصل بات یہ ہے کہ یہ چیزیں ان کے نزدیک بے حد بے وقعت ہیں، اس لئے کہ مساجد کو بے تکلف منہدم کر دیتے ہیں۔

اور کوئی مسلمان ذمی بغیر ان سے امن لئے اس شہر میں اور اس کے گردونواح میں نہیں آ سکتا، اپنے فائدہ کی خاطر آنے والوں، مسافروں اور تاجروں سے مخالفت نہیں کرتے، دوسرے بڑے حضرات مثلاً شجاع الملک اور ولایتی بیگم بغیر ان کے حکم کے اس شہر میں داخل نہیں ہو سکتے، اور اس شہر سے کلکتہ تک نصاریٰ کا عمل دخل پھیلا ہوا ہے، مگر دائیں بائیں مثلاً حیدرآباد، لکھنؤ اور رام پور میں اپنی مصلحت اور اس طرف کے مالکوں کے فرمانبرداری ہونے کی وجہ سے اپنے احکام انہوں نے جاری نہیں کئے ہیں۔

فتاویٰ عزیزیہ ص ۱۷ میں ۱۵۱۱ پر تحریر فرماتے ہیں۔ اور صحیح بات یہ ہے کہ دارالاسلام دارالحرب ہوجاتا ہے اس میں اختلاف ہے کہ کیسے ہوسکتا ہے؟ ایک جماعت کہتی ہے کہ شعائر اسلام سے اگر ایک چیز بھی روک دی جائے مثلاً اذان اور ختنہ تو وہ دارالحرب ہوجاتا ہے۔ اور ایک جماعت کا کہنا ہے کہ دارالاسلام دارالحرب بن جانے کا مدار شعائر اسلام مٹ جانے پر نہیں بلکہ جس جگہ شعائر کفر بے کھٹکے اعلان کے ساتھ موجود ہوں وہ دارالحرب ہوجاتا ہے اگر چہ شعائر اسلام برقرار ہیں۔

تیسری جماعت اس سے بھی آگے بڑھ کر کہتی ہے کہ دارالحرب کی تعریف یہ ہے "کوئی مسلمان اور ذمی پہلے امان کے ساتھ مامون نہ رہے، چاہے بعض شعائر اسلام متروک ہوئے ہوں یا نہیں، اور چاہے شعائر کفر علی الاعلان ہوں یا نہ ہوں" اور اسی تیسرے قول کو محققین نے ترجیح دی ہے۔ اور اس تقدیر پر انگریز اور ان کے عمال کی آبادی بلا شبہ دارالحرب ہے الخ"۔

"پس الاصل لادلی الیسر یہی ہے کہ دارالاسلام اس وقت تک دارالحرب نہیں بنتا جب تک وہ تمام چیزیں جن سے دارالاسلام بنتا ہے بالکل نہ ہو جائیں، اس لئے کہ حکم جب کسی علت کی وجہ سے ثابت ہوتا ہے تو جب تک اس علت میں سے کچھ بھی باقی رہے گا حکم اس کا باقی رہتا ہے۔ در منثور میں ہے کہ دارالاسلام کا مدار احکام اسلام کے جاری ہونے پر ہے، لیکن جب تک کوئی علاقہ علائق اسلام میں سے باقی رہے گا اس وقت تک جانب اسلام کو ترجیح دی جائے گی"۔

"اور وہ شہر جو آج کفار کے قبضہ میں ہیں، بلا شبہ وہ دارالاسلام ہیں کیونکہ یہ شہر دارالحرب کے شہروں کے ساتھ متصل نہیں ہیں، اس کے بعد کہ انہوں نے اس میں احکام کفر ظاہر نہیں کئے، بلکہ قضاۃ (فیصلہ کرنے والے) مسلمان ہیں، لیکن وہ شہر جن پر کوئی حاکم ان کی طرف سے مقرر ہے تو اس کی وجہ سے بھی جمعہ و عیدین کا مقرر کرنا، خراج لینا، قاضیوں کی تقلید، بیواؤں کی شادی کرنا جائز ہے، لیکن وہ شہر جن پر تمام حکام مرتد یا کافر مقرر ہیں ان میں بھی جمعہ و عیدین کا قائم کرنا جائز ہے اور مسلمانوں کی باہمی رضامندی سے جس کو قاضی مقرر کرلیا جائے وہ قاضی ہوگا اور یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ جب تک کوئی شے باقی رہے گی اس سے حکم باقی رہے گا۔

اور تاتاریوں کے استیلاء سے قبل ہم نے ان دیار کے دیار اسلام میں سے ہونے کا حکم کیا تھا اور ان کے استیلاء کے بعد جمعہ و جماعات کا اعلان اور مقتضی شریعت کے مطابق حکم کرنا جاری ہے وہاں دریں وہاں ان کے بادشاہوں کی طرف سے بغیر کسی نکیر کے تقرر شائع ہے، پس ان کے دارالحرب میں سے ہونے کے

غیر مسلم سے سود لینا

سوال[۷۹۵۸]: زمین دار کاشتکار پر دعویٰ دائر کرتا ہے لگان داخل نہ کرنے کا، در حکومت فیصلہ کے بعد زمیندار کو کاشتکار سے مع سود کے ڈگری ملتی ہے۔ اس کا لینا جائز ہے یا نہیں؟ اس کو حکومت کی مالگذاری میں دے سکتے ہیں یا نہیں؟ اگر نہیں دے سکتے تو کس مصرف میں صرف کیا جائے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر کاشتکار مسلمان ہے تو اس سے سود لینا درست نہیں (۱)، اگر حکومت نے دلوادیا تو اسے واپس کردے (۲)، اگر کاشتکار غیر مسلم ہے تو ہندوستان کے دار الحرب ہونے کی تقدیر پر طرفین کے قول کی بناء پر سود

= حکم کرنے کی "درایت" و "روایت" کی طرف نظر کرتے ہوئے کوئی وجہ نہیں۔ اور شہزادوں کے پیچھے کا اعلان اور نواب مخلص کا لینا اور متعلقہ عہد کا قیام رسم تجارت کے مطابق جو قریش کے طاغوت کو طلب کرنے کے اعلان کے مشابہ ہے، اور مکہ (جو قریش کا) اس کے باوجود بلاشبہ اسلامی شہر تھا۔

اور حلوانی نے ذکر کیا ہے کہ دار الحرب صرف احکامِ کفر جاری ہونے سے ہوتا ہے کہ اس میں احکامِ اسلام میں سے کسی حکم کے مطابق عمل نہ کیا جاتا ہو، اور اس چیز سے کہ وہ دار الحرب سے مل جائے اور اس چیز سے کہ اس میں کوئی مسلمان وذمی امانِ سابق سے امن والا نہ رہے۔ پس جب یہ تمام شرطیں پائی جائیں تو وہ دار الحرب ہو جائے گا، اور دلائل وشرائط کے تعارض کے وقت جو تھا وہی باقی رہے گا، یا احتیاطاً جانب اسلام کو ترجیح دی جائے گی، اور امداد الفتاویٰ میں ہے کہ جب مسلمانوں کے احکام اور اہل شرک کے احکام دونوں جاری ہوں تو وہ دار الحرب نہیں ہوگا"۔

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿وأحل الله البيع وحرم الربوا﴾ (سورة البقرة: ۲۷۵)

وقال الله تعالیٰ: ﴿ولا تأكلوا أموالكم بينكم بالباطل﴾ (البقرة: ۱۸۸)

قال الإمام البغوي رحمه الله تعالى: "﴿بالباطل﴾ بالحرام: يعني بالربا والقمار". (معالم التنزيل: ۲/۵۰، قديمي)

"ولا بين حربي ومسلم". (الدر المختار). "احترز بالحربي عن المسلم الأصلي والذمي، وكذا عن المسلم ... فإنه ليس للمسلم أن يرابي معه اتفاقاً". (رد المحتار، كتاب البيوع، باب الربا، مطلب في استقراض الدراهم عدداً: ۵/۱۸۶، سعيد)

(۲) "أن سبيل التوبة مما بيده من الأموال الحرام إن كانت من ربا، فيردها على من أربى عليه، ويطلبه =

لینا درست ہے، مگر اس کو اپنے کام میں لانا اور ماخذ زکوٰۃ میں دینا بھی درست ہے:

"لا ربوا بین مسلم وحربی ثمة؛ لأن ماله ثمة مباح". در مختار. "(قوله: ثمة): أی فی دار الحرب". رد المحتار: ۴/۲۰۹(۱)۔

مگر امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول احوط ہے کہ ان کے نزدیک سود کی بالکل اجازت نہیں(۲)۔

فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، مظاہر علوم سہارن پور۔

سودی قرض کی گنجائش کس صورت میں ہے؟

سوال[۶۹۵۱]: وہ کونسی ضرورت ہے جس میں سودی قرض لینا جائز ہے؟

= إن لم یکن حاضراً". (الجامع لأحکام القرآن للقرطبی، (سورة البقرة: ۲۷۹): ۳/۳۶۸، دار إحیاء التراث العربی بیروت)

"ویرد ذلها علی أربابها إن عرفوهم، وإلا تصدقوا بها". (رد المحتار، کتاب البیوع، باب البیع الفاسد: ۵/۹۹، سعید)

(۱) (رد المحتار: ۵/۱۸۶، کتاب البیوع، باب الربا، سعید)

(وکذا فی تبیین الحقائق: ۴/۴۴۲، کتاب البیوع، باب الربا، دار الکتب العلمیة بیروت)

(وکذا فی بدائع الصنائع، فصل: فی شرائط جریان الربا: ۷/۸۱، دار الکتب العلمیة بیروت)

(۲) "ولو سلمنا جواز الربا بین المسلم والحربی فی الهند، فلاریب أن جانب الاحتیاط والتوقی عنه أولی وأحری". (إعلاء السنن: ۱۴/۳۶۸، کتاب البیوع، أبواب بیوع الربا، تحقیق کون الهند دار الحرب، أو دار الإسلام، الخ، إدارة القرآن، کراچی)

"عن النعمان بن بشیر رضی الله تعالیٰ عنه قال: سمعته یقول: سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول - وأهوی النعمان بإصبعیه إلی أذنیه -: "إن الحلال بیّن وإن الحرام بیّن، وبینهما مشتبهات لا یعلمهن کثیر من الناس، فمن اتقی الشبهات، استبرأ لدینه وعرضه، ومن وقع فی الشبهات وقع فی الحرام". (الصحیح لمسلم: ۲/۲۸، کتاب المساقاة والمزارعة، باب أخذ الحلال وترک الشبهات، قدیمی)

الجواب حامداً ومصلیاً:

ناقابلِ برداشت مجبوری کے وقت سود لینے سے گناہ نہ ہونے کی توقع ہے، عملاً بحکم سائر المحرمات(۱) ۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

توبہ کے بعد سودی مال کا حکم

سوال[۷۶۹۰]: کسی کے یہاں سود کا کام ہوتا رہا ہے، اب اس کا کہنا ہے کہ میں نے سود ترک

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿إنما حرم عليكم الميتة والدم ولحم الخنزير وما أهل به لغير الله، فمن اضطر غير باغ ولا عاد، فلا إثم عليه، إن الله غفور رحيم﴾ (سورة البقرة: ۱۷۳)

"وفي القنية من الكراهية: يجوز للمحتاج الاستقراض بالربح". (البحر الرائق: ۲/۲۱۶، كتاب البيوع، رشيديه)

"يجوز للمحتاج الاستقراض بالربح". (الأشباه والنظائر، ص: ۹۳، الفن الأول، قبيل القاعدة السادسة، قديمي)

"وإذا كان لإنسان حاجة أو ضرورة ملجئة اقتضت مطل الفائدة أن يلجأ إلى هذا الأمر، فإن الإثم في هذه الحال يكون على آخذ الربا (الفائدة) وحده، وهذا بشرط أن تكون هناك حاجة أو ضرورة حقة لا مجرد توسع في الكماليات أو أمور يستغنى عنها". (الحلال والحرام في الإسلام ليوسف القرضاوي، ص: ۲۱۹، بيروت)

"الضرورات تبيح المحظورات". (شرح المجلة، ص: ۲۹، مادة نمبر: ۲۱)

(وكذا في الأشباه والنظائر، ص: ۸۵، الفن الأول، القاعدة الخامسة، إدارة القرآن، كراچی)

"الضرورات تبيح المحظورات". (شرح المجلة، (رقم المادة: ۲۱)، ص: ۲۹، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"الحاجة تنزل منزلة الضرورة عامةً أو خاصةً". (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۳۳، (رقم المادة: ۳۲)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(وكذا في الأشباه والنظائر، ص: ۹۳، الفن الأول، القاعدة الخامسة، إدارة القرآن كراچی)

کرادیا ہے۔ تو اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس کا جمع ہوا مال پاک ہوجائے گا یا نہیں؟ اور اس کے یہاں دعوت کھانا درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جتنی مقدار سود کی لی ہے اس کو واپس کردے، بقیہ سے کھانا اور کھلانا سب درست ہے، کذا فی رد المحتار (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۷/۱۴۰۶ھ۔

☆.....☆.....☆.....☆.....☆

---

(۱) "ویردونها علی أربابها إن عرفوهم، وإلا تصدقوا بها؛ لأن سبیل الکسب الخبیث التصدق إذا تعذر الرد علی صاحبه" (رد المحتار، کتاب الحظر والإباحة، باب الاستبراء وغیره، فصل فی البیع ۶/۳۸۵، سعید)

"إن سبیل التوبة مما بیده من الأموال الحرام، إن کانت من ربا، فلیردها علی من أربی علیه ویطلبه إن لم یکن حاضراً، فإن أیس من وجوده، فلیتصدق بذلک عنه" (الجامع لأحکام القرآن للقرطبی، (سورة البقرة: ۲۷۹)، ۳/۳۶۶، دار إحیاء التراث العربی بیروت)

"إن من شرط التوبة: أن ترد المظالم إلی أصحابها، فإن کان ذلک فی المال، وجب أداءه عیناً أو دیناً مادام مقدوراً علیه". (القواعد للزرکشی: ۲/۲۳۵، بیروت)

فصل فی مصرف مال الربوا

(سودی پیسے کے مصرف کا بیان)

بینک کے سود کا مصرف

سوال [۷۰۶۱]: بینک یا ڈاکخانہ میں پبلک اپنی آمدنی کی پس انداز رقم جمع رکھتے ہیں، اس جمع رقم پر جو فاضل رقم (جس کو سود کہتے ہیں) دی جاتی ہے، از روئے شرع شریف جائز ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو اسے چھوڑ دیا جائے یا لے کر صدقہ کر دیا جائے؟ جواب بالدلائل مرحمت فرمائیں۔

سید محمود، بی، اے، چنچل گوڑہ، حیدرآباد۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جن حضرات علماء کے نزدیک دار الحرب میں حربی سے سود لینا درست ہے، ان کے نزدیک اس فاضل رقم کو خود استعمال کرنا بھی درست ہے۔ اور جن کے نزدیک درست نہیں، ان کے نزدیک خود استعمال کرنا بھی درست نہیں۔ لہذا بہتر یہ ہے کہ بینک یا ڈاکخانہ میں کوئی رقم جمع ہی نہ کی جائے (۱)، اگر جمع کر دی ہے تو فاضل رقم وہاں سے وصول کر کے غرباء کو دیدی جائے اس نیت سے کہ اللہ پاک اس کے وبال سے محفوظ

---

(۱) "عن الشعبي قال: سمعت النعمان بن بشير - ولا أسمع أحداً بعده - يقول: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: "إن الحلال بيّن، وإن الحرام بيّن، وبينهما أمور مشتبهات". وأحياناً يقول: "مشتبهة، وسأضرب في ذلك مثلاً: إن الله حمى حمىً، وإن حمى الله محارمه، وإنه من يرعى حول الحمى يوشك أن يخالطه، وإنه من يخالط الريبة يوشك أن يجسر". (سنن أبي داود: ۲/۱۱۲، كتاب البيوع، باب في اجتناب الشبهات، إمداديه)

وقال النبي صلى الله تعالى عليه وسلم: "دع ما يريبك إلى ما لا يريبك". (فيض القدير: ۴/۲۲۲۵، رقم الحديث: ۴۲۱۱، مكتبه نزار مصطفى الباز رياض)

رکھے، یہی احوط ہے(۱)۔ اگر سرکاری محکمہ سے سودی رقم حاصل ہوئی تو اس کو غیر واجبی ٹیکس میں ادا کرنا بھی درست ہے، بلکہ صدقہ سے مقدم ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

العبد محمود غفرلہ۔

ایضاً

سوال[۶۹۶۲]: بینک کا سود اگر کوئی شخص لینے کو تیار نہ ہو تو بھی حکومت زبردستی دیتی ہے تو اس کو لینا حکومت کے قوانین کے مطابق ضروری ہے یا نہیں؟ اور ایسی صورت کیا کرنا چاہیے، اس کا مصرف کیا ہے؟

---

(۱) "لا يقصد به: أي بالتصدق من المال الخبيث تحصيل الثواب، بل تفريغ الذمة". (مجموعة الفتاوى، ۲/۷۲۲، سعيد)

"قال شيخنا: ويستفاد من كتب فقهائنا كالهداية وغيرها: أن من ملك بملك خبيث، ولم يمكنه الرد إلى المالك، فسبيله التصدق على الفقراء ... قال: إن المتصدق بمثله ينبغي أن ينوي به فراغ ذمته، ولا يرجو به المثوبة". (معارف السنن، ۱/۳۴، أبواب الطهارة، باب ما جاء: لا تقبل صلاة بغير طهور، سعيد)

"ويردونها على أربابها إن عرفوهم، وإلا تصدقوا بها؛ لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد على صاحبه". (رد المحتار ۶/۳۸۵، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، سعيد)

(۲) وہ ٹیکس جس کا حکومت کو دینا واجب ہو، اس میں ادا کرنا جائز نہیں جب کہ یہ ٹیکس جائز طور پر لگایا ہو، اور اگر ناجائز طور پر ظالمانہ ٹیکس ہو تو اس میں ادا کرنا جائز ہے۔

"فيصل الرد حكماً كما في جامع الفصولين: وضع المغصوب بين يدي مالكه: برئ وإن لم يوجد حقيقة القبض". (رد المحتار: ۶/۱۸۲، كتاب الغصب، سعيد)

"غصب دراهم إنسان من كيسه، ثم ردها فيه بلا علمه، برئ، وكذا لو سلمه إليه بجهة أخرى كهبة، أو إيداع، أو شراء، وكذا لو أطعمه فأكله". (الدر المختار: ۶/۱۸۲، كتاب الغصب، سعيد)

"كما أن الضرائب التي تفرض على المسلمين إذا كانت جائرة، فإنه لا ينبغي أن يعالج جورها بأسلوب محرم لا يقره الشرع؛ لأن الحرام لا يؤاخذ بالحرام، فالمسلم الزاني لا يعاقب بالاعتداء على عرضه، بل بجلده أو رجمه، والمسلم السارق لا يؤاخذ بسرقة ماله بل بقطع يده، والضرائب الجائرة لا تؤاخذ بالفائدة الربوية". (أحكام المال الحرام، ص ۳۳۰، ۳۳۳، بيروت)

الجواب حامداً ومصلیاً:

سرکاری بینک سے حاصل شدہ سود کی رقم ٹیکس وغیرہ میں سرکار ہی کو دیدی جائے، یا پھر محتاج غرباء کو دیدے ثواب کی نیت نہ کرے، کذا فی رد المحتار، کتاب الزکوۃ (۱) وکتاب البیوع (۲) وکتاب الغصب (۳) وکتاب الحظر والاباحۃ (۴)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

بینک کا سود اور زکوۃ سادات کو دینا

سوال [۴۵۲۳]: پچھلے دنوں شری وردھن سے ایک استفتاء بھیجا گیا تھا، اس سلسلہ میں چند باتیں دریافت طلب ہیں، سوال یہ تھا کہ "بینک جو سود دیتا ہے وہ لیا جائے یا نہیں؟ لینے کی صورت میں کیا کیا جائے، ضائع کیا جائے یا غرباء کو دیا جائے؟ غرباء میں سادات کو دیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ یا اسکول کی تعمیر یا اسکول کے لئے پیشاب خانہ، بیت الخلاء یا عام لوگوں کے لئے پیشاب خانہ، بیت الخلاء بنایا جاسکتا ہے یا نہیں؟

جواب کا ماحصل یہ ہے کہ "بینک سے ملنے والا سود لیا جائے، غرباء کو دیا جائے، غرباء میں سادات اور دینی مدارس کے طلباء کو دینا بالکل درست ہے، لیکن اسکول کی تعمیر، اسکول کے لئے پیشاب خانے، بیت الخلاء بنانا بالکل درست نہیں"۔

اب سوال یہ ہے کہ کیا بینک جو سود دیتا ہے کیا وہ اس سود کی تعریف میں نہیں آتا جو قرآن میں مذکور ہے، یعنی بینک کا سود، سود ہے یا نہیں، جبکہ اس کی حرمت کے فتوے دیئے جاتے تھے؟ اگر بینک کا سود حرام ہے اور اشد فی الحرمۃ ہے تو سادات اور علوم دینیہ کے طلباء کے لئے بالکل درست اور اسکول اور اس کی ضرورت کے لئے ناجائز کیوں ہے؟

---

(۱) "ولو نوی فی المال الخبیث الذی وجبت صدقتہ أن یقع عن الزکوۃ وقع عنہا، اھ: أی نوی فی الذی وجب التصدق بہ لجہل أربابہ" (رد المحتار: ۲/۲۹۲، کتاب الزکوۃ، باب زکوۃ الغنم، مطلب فی التصدق من المال الحرام، سعید)

(۲) (رد المحتار: ۵/۹۹، کتاب البیوع، باب البیع الفاسد، مطلب فیمن ورث مالاً حراماً، سعید)

(۳) (رد المحتار: ۶/۱۸۹، کتاب الغصب، سعید)

(۴) (رد المحتار: ۶/۳۸۵، کتاب الحظر والإباحۃ، فصل فی البیع، سعید)

الجواب حامداً ومصلیاً:

سود کی حرمت منصوص بنص قطعی ہے (۱)، بینک کو اس سے مستثنیٰ نہیں کیا گیا، اس لئے وہ حرام ہے۔ بینک سے اگر سود وصول نہ کیا جائے تو وہ خلافِ اسلام مواقع میں استعمال کیا جاتا ہے، جس کا ضرر ظاہر ہے، اس کو ضرر سے تحفظ کے لئے وہاں سے وصول کرلیا جائے (۲)، پھر خود استعمال نہ کیا جائے کیونکہ حرام ہے، حرام مال واجب التصدق ہوتا ہے، جو شخص ایسے واجب التصدق مال کا مستحق ہو اس کو دیدیا جائے (۳)، جو غرباء طلباء وغیرہ ایسے ہوں کہ ان کے گذارے کی کوئی صورت نہ ہو وہ اس کے مستحق ہیں۔

سادات کا اکرام واحترام لازم ہے، اس لئے ان کو زکوٰۃ وصدقاتِ واجبہ دینے سے احتراز کا حکم ہے، کیونکہ ایسا مال اوساخ الناس کہلاتا ہے (۴)، لیکن جو سادات اس قدر ضرورت مند ہوں کہ گذارے کے لئے

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿وأحل الله البيع وحرم الربوا﴾ (سورة البقرة: ۲۷۵)

وقال الله تعالیٰ: ﴿ولا تأكلوا أموالكم بينكم بالباطل﴾ (سورة البقرة: ۱۸۸)

وقال الله تعالیٰ: ﴿وما آتيتم من ربا ليربوا في أموال الناس فلا يربوا عند الله﴾ (سورة آل عمران: ۳۹)

(۲) قال الله تعالیٰ: ﴿وتعاونوا على البر والتقوى ولا تعاونوا على الإثم والعدوان﴾ (سورة المائدة: ۲)

(۳) "والسبيل في المعاصي ردها، وذلك ههنا برد المأخوذ إن تمكن من رده بأن عرف صاحبه، وبالتصدق به إن لم يعرفه، ليصل إليه نفع ماله إن كان لا يصل إليه عين ماله". (الفتاوى العالمكيرية: ۳۴۹/۵، كتاب الكراهية، الباب الخامس عشر، رشيديه)

"سئلت فيمن يملك نصاباً من حرام هل تجب فيه الزكوة؟ الجواب: لا تجب عليه فيه الزكوة، بل يلزمه التصدق بجميعه على الفقراء لا بنية الثواب إن لم يكن صاحب المال موجوداً". (الفتاوى الكاملية، ص: ۱۵، رشيديه)

(وكذا في رد المحتار، باب زكوة الغنم، مطلب في التصدق من المال الحرام: ۲۹۲/۲، سعيد)

(۴) "عن المطلب بن ربيعة بن الحارث أنه والفضل بن عباس انطلقا إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم، قال: ثم تكلم أحدنا، يا رسول الله! جئناك لتؤمرنا على هذه الصدقات، فنصيب ما يصيب الناس من المنفعة، ونؤدي إليك ما يؤدي الناس، فقال: "إن الصدقة لا تنبغي لمحمد، ولا لآل محمد، إنما هي أوساخ الناس".

بھیک مانگنے پر مجبور ہوجائیں، ان کے حق میں حنفیہ میں سے امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ اور شافعیہ میں سے امام رازی رحمہ اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ کو درست قرار دیا ہے کہ زکوٰۃ لینے میں جس قدر ان کے احترام پر زد پڑتی ہے اس سے زیادہ تو بھیک مانگنے میں ہے(۱) یہ سب کی نگاہوں میں بڑی ذلت ہے، اس بڑی ذلت سے بچانے کے لئے اگر ان کو زکوٰۃ دیدی جائے تو یہ اہون ہے۔

اگرچہ یہ قول غیر ظاہر الروایۃ ہے اور حضرات نے اس کو فتویٰ کے لئے اختیار نہیں کیا ہے، تاہم سخت مجبوری اور سخت تنگی کی حالت میں اس پر عمل کرنے کی اکابر کے کلام میں گنجائش معلوم ہوتی ہے۔ حضرت مولانا انور شاہ صاحب کے کلام کا خلاصہ فیض الباری(۲) اور عرف الشذی میں منقول ہے(۳)۔ تاہم جہاں تک ہوسکے سادات کرام کو اس سے بچانا ہی افضل اور ان کے احترام کا تقاضا ہے۔

— "عن علي رضي الله تعالى عنه قال: قلت للعباس: سل رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم أن يستعملك على الصدقات، فسأله فقال: "ما كنت لأستعملك على غسالة ذنوب المسلمين". (إعلاء السنن: ۹/۸۳، كتاب الزكوة، إدارة القرآن، كراچی)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/۱۸۹، كتاب الزكوة، الباب السابع في المصارف، رشيديه)

(وكذا في رد المحتار: ۲/۳۴۹، كتاب الزكوة، باب المصرف، سعيد)

(۱) "ورخص الطحاوي دفعها إلى بني هاشم". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الزكوة، باب المصرف، ص: ۷۲۰، قديمي)

(۲) "ونقل الطحاوي عن أمالي أبي يوسف أنه جوز دفع الزكوة إلى آل النبي صلى الله تعالى عليه وسلم عند فقدان الخمس، لأن في الخمس حقهم، فإذا لم يوجد صح صرفها إليهم ... قلت: والأخذ من الزكوة عندي أسهل من السؤال، فأفتي به أيضاً". (فيض الباري، كتاب الزكوة، باب ما يذكر في الصدقة للنبي صلى الله تعالى عليه وسلم: ۳/۵۳، خضر راه بك ڈپو، ديوبند)

(۳) "وفي عقد الجيد: أفتى الطحاوي من الحنفية وفخر الدين الرازي من الشافعية بجواز الزكوة للهاشمي في هذه الصورة". (العرف الشذي على هامش جامع الترمذي: ۱/۱۴۳، أبواب الزكوة، باب كراهية الصدقة للنبي صلى الله تعالى عليه وسلم وأهل بيته ومواليه، سعيد)

اسکول کی تعمیر اور پیشاب خانے وغیرہ مستحق نہیں ہوتے جو کہ تصدق کا حاصل ہے، اس لئے اس سے منع کیا گیا ہے۔ مستحق کو مالک بنا کر دے دیا جائے، پھر وہ جو دل چاہے، جہاں چاہے خرچ کرے۔ سابقہ فتویٰ نمبر:۵۴/۵۰۵، ۲۵/۱/۹۲ھ، میں اختصار کی وجہ سے تفصیل نہیں آسکی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند۔

الجواب صحیح بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیو بند۔

☆......☆......☆......☆......☆

فصلٌ في مايتعلق بالتأمين على الحياة

(بیمہ زندگی کا بیان)

بیمہ کرانا

سوال [۷۶۴۰]: موجودہ زمانے میں بیمہ کرانا یا دوکان اور موٹر وغیرہ کا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

بیمہ میں سود بھی ہے اور قمار بھی، یہ دونوں چیزیں ممنوع ہیں، بیمہ بھی ممنوع ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

---

(۱) "ولا خلاف بين أهل العلم في تحريم القمار، وأن المخاطرة قمار، وأن أهل الجاهلية كانوا يخاطرون على المال والزوجة، وقد كان مباحاً إلى أن ورد تحريمه" (أحكام القرآن للجصاص: ۵۰۲/۲، دار إحياء التراث العربي بيروت)

"وسمي القمار قماراً لأن كل واحد من المقامرين ممن يجوز أن يذهب ماله إلى صاحبه، ويجوز أن يستفيد مال صاحبه، وهو حرام بالنص" (رد المحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۴۰۳/۶، سعيد)

"الربا هو الفضل الخالي عن عوض بمعيار شرعي مشروط لأحد المتعاقدين في المعاوضة" (رد المحتار: ۱۶۹/۵، كتاب البيوع، باب الربا، سعيد)

"وأما الذي يرجع إلى نفس القرض فهو أن لا يكون فيه جر منفعة، فإن كان لم يجز، نحو ما إذا أقرضه دراهم غلة على أن يرد عليه صحاحاً، أو أقرضه وشرط شرطاً له فيه منفعة؛ لما روي عن رسول الله صلى الله عليه وسلم أنه نهى عن قرض جر نفعاً، ولأن الزيادة المشروطة تشبه الربا؛ لأنها فضل لا يقابله عوض، والتحرز عن حقيقة الربا وعن شبهة الربا واجب" (بدائع الصنائع، كتاب القرض، فصل في الشروط: ۵۹۸/۱۰، دار الكتب العلمية بيروت)

"ولا يخفى أنه معلوم أن ربا الجاهلية إنما كان قرضاً مؤجلاً بزيادة مشروطة، فكانت الزيادة —

ایسے مقام پر اور ایسے ماحول میں ہو کہ بغیر بیمہ کرائے جان و مال کی حفاظت ہی نہ ہو سکتی ہو، یا قانونی مجبوری ہو تو بیمہ کرانا درست ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

= بدلاً من الأجل، فأبطله الله وحرمه". (أحكام القرآن للجصاص، سورة المائدة، تحت آية: ﴿إنما الخمر والميسر والأنصاب والأزلام رجس من عمل الشيطان﴾: ۲/۴۶۹، دار الكتاب العربي بيروت)

"الربا: هو القرض على أن يؤدي إليه أكثر وأفضل مما أخذ". (حجة الله البالغة: ۲/۲۸۲، الربا سحت باطل، قديمي)

"وروى مالك عن زيد بن أسلم في تفسير الربا قال: كان الربا في الجاهلية أن يكون للرجل على الرجل حق إلى أجل، فإذا حل، قال: أتقضي أم تربي؟ فإن قضاه أخذ، وإلا زاد في حقه، وزاد الآخر في الأجل". (فتح القدير، كتاب البيوع، باب الربا: ۶/۱۳۰، مصطفى البابي الحلبي مصر)

"الفضل المشروط في القرض ربا محرم لا يجوز للمسلم من أخيه المسلم أبداً لإجماع المجتهدين على حرمته". (إعلاء السنن، رسالة: كشف الدجى عن وجه الربا: ۱۴/۵۱۸، إدارة القرآن كراچی)

"وكل قرض شرط فيه الزيادة، فهو حرام بلا خلاف". (إعلاء السنن، رسالة: كشف الدجى عن وجه الربا: ۱۴/۵۱۸، إدارة القرآن، كراچی)

(۱) "الضرورات تبيح المحظورات". (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۲۹، رقم المادة: ۲۱، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(وكذا في الأشباه والنظائر، ص: ۸۷، القاعدة الخامسة، إدارة القرآن كراچی)

"الحاجة تنزل منزلة الضرورة عامةً أو خاصةً". (شرح المجلة، ص: ۳۳، رقم المادة: ۳۲، مكتبه حنفيه كوئٹه)

التحریمی کی وجہ سے حاصل ہونے والے منافع کو صدقہ کرنا ضروری ہے: "والسبيل في المعاصي ردها، وذلك ههنا برد المأخوذ بأن عرف صاحبه، وبالتصدق به إن لم يعرفه". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس عشر في الكسب: ۵/۳۴۹، رشيديه)

جان کا بیمہ

سوال [۵۹۹۵]: زندگی کا بیمہ جائز ہے یا نہیں؟ آج کل ہندوستان میں بیمہ زندگی کی بہت کمپنیاں قائم ہوگئیں، جس کا قاعدہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص بیمہ کرائے تو اسے خاص وقت تک کرنا پڑتا ہے اور ششماہی ایک مقررہ رقم کمپنی کو دینی پڑتی ہے، مثلاً میں نے ۵۵/ سال کی عمر میں، ۲۵/ برس کے واسطے اکیس روپیہ ۱۲/ رقم ششماہی پر بیمہ زندگی کرایا، اب مجھے ہر ششماہی میں ۲۳/ کمپنی کو دینے پڑتے ہیں، اگر وقت کے ایک مہینہ بعد تک نہ دے تو کمپنی مجبور کرتی ہے، اگر ادا نہ کروں تو رقم سے ناامیدی ہوتی ہے۔

اور اگر کوئی شخص بیمہ کرانے کے بعد چاہے ابھی ایک ہی قسط ادا کی ہو مرجاوے تو کمپنی اس کے وارثوں کو جن کو وہ خود بھی زندگی میں کمپنی کو دے چکا ہے مبلغ ایک ہزار روپیہ فوراً ادا کردیتی ہے۔ اور اگر ۲۵/ برس زندہ رہے اور چندہ وقت پر دیتے رہے تو ۲۵/ برس کے بعد کمپنی ایک ہزار روپیہ مع منافع تقریباً تین چارسو روپیہ کے اس شخص کو ادا کرتی ہے، منافع پانچ سال کے بعد لگایا جاتا ہے اس سال فی ہزار اٹھارہ روپیہ لگایا گیا ہے۔ جواب شرعی سے مطلع فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

صورت مسئولہ میں عقد فاسد اور ناجائز ہے، کیونکہ بیمہ کرانے والے نے جس قدر روپیہ کمپنی کو دیا ہے کمپنی اس سے زائد ادا کردیتی ہے تو زیادتی بیمہ کرانے کی جان کے مقابلے میں ہے، یا مال کے مقابلے میں، اول صورت میں وہ زیادتی ناجائز ہے کیونکہ شرعاً جان متقوم نہیں۔ دوسری صورت میں بھی ناجائز ہے، کیونکہ یہ سود ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر العلوم۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ مفتی مدرسہ ہذا، ۲۵/۵/۵۲ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

زندگی کا بیمہ

سوال [۵۹۹۶]: حکومت انگلینڈ کا قانون ہے کہ کوئی بھی شخص کسی فیکٹری یا دوکان میں کام کرے، یا

(۱) (جمع، ص: ۳۷۸، رقم الحاشیۃ: ۱)

خود کاروبار کرے تو بغیر انشورنش کارڈ کے کام نہیں کر سکتا۔ پھر انشورنش سے بچے ہوئے قانون کے مطابق اس کی ٹانگ وغیرہ کٹ جانے سے اس کو معاوضہ ملتا ہے اور اس کو یا انشورنش والے "لائف انشورنس" بولتے ہیں (زندگی کا بیمہ)۔ یہ بیمہ لینا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جبکہ بغیر کاروبار یا فیکٹری یا دکان کے گزارہ دشوار ہے، اور اس پر بیمہ قانوناً لازمی ہے تو مجبوراً اس بیمہ زندگی میں آدمی کو معذور قرار دیا جائے گا (۱)، جو رقم بطور قسط یا ٹیکس وغیرہ اس نے داخل کردی، تنخواہ سے وضع کر دو، رقم سے زائد ہے اس کو غرباء پر صدقہ کردے، اپنے کام میں نہ لائے (۲)۔ اگر اس قسم کی معذوری اور مجبوری نہ ہو تو ایسے بیمہ کی شرعاً اجازت نہیں (۳)۔ اگر مقصود یہ ہے کہ مالک کو اطمینان حاصل ہو اور کام کرنے والے کے نقصان کے وقت ضرورت سے تلافی کی جائے تو یہ بیمہ کے حکم میں نہیں، بلکہ یہ ان کی طرف سے تبرع واحسان ہے، اگرچہ اس کا نام بھی بیمہ ہے۔ انگلی وغیرہ کٹ جانے سے جو رقم ملے اس کا لینا درست ہے (۴)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۵/۱۰/۹۸ھ۔

---

(۱) "الضرورات تبيح المحظورات، ومن ثم جاز أكل الميتة عند المخمصة، وإساغة اللقمة بالخمر".

(الأشباه والنظائر مع شرحه للحموي، القاعدة الخامسة: ۱/۲۷۵، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۲۹، (رقم المادة: ۲۱)، مكتبہ حبیبیہ کوئٹہ)

"والحاجة تنزل منزلة الضرورة عامة أو خاصة". (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۳۳، (رقم المادة: ۳۲)، مكتبہ حبیبیہ کوئٹہ)

(وكذا في الأشباه والنظائر، قبيل القاعدة السادسة، ص: ۹۳، قدیمی)

(۲) "والحاصل أنه إن علم أرباب الأموال، وجب رده عليهم، وإلا فإن علم عين الحرام لا يحل له، ويتصدق به بنية صاحبه". (رد المحتار، كتاب البيوع، مطلب فيمن ورث مالاً حراماً: ۵/۹۹، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۵/۳۴۹، كتاب الكراهية، الباب الخامس عشر في الكسب، رشيدية)

(۳) (راجع ص: ۳۸۷، رقم الحاشية: ۱)

(۴) یہ ان کی طرف سے تبرع واحسان ہے:

"لا شك في جواز التأمين التعاوني في الإسلام؛ لأنه يدخل في عقود التبرعات، ومن قبيل =

فصل في مايتعلق بصندوق الادخار

(پراویڈنٹ فنڈ کا بیان)

پراویڈنٹ فنڈ پر زائد رقم

سوال[۶۹۲۸]: پراویڈنٹ فنڈ جو ملازمت سے کٹتا ہے، اس پر سود بھی ملتا ہے اور سود اصل مال میں جڑتا رہتا ہے۔ کیا یہ سود لینا درست ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ سود میں داخل نہیں(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

---

(۱) اس لئے کہ مذکورہ رقم درحقیقت تنخواہ ہی کا حصہ ہے: "قوله: بالتعجيل أو بشرطه أو بالاستيفاء أو بالتمكن: يعني لا يملك الأجرة إلا بواحد من هذه الأربعة، والمراد أنه لا يستحقها المؤجر إلا بذلك". (البحر الرائق: ۷/۵۱۱، كتاب الإجارة، رشيديه)

"وتستحق بإحدى معاني ثلاثة: إما بشرط التعجيل أو بالتعجيل من غير شرط أو باستيفاء المعقود عليه". (الهداية، ۳/۲۹۲، كتاب الإجارة، باب الأجر متى يستحق، مكتبه شركت علميه ملتان)

"ثم الأجرة تستحق بأحد معان ثلاثة: إما بشرط التعجيل أو بالتعجيل من غير شرط أو باستيفاء المعقود عليه، فإذا وجد أحد هذه الأشياء الثلاثة فإنه يملكها، وكما يجب الأجر باستيفاء المنافع، يجب بالتمكن من استيفاء المنافع، إذا كانت الإجارة صحيحة". (الفتاوى العالمكيرية: ۴/۴۱۳، كتاب الإجارة، الباب الثاني، رشيديه)

(وكذا في شرح المجلة لسليم رستم باز، (رقم القاعدة: ۴۶۸)، ص: ۲۶۰، ۲۶۲، مكتبه حنفيه كوئته)

(وكذا في شرح المجلة لخالد الأتاسي: ۲/۵۴۹، ۵۵۰، مكتبه حبيبيه كوئته)

(وكذا في إمداد الفتاوى، كتاب الربوا، حکم رقمے کہ بنام ملازمان سرکار بصندوق آید: ۳/۱۳۵، مكتبه دار العلوم كراچي)

ایضاً

سوال [۷۰۰۹]: جنوری ۱۹۶۳ء کے نظام، باب الاستفسار میں ایک استفتاء پراویڈنٹ فنڈ کے متعلق نظر سے گزرا جس میں تحریر ہے کہ یہ فاضل رقم جو فنڈ کے طور پر ملازمت سے سبکدوشی کے بعد ملتی ہے وہ سود میں داخل نہیں ہے، اس مسئلہ کی ذرا وضاحت فرمادیجئے۔ فرض کیجئے فنڈ میں تنخواہ سے متعلق پانچ سو روپے کٹا اور سات یا آٹھ سو روپیہ بعد میں ملا تو پانچ سو سے جو فاضل رقم ہے تو اگر سود نہیں تو اور کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ جزو تنخواہ ملازم نے خود جمع نہیں کیا، بلکہ یہ سلسلہ حکومت نے اپنے قانون کے پیش نظر جاری کیا ہے جس سے ملازم کی خیرخواہی مقصود ہے، جب تک اس پر ملازم کا قبضہ نہ ہو یہ ملازم کی ملکیت نہیں، لہٰذا اس پر جو کچھ اضافہ ملتا ہے یہ بھی سود نہ ہوگا (۱)، بلکہ یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ بعض محکموں میں ملازمت ختم ہونے پر حسن کارکردگی کے صلہ میں پنشن ملتی ہے، اس کو کوئی سود نہیں کہا جاتا۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

☆...☆...☆...☆...☆

---

(۱) (راجع للتخریج المسئلۃ آنفاً)

۵ ہمارے اس شہر میں بھی ایک ہی شاخ ہے جس میں ملازمین بھی کام کرتے ہیں اور غالباً کبھی سوسائٹی کے ایک دو ممبران بھی آکر یہاں کام کرتے رہتے ہیں۔ گذشتہ رمضان المبارک کے مہینہ میں ستائیسویں یعنی شب قدر کے ختم قرآن کے موقع پر ان ملازمین نے کچھ چندہ دیا جس کو متولی نے قبول کیا اور حافظ جی کو ایک رقم دی۔ حافظ جی نے اس رقم میں سے وہ رقم واپس کردی جو کہ ملازمین نے چندہ کی صورت میں دی تھی۔ کیا حافظ جی کو ایسا کرنا چاہئے تھا؟ متولیان یہ پیسہ کہیں سے لائے ہوں ان کی ذمہ داری ہے، حافظ جی کا خود براہ راست اس پیسہ سے کوئی واسطہ نہیں تھا کیونکہ ان کو بذریعہ متولی ملا تھا۔ وضاحت فرمائیے گا۔

۶ اس شاخ نے چند مسلم احباب کی دعوت بھی کی اور بعض نے کھایا اور بعض نے نہیں کھایا اور کہا ان کے یہاں کھانا جائز تھا۔ نہ کھانے والے کہتے ہیں کہ یہ سود خور لوگ ہیں۔ اور کھانے والے حضرات کہتے ہیں کہ دعوت وغیرہ ملازمین نے اپنی تنخواہ سے کی ہے، حالانکہ ان کی تنخواہ سود ہی کی رقم سے دی جاتی ہے۔ وضاحت فرمائیے گا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱ سود کا روپیہ مسجد، شب قدر وغیرہ میں خرچ کرنا جائز نہیں (۱)، اگر اصل مالک کو واپس نہ کیا جائے

(۱) "عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "إن الله طيب لا يقبل إلا طيباً، وإن الله أمر المؤمنين بما أمر به المرسلين". (مشكوة المصابيح، كتاب البيوع، باب الكسب وطلب الحلال، الفصل الأول، ص: ۲۴۱، قديمي)

قال العلامة الملا علي القاري رحمه الله تعالى: "(لا طيباً): أي منزهاً عن العيوب الشرعية والأغراض الفاسدة في النية. قال القاضي رحمه الله تعالى: الطيب ضد الخبيث، فإذا وصف به تعالى أريد به أنه منزه عن النقائص، مقدس عن الآفات، وإذا وصف به العبد مطلقاً أريد به أنه المتعري عن رذائل الأخلاق وقبائح الأعمال، والمتحلي بأضداد ذلك، وإذا وصف به الأموال أريد به كونه حلالاً من خيار الأموال. ومعنى الحديث أنه تعالى منزه عن العيوب، فلا يقبل، ولا ينبغي أن يتقرب إليه إلا بما يناسبه في هذا المعنى، وهو خيار أموالكم الحلال كما قال تعالى: ﴿لن تنالوا البر حتى تنفقوا مما تحبون﴾ (وإن الله أمر المؤمنين بما أمر به المرسلين): "ما" موصولة، والمراد بها أكل الحلال وتحسين الأموال". (مرقاة المفاتيح، كتاب البيوع، باب الكسب وطلب الحلال، الفصل الأول، رقم الحديث =

تو فقراء پر صدقہ کردیا جائے، غریب طلباء پر بھی صرف کیا جاسکتا ہے، ان کے کھانے کپڑے کے لئے دیدیا جائے (۱)، عربی مدرسہ وغیرہ کی تعمیر، تنخواہ میں دینا درست نہیں (۲)۔

۲..... جس دعوت میں سود کا کھانا کھلایا جائے اس کو ہرگز قبول نہ کرے (۳)، ایسا کھانا غریبوں کو بطور

= ۲۷۶م): ۱/۶۱۴، رشیدیہ)

"قال تاج الشريعة: أما لو أنفق في ذلك مالاً خبيثاً، ومالاً سببه الخبيث والطيب، فيكره، لأن الله لا يقبل إلا الطيب، فيكره تلويث بيته بما لا يقبله". (رد المحتار: ۱/۶۵۸، مطلب في أحكام المساجد، سعيد)

(۱) "إن سبيل التوبة مما بيده من الأموال الحرام إن كانت من ربا، فليردها على من أربى عليه، ويطلبه إن لم يكن حاضراً، فإن أيس من وجوده، فليتصدق بذلك عنه". (الجامع لأحكام القرآن للقرطبي، (سورة البقرة، ۲۷۹م): ۳/۳۶۸، دار إحياء التراث العربي بيروت)

"من شرط التوبة: أن ترد الظلامة إلى أصحابها، فإن كان ذلك في المال، وجب أداؤه عيناً أو ديناً ما دام مقدوراً عليه، فإن كان صاحبه قد مات دفع إلى ورثته، وإن لم يمكن، فإلى الحاكم، وإلا تصدق به على الفقراء والمساكين". (القواعد للزركشي: ۲/۴۳۵، بيروت)

"ويردونها على أربابها إن عرفوهم، وإلا تصدقوا بها؛ لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد على صاحبه". (رد المحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۶/۳۸۵، سعيد)

"سئلت في من يملك نصاباً من حرام هل تجب عليه الزكوة؟ الجواب: لاتجب عليه الزكوة، بل يلزمه التصدق بجميعه على الفقراء، لا بنية الثواب، إن لم يكن صاحب المال موجوداً". (الفتاوى الكاملية، ص: ۱۵)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۵/۳۴۹، كتاب الكراهية، الباب الخامس عشر في الكسب، رشيديه)

(۲) مال حرام ہاتھ میں آنے سے ملک نہیں آتا، اور چونکہ تنخواہ اجرت ہے اور اجرت ملکیت سے دی جاتی ہے، اس لئے اس سے تنخواہ دینا درست نہیں:

"والحاصل أنه إن علم أرباب الأموال وجب رده عليهم، وإلا فإن علم عين الحرام، لايحل له، ويتصدق به بنية صاحبه". (رد المحتار، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، مطلب فيمن ورث مالاً حراماً: ۵/۹۹، سعيد)

(۳) "أهدى إلى رجل شيئاً أو أضافه، إن كان غالب ماله من الحلال، فلا بأس، إلا أن يعلم بأنه حرام، =

صدقہ دیا جائے (۱)۔

۲... جو شخص سود لینے دینے کی ملازمت کرے اور اس کو تنخواہ سود میں سے ملے، اسی میں سے کھلائے تو اس کا کھانا درست نہیں، سود غریبوں کا حق ہے (۲)۔

۳... ملازم ہو یا غیر ملازم جس کے پاس بھی سود کا پیسہ ہو سب کا ایک ہی حکم ہے (۳)۔

= فإن كان الغالب هو الحرام، ينبغي أن لا يقبل الهدية، ولا يأكل الطعام". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية: ۵/۳۴۳، الباب الثاني عشر في الهدايا والضيافات، رشيدية)

"سئل الفقيه أبو جعفر عمن اكتسب ماله من أمراء السلطان ومن الغرامات المحرمات وغير ذلك، هل يحل لمن عرف ذلك أن يأكل من طعامه؟ قال: أحب إلي في دينه أن لا يأكل، ويسعه حكماً إن لم يكن ذلك الطعام غصباً أو رشوةً". (رد المحتار، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، مطلب فيمن ورث مالاً حراماً: ۵/۹۹، سعيد)

(۱) "إن سبيل التوبة مما بيده من الأموال الحرام إن كانت من ربا، فليردها على من أربى عليه، ويطلبه إن لم يكن حاضراً، فإن أيس من وجوده، فليتصدق بذلك عنه". (الجامع لأحكام القرآن للقرطبي، (سورة البقرة: ۲۷۹): ۲/۳۶۸، دار إحياء التراث العربي بيروت)

"إن من شروط التوبة: أن ترد الظلامة إلى أصحابها، فإن كان ذلك في المال، وجب أداؤه عيناً أو ديناً ما دام مقدوراً عليه، فإن كان صاحبه قد مات دفع إلى ورثته، وإن لم يكن، فإلى الحاكم، وإلا تصدق به على الفقراء والمساكين". (القواعد للزركشي: ۲/۲۴۵، بيروت)

"ويردونها على أربابها إن عرفوهم، وإلا تصدقوا بها؛ لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد على صاحبه". (رد المحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۶/۳۸۵، سعيد)

"سئلت فيمن يملك نصاباً من حرام هل تجب عليه الزكوة؟ الجواب: لا تجب عليه الزكوة، بل يلزمه التصدق بجميعه على الفقراء، لا بنية الثواب، إن لم يكن صاحب المال موجوداً". (الفتاوى الكاملية، ص: ۱۵)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۵/۳۴۹، كتاب الكراهية، الباب الخامس عشر في الكسب، رشيدية)

(۲) (راجع، ص: ۲۹۳، رقم الحاشية: ۳)

(۳) عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "إن الله طيب =

۵ ... جب حافظ صاحب کو معلوم ہو کہ متولی صاحب نے ان کو امامت کے تحت ناجائز روپیہ دیا ہے تو ان کو واپس کر دینا چاہیے، یہ توجیہ کافی نہیں کہ متولی کے ہاتھ سے ملا ہے اس نے جہاں سے بھی لا کر دیا ہو اس توجیہ سے وہ روپیہ حلال نہیں ہوگا۔

۶ ... سودی روپیہ خواہ تنخواہ میں ملا ہو یا خود سود میں ہو، سب کا حکم ایک ہی ہے، دے کر خود کی یا دوست واحباب کو دعوت میں کھلانا کسی طرح درست نہیں، وہ واپس کیا جائے، یا غریبوں کو دیا جائے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/۱۰/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/۱۰/۹۰ھ۔

= لا یقبل إلا طیباً، وإن اللہ أمر المؤمنین بما أمر به المرسلین". (مشکوٰۃ المصابیح، کتاب البیوع، باب الکسب وطلب الحلال، الفصل الأول، ص: ۲۴۱، قدیمی)

قال العلامة الملا علي القاري رحمه اللہ تعالیٰ: "(إلا طیباً): أي منزهاً عن العیوب الشرعیة والأغراض الفاسدة في النیة. قال القاضي رحمه اللہ تعالیٰ: الطیب ضد الخبیث، فإذا وصف به تعالیٰ أرید به أنه منزه عن النقائص، مقدس عن الآفات، وإذا وصف به العبد مطلقاً أرید به أنه المتعري عن رذائل الأخلاق، وقبائح الأعمال، والمتحلي بأضداد ذلک، وإذا وصف به الأموال أرید به کونه حلالاً من خیار الأموال. ومعنی الحدیث أنه تعالیٰ منزه عن العیوب، فلا یقبل، ولا ینبغي أن یتقرب إلیه إلا بما یناسبه في هذا المعنی، وهو خیار أموالکم الحلال، کما قال تعالیٰ: ﴿لن تنالوا البر حتی تنفقوا مما تحبون﴾ (وإن اللہ أمر المؤمنین بما أمر به المرسلین) "ما" موصولة، والمراد بها أکل الحلال، وتحسین الأموال". (مرقاة المفاتیح، کتاب البیوع، باب الکسب وطلب الحلال، الفصل الأول، (رقم الحدیث: ۲۷۶۰): ۶/۸، رشیدیه)

"قال تاج الشریعة: أما لو أنفق في ذلک مالاً خبیثاً ومالاً سببه الخبیث والطیب، فیکره، لأن اللہ لا یقبل إلا الطیب، فیکره تلویث بیته بما لا یقبله". (رد المحتار: ۱/۶۵۸، مطلب في أحکام المساجد، سعید)

(۱) "إن سبیل التوبة مما بیده من الأموال الحرام إن کانت من ربا، فلیردها علی من أربی علیه، ویطلبه إن لم یکن حاضراً، فإن أیس من وجوده، فلیتصدق بذلک عنه". (الجامع لأحکام القرآن للقرطبي، =

اپنے پاس سے پیسہ دے کر سود کا پیسہ رکھنا

سوال [۷۸۹۱]: میرا معمول یہ ہے کہ جب بھی پاس بک میں سودی پیسے کا اندراج ہوتا ہے تو میں سودی رقم کو الگ کر دیتا ہوں، پاس بک میں اصل رقم باقی رہ جاتی ہے، مگر مجھے اس مسئلہ میں شرح صدر نہیں ہے، شبہ ہے جس کی بنیاد یہ ہے کہ بیع وشراء میں مبیع تو متعین ہوتی ہے، ثمن یعنی رقم متعین نہیں ہوتی۔ غالباً اسی طرح پڑھا ہے۔ اس کی نظیر یہ ہے کہ مدارس اسلامیہ کو زکوۃ کے روپے بذریعہ آرڈر روانہ کئے جاتے ہیں، وہ روپیہ تو مقامی ڈاکخانہ میں رہ گیا صرف منی آرڈر فارم چلا گیا جس سے وہاں کے ڈاکخانہ نے اپنے یہاں سے رقم کی ادائیگی کر دی اور زکوۃ کی رقم تو نہیں پہونچی۔

دوسری نظیر: ایک شخص اپنی سودی رقم نکالنے کے لئے ڈاکخانہ گیا، وہاں کچھ رقم نہیں تھی، تھوڑی دیر کے بعد ایک دوسرے صاحب منی آرڈر کرنے آپہنچے، اب ڈاکخانہ والوں نے اس رقم میں سے سودی ادائیگی کر دی۔ ظاہر ہے کہ یہ رقم سود والے کی نہیں ہے۔ اگر یہ معاملات صحیح قرار دیئے جاتے ہیں تو پھر یہ طریقہ کیوں صحیح نہیں کہ مثلاً ایک ہزار روپے کے سو شامل ہو کر گیارہ سو ہو گئے، اب یہ شخص اپنے پاس سے سو روپے سودی نیت سے نکالتا ہے اور بینک میں جو سود کا اضافہ ہوا ہے اصل میں شامل کر کے گیارہ سو روپے کی اصل رقم قرار دیتا ہے تو اس میں کیا قباحت ہے؟

---

* (سورة البقرة: ۲۷۹) : ۲۳۸/۲، دار إحياء التراث العربي بيروت)

"إن من شرط التوبة: أن ترد الظلامة إلى أصحابها، فإن كان ذلك في المال، وجب أداؤه عيناً أو ديناً ما دام مقدوراً عليه، فإن كان صاحبه قد مات دفع إلى ورثته، وإن لم يكن، فإلى الحاكم، وإلا تصدق به على الفقراء والمساكين". (القواعد للزركشي: ۲/۳۳۵، بيروت)

"ويردونها على أربابها إن عرفوهم، وإلا تصدقوا بها؛ لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد على صاحبه". (رد المحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۳۸۵/۶، سعيد)

"سئلت في من يملك نصاباً من حرام هل تجب عليه الزكوة؟ الجواب: لا تجب عليه الزكوة، بل يلزمه التصدق بجميعه على الفقراء، لا بنية الثواب، إن لم يكن صاحب المال موجوداً". (الفتاوى الكاملية، ص: ۱۵)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۳۴۹/۵، كتاب الكراهية، الباب الخامس عشر في الكسب، رشيديه)

الجواب حامداً و مصلیاً:

جو نظائر آپ نے پیش کئے ہیں ان کا حاصل بھی وہی ہے جو آپ سمجھ رہے ہیں، لیکن جس مال کو سود کہہ کر دیا جائے خواہ وہ مال دینے والے کی ملک ہو یا نہ ہو، بظاہر تو سود کا اطلاق اس پر آئے گا جس پر لعنت کی وعید ہے، اب حاصل یہ ہوگا کہ مال حلال کو صدقہ کیا اپنے پاس سے اور جو مال سود کے نام پر ڈاکخانہ یا بینک سے ملا جو شریعت کی نظر میں حرام ہے اور موجب لعنت ہے، اس کو خود کھائے اس سے قلب سلیم اجتناب کرتا ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

---

(۱) بہتر تو یہی ہے کہ متعین سودی رقم کو صدقہ کیا جائے، لیکن اگر سودی رقم کسی طرح سے بینک سے وصول ہونے کے بعد ذمہ فارغ کرنے کے لئے کسی دوسری رقم کو صدقہ کیا جائے تو صدقہ درست ہو جائے گا، کیونکہ نقود میں تعیین نہیں ہوتی۔ اور دوسری وجہ یہ ہے کہ بینکوں والے سودی رقم الگ نہیں دیتے، بلکہ اصل رقم کے ساتھ ملا کر دیتے ہیں:

"لو خلط السلطان المال المغصوب بماله ملكه، لأن الخلط استهلاك إذا لم يمكن تمييزه عند أبي حنيفة رحمه الله تعالى، وقوله: أرفق للناس؛ إذ قلما يخلو مال عن غصب". (الدر المختار).

"(قوله: لأن الخلط استهلاك): أي بمنزلته؛ لأن حق الغير يتعلق بالذمة -فتح- لا بالأعيان؛ لأنا نقول: إنه لما خلطها ملكها، وصار مثلها ديناً في ذمته، لا عينها". (رد المحتار: ۲/ ۲۹۰، كتاب الزكوة، مطلب فيما لو صادر السلطان جائراً، ايچ ايم سعيد)

"مات وكسبه حرام، فالميراث حلال. ثم رمز وقال: لا نأخذ بهذه الرواية، وهو حرام مطلقاً على الورثة -فتنبه- ومفاده الحرمة وإن لم يعلم أربابه، وينبغي تقييده بما إذا كان عين الحرام؛ ليوافق ما نقلناه، إذ لو اختلط بحيث لا يتميز يملكه ملكاً خبيثاً، لكن لا يحل له التصرف فيه ما لم يؤد بدله، كما حققناه قبيل باب الزكاة". (رد المحتار: ۵/ ۹۹، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، مطلب فيمن ورث مالاً حراماً، سعيد)

"ثم الخلط أنواع ثلاثة: خلطٌ يتعذر التمييز بعده كخلط الشيء بجنسه، فهذا موجب للضمان؛ لأنه يتعذر به على المالك الوصول إلى عين ملكه". (المبسوط للسرخسي: ۱۱/ ۱۰۳، كتاب الوديعة، مكتبه حبيبيه كوئٹه)

باہم چندہ جمع کرکے رقم پر بولی بولنا

سوال [۷۵۱۹]: ۱... ہمارے محلہ میں چند ممبران روپیہ اکٹھا کرتے ہیں مثلاً ہر ممبر سو روپیہ، ۲۰ ممبران کے دو ہزار ہو گئے۔ اب اس رقم پر بولی بولی جاتی ہے، جو زیادہ دیتا ہے اس کو دے دیتے ہیں۔ تو اس پر بولی بولنا کیسا ہے، یہ سود تو نہیں ہے؟ یہ جائز ہے یا نہیں؟ جب وہ روپیہ جمع کر چکا ہے مثلاً سو روپیہ تو پھر بولی بولنا کیا ضروری ہے، اس میں اختلاف ہے؟

۲... ایک شکل یہ بھی ہے کہ چند ممبران چندہ جمع کرنا شروع کر دیتے ہیں مثلاً تین سال تک فی ممبر ۱۰ روپیہ ماہانہ دے گا، اگر وہ رقم لینا چاہے تو قلیل سود مثلاً ۲ پیسہ فی روپیہ کے حساب سے اس میں سے لے کر کاروبار چلا سکتا ہے اور بعد میں مع سود کے ادا کرے، نیز منافع کے ادا کرے، خواہ تمام سود دیا جائے یا منافع، تو اس میں شرکت جائز ہے یا نہیں، اور اس طریق چندہ جمع کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱... یہ صورت ناجائز ہے۔

۲... یہ صورت بھی ناجائز ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲/۴/۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۲/۴/۸۹ھ۔

---

(۱) دوسرا معاملہ تو صراحۃً سود کا ہے اور پہلا معاملہ چونکہ قرض کی صورت پر جاری ہے، اس میں کمی بیشی بھی ہے، جو کہ یہ بھی سود ہے:

قال الله تعالى: ﴿يا أيها الذين آمنوا لا تأكلوا الربوا أضعافاً مضاعفةً واتقوا الله لعلكم تفلحون﴾ (سورة آل عمران: ۱۳۰)

وفي حديث ابن رمح: قال نافع: فذهب عبد الله وأنا معه والليثي، حتى دخل على أبي سعيد الخدري رضي الله تعالى عنه، فقال: إن هذا أخبرني أنك تخبر أن رسول الله صلى الله عليه وسلم نهى عن بيع الورق بالورق إلا مثلاً بمثل، وعن بيع الذهب بالذهب إلا مثلاً بمثل. فأشار أبو سعيد بإصبعيه إلى عينيه وأذنيه، فقال: أبصرت عيناي وسمعت أذناي رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: "لا تبيعوا الذهب بالذهب، ولا تبيعوا الورق بالورق إلا مثلاً بمثل، ولا تشفوا بعضه على بعض، ولا تبيعوا شيئاً =

برما میں کفار کے ساتھ ناجائز سودی عقود

سوال [۷۹۰۴]: برما میں بعض لوگ کافروں کے ساتھ سودی معاملات کرنا جائز اور سور کا کھانا حلال اور مردار کا گوشت وغیرہ فروخت کرنا حلال اور سور کے گوشت کی سپلائی کرنا حلال کہتے ہیں۔ ایسے علماء کی شریعت کی نظر میں کیا سزا ہونی چاہئے اور ان کے ساتھ کیا معاملہ ہونا چاہئے؟ ان کی باتوں کو حق سمجھ کر جو لوگ مذکورہ کاموں کو کرتے ہیں ان کے بارے میں شرعی حکم کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ان علماء سے جواز کی دلیل دریافت کرکے لکھئے، کہ اس پر غور کیا جائے۔ ان چیزوں کا ناجائز اور حرام ہونا تو قرآن کریم (۱) وحدیث شریف (۲) اور فقہ سے واضح ہے (۳)، وہ حضرات کس بنیاد پر جائز کہتے ہیں۔

= غالباً سہو کاتب ہے "الایجاب" (الصحیح لمسلم: ۲/۲۳، کتاب المساقاة والمزارعة، باب الربا، قدیمی)

(والصحیح للبخاری: ۱/۲۹۰، کتاب البیوع، باب بیع الفضة بالفضة، قدیمی)

(وسنن أبي داود: ۲/۱۲۲، کتاب البیوع، باب في الصرف، امدادیہ)

قال علیه الصلوة والسلام: "کل قرض جر منفعة فهو ربا" (فیض القدیر: ۹/۴۶۲۸، رقم الحدیث: ۶۳۳۶، مکتبة نزار مصطفى الباز، ریاض)

"کل قرض شرط فیه الزیادة، فهو حرام بلا خلاف". (إعلاء السنن: ۱۴/۴۹۹، کتاب الحوالة، باب کل قرض جر منفعة فهو ربا، إدارة القرآن، کراچی)

(وکذا في تکملة فتح الملهم: ۱/۵۷۵، کتاب المساقات والمزارعة، باب الربا، مکتبة دار العلوم کراچی)

(۱) قال الله تعالى: ﴿وأحل الله البیع وحرم الربوا﴾ (سورة البقرة: ۲۷۵)

(۲) "عن عبد الله بن حنظلة غسیل الملائکة رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله علیه وسلم: "درهم ربا یأکله الرجل وهو یعلم أشد من ستة وثلاثین زنیةً". (مشکوة المصابیح، ص: ۲۴۶، کتاب البیوع، باب الربوا، الفصل الثالث، قدیمی)

(۳) "وأما الذي یرجع إلى نفس القرض، فهو أن لا یکون فیه جر منفعة، فإن کان لم یجز، نحو ما إذا أقرضه دراهم غلة على أن یرد علیه صحاحاً، أو أقرضه وشرط شرطاً له فیه منفعة، لما روي عن رسول =

فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱/۴/۹۴ھ۔

☆......☆.....☆.....☆.....☆

– الله صلى الله تعالى عليه وسلم أنه نهى عن قرض جر نفعاً، ولأن الزيادة المشروطة تشبه الربا، لأنها فضل لا يقابله عوض، والتحرز عن حقيقة الربا وعن شبهة الربا واجب". (بدائع الصنائع، كتاب القرض، فصل في الشروط: ۵۹۷/۵، ۵۹۸، دار الكتب العلمية بيروت)

"بطل بيع ما ليس بمال، كالدم والميتة والحر والبيع". (تنوير الأبصار مع الدر المختار، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد: ۵۰/۵-۵۱، سعيد)

"وبطل بيع مال غير متقوم كخمر وخنزير، وميتة لم تمت حتف أنفها". (تنوير الأبصار مع الدر المختار، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد: ۵۲/۵، سعيد)

باب القرض

(قرض کا بیان)

قرض لینے کے بعد چاندی کا بھاؤ بڑھ جانا

سوال [۷۶۰۴]: یوسف کا قرض بکر پر ہے، تقریباً سات سے چودہ برس ہوئے، اب بکر قرض ادا کرسکتا ہے، اب دیتا ہے۔ یوسف کہتا ہے کہ جس سال میں نے قرض دیا تھا اس وقت چاندی کا بھاؤ دو روپے، ڈھائی روپیہ تولہ تھا، اب تو میں اتنی چاندی کے نوٹ لوں گا جو تم نے مجھ سے لئے تھے، یہ خیال محمد یوسف کا درست ہے یا نہیں؟

۲.... زید کا قرض بکر پر ایک زمانہ کا آتا ہے جس زمانے میں چاندی کا روپیہ چلتا تھا، یا اس کا نوٹ تھا، اب بکر ادا کرنا چاہتا ہے، لیکن زید کہتا ہے کہ میں نے تو چاندی کے روپے دیے تھے، یہ تو روپے لاؤ چاندی کے یا اتنی چاندی کے نوٹ لاؤ، ورنہ میں نہیں لیتا، زید کا یہ خیال درست ہے؟

۳.... ایک شخص اپنا قرض لینا نہیں چاہتا، قرضدار یہ چاہتا ہے کہ دنیا ہی میں دیدے تاکہ قیامت کے دن دینا نہ پڑے، سوالی مذکور کیا کرنا چاہئے، کیسے ادا کرے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱.... اب سے ۱۴/۱۵ برس پہلے قرض جتنے نوٹ لئے تھے اتنے ہی نوٹ واپس کرنے کا حکم ہے(۱)۔

---

(۱) "القروض يجب في الشريعة الإسلامية أن تقضى بأمثالها" (بحوث في قضايا فقهية معاصرة، ص: ۱۷۴، دار العلوم کراچی)

"الديون تقضى بأمثالها" (رد المحتار، كتاب الأيمان، باب اليمين في الضرب والقتل وغير ذلك، مطلب: الديون تقضى بأمثالها: ۳/۸۳۸، سعيد)

"الديون تقضى بأمثالها" (الأشباه والنظائر، ص: ۲۵۶، الفن الثاني، كتاب المداينات، قديمي)

"هو عقد مخصوص يرد على دفع مال مثلي ليرد مثله" (تنوير الأبصار مع الدر المختار، باب —

چاندی کا بھاؤ تیز ہوجانے کی وجہ سے قرض کے نوٹ زیادہ لینا درست نہیں (۱)۔

۲..... اگر چاندی کے روپے قرض دیئے تھے تو اتنی چاندی (۲) یا اس کی قیمت واپس کی جائے (۳)۔

۳..... جس سے جو قرض لیا تھا اب وہ واپس لینا نہیں چاہتا تو وہ معاف کردے۔ اگر نہ واپس لیتا

= المرابحة والتولية، فصل في القرض: ۵/ ۱۲۱، سعيد)

"والذي يتحقق من النظر في دلائل القرآن والسنة ومشاهدة معاملات الناس أن المثلية المطلوبة في القرض هي المثلية في المقدار والكمية، دون المثلية في القيمة والمالية". (بحوث في قضايا فقهية معاصرة، ص: ۱۷۳، دار العلوم كراچي)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۵/ ۳۶۶، كتاب الكراهية، الباب السابع والعشرون في القرض والدين، رشيديه)

(۱) "رجل استقرض من آخر مبلغاً من الدراهم وتصرف بها، ثم غلا سعرها، فهل عليه ردها مثلها؟ الجواب: نعم، ولا ينظر إلى غلاء الدراهم ورخصها". (تنقيح الفتاوى الحامدية، باب القرض: ۱/ ۲۹۳، رشيديه)

(وكذا في رسائل ابن عابدين، تنبيه الرقود على مسائل النقود: ۲/ ۶۴، سهيل اكيدمي لاهور)

(۲) (راجع الحاشية المتقدمة)

(۳) "عن ابن عمر رضي الله تعالى عنهما، قال: كنت أبيع الإبل بالبقيع فأبيع بالدنانير وآخذ الدراهم، وأبيع بالدراهم وآخذ الدنانير، آخذ هذه من هذه، وأعطي هذه من هذه، فأتيت رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم وهو في بيت حفصة، فقلت: يا رسول الله! رويدك أسألك إني أبيع الإبل بالبقيع فأبيع بالدنانير وآخذ الدراهم، وأبيع بالدراهم وآخذ الدنانير، آخذ هذه من هذه، وأعطي هذه من هذه، فقال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "لا بأس أن تأخذ بسعر يومها ما لم تفترقا وبينكما شيء". (سنن أبي داود، كتاب البيوع، باب في اقتضاء الذهب من الورق: ۲/ ۱۲۰، إمداديه ملتان)

"فذهب أكثر أهل العلم إلى جوازه ومنع من ذلك أبو سلمة بن عبد الرحمن وابن شبرمة، وكان ابن أبي ليلى يكره ذلك إلا بسعر يومه، ولا يعتبر غيره السعر ولم يبالوا كان ذلك بأغلى أو أرخص من سعر اليوم، انتهى". (بذل المجهود، كتاب البيوع، باب في اقتضاء الذهب من الورق: ۵/ ۲۲۴، إمداديه ملتان)

ہے اور وصول کرتا ہے تو مقدار قرض اس کے سامنے رکھ دی جائے، پھر اس کا جو دل چاہے کرے، یہ بری ہوجائے گا (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۲/۹۲ھ۔

نوٹ قرض لیا پھر سونا گراں ہوگیا

سوال [۷۷۵۵]: نوٹ بنانے والے (گورنمنٹ) دھوکہ کرتی ہے، وہ اس طرح کہ اتنا سونا پاس نہیں ہوتا جتنا کہ وہ نوٹ چھاپ کر ملک میں پھیلاتے ہیں، اسی کی گرانی بھی بہت ہے، تو اگر ۴۸ء میں کسی نے سو روپیہ قرض لیا جب کہ سونا سو روپیہ تولہ تھا تو اب قرض میں سو روپیہ اگر مقروض ادا کرے گا تو سونا ڈھائی سو روپیہ کا ایک تولہ آئے گا، تو مقروض کس طرح قرض سے سبکدوش ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نوٹ بنانے والوں نے جو بھی دھوکہ بازی کی ہو اس کے ذمہ دار وہ ہیں۔ جس نے نوٹ قرض لیا ہے اس سے نوٹ ہی واپس لینے کا حق ہے، اگر سو کا نوٹ لیا تھا تو سو کا نوٹ واپس کردے، بری الذمہ ہوجائے گا، اس کی گرانی سے اس پر اثر نہیں ہوگا (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/۲/۹۲ھ۔

---

(۱) "وحاصله أن التخلية قبض حكماً لو مع القدرة عليه بلا كلفة". (ردالمحتار: ۴/۵۶۲، كتاب البيوع، مطلب في شروط التخلية، سعيد)

(۲) "ولو استقرض فلوساً نافقةً وقبضها ولم يكسد، لكنها رخصت أو غلت، فعليه رد مثله بالاتفاق". (بدائع الصنائع، كتاب البيوع، فصل في حكم البيع: ۷/۲۴۳، دارالكتب العلمية بيروت)

"سئلت عن رجل أقرض آخر مقداراً من الريال المجيدي وقت رواجه بثلاثين قرشاً، ثم رد المستقرض له مثل المقدار الذي استقرضه منه بعد أن نزل إلى عشرين قرشاً، فامتنع المقرض من قبوله، وطلب منه صرفها على سعر ثلاثين قرشاً، فهل ليس له ذلك؟ فالجواب أنه ليس له الامتناع من قبول مثل ما دفع. وفي "تتمة الفتاوى" ما نصه: والمقبوض على وجه القرض مضمون بمثله. وفيها نقلاً عن جامع الفصولين: والواجب في القرض رد المثل". (الفتاوى الكاملية، ص: ۹۴، باب القرض، مطلب الواجب في القرض رد المثل، مكتبه حقانيه پشاور)

الحدیث(۱) طحاوی شریف(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۸/۸۷ھ۔

چاندی کا روپیہ قرض لیا اور اس کو اب ادا کرنا چاہتے ہیں تو کس بھاؤ سے ادا کریں

سوال[۷۷۹۷]: عمر کا زید سے لین دین تھا، چنانچہ زید کے ذمہ عمر کے ۹۳۶/روپے اصل تھے اور باقی سود تھا، اس صورت میں عمر نے زید کے اوپر نالش کردی(۳) اور یہ بڑا بھاری مقدمہ ہوا، دونوں فریق کا کافی روپیہ خرچ ہوا، عمر مقدمہ ہار گیا، زید نے عمر کا روپیہ طلب کرنے پر نہیں دیا، لیکن قرض دار تھا۔ زید نے جو روپیہ لیا تھا وہ چاندی کا تھا اور اس وقت اتنا سستا بھی نہیں تھا، اب زید کے وارث عمر کے وارثوں کو وہ اصل روپیہ ۹۳۶/روپے نوٹ کی شکل میں ادا کرنا چاہتے ہیں، مگر عمر کے وارث یہ کہتے ہیں کہ ہمارے چاندی کے روپیہ تھے، ہم تو چاندی ہی کے لیں گے اور جو مقدمہ میں خرچ ہوا ہے اور جو مقدمہ کے ہارنے پر ہم سے ڈگری وصول ہوئی ہے وہ سب لیں گے، کیونکہ روپیہ ہمارے طلب کرنے پر نہیں دیا تھا۔

جب کہ عمر کے وارث اصل رقم سے بھی زیادہ کا مطالبہ کررہے ہیں سود وغیرہ کا، اور زید کے وارث سود دینے سے انکار کررہے ہیں تو اس شکل میں کیا ہوگا؟ زید کو قرض سے نجات کیسے ملے؟ آیا اس روپیہ ۹۳۶/ کو خیرات کردیں، یا کیا کریں؟

نوٹ: عمر کے وارث مطالبہ تو نہیں کررہے بلکہ زید کے وارث دینا چاہتے ہیں۔ لیکن عمر کے وارث سود کا مطالبہ وغیرہ کرتے ہیں۔ اس پر شرعی حکم جو وارد ہوتا ہو اس کو بتایا جائے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

سود کا لینا بھی حرام ہے اور دینا بھی حرام ہے، سود لینے اور دینے والے پر حدیث شریف میں لعنت آئی

---

(۱) (مشکوٰۃ المصابیح، ص: ۲۵۵، باب الغصب والعاریۃ، الفصل الثانی، قدیمی)

(۲) ولفظ الطحاوی هكذا: "عن عمرو بن يثربي قال: خطبنا رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال: "لا يحل لامرئ من مال أخيه شئ إلا بطيب نفس منه". (الطحاوي، كتاب الكراهية، باب الرجل يمر بالحائط الخ، ۲/۳۴۲، سعيد)

(۳) "نالش: دعویٰ، حاکم کے سامنے چارہ جوئی"۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۳۲۵، فیروز سنز، لاہور)

ہے،اس لئے سود کا مطالبہ ہرگز نہ کیا جاوے،نہ سود ادا کیا جائے،لہٰذا سود تو بالکل ختم ہے(۱)۔

جب زید کو اقرار تھا تو مقدمہ عمر کیوں ہار گیا،سمجھ میں نہیں آیا،نیز اقرار کے باوجود مقدمہ کی ضرورت کیوں پیش آئی۔اگر زید کے پاس ادا کرنے کی گنجائش نہیں تھی تو اس کو مہلت دی جاتی،ایسی صورت میں مہلت دینے کا حکم ہے:﴿وإن كان ذو عسرة فنظرة إلى ميسرة﴾ الآية(۲)۔

غالب گمان یہ ہے کہ عدالت میں اقرار نہیں کیا ہوگا اور تحریری ثبوت موجود نہیں ہوگا۔تاہم جو ہوا ہوا، اب اگر مرحوم مقروض کے ورثا دینا چاہتے ہیں تو ۹۳۶/ روپے چاندی کا دیں(۳)،اگر یہ دشوار ہو تو اس نو سو چھتیس ۹۳۶/ روپے کی جو اس وقت قیمت ہو وہ دیں(۴) اور جو روپیہ مقدمہ ہارنے پر ڈگری کے تحت وصول کیا

---

(۱) "عن جابر رضي الله تعالیٰ عنه قال: لعن رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم آکل الربوا و موكله و كاتبه و شاهديه وقال: "هم سواء".

"عن أبي هريرة رضي الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "الربوا سبعون جزءاً، أيسرها أن ينكح الرجل أمه". (مشكوة المصابيح، ص: ۲۴۴، ۲۴۶، باب الربوا، قديمي)

(۲) (سورة البقرة: ۲۸۰)

"وعن عمران بن حصين رضي الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "من كان له على رجل حق، فمن أخره، كان له بكل يوم صدقة". (مشكوة المصابيح، ص: ۲۵۲، باب الإفلاس والإنظار، الفصل الثالث، قديمي)

(۳) "الديون تُقضى بأمثالها". (رد المحتار: ۸۴۸/۳، كتاب الأيمان، سعيد)

"القروض يجب في الشريعة الإسلامية أن تُقضى بأمثالها" (بحوث في قضايا فقهية معاصرة، ص: ۱۷۳، مكتبه دار العلوم كراچي)

(۴) "وإن كان من المثليات، يلزمه إعطاء مثله .... وإن انقطع المثل بأن لا يوجد في السوق، وإن كان يوجد في البيوت، فقيمته يوم الخصومة: أي وقت القضاء عند الإمام الأعظم". (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۴۹۰، (رقم المادة: ۸۹۱)، مكتبه حنفيه كوئته)

"ولو استقرض الفلوس أو العدالي فكسدت، قال أبو حنيفة رحمه الله تعالیٰ: مثلها كاسدة، ولا يغرم قيمتها. وقال أبو يوسف رحمه الله تعالیٰ: قيمتها يوم القبض. وقال محمد رحمه الله تعالیٰ: قيمتها في آخر يوم كانت رائجة، وعليه الفتوى". (الفتاوى العالمكيرية: ۲۰۴/۳، الباب التاسع عشر في القرض والاستقراض والاستصناع، رشيديه)

گیا ہے وہ دیں (۱) اور یہ سب مقروض کے ترکہ سے ادا کریں، اپنے پاس سے ادا کرنا واجب نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۵/۹۱ھ۔

غیر جنس سے اپنا دَین وصول کرنا

سوال [۸۰۹۸]: ایک صاحب کے ذمہ میرے ٹرک کا کرایہ ۹۵/ روپے باقی تھے، میرے ٹرک ڈرائیور نے ان کی سائیکل چھین لی، اب وہ سائیکل ۱۰/ ماہ سے میرے پاس رکھی ہے، باوجود تلاش کے نہ وہ ملے اور نہ خود آئے۔ سائیکل میں نے استعمال بالکل نہیں کی، کیونکہ وہ بہت خراب حالت میں ہے اور مشکل سے اس کی قیمت پچاس روپے ہوگی۔ کیا میں یہ سائیکل نیو کرنے کے بعد اپنے استعمال میں لا سکتا ہوں، یا فروخت کر کے قیمت اپنے کام میں لا سکتا ہوں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

سائیکل جتنی قیمت کی بازار میں ہے اتنی مقدار کو یہ کہ آپ نے اپنا روپیہ وصول کرلیا۔ آپ کو اختیار ہے کہ اس کو ٹھیک کرا کے استعمال میں لائیں یا فروخت کر کے قیمت استعمال میں لائیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، ۱۶/۵/۱۰۱ھ۔

---

(۱) "المتسبب لا یضمن إلا بالتعمد". (شرح المجلة لخالد الأتاسي: ۱/۲۵۴، (رقم المادة: ۹۳)، مکتبہ حقانیہ پشاور)

(۲) "وجد دنانیر مدیونه وله علیه دراهم، له أن یأخذه لاتحادهما جنساً في الثمنیة ... قال الحموي في شرح الکنز نقلاً عن العلامة المقدسي، عن جده الأشقر، عن شرح القدوري للأخصب: إن عدم جواز الأخذ من خلاف الجنس کان في زمانهم لمطاوعتهم في الحقوق، والفتوی الیوم علی جواز الأخذ عند القدرة من أي مال کان، لا سیما في دیارنا لمداومتهم العقوق". (رد المحتار: ۶/۱۵۱، کتاب الحجر، سعید)

"قال الحموي: إن عدم جواز الأخذ من خلاف الجنس کان في زمانهم لمطاوعتهم في الحقوق، والفتوی الیوم علی جواز الأخذ عند القدرة من أي مال کان، لا سیما في دیارنا". (حاشیة الطحطاوي علی الدر المختار: ۴/۸۹، کتاب الحجر، دار المعرفة بیروت)

(وکذا في الفقه الإسلامي وأدلته: ۶/۵۳۵۱، کتاب السرقة، رشیدیه)

قرض اسی کی جنس سے ہی ادا کیا جائے

سوال [۷۵۹۵]: زید نے عمرو سے تنگدستی کی وجہ سے ایک من جو قرض لئے تھے، اس وقت بھاؤ بھی ۲۰/ روپیہ تھا، اب اس کو دو سال کا عرصہ ہو گیا۔ عمرو نے غلہ کا تقاضا کرتا ہے اور کہتا ہے کہ میں نے تو چالیس روپے کے بھاؤ لگا لیا ہے۔ تو عمرو کو یہ لینا اس طرح سے درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

ایک من جو قرض لئے ہیں، ایک من جو ہی کی واپسی لازم ہے، اس کی قیمت کا ادا کرنا لازم نہیں، خواہ کچھ ہی نرخ ہو۔ عمرو کو چالیس روپے قیمت لگا کر وصول کرنے کا حق نہیں: "الاقراض تقضی بأمثالها" (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۸/۱/۱۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۸/۱/۱۵ھ۔

قرض ادا کرتے وقت کچھ زیادہ دینا

سوال [۷۵۹۶]: ہمارا عقیدہ ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب کسی سے قرض لیا کرتے تھے تو کچھ زیادہ دیا کرتے تھے (۲)۔ تو یہ زیادہ دینا خوشی سے ہے؟ لینے والے کے لئے تو سود نہیں ہوگا؟

---

(۱) (رد المحتار: ۳/۸۴۸، کتاب الأیمان، سعید)

"والذي يتحقق من النظر في دلائل القرآن والسنة و مشاهدة معاملات الناس أن المثلية المطلوبة في القرض هي المثلية في المقدار والكمية، دون المثلية في القيمة والمالية". (بحوث في قضايا فقهية معاصرة، ص: ۱۶۴، دار العلوم كراچي)

"(هو عقد مخصوص يرد على دفع مثلي) خرج القيمي (لآخر ليرد مثله)". (تنوير الأبصار مع الدر المختار، كتاب البيوع، فصل في القرض: ۵/۱۶۱، سعيد)

"الديون تقضى بأمثالها". (الأشباه والنظائر، ص: ۲۶۱، الفن الثاني، كتاب المداينات، قديمي)

(۲) "پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم چوں قرض ادا کردے زیادہ از قدر واجب دادے، چنانچہ از جابر یک وقت دو جائے یک وقت دو زن داده است، دیگر قرضداری قدر حق داده است، واین قدر الزاید ترک سنت است، اما زیادہ دادن بے شرط اداء قیمت، جائز است، بلکہ مستحب است"۔ (امالا بد منہ فارسی، کتاب البیوع، ص: ۲۰۰، مکتبہ شرکت علمیہ ملتان)

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس سے قرض لیا جاوے واپس کرتے وقت کچھ زیادہ دیدیا یہ کہہ کر کہ اتنا آپ کا اصل مطالبہ ہے اتنا میری طرف سے زائد ہے، یہ حدیث پاک سے ثابت ہے (۱) لیکن قرض دینے والے کو پہلے سے اس کا لالچ اور خیال نہ ہونا چاہیے کہ زیادہ ملے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱/۱/۸۸ھ۔

متوفی شخص کا ادائے قرض میں ذہن مشغول کرنا

سوال [۷۹۸۸]: بعض ایسے لوگ جن کے پاس عالی شان بنگلہ ہے، باغات ہیں، اراضی ہیں،

---

(۱) "عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: كان لرجل على النبي صلى الله تعالى عليه وسلم سن من الإبل، فجاءه يتقاضاه، فقال: "أعطوه" فطلبوا سنه، فلم يجدوا له إلا سناً فوقها، فقال: "أعطوه" فقال: أوفيتني أوفى الله بك. قال النبي صلى الله تعالى عليه وسلم: "إن خياركم أحسنكم قضاءً".

"عن عبد الله بن جابر رضي الله تعالى عنه قال: أتيت النبي صلى الله تعالى عليه وسلم وهو في المسجد، قال مسعر: أراه قال: ضحى، فقال: "صل ركعتين"، وكان لي عليه دين، فقضاني وزادني". (صحيح البخاري: ۱/۳۲۲، باب حسن القضاء، قديمي)

"عن جابر رضي الله تعالى عنه قال: كان لي على النبي صلى الله تعالى عليه وسلم دين، فقضاني وزادني". (مشكوة المصابيح، ص: ۲۵۳، باب الإفلاس والإنظار، الفصل الثالث، قديمي)

"من استقرض شيئاً فرد أحسن أو أكثر منه من غير شرط كان محسناً، ويحل ذلك للمقرض. وقال النووي رحمه الله تعالى: يجوز للمقرض أخذ الزيادة، سواء زاد في الصفة أو في العدد. ومذهب مالك أن الزيادة في العدد منهي عنها، وحجة أصحابنا عموم قوله صلى الله تعالى عليه وسلم: "فإن خير الناس أحسنهم قضاءً". وفي الحديث دليل على أن رد الأجود في القرض أو الدين من السنة ومكارم الأخلاق، وليس هو من قرض جر منفعة". (مرقاة المفاتيح: ۶/۱۱۹، باب الإفلاس والإنظار، الفصل الثالث، (رقم الحديث: ۲۹۰۵)، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۳/۲۰۲، الباب التاسع عشر في القرض والاستقراض، رشيديه)

(وكذا في إعلاء السنن: ۱۴/۵۰۵، كتاب الحوالة، إدارة القرآن كراچي)

(وكذا في رد المحتار: ۵/۱۶۶، باب المرابحة والتولية، فصل في القرض، سعيد)

کرکے ادا کرنا چاہئے۔ ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ذمہ قرض ہوگیا تھا، حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کا تمام مال فروخت کردیا تا کہ قرض ادا کردیا جائے حتی کہ وہ صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ خالی رہ گئے ان کے پاس کچھ بھی نہ رہا(۱)۔

۲... اگر کوئی شخص صاحب وسعت ہو کر بھی قرض ادا نہ کرے اور معاف کرانے کی تدابیر اختیار کرے تو وہ یقیناً قابل مذمت ہے۔ اور اس کو دیکھ کر دوسرے بھی اس کی روش اختیار کریں گے، اس کا حصہ بھی ان کی کمائی میں ہوگا، موت کا حال معلوم نہیں کہ کب آجائے۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "صاحب الدین مأسور بدینه یشکو إلى ربه الوحدة یوم القیامة"۔ الحدیث (۲)۔

جب ایک شخص اپنی زندگی میں وسعت کے باوجود قرض ادا نہیں کرتا تو ورثہ سے بھی یقین نہیں کہ وہ ادا کردیں گے۔

۳... بعض اغنیاء کا یہ طریقہ یقیناً ظلم ہے، قرض خواہ اگر اس مجبوری سے یہ رسید لکھ دے کہ ایسی رسید نہ لکھنے کی صورت میں کچھ بھی وصول نہ ہوگا، سب ڈوب جائے گا تو وہ ایک حد تک معذور ہے(۳)، بلا مجبوری کے لکھنے سے وہ معصیت کذب میں مرتکب ہوگا: ﴿ولا تعاونوا على الإثم والعدوان﴾ (۴)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۸/۱۱/۱۴۰۸ھ۔

= (سنن ابن ماجة، ص: ۱۷۵، باب التحبس في الدين والملازمة، قديمي)

(۱) "وروي أن معاذاً يدان فأتى غرماءه إلى النبي صلى الله تعالى عليه وسلم، فباع النبي صلى الله تعالى عليه وسلم ماله كله في دينه، حتى قام معاذ بغير شيء". (مشكوة المصابيح، ص: ۲۵۲، باب الإفلاس والإنظار، الفصل الثاني، قديمي)

(۲) (مشكوة المصابيح، ص: ۲۵۳، باب الإفلاس والإنظار، الفصل الثاني، قديمي)

(۳) "واعلم أن الكذب قد يباح، وقد يجب والضابط فيه... أن كل مقصود محمود يمكن التوصل إليه بالصدق والكذب جميعاً، فالكذب فيه حرام، وإن أمكن التوصل إليه بالكذب وحده فمباح إن أبيح تحصيل ذلك المقصود، وواجب إن وجب تحصيله". (رد المحتار: ۶/۴۲۷، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، سعيد)

(۴) (سورة المائدة: ۲)

حق واجب ادا نہ کرنا

سوال [۶۹۸۲]: ایک آدمی نے کہا کہ تم کچھ پیسے دے دو، میں واپس نہیں کروں گا، اس پر حلف اٹھایا، قسم کھائی۔ پھر اس نے کہا کہ اچھا اتار دے، اس نے کہا کہ اتار دی۔ تو اس نے کہا کہ اب کچھ نہیں دیتا، ایسے آدمی کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو شخص کسی کا حق واجب ادا کرنے پر قادر ہو کر بھی ادا نہ کرے وہ ظالم اور غاصب ہے، سخت گنہگار ہے(۱)، قسم نہ کھاتا تب بھی ادا کرنا لازم تھا(۲)، قسم اتارنے سے بھی وہ بری نہیں ہوا۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۱۱/۸۹ھ۔

قرض لے کر واپس نہ کرنا

سوال [۶۹۸۳]: زید اور بکر کا دوستانہ اور برادرانہ تعلق تھا۔ جب بکر پریشان ہوا تو زید نے ازراہ ہمدردی قرض کے طور پر آٹھ سو پچاس روپے دیا، مگر اب بکر نے اس روپیہ کی واپسی سے صاف جواب دے دیا ہے۔ زید اس روپیہ کی جب کہ وہ بکر کے پاس تھا زکوٰۃ بھی ادا کرتا رہا۔

۱..... کیا بکر اور اس کے باپ کی نماز یا عبادت قبول ہوگی یا نہیں؟

۲..... اگر روپیہ ادا کئے بغیر بکر کا انتقال ہو گیا تو شریعت کا کیا حکم ہے؟

۳..... جو آدمی اس مشورہ میں شریک ہے اس کا کیا حکم ہے؟

۴..... شرعاً بکر کا بائیکاٹ ہونا چاہئے یا نہیں؟

۵..... زید کو کیا اجر ملے گا، جیسا کہ زید کا ارادہ اس روپیہ سے حج کرنے کا تھا اور یہ روپیہ ضبط کر لیا، تو زید کا حج قبول ہوگا یا نہیں؟

---

(۱) (راجع، ص: ۴۲۳، رقم الحاشیة: ۳)

(۲) "یجب علی المقترض أن یرد مثل المال الذي اقترضه إن کان المال مثلیاً بالاتفاق". (الفقه الإسلامي وأدلته، المبحث السادس في أنواع البیوع، الفصل الثاني، القرض: ۵/۳۷۹۳، رشیدیه)

ذلیل نہ کیا جائے (۱)۔

۳... برا مشورہ دینا بُرا ہے (۲)۔

۴... اگر اس کے پاس روپیہ موجود ہے اور وہ قرض واپس نہیں کرتا بلکہ ہضم کرنا چاہتا ہے اور بائیکاٹ سے توقع ہے کہ وہ قرض واپس کر دے گا تو بائیکاٹ مناسب ہے (۳)۔ اگر اس کے پاس روپیہ موجود نہیں وہ تنگدست و مفلوک الحال ہے تو اس کو مجبور نہ کیا جائے نہ بائیکاٹ کیا جائے۔ اگر قوم اس کی امداد کر کے قرض ادا کرے گی تو بہت بڑا اجر ملے گا۔ اگر زید معاف کر دے گا تو وہ بھی مستحق اجر ہوگا (۴)۔

---

(۱) "عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه أن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم قال: "ما من مؤمن إلا وأنا أولى به في الدنيا والآخرة، اقرؤوا إن شئتم: ﴿النبي أولى بالمؤمنين من أنفسهم﴾ فأيما مؤمن مات وترك مالاً فليرثه عصبته من كانوا، ومن ترك ديناً أو ضياعاً فليأتني، فأنا مولاه". (صحيح البخاري، باب الصلاة على من ترك ديناً: ۱/۳۲۳، قديمي)

(۲) "عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه، قال: قال النبي صلى الله تعالى عليه وسلم: "إن المستشار مؤتمن". (جامع الترمذي: ۲/۶۲، أبواب الزهد، باب ماجاء في معيشة أصحاب النبي صلى الله تعالى عليه وسلم، سعيد)

(۳) "عن أبي أيوب الأنصاري رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "لا يحل للرجل أن يهجر أخاه فوق ثلاث ليال ...... الخ" قال الملا علي القاري: "قال الخطابي: رخص للمسلم أن يغضب على أخيه ثلاث ليال لقلته، ولا يجوز فوقها، إلا إذا كان الهجران في حق من حقوق الله تعالى، فيجوز فوق ذلك". (مرقاة المفاتيح، كتاب الآداب، باب ماينهى عنه من التهاجر، الفصل الأول: ۸/۷۵۸، رقم الحديث: ۵۰۲۷، رشيديه)

"والهجر فوق ثلاث دائر مع القصد، فإن قصد هجر المسلم حرم، وإلا لا ...... أي بأن كان الهجر بموجب لا يحرم، فهذا هو المراد". (الأشباه والنظائر مع شرحه للحموي: ۱/۹۸، الفن الأول، القاعدة الثانية، الأمور بمقاصدها، إدارة القرآن كراچي)

(۴) "عن أبي اليسر رضي الله تعالى عنه قال: سمعت النبي صلى الله تعالى عليه وسلم يقول: "من أنظر معسراً أو وضع عنه، أظله الله في ظله" رواه مسلم". (مشكوة المصابيح، ص: ۲۵۱، كتاب البيوع، باب الإفلاس والإنظار، الفصل الأول، قديمي)

۵... اگر یہ قرض ہو تو وہ ادا کرنے سے ہی ادا ہوتا ہے(۱)، کسی مصیبت زدہ کی امداد سے نہیں ہوتا، اگرچہ کسی مصیبت زدہ کی امداد سے بہت بڑا اجر ملتا ہے(۲)، بہر حال زید یقیناً ثواب کا مستحق ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، ۲۲/۵/۸۵ھ۔

اپنا قرضہ بڑوں اور دوستوں سے مانگنا

سوال [۷۸۰۱]: زید کا قرض کسی ایسے شخص کے ذمہ ہے جس سے وہ اپنا قرض، مانگ نہیں سکتا، اس کی عظمت مانع ہے، یا زیادتی تعلق مانع ہے۔ عظمت مانع ہونے کی یہ صورت ہے کہ زید کا قرض کسی اپنے استاد یا پیر یا کسی بڑے کے ذمہ ہے۔ زیادتی تعلق کی صورت یہ ہے کہ وہ شخص زید کا دوست ہے، اس سے قرض مانگتے ہوئے شرم آتی ہے، لہذا زبان سے مطالبہ نہیں کر سکتا ہے۔ اگر زید اپنے قرض کے بقدر بلا اجازت پیچھے سے اپنے مقروض کے مال میں سے لے لے تو یہ جائز ہے یا نہیں؟ یا یہ کہ مطالبہ کرے اور پھر وہ مقروض اگر انکار کرے تو زید اپنے قرض کے بقدر لے سکتا ہے یا نہیں؟

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿وللہ علی الناس حج البیت من استطاع الیہ سبیلا﴾ (سورۃ آل عمران: ۹۷)

"واختلف فی سقوطہ ... ان کان الغالب فیہ السلامۃ من موضع حدث العادۃ برکوبہ، یجب والا فلا، وہو الأصح". (رد المحتار، کتاب الحج، مطلب فی قولہم یقدم حق العبد علی حق الشرع: ۲/۴۶۳، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الحج: ۲/۵۳۵، رشیدیہ)

(۲) "عن سلیمان بن عامر قال: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: "الصدقۃ علی المسکین صدقۃ، وھی علی ذی الرحم ثنتان صدقۃ وصلۃ". (مشکوۃ المصابیح، کتاب الزکوۃ، باب أفضل الصدقۃ، الفصل الثانی، ص: ۱۷۱، قدیمی)

"عن أنس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: "أفضل الصدقۃ أن تشبع کبدا جائعا". (مشکوۃ المصابیح، الفصل الثالث، ص: ۱۷۲، قدیمی)

الجواب حامداً ومصلیاً:

پہلے مطالبہ کرے، اگر مقروض دینے سے انکار کر دے تو پھر دوسرے طریقہ سے وصول کرے(۱)۔ معاملات میں عظمت اور دوستی مانع نہیں ہونی چاہئے، ورنہ تو پھر قرض معاف کر کے ان کو بری الذمہ کر دے، اس میں عظمت کی بھی رعایت ہے اور دوستی کی بھی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۸/۱/۹۳ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین، دار العلوم دیوبند، ۲۸/۱/۹۳ھ۔

ناجائز مال سے قرض وصول کرنا

سوال[۷۹۸۵]: کسی مسلمان قرض خواہ کو کسی قرضدار سے اپنا قرضہ وصول کرنا جائز ہے یا نہیں، خواہ وہ قرضدار مسلمان ہو یا غیر؟ جب کہ اس کو معلوم ہو کہ یہ مال ناجائز طریقہ سے کمایا ہے، یا نامعلوم ہو، ان دونوں صورتوں میں کیا حکم ہے؟ فقط۔

عبدالرزاق جائند عری، تھیم تجرہ لند۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

نامعلوم ہونے کی صورت میں اپنا قرض وصول کرنا درست ہے، اگر اس کا حرام ہونا معلوم ہو تو اس کا لینا غیر مسلم سے درست ہے اور مسلم سے مکروہ ہے۔

---

(۱) "رجل له على رجل دراهم فظفر بدراهم مديونه، كان له أن يأخذ دراهم المديون إذا لم تكن دراهم المديون أجود أو لم تكن مؤجلة". (الفتاوى العالمكيرية: ۲۰۳/۳، كتاب البيوع، الباب التاسع عشر في القرض والاستقراض، رشيدية)

"ظفر بدنانير مديونه وله عليه دراهم، له أن يأخذه، لاتحادهما جنساً في الثمنية. قال الحموي في شرح الكنز نقلاً عن العلامة المقدسي عن جده الأشقر عن شرح القدوري للأخصب: إن عدم جواز الأخذ من خلاف الجنس كان في زمانهم لمطاوعتهم في الحقوق. والفتوى اليوم على جواز الأخذ عند القدرة من أي مال كان، لا سيما في ديارنا لمداومتهم العقوق". (رد المحتار: ۱۵۱/۶، كتاب الحجر، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار: ۹۹/۴، كتاب الحجر، دار المعرفة، بيروت)

"ولو كان لمسلم على نصراني دين، فباع النصراني خمراً وأخذ ثمنها وقضاه المسلم من دينه، جاز له أخذه؛ لأن بيعه له مباح. ولو كان الدين لمسلم على مسلم فباع المسلم خمراً وأخذ ثمنها وقضاه صاحب الدين، كره له أن يقبض ذلك من دينه، كذا في السراج الوهاج".

فتاوی عالمگیری: ۳۴۸/۵ (۱) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

صحیح: عبداللطیف، ۲۲/ذی قعدہ/۵۳ھ۔

مالِ حرام سے قرض ادا کرنا

سوال [۷۴۸۶]: زید شراب کی تجارت اور اس کا کاروبار کرتا ہے، جو کچھ روپیہ پیسہ ساز وسامان اس کے پاس ہے سب کچھ اسی تجارت کی آمدنی سے ہے۔ اب بتوفیق الٰہی اپنے اس فعل سے تائب ہوکر اس سے الگ ہونا چاہتا ہے، لیکن اشکال یہ ہے کہ گذران کی صورت کیا ہوگی۔ لہٰذا معلوم کرنا چاہتا ہے کہ اگر کسی سے بلاسودی قرض لے کر کوئی دوسرا کاروبار کرے جس سے اس کے بال بچوں کا گذران ہو اور قرض کو اس شراب کی

---

(۱) (الفتاوى العالمكيرية: ۳۶۶/۵، كتاب الكراهية، الباب السابع والعشرون في القرض والدين، رشيدية)

"وجاز أخذ دين على كافر من ثمن خمر لصحة بيعه، بخلاف دين على المسلم لبطلانه".

(الدر المختار مع رد المحتار: ۳۸۵/۶، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، سعيد)

"إذا كان لشخص مسلم دين على مسلم، فباع الذي عليه الدين خمراً وأخذ ثمنها وقضى الدين، لا يحل للمسلم أن يأخذ ذلك بدينه. وإن كان البائع كافراً، جاز له أن يأخذ". (البحر الرائق: ۳۶۹/۸، كتاب الكراهية، فصل في البيع، رشيديه)

"ولو باع مسلم خمراً وأوفى دينه من ثمنها، كره لرب الدين أخذه. وإن كان المديون ذمياً، لا يكره". (ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر: ۲۱۴/۴، كتاب الكراهية، فصل في البيع، غفاريه كوئٹه)

(وكذا في الدر المنتقى على هامش مجمع الأنهر: ۲۱۳/۴، كتاب الكراهية، غفاريه كوئٹه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۱۰۰/۷، كتاب الكراهية، فصل في البيع، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الهداية: ۴۶۹/۴، كتاب الكراهية، إمداديه ملتان)

تجارت کے روپے سے ادا کرے تو کیا یہ صحیح ہوگا؟ جیسا کہ فتاوی عبدالحی میں اس مسئلہ میں استقراض کی شکل کو جائز لکھا ہے(۱) لیکن اس صورت میں یہ اشکال ہے کہ قرض اس مال سے ادا بھی ہوگا یا نہیں؟ کیونکہ وہ مال تو مال غصب کے حکم میں ہے جیسا کہ امداد الفتاوی میں لکھا ہے کہ:

"اصحاب مال معلوم ہوں تو ان کو لوٹا دیا جائے ورنہ خیرات کر دیا جائے، لیکن نیت ثواب کی نہ کی جائے اور اصحاب مال کی طرف سے خیرات کی نیت کی جائے، کیونکہ اس مال کا مالک یہ نہیں ہے"(۲)۔

ایسی صورت میں استقراض کی صورت کیونکر ممکن ہوگی، مال غیر سے قرض کیونکر ادا ہوگا؟ بینوا توجروا

---

(۱) سوال: "اگر کسی نے سودی روپیہ قرض لیا تھا اور سود اصل کے بقدر دے چکا ہے تو اب بری الذمہ ہوا یا نہیں؟

جواب: "دارالاسلام میں سود لینا حرام ہے، جو رقم سود میں دی ہے وہ اصل میں محسوب ہوگی"۔ (مجموعة الفتاوی، کتاب الربوا، باب القرض والرشوة، عنوان: سود میں دی ہوئی رقم اصل میں محسوب ہوگی: ۲/۱۵۰، سعید)

(۲) "ہر چند کہ غصب وظلم کا مال اپنے مال میں یا دوسرے مغصوب مال میں ملا دینے سے ملک غاصب میں داخل ہو جاتا ہے، مگر وہ ملک خبیث ہوگی، نہ اس کو خود اس کا صرف کرنا جائز ہے، نہ دوسروں کو اس کا قبول کرنا جائز ہے، جب تک کہ غاصب اس کا ضمان ادا نہ کرے، پس صورت مسئولہ میں تنخواہ کی آمدنی جائز نہ ہوگی، نہ اس ریاست کی نوکری جائز ہوگی:

"والروايات فيه: أما التملك بالخلط بمال نفسه أو غيره، ففي الدر المختار: ولو خلط السلطان المال المغصوب بماله ملكه، فتجب الزكوة فيه، ويورث عنه؛ لأن الخلط استهلاك إذا لم يمكن تمييزه عند أبي حنيفة رحمه الله تعالى، وقوله أرفق، إذ قلما يخلو مال عن غصب. وفيه: أما إذا أخذ من إنسان مائة ومن آخر مائة وخلطهما، ثم تصدق، لا يكفر، لأنه ليس بحرام لعينه بالقطع، لاستهلاكه بالخلط. قلت: وأفاد أيضاً كون هذا المخلوط حراماً خبيثاً، ولو حراماً لا لعينه. وأما حرمة الانتفاع به، ففيه أيضاً: فإن غصب وغير المغصوب، فزال اسمه وأعظم منافعه أو خلط المغصوب بملك الغاصب بحيث يمتنع امتيازه، أو يمكن بحرج، ضمنه، وملكه بلا حل الانتفاع قبل أداء ضمانه: أي رضاء مالكه بأداء أو إبراء أو تضمين قاض، والقياس حله، وهو رواية، فلو غصب طعاماً فمضغه حتى صار مستهلكاً ينقلب حلالاً في رواية حراماً على المعتمد حسماً لمادة الفساد، وأما

وغیرہ میں بہر صورت اس آمدنی کو ناجائز قرار دیا ہے۔

مقروض کا نفلی چندہ دینا

سوال[۱۱۵۹۸]: ایک شخص پانچ سو روپیہ سے تجارت کر رہا ہے اور چھ سو روپیہ کا مقروض ہے۔ کیا اس قرضہ کی صورت میں کسی مدرسہ یا مسجد وغیرہ کی کچھ امداد کرنا چاہے تو کر سکتا ہے یا نہیں، یا مقدم قرض کی ادائیگی ہے؟ اور امداد کی صورت میں ثواب کا مستحق ہے کہ نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ چندہ نفل کے درجہ میں ہے اور قرض ادا کرنا فرض ہے، اگر فرض ذمہ میں باقی رہتے ہوئے کوئی شخص نفل پڑھتا ہے تو اس کو ثواب بھی ملتا ہے اور قرض کی تاخیر پر بازپرس بھی ہے، لہٰذا یہ کہنا کہ ثواب نہیں ملے گا صحیح نہیں۔ البتہ قرض کی ادائیگی کا اہتمام چاہئے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفی عنہ، دار العلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ۔

= منهما. وقال مشايخنا: لا يطيب له بكل حال، وهو المختار، وإطلاق الجواب في الجامعين يدل على ذلك ... واختار بعضهم الفتوى على قول الكرخي في زماننا، لكثرة الحرام». (البحر الرائق: ۸/۲۰۷، كتاب الغصب، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۶/۲۴۲، كتاب الغصب، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۳/۸۳، كتاب الغصب، غفاريه كوئته)

(وكذا في رد المحتار: ۵/۲۳۵، باب المتفرقات، سعيد)

(۱) "ويجوز تأخير الفوائت وإن وجبت على الفور، لعذر السعي على العيال، وفي الحوائج على الأصح". (الدر المختار). "(قوله: وفي الحوائج) عمم ما قبله: أي ما يحتاجه لنفسه من جلب نفع ودفع ضرر. وأما النفل، فقال في المضمرات: الاشتغال بقضاء الفوائت أولى وأهم من النوافل إلا سنن المفروضة، وصلوة الضحى، وصلوة التسبيح، والصلوة التي رويت فيها الأخبار: أي كتحية المسجد، والأربع قبل العصر، والست بعد المغرب". (رد المحتار: ۲/۷۳، باب قضاء الفوائت، سعيد)

مقروض کے تین حالات

سوال[۷۸۸۱]: زید نے تین شخصوں کا بیان کیا، جو قرض دار مرجاتے ہیں، ان کا قرض اللہ کے ذمہ ہے:

۱-کسی شخص نے کفن کے لئے کسی شخص سے دینے کی نیت سے قرض لیا اور وہ بوجہ غربت یا اتفاق سے مرجانے کی وجہ سے ادا نہ کر سکا۔

۲-کسی شخص کو شادی کی خواہش ہے، اگر شادی نہیں کرتا تو زنا میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہے، چونکہ وہ مفلوک الحال ہے اس لئے قرض لیا اور دے نہ سکا۔

۳-کوئی شخص جہاد میں کمزور و مجروح ہو کر واپس آیا اور اس نے کسی سے قرض لیا اس خیال سے کہ خوب تندرست وطاقت ور ہو کر جہاد میں جا کر دشمنوں سے لڑوں گا یعنی کفار و مشرکین سے اور اتفاق سے وطن ہی میں یا جہاد میں جا کر شہید ہو جانے یا انتقال کر جائے۔

کیا ان تینوں اشخاص کا قرضہ جو اس طرح مرجاتے ہیں اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے، یا حق العباد میں سے ہے اور ان قرضوں کی بابت باز پرس ہوگی، یا بالکل نہیں، کہاں تک درست ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

زید نے اس مسئلہ میں بڑی تنگی کر دی، فتاویٰ عالمگیری میں تو یہ قید نہیں بلکہ اس میں تو مطلقاً لکھا ہے کہ:

"جو شخص کسی ضرورت و پریشانی سے مجبور ہو کر قرض لے اور نیت یہ ہو کہ اس کو ادا کر دوں گا، پھر باوجود کوشش کے ادا کرنے کی قدرت و وسعت نہ ہوئی اور اسی حال میں انتقال ہو گیا تو امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے آخرت میں مواخذہ نہ فرمائیں گے"(۱)۔

ایسا ہی مضمون اس حدیث شریف سے معلوم ہوتا ہے جو کہ مشکوٰۃ، ص: ۲۵۲، باب الإفلاس

---

(۱) "رجل مات وعليه قرض، ذكر الناطفي نرجو أن لا يكون مواخذاً في دار الآخرة إذا كان في نيته قضاء الدين". (الفتاوى العالمكيرية: ۳۶۶/۵، كتاب الكراهية، الباب السابع والعشرون في القرض والدين، رشيديه)

والانظار، فصل اول میں بحوالہ بخاری منقول ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:

"عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه، عن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم قال: "من أخذ أموال الناس يريد أداءها، أدى الله عنه، ومن أخذ يريد إتلافها، أتلفه الله عليه". رواه البخاري"(۱)۔

اور اس مسئلہ کو تصریح کے ساتھ فتح الباری: ۵/۴۴، میں اسی حدیث کی شرح کرتے ہوئے لکھا ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) (مشكوة المصابيح، ص: ۲۵۲، باب الإفلاس والإنظار، الفصل الأول، قديمي)

(وصحيح البخاري: ۱/ ۳۲۱، باب في الاستقراض أداء الدين، قديمي)

(۲) "ولابن ماجة وابن حبان من حديث ميمونة: "ما من مسلم يدان ديناً يعلم الله أنه يريد أداءه، إلا أداه الله عنه في الدنيا ..... الخ". (فتح الباري، كتاب الاستقراض وأداء الديون، باب من أخذ أموال الناس يريد أداءها أو إتلافها: ۵/ ۶۹، قديمي)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه عن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم قال: "من أخذ أموال الناس يريد أداءها": أي من استقرض احتياجاً، وهو يقصد أداءه ويجتهد له "أدى الله عنه": أي أعانه على أدائه في الدنيا أو أرضى خصمه في العقبى". (مرقاة المفاتيح، كتاب البيوع، باب الإفلاس والإنظار، الفصل الأول: ۶/ ۱۳۲، رشيديه)

(وكذا في فيض القدير: ۱۱/ ۵۰۶۰، (رقم الحديث: ۸۳۵۱)، مكتبه نزار مصطفى الباز رياض)

ابن ماجہ میں مذکورہ تین شخصوں کا ذکر بھی حدیث میں آیا ہے:

"عن عبد الله بن عمرو رضي الله تعالى عنهما قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "إن الدين يقضى من صاحبه يوم القيامة إذا مات إلا من تدين في ثلاث خلال: الرجل تضعف قوته في سبيل الله، فيستدين يتقوى به لعدو الله وعدوه. ورجل يموت عنده مسلم لا يجد ما يكفنه ويواريه إلا بدين. ورجل خاف الله على نفسه العزبة، فينكح خشية على دينه، فإن الله يقضي عن هؤلاء يوم القيامة" (سنن ابن ماجة، ص: ۱۷۵، باب: ثلاث من أدان فيهن، قضى الله عنه، قديمي)

وصولیٔ قرض کا مطالبہ

سوال[۷۰۹۹]: ایک عورت نے اپنے بھتیجا کو کچھ رقم بابت ادھار دی، لیکن اس عورت کے لڑکے اور اس عورت کے بھتیجے مشترک کاروبار میں شامل تھے، اس کاروبار میں جو منافع یا مزدوری ہوئی، اس عورت کے لڑکے نے حساب پورا نہیں دیا۔ جب حساب چیک ہوا تو اس عورت نے جو رقم اپنے بھتیجا کو دی تھی اس سے زیادہ حساب اس آمدنی میں سے ان کی طرف نکلا، انہوں نے ادا نہیں کیا، اس عورت کے لڑکے نے ادا نہیں کیا اور وہ عورت اپنی رقم اپنے بھتیجے سے طلب کرتی ہے جب کہ اس کے نوٹس میں یہ بات ہے کہ میرے بیٹے کی طرف میرے بھتیجا کی رقم واجب ہے، پھر بھی اس عورت کا بھتیجے پر تقاضہ بدستور باقی ہے۔ لہذا اس مسئلہ کی پوری وضاحت فرمائی جائے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

عورت نے اگر اپنی مملوکہ رقم اپنے بھتیجے کو ادھار دی تھی تو وہ اس کی واپسی کا مطالبہ کر سکتی ہے اور بھتیجا کے ذمہ اس کا واپس کرنا لازم ہے(۱)۔ جو کاروبار مشترک ہے یا جو حساب اس عورت کے لڑکے سے متعلق ہے، اس میں وہ ادھار کی رقم محسوب کرنے کا حق نہیں ہے جب تک وہ عورت اور اس کا لڑکا رضامند نہ ہوں اور شرکاء اجازت نہ دیں(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۱/۹/۹۰ھ۔

---

(۱) "عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه أن رجلاً تقاضى رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم فأغلظ له، فهمّ أصحابه فقال: "دعوه، فإن لصاحب الحق مقالاً، واشتروا له بعيراً فأعطوه إياه". (مشكوة المصابيح، ص: ۲۵۱، باب الإفلاس والإنظار، الفصل الأول، قديمي)

"عن ابن عمر وعائشة رضي الله تعالى عنهم أن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم قال: "من طلب حقاً فليطلبه في عفاف واف أو غير واف". (سنن ابن ماجة، ص: ۱۷۳، باب حسن المطالبة، قديمي)

(۲) "لا يجوز لأحد أن يتصرف في ملك غيره بلا إذنه أو وكالة منه". (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۶۱، رقم المادة: ۹۶، مكتبه حنفيه كوئٹه)

وكذا في رد المحتار، كتاب الغصب، مطلب فيما يجوز من التصرف في مال الغير بدون إذن منه: ۶/۲۰۰، سعيد)

قرض خوشدلی سے معاف کرنے کی علامت

سوال [۷۱۹۰]: اگر کوئی شخص سرکاری نوکری کرتا ہے اس کے یہاں ٹھیکہ وغیرہ کا کام چلتا ہے، اس کا ٹھیکہ دار ہوتا ہے اس سے وہ ملازم کوئی پیسہ قرض کی شکل میں لے لے اور بعد میں ادا نہ کر سکے اور وہ ٹھیکہ دار معاف کردے کہ کوئی بات نہیں تو اس پر مواخذہ تو نہیں ہوگا؟ ٹھیکہ دار کے معاف کرنے کے بارے میں اس کی قلبی کیفیت کا پتہ کیسے چلے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس کا روپیہ ہو وہ معاف کرسکتا ہے(۱)، اگر پورا اطمینان نہ ہو تو اس کا امتحان اس طرح کر لیا جائے کہ مقدار قرض روپیہ کسی سے کہ قرض خواہ کو دیدیا جائے، وہ پھر لے کر دیدے کہ میں نے یہ آپ کو دیدیا تو معلوم ہوجائے گا کہ اس نے خوش دلی سے معاف کیا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

جو شخص اپنا قرض قبول نہ کرے اس کی ترکیب

سوال [۷۱۹۱]: ہمارے والد صاحب نے پنڈت کو جب کہ چک بندی ہو رہی تھی سو روپیہ دیا، اس غرض سے کہ وہ اے سی او کو یہ روپیہ دے کر میرا چک اچھی جگہ کرا دے۔ میں نے جب اے سی او سے دریافت کیا تو اس نے کہا کہ میں آپ کا چک بلا رشوت لئے ہی اچھی جگہ پر دے دوں گا تو میں جا کر پنڈت سے روپیہ لے آیا۔ اس کے بعد پھر پنڈت جی آیا اور کہا اے سی او صاحب روپیہ مانگ رہے ہیں تو ہم نے ۵۵/ روپے دے دیئے اور اس کا ذکر اے سی او صاحب سے کیا تو انہوں نے کہا کہ مجھے روپے نہیں ملے اور مجھے اس کی ضرورت بھی نہیں، آپ روپے اس سے لے لیجئے۔

نیز ہمارے ذمہ اس کا سو روپے پہلے ہی سے تھا اور اسی درمیان میں ہمارے والد صاحب کا انتقال ہوگیا، اس کے بعد ہم نے ۵۵/ روپے کاٹ کر اس کا بقیہ ۴۵/ روپے دینے گئے تو اس نے کہا کہ مجھے پورے سو

---

(۱) "كل يتصرف في ملكه كيف شاء، لكن إذا تعلق به حق الغير يمنع المالك من تصرفه على وجه الاستقلال". (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۶۵۴، رقم المادة: ۱۱۹۲، مكتبه حنفيه كوئٹه)

کارخانہ کے مقروض ملازمین پر دیوالی پر روپیہ لینا

سوال [۶۹۹۲]: کارخانہ میں چند کاریگر ملازم ہیں جن کے ذمہ ہزار روپیہ قرضہ بھی ہے، اس کے باوجود ہر ہفتہ پیشگی کے طالب رہتے ہیں، اس صورت میں کارخانہ کا مالک دیوالی کے نام ۵۰۰/ روپیہ مٹھائی کے لئے خرچ کرالیتا ہے، پھر پیشگی دیتا ہے۔ یہ دینا کیسا ہے؟ اور مالک کا خرچ کرانا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ دیوالی پر خرچ کروانا درست نہیں (۱)۔ ہاں! اپنے قرض میں محسوب کرلے تو وسعت ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

کسی غیر مسلم کا قرض ہو جو لاپتہ ہو

سوال [۶۹۹۳]: کسی غیر مسلم کا میرے ذمہ سو روپیہ واجب الاداء ہے، جس کا پتہ نشان نہیں، نہ اس کے خاندان کا پتہ ہے جس کو روپیہ ادا کرکے بار قرض سے سبکدوش ہو جاتا ہوں۔ مجھے کیا کرنا چاہئے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

کسی غریب کو بہ نیت خلاص صدقہ کردیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿ولا تأكلوا أموالكم بينكم بالباطل﴾ (سورة البقرة: ۱۸۸)

قال العلامة البغوي: "﴿بالباطل﴾ بالحرام يعني بالربا والقمار والغصب والسرقة والخيانة ونحوها" (معالم التنزيل: ۱/۱۵۵، قديمي)

قال الإمام القرطبي: "من أخذ مال غيره لا على وجه إذن الشرع، فقد أكله بالباطل" (الجامع لأحكام القرآن: ۲/۲۲۳، دار إحياء التراث العربي بيروت)

"عن أبي حرة الرقاشي عن عمه رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "ألا! لا تظلموا، ألا لا يحل مال امرئ إلا بطيب نفس منه" (مشكوة المصابيح، ص: ۲۵۵، كتاب البيوع، باب الغصب والعارية، الفصل الثاني، قديمي)

ذمی کافر کی ادائیگی

سوال [۷۹۹۳]: اگر کسی مسلمان کے ذمہ کسی کافر کا قرض ہو اور اس کی ادائیگی ناممکن ہو گئی ہو تو اس سے بری الذمہ ہونے کے لئے کیا صورت ہو سکتی ہے؟ مع کتب ومحولہ تحریر فرمادیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

معاف کرالے اگر ادا کرنے کو نہ ہو ورنہ مواخذہ ہوگا

"وفي فتاوى قاضي خان: رجل له حق على خصم فمات ولا وارث له، تصدق عن صاحب الحق بمقدار ماله عليه، ليكون وديعة عند الله تعالى يوصله إلى خصمائه يوم القيامة. وإذا غصب مسلم من ذمي مالاً أو سرق منه، فإنه يعاقب به يوم القيامة؛ لأن الذمي لا يرجى عنه العفو، فكانت خصومة الذمي أشد". شرح فقه أكبر، ص: ۱۹۴ (۱)۔

"ولا وجه لإعطائه ثواب طاعة المسلم؛ لأنه ليس من أهل الثواب، ولا لوضع وبال الكفر على المسلم، فتبقى خصومته، أفاده أبو السعود. وقد يقال: لا مانع من وضع وبال غير الكفر من السيئات على المسلم، فيعذب بها عنه، روي: "من ظلم ذمياً كنت خصمه يوم القيامة"، وحمله بعض العارفين على معنى أن النبي صلى الله عليه وسلم يخاصم عن المسلم؛ لأن الذمي يقول: لا أرضى بخصومتي إلا أن يكون خصمه معه في محل استقراره". طحطاوی علی الدر المختار، باب الاستیلاد (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۹/۱/۵۹ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مدرسہ ہذا۔　　صحیح: عبد اللطیف۔

---

(۱) (شرح الفقه الأكبر للملا علي القاري الحنفي رحمه الله تعالى، التوبة وشرائطها، ص: ۱۵۸، قديمي)

(۲) (حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب العتق، باب الاستيلاد: ۲/۳۱۹، دار المعرفة بيروت)

(وكذا في رد المحتار على الدر المختار، كتاب العتق، باب الاستيلاد: ۳/۶۹۵، سعيد)

ہمشیرہ پر جائیداد میں حصہ دیتے وقت قرض کا کچھ حصہ ڈالنا

سوال [۶۹۹۵]: والدین کے انتقال کے بعد ہم دونوں بھائیوں نے ساری جائیداد کو نصف نصف تقسیم کرلیا ہے، ہم دونوں بھائیوں کی صرف ایک بہن ہے۔ تقسیم جائیداد کے وقت ہمشیرہ کو جائیداد سے محروم رکھا گیا، اس لئے کہ بڑے بھائی ہمشیرہ کو حصہ دینے پر آمادہ نہ ہوئے۔ اب احقر نے موجودہ نصف حصہ میں سے ہمشیرہ صاحبہ کو پانچواں حصہ دینے کا پختہ عزم کرلیا ہے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ جائیداد کی تقسیم کے وقت تقریباً پندرہ سو روپیہ احقر کے ذمہ بڑے بھائی صاحب نے قرض ڈالے ہیں۔

احقر نے بڑے بھائی سے دریافت کیا کہ یہ قرض کیسے ہوا، مجھ کو اس سے کیا تعلق ہے؟ تو بھائی صاحب نے جواب دیا کہ تقریباً تین سال پیداوار نہ ہونے کی وجہ سے میں نے قرض لے کر کے کھایا اور زمین کی دیکھ بھال کی، اس لئے آپ کے ذمہ قرض ڈال رہا ہوں، جس کو احقر نے مجبوراً قبول کرلیا۔ اس طرح کا قرض احقر اپنی ہمشیرہ صاحبہ کے ذمہ بھی کچھ ڈال سکتا ہے یا نہیں؟ جب کہ احقر ہمشیرہ کو پانچواں حصہ دے رہا ہے۔ اگر قرض ڈالنا ہے تو کس طرح ڈالا جائے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

آپ کو اس صورت میں ہمشیرہ پر قرض ڈالنے کا حق نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۴/۵۲ھ۔

دھان کا قرض

سوال [۶۹۹۶]: دھان کے بدلے دھان لینا یا دینا بطورِ قرض کیسا ہے؟

سید عبدالستار۔

---

(۱) "لا رجوع فيما تبرع عن الغير". (قواعد الفقه، ص: ۱۰۶، رقم القاعدة: ۱۵۲، الصدف پبلشرز)

"عمّر دار زوجته بماله بإذنها، فالعمارة لها، والنفقة دين عليها. ولو عمّر لنفسه بلا إذنها، فالعمارة له، ولها بلا إذنها، فالعمارة لها، هو متطوع في البناء، فلا رجوع له". (الدر المختار مع تنوير الأبصار وشرحه مع رد المحتار: ۶/۷۴۷، كتاب الخنثى، مسائل شتى، سعيد)

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر دھان بطور قرض لئے پھر اسی قدر دھان واپس کردیے، کچھ زیادتی نہیں کی تو یہ شرعاً درست ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

العبد محمود۔

آٹے کا ادھار

سوال[۷۰۰۶]: عموماً چکی پر جب بھی کرنٹ نہیں ہوتا، یا بالکل بند ہوتی ہے، تو لوگ ادھار سیر دو سیر آٹا لے جاتے ہیں اور اپنا غلہ رکھ دیتے ہیں، جب ان کا غلہ پس جاتا ہے تو وہ دوسرا آٹا تخمیناً کر لیا جاتا ہے اور کروہ واپس لے لی جاتی ہے۔ آیا یہ صورت درست ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس طرح قرض میں آٹا تخمیناً کرنا درست ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

---

(۱) "الديون تقضى بأمثالها". (الأشباه والنظائر مع شرحه للحموي: ۲/۲۳۹، الفن الثاني، كتاب المداينات، إدارة القرآن كراتشي)

"الديون تقضى بأمثالها". (رد المحتار، كتاب الأيمان: ۳/۸۹۳، سعيد)

"والذي يتحقق من النظر في دلائل القرآن والسنة ومشاهدة معاملات الناس أن المثلية المطلوبة في القرض هي المثلية في المقدار والكمية دون المثلية في القيمة والمالية". (بحوث في قضايا فقهية معاصرة، ص: ۱۷۳، مكتبه دار العلوم كراتشي)

"هو أي القرض عقد مخصوص يرد على دفع مثلي ليرد مثله". (تنوير الأبصار مع الدر المختار، باب المرابحة والتولية، فصل في القرض: ۵/۱۶۱، سعيد)

وكذا في الفقه الإسلامي وأدلته: ۵/۳۷۹۳، رشيديه كوئته)

(۲) "القرض عقد مخصوص يرد على دفع مال مثلي لآخر ليرد مثله، وصح القرض في مثلي لا في غيره". (الدر المختار مع رد المحتار، باب المرابحة والتولية، فصل في القرض: ۵/۱۶۱، سعيد)

"عن أبي يوسف رحمه الله أنه قال: لا ضرورة ولا خير في قرض الحنطة والدقيق بالوزن. وذكر في الأصل: إذا استقرض الدقيق وزناً لا يرده، ولكن يصطلحان على القيمة. وعن أبي يوسف في رواية -

باب القمار

(جوئے کا بیان)

مقررہ رقم جمع کرنے پر قرعہ اندازی

سوال [۷۹۹۰]: ایک طریقہ تجارت باقاعدہ اسکیم کے تحت تقریباً پوری دنیا میں چل رہا ہے، ہمارا ہندوستان بھی اس میں ملوث ہے، اس کی صورت یہ ہے کہ کوئی تاجر یا کوئی کمپنی یا کوئی پارٹی ممبر سازی کرتی ہے، مثلاً: کوئی سائیکل اسکیم چلائی ہے، اس سائیکل کی اصل قیمت ۱۰۰۰/ روپے ہے، اس صورت میں ۵۰/ روپے ماہانہ کے بیس ممبر بنائے جاتے ہیں اور ایک ماہ میں ایک مرتبہ قرعہ اندازی کی جاتی ہے۔ اس قرعہ میں جس ممبر کا نام نکل جاتا ہے اس کو صرف ۵۰/ روپے میں سائیکل مل جاتی ہے، اس طرح ہر ماہ قرعہ اندازی میں نام نکلنے والے کو سائیکل ملتی رہے گی۔ یہ صورت ہر مہینے چلے گی اور دسویں مہینہ میں جتنے باقی رہیں گے سب کو سائیکل دیدی جائے گی۔

اس میں اسکیم چلانے کا فائدہ یہ ہے کہ اس کو پہلے ماہ میں ایک ہزار روپے ملیں گے جس میں وہ پانچ سو روپے کی چیز دے گا اور باقی رقم اپنی تجارت میں لگائے گا، اسی طرح نو ماہ تک کچھ نہ کچھ رقم بچتی رہے گی اور پانچ سو روپے کی چیز جاتی رہے گی۔ دسویں ماہ باقی ممبروں کو وہ چیز پوری پوری دیدی جائے گی، البتہ پہلے اور دوسرے تیسرے اور دیگر قرعہ اندازی کے اندر نکلنے والے ناموں کو یہ چیز کم قیمت میں ملتی ہے، یہ معاملہ فریقین کی رضامندی سے طے ہوتا ہے۔ کیا یہ اسکیم سود و قمار میں داخل ہے یا نہیں؟ سود اور قمار اگر ہے تو کیسے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ معاملہ شرعاً درست نہیں، وقت عقد ثمن و مبیع متعین ہونا چاہئے اور یہاں متعین نہیں بلکہ مجہول ہے، کمی زیادتی ظاہر ہے، جتنی رقم دی ہے اس پر زیادتی کرنا سے عقد فاسد بنا ہے۔ اس کو قمار بھی کہا جا سکتا ہے

اور ربا بھی (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند۔

لاٹری کا حکم

سوال [۷۱۹۹]: آج کل ہندوستان میں مختلف صوبائی حکومتوں نے مختلف انعامات کے ساتھ لاٹری شروع کر رکھی ہے اور ان کو انتہائی دیانتداری کے ساتھ نکالنے کی تشہیر بھی کرتی ہے۔ اگر کسی مسلمان کا یہ انعام نکل جائے تو تعمیر پر صرف کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟

۲۔ نیز یہ پیسہ کسی اسلامی مدرسہ یا مسجد میں صرف کر سکتے ہیں یا نہیں؟

۳۔ نیز اس پیسے کو اپنی ذات خاص پر صرف کرنا کیسا ہے؟

---

(۱) یہ صورت بیع فاسد کی ہے اس لئے کہ ثمن اور مبیع دونوں مجہول ہیں: "یشترط أن یکون المبیع معلوماً عند المشتري، لأن بیع المجهول فاسد". (شرح المجلة لسلیم رستم باز، ص: ۶۹، (رقم المادة: ۲۰۰)، مکتبہ حنفیہ کوئٹہ)

"یلزم أن یکون الثمن معلوماً، فلو جهل الثمن فسد البیع". (شرح المجلة لسلیم رستم باز، ص: ۱۲۳، (رقم المادة: ۲۳۸)، مکتبہ حنفیہ کوئٹہ)

(وکذا في تبیین الحقائق: ۴/۵۰۶، کتاب البیوع، دار الکتب العلمیة بیروت)

(وکذا في رد المحتار: ۴/۵۲۹، کتاب البیوع، سعید)

(وکذا في البحر الرائق: ۵/۴۵۴، کتاب البیوع، رشیدیہ)

البتہ اس معاملہ کو قمار یا سود قرار دینا مشکل ہے اس لئے کہ قمار میں یہ ہوتا ہے کہ دو آدمی کسی غیر یقینی واقعہ کی بنیاد پر کوئی رقم اس طرح داؤ پر لگادیں کہ یا تو وہ اس رقم سے بھی ہاتھ دھو بیٹھے گا یا اسے اتنی ہی یا اس سے زیادہ رقم بغیر کسی معاوضے کے مل جائے، جب کہ مذکورہ صورت میں تمام ممبران کو سامان مل جاتا ہے، کسی کو کم کسی کو زیادہ وہ رقم کے بدلے۔ اور سود قرار دینا بھی مشکل ہے، کیونکہ مذکورہ صورت میں جنس مختلف ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

"وسمي القمار قماراً لأن كل واحد من المقامرين ممن يجوز أن يذهب ماله إلى صاحبه، ويجوز أن يستفيد مال صاحبه، وهو حرام بالنص". (رد المحتار، کتاب الحظر والإباحة، فصل في البیع ۶/۴۰۳، سعید)

الجواب حامداً ومصلیاً:

اخمالی لاٹری کا یہ سلسلہ خلاف شرع ہے، ہرگز اس میں حصہ نہ لیا جائے (۱)، اگر غلطی سے حصہ لے لیا ہے اور روپے مل گئے ہیں تو اس کو بلانیت ثواب غریبوں محتاجوں کو صدقہ کردیا جائے جن میں نادار طلبہ بھی داخل

---

(۱) اس لئے کہ یہ قمار ہے کیونکہ عام طور پر لاٹری میں یہی ہوتا ہے کہ لوگ ایک یا زیادہ روپے جمع کراتے ہیں پھر قرعہ اندازی کے ذریعے تقسیم کئے جاتے ہیں: ﴿یا أیها الذین آمنوا إنما الخمر والمیسر والأنصاب والأزلام رجس من عمل الشیطان، فاجتنبوه لعلکم تفلحون﴾ (سورة المائدة: ۹۰)

"عن عبد الله بن عمرو رضي الله تعالیٰ عنهما قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "إن الله حرّم علی أمتي الخمر والمیسر". (مسند الإمام أحمد بن حنبل (رقم الحدیث: ۶۵۱۱) ۲/۳۵۱، دار إحیاء التراث العربي بیروت)

"إن النبي صلی الله تعالیٰ علیه وسلم نهی عن الخمر والمیسر والکوبة". (سنن أبي داؤد: ۲/۱۶۳، باب ما جاء في السکر، امدادیه ملتان)

"ولو شرط فیها من الجانبین، لأنه یصیر قماراً". (الدر المختار). "(قوله: لأنه یصیر قماراً): لأن القمار من القمر الذي یزداد تارةً وینقص أخری. وسمي القمار قماراً، لأن کل واحد من المقامرین ممن یجوز أن یذهب ماله إلی صاحبه، ویجوز أن یستفید مال صاحبه، وهو حرام بالنص". (رد المحتار، کتاب الحظر والإباحة، فصل في البیع: ۶/۴۰۳، سعید)

"وحرم لو شرط المال من الجانبین" (تبیین الحقائق، کتاب الکراهیة، فصل في البیع: ۷/۷۱، دار الکتب العلمیة بیروت)

"ولایجوز الرهان في حالة ما إذا کان من کل واحد علی أنه إن سبق، فله الرهان، وإن سُبق فیغرم لصاحبه مثله؛ لأن هذا من باب القمار المحرم". (فقه السنة، المسابقة، الصور التي یحرم فیها الرهان: ۳/۵۰۷، دار الکتاب العربي بیروت)

"لو کان الخطر من الجانبین جمیعاً ولم یدخلا فیه محللاً، لایجوز؛ لأنه في معنی القمار، نحو أن یقول أحدهما لصاحبه: إن سبقتني فلک علیّ کذا، وإن سبقتک فلي علیک کذا، فقبل الآخر". (بدائع الصنائع، کتاب السباق، فصل في شروط جواز السباق: ۸/۳۵۰، دار الکتب العلمیة بیروت)

ہیں، مسجد یا مدرسہ یا اپنے ذاتی کام میں صرف نہ کیے جائے (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۴/۸۹ھ۔

لاٹری کا ٹکٹ

سوال [۸۰۰۱]: حکومت ملایا کی جانب سے ایک لاٹری نکلتی ہے جس کا مقصد یتیموں کی امداد کرنا ہے اس میں ہار جیت بھی ہوتی ہے۔ اس لاٹری کا ٹکٹ خریدنا کیسا ہے؟

نعیم الدین، کوالالمپور ملایا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ناجائز ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

العبد محمود غفرلہ۔

لاٹری کے ذریعے اشیاء کی خرید وفروخت

سوال [۸۰۰۲]: بعض ادارے، رقم جمع کرنے کے لئے کچھ سینے کی مشین، سائکل، گھڑیوں کی تعداد میں، روپیہ اور دیگر قیمتی اشیاء رکھ کر ایک روپیہ کا ٹکٹ عوام میں تقسیم کرتے ہیں، اور ایک معین تاریخ میں پھر ایک جلسہ کرکے مذکورہ اشیاء جن کے نام نکلتی ہے ان کو دیتے ہیں۔ کیا یہ شرعاً جائز ہے؟

---

(۱) "ويردونها على أربابها إن عرفوهم، وإلا تصدقوا بها؛ لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد على صاحبه". (رد المحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۳۸۵/۶، سعيد)

"ويردونها على أربابها إن عرفوهم، وإلا يتصدقوا بها، لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد". (البحر الرائق: ۳۷۴/۸، كتاب الكراهية، فصل في البيع، رشيدية)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۶۰/۷، كتاب الكراهية، فصل في البيع، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۳۴۹/۵، كتاب الكراهية، الباب الخامس عشر في الكسب، رشيدية)

(وكذا في الفتاوى الكاملية، ص: ۲۵۱، حقانيه پشاور)

(۲) (راجع ص: ۴۳۷، رقم الحاشية: ۱)

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ صورت سود کی ہے، قمار بھی ہے، اس لئے جائز نہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۳/۳/۹۰ھ۔

جوے کی ایک صورت

سوال [۸۰۰۲]: خلاصہ سوال یہ ہے کہ زید کہتا ہے کہ میری بات صحیح ہے، بکر کہتا ہے کہ میری بات صحیح ہے۔ دونوں میں سو سو روپے کی شرط ہوگئی اور ثالث کے پاس دو سو روپے رکھ دیئے کہ جس کی بات صحیح ہوگی، وہ دو سو روپے لے گا۔ سوال یہ ہے کہ یہ صورت جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ جوا ہے (۲) جوکہ ناجائز ہے (۳)، روپے مالک کو واپس پہونچانا ضروری ہے (۴)۔ فقط

---

(۱) "القمار كله من الميسر ... وهو السهام التي يجيلونها، فمن خرج سهمه استحق منه ما توجبه علامة السهم ... وحقيقته تمليك المال على المخاطرة، وهو أصل في بطلان عقود التمليكات الواقعة على الأخطار" (أحكام القرآن للجصاص، (سورة المائدة: ۹۰): ۲/۴۶۵، دار الكتاب العربي بيروت)

"وسمي القمار قماراً؛ لأن كل واحد من المقامرين ممن يجوز أن يذهب ماله إلى صاحبه، ويجوز أن يستفيد مال صاحبه، وهو حرام بالنص". (رد المحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۶/۴۰۳، سعيد)

"إن أهل الجاهلية كانوا يخاطرون على المال والزوج، وقد كان ذلك مباحاً إلى أن ورد تحريمه". (أحكام القرآن للجصاص: ۱/۳۲۹، دار الكتاب العربي بيروت)

"لأن الربوا: هو الفضل المستحق لأحد المتعاقدين في المعاوضة الخالي عن عوض شرط فيه" (الهداية: ۳/۸۰، باب الربوا، مكتبه شركت علميه ملتان)

قال الله تعالى: ﴿وأحل الله البيع وحرم الربوا﴾ (سورة البقرة: ۲۷۵)

قال الله تعالى: ﴿يا أيها الذين آمنوا لا تأكلوا الربوا أضعافاً مضاعفة، واتقوا الله لعلكم تفلحون﴾ (سورة آل عمران: ۱۳۰)

(۲) "وسمي القمار قماراً؛ لأن كل واحد من المقامرين ممن يجوز أن يذهب ماله إلى صاحبه، ويجوز أن =

واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفی عنہ دار العلوم دیوبند، ۸۵/۱۲/۲۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ دار العلوم دیوبند، ۸۵/۱۲/۲۲ھ۔

الجواب صحیح: سید مہدی حسن غفی عنہ دار العلوم دیوبند، ۸۵/۱۲/۲۲ھ۔

بچوں کا ایک کھیل جس میں جوا بھی ہے اور سود بھی

سوال [۸۰۰۲]: ایک کھیل بچوں میں چل رہا ہے کہ ایک تختہ والا دس نئے پیسے لے کر بچہ اس تختہ سے ایک پرچی پھاڑتا ہے، جو نمبر نکلتا ہے اس کے مطابق چیز بچوں کو مل جاتا ہے اور اگر خالی نکلے تو بچے کو کچھ نہیں ملتا۔

"ویسترد مال صاحبه، وحرم بالنص". (رد المحتار: ۶/۴۰۳، کتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، سعيد)

(وكذا في أحكام القرآن للجصاص: ۲/۴۶۵، باب تحريم الخمر، (سورة المائدة: ۹۰)، قديمي)

(۲) قال الله تعالى: ﴿يا أيها الذين آمنوا إنما الخمر والميسر والأنصاب والأزلام رجس من عمل الشيطان فاجتنبوه لعلكم تفلحون﴾ (سورة المائدة: ۹۰)

"عن عبد الله بن عمرو رضي الله تعالى عنهما: أن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم نهى عن الخمر والميسر والكوبة". (سنن أبي داود: ۲/۱۶۳، باب ما جاء في السكر، امدادیہ ملتان)

"ولا خلاف بين أهل العلم في تحريم القمار". (أحكام القرآن للجصاص (سورة البقرة: ۲۱۹): ۱/۳۲۹، دار الكتاب العربي بيروت)

(۳) "ويردونها على أربابها إن عرفوهم، وإلا تصدقوا بها؛ لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد على صاحبه". (رد المحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۶/۳۸۵، سعيد)

"يردونها على أربابها إن عرفوهم، وإلا يتصدقوا به؛ لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد". (البحر الرائق: ۸/۳۶۹، كتاب الكراهية، فصل في البيع، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۷/۶۰، كتاب الكراهية، فصل في البيع، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۵/۳۴۹، كتاب الكراهية، الباب الخامس عشر في الكسب، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى الكاملية، ص: ۲۸۵، حقانيه پشاور)

"الإجارة هي تمليك نفع مقصود من العين بعوض، حتى لو استأجر ثياباً أو أواني ليتجمل بها أو دابة ليجنبها بين يديه أو داراً لا ليسكنها أو عبداً أو دراهم أو غير ذلك لا ليستعمله، بل ليظن الناس أنه له، فالإجارة فاسدة في الكل، ولا أجر له؛ لأنها منفعة غير مقصودة من العين اهـ". درمختار، اول کتاب الإجارہ۔

قال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: "(قوله: مقصودة من العين) أي في الشرع ونظر العقلاء، بخلاف ما سيذكره، فإنه وإن كان مقصوداً للمستأجر، لكنه لا نفع فيه، وليس من المقاصد الشرعية اهـ". شامی ۵/۳(۱)۔

"رجل ضل له شيء، فقال: من دلني على كذا فله كذا، فهو على وجهين: إن قال ذلك على سبيل العموم بأن قال: من دلني، فالإجارة باطلة؛ لأن الدلالة والإشارة ليست بعمل يستحق به الأجرة اهـ". شامی ۵/۷۹(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۵/۹۰ھ۔

اخباری معمہ حل کرنا

سوال [۱۰۰۰۵]: کسی اخبار کا اخباری معمہ حل کرکے انعام حاصل کرکے کسی مسجد، مدرسہ، دینیات یا کسی اور اچھے مقاصد کی راہ میں خرچ کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس کی پوری کیفیت تحریر کیجئے، اگر یہ صورت ہو کہ اخبار میں شائع ہوا کہ جو شخص فلاں چیز کا مطلب بیان

---

(۱) (ردالمحتار: ۶/۴، کتاب الإجارة، سعید)

(۲) (ردالمحتار: ۶/۹۵، باب فسخ الإجارة، مطلب: ضل له شيء فقال: من دلني عليه فله كذا، سعيد)

"والمراد من المنفعة أن تكون مقصودة من العين، فلو استأجر ثياباً ليبسطها ولا يجلس عليها ولا ينام، أو دابة ليربطها في داره ويظن الناس أنها له، أو ليجنبها أجنبية بين يديه، أو آنية يضعها في بيته يتجمل بها ولا يستعملها، فالإجارة في جميع ذلك فاسدة، ولا أجرة له؛ لأن هذه المنفعة غير مقصودة". (البحر الرائق: ۸/۳، كتاب الإجارة، رشيديه)

(وكذا في الدر المنتقى على هامش مجمع الأنهر: ۳/۵۱۱، كتاب الإجارة، غفاريه كوئٹه)

کردے، یا فلاں مسئلہ کو حل کردے تو اس کو اتنا انعام دیا جائے گا، پھر کسی نے اس کو حل کردیا اور انعام ملا تو یہ انعام اس کی ملک ہے، اس کو اختیار ہے کہ اپنے کام میں لائے یا مسجد وغیرہ میں صرف کردے(۱)، اس میں کوئی اشکال نہیں کیونکہ یک طرفہ چیز ہے۔ اگر حل کرنے والے سے بھی کچھ وصول کیا جاتا ہے تو اس کی تفصیل معلوم ہونے پر حکم معلوم ہوگا۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۸/۵/۶۲ھ۔

شمع معمہ حل کرنے پر انعام

سوال [۸۰۰۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین وشرع متین مندرجہ ذیل مسائل کے بارے میں:

"آج کل شمع معمہ دہلی سے نکلتا ہے، اس میں شرائط یہ ہیں کہ اس میں ایک ٹکٹ ایک روپیہ کے حساب سے جتنا چاہو بھیجو، اور اس کے ساتھ شمع معمہ کا کوپن ہونا لازمی ہے، اب تمہاری قسمت اگر پہلا انعام یا کوئی انعام ملا۔ آیا یہ روپیہ لینا کیسا ہے جائز ہے یا ناجائز؟"

---

(۱) "حل الجعل إن شرط المال من جانب واحد" (الدر المختار). قال العلامة ابن عابدين: "بأن يقول أحدهما لصاحبه: إن سبقتني أعطيتك كذا، وإن سبقتك لا آخذ منك شيئاً" (رد المحتار، كتاب الحظر والإباحة، باب الاستبراء وغيره، فصل في البيع: ۶/۴۰۲، ۴۰۳، سعيد)

"لو وقع الاختلاف بين اثنين، وشرط أحدهما لصاحبه أنه إن كان الجواب كما قلت أعطيتك كذا، وإن كان كما قلت، لا آخذ منك شيئاً، فهذا جائز". (مجمع الأنهر: ۴/۲۱۷، كتاب الكراهية، فصل في المتفرقات، غفاريه كوئته)

"ولو قال أحدهما لصاحبه: إن سبقتني فلك علي كذا، وإن سبقتك فلا شيء لي عليك، فهو جائز؛ لأن الخطر إذا كان من أحد الجانبين لا يحتمل القمار". (بدائع الصنائع، كتاب السباق، فصل في شروط جواز السباق: ۸/۳۵۰، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۷/۱۷، كتاب الكراهية، فصل في البيع، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في فقه السنة، المسابقة: ۳/۵۰۹، دار الكتاب العربي بيروت)

"كل يتصرف في ملكه كيف شاء". (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۶۵۴، رقم المادة: ۱۱۹۲، مكتبه حنفيه كوئته)

تصرف جائز نہیں(۱)، کسی کو دینے کا بھی حق نہیں، جس کو دیا جائے اس کی ملک بھی ثابت نہیں ہوگی، پھر اس کے تصرفات بھی درست نہیں ہوں گے(۲)۔ جو شخص اس قدر مجبور ہو کہ جان بچانے کے لئے اس کو مردار کھانے کی اجازت ہو اس کا حکم دوسرا ہے، وہ بقدرِ ضرورت استعمال کرنے کے لئے مستحق ہے(۳)۔

۲... سود اور جُوا ہر وقت اور ہر جگہ ہر مسلم کے لئے حرام ہے، اس کی حرمت نصِ قطعی سے

• "القمار كله من الميسر، وهو السهام التي يجيلونها فمن خرج سهمه استحق منه ما توجبه علامة السهم، فربما أخفق بعضهم حتى لا يحظى بشيء. وينجح البعض فيحظى بالسهم الوافر وحقيقته تمليك المال على المخاطرة، وهو أصل في بطلان عقود التمليكات الواقعة على الأخطار". (أحكام القرآن للجصاص: ۴۶۵/۲، باب تحريم الخمر، قديمي)

(۲) قال الله تعالى: ﴿يا أيها الذين آمنوا إنما الخمر والميسر والأنصاب والأزلام رجس من عمل الشيطان، فاجتنبوه، لعلكم تفلحون﴾ (سورة المائدة: ۹۰)

"ولا خلاف بين أهل العلم في تحريم القمار". (أحكام القرآن للجصاص (سورة البقرة: ۲۱۹): ۳۲۹/۱، دار الكتاب العربي بيروت)

"عن عبد الله بن عمرو رضي الله تعالى عنهما قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "إن الله حرم على أمتي الخمر والميسر والمزر". (مسند الإمام أحمد بن حنبل (رقم الحديث: ۶۵۱۱): ۳۵۱/۲، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۱) "الأمر بالتصرف في ملك الغير باطل؛ لأنه كما لا يجوز التصرف في ملك الغير بدون وكالة منه أو ولاية عليه". (شرح المجلة، (رقم المادة: ۹۵): ۱۰۹/۱، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) "ويردونها على أربابها إن عرفوهم، وإلا تصدقوا بها؛ لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد على صاحبه". (رد المحتار، باب الاستبراء وغيره، فصل في البيع: ۳۸۵/۶، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۳۴۹/۵، كتاب الكراهية، الباب الخامس عشر في الكسب، رشيديه)

(۳) "الضرورات تبيح المحظورات، ومن ثم جاز أكل الميتة عند المخمصة وإساغة اللقمة بالخمر". (الأشباه والنظائر مع شرحه للحموي: ۲۵۱/۱، الفن الأول، القاعدة الخامسة، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۲۹، (رقم المادة: ۲۰): ۲۹/۱، دار الكتب العلمية بيروت)

ثابت ہے (۱)، لہٰذا سود کے جواز کا فتویٰ نہیں دیا جاسکتا ہے۔ بعض ائمہ کا مسلک اس کے متعلق جو کتب میں مذکور ہے اس کا محل اور مقصد کچھ اور ہے (۲)۔ اس سے گنجائش نکال کر حرام چیز کو حلال نہیں کیا جاسکتا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

اخبار کے فائنڈ ممبر بنانا

سوال [۸۰۰۷]: آج کل اخباروں میں زندگی کے ارکین بنانے کا دستور ہے، آج ہی ایک سو روپیہ دینے والا مر جائے اور وہ اخبار ۲۵ سال تک جاری رہے، یا پیسے دینے والا حیات رہے اور اخبار ختم ہو جائے۔ ایسی صورت میں فائنڈ میں ممبر بننا جائز ہے یا نہیں؟

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿وأحل اللہ البیع وحرم الربوا﴾ (سورۃ البقرۃ: ۲۷۵)

وقال اللہ تعالیٰ: ﴿یا أیہا الذین آمنوا إنما الخمر والمیسر والأنصاب والأزلام رجس من عمل الشیطان، فاجتنبوہ لعلکم تفلحون﴾ (سورۃ المائدۃ: ۹۰)

(۲) شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"**سوال**: ہندوستان میں کافروں سے سود لینا جائز ہے یا نہیں اور بنک یا بے مرجہ میں روپیہ داخل کر کے سود لینا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: ہندوستان میں کافروں سے سود لینا جائز نہیں ہے، جیسا کہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نے اپنے مکتوب میں تحریرات قاسم العلوم سے اسی کی تحقیق فرمائی ہے۔ اور امام صاحب سے جو اس بارے میں روایت ہے، اس کی شرائط کا تحقق اس وقت میں مشکل ہے جیسا کہ یہ بھی اسی مکتوب میں مولانا نے ثابت فرمایا ہے اور امام ابو حنیفہ میں، امام ابو یوسف اور ائمہ ثلاثہ قطعاً ہر جگہ سود لینا ناجائز فرماتے ہیں۔ ایسی حالت میں مذہب احتیاط سود کا نہ لینا ہے، جس کی حرمت نصوص قطعیہ سے ثابت ہے۔ اور بنک یا بے مرجہ میں روپیہ داخل کرنا اور سود لینا مناسب نہیں ہے۔ اسی طرح ڈاک خانہ میں روپیہ داخل کر کے سود لینا درست نہیں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم" (عزیز الفتاویٰ، کتاب الربوا والقمار، کفار اور غیر مسلموں سے سود لینے کا حکم: ۱/۶۴۱، دار الاشاعت، کراچی)

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ قمار کی شکل ہے جوکہ ناجائز ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

☆...☆...☆...☆...☆

(۱) "وحقيقته تمليك المال على المخاطرة". (أحكام القرآن للجصاص، سورة المائدة، تحت آية: ﴿إنما الخمر والميسر والأنصاب والأزلام رجس من عمل الشيطان﴾: ۲/۴۶۵، دار الكتاب العربي بيروت)

قال الله تعالى: ﴿إنما الخمر والميسر والأنصاب والأزلام رجس من عمل الشيطان فاجتنبوه لعلكم تفلحون﴾ (سورة المائدة: ۹۰)

"عن عبد الله بن عمرو رضي الله تعالى عنهما أن النبي صلى الله عليه وسلم نهى عن الخمر والميسر والكوبة". (سنن أبي داود: ۲/۱۶۳، كتاب الأشربة، باب ما جاء في السكر، امداديه ملتان)

"وعن ابن سيرين: كل شيء فيه خطر فهو من الميسر". (روح المعاني، سورة البقرة: ۲۱۹: ۲/۱۱۳، دار إحياء التراث العربي بيروت)

"لأن القمار من القمر الذي يزداد تارة وينقص أخرى. وسمي القمار قماراً؛ لأن كل واحد من المقامرين ممن يجوز أن يذهب ماله إلى صاحبه، ويجوز أن يستفيد مال صاحبه، وهو حرام بالنص". (رد المحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۶/۴۰۳، سعيد)

کہ "وہ کسی کا بھی وکیل نہیں بن سکتا، تمام عمر بیکار ہی رہے گا، اس سے وکالت کی صلاحیت ہی ختم ہو جائے گی (اور) وکیل نکاح کے" تو یہ بات غلط ہے (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۳/۱/۸۶ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین، دار العلوم دیوبند، ۲۳/۱/۸۶ھ۔

پیشۂ وکالت

سوال [۸۰۰۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں:

وکالت کرنا کیسا ہے اور جو اس سے روپیہ کمایا جاوے وہ کیسا ہے اور ان کے گھر کا کھانا کھانا کیسا ہے، درست ہے یا نہیں؟ فقط والسلام۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر سچے مقدمہ میں باقاعدہ کام اور اجرت متعین کرکے وکالت کی جائے اور کوئی کام خلافِ شرع اس میں نہ کیا جاوے تو نفسِ وکالت اور اس کی اجرت کا روپیہ اور اس کا کھانا درست ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۵/۱۰/۵۶ھ۔

جواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔

= لازم، فيجبر على العمل". (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۸۱۸، (رقم المادة: ۱۵۱۲)، مكتبه حنفيه كوئته)

"أما الوكيل بالبيع بأجرة كالدلال والسمسار، فيجبر على تحصيل الثمن واستيفاءه". (شرح المجلة لسليم رستم، ص: ۸۱۲، (رقم المادة: ۱۵۰۲)، مكتبه حنفيه كوئته)

(۱) وکالت کی صلاحیت کسی میں پہلے ابتداء ہوتی ہے اسی طرح انتہاء بھی ہوتی جب کہ وہ عاقل اور تندرست ہو، مجنون اور مغلوب العقل نہ ہو، لہٰذا ایک بار وکالت کرنے سے اس کی وکالت کی صلاحیت ختم نہیں ہوتی، کیونکہ اس کے لئے کوئی شرعی مانع بھی نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۲) قال الأستاذ الدكتور وهبة الزحيلي: "تصح الوكالة بأجر و بغير أجر؛ لأن النبي صلى الله عليه وسلم كان يبعث عماله لقبض الصدقات، و يجعل لهم عمولة. ولهذا قال له ابناء عمه: لو بعثتنا على هذه =

وکالت کا پیشہ

سوال[۸۰۱۰]: وکالت کا پیشہ اختیار کرنا کسی مسلمان کو کیسا ہے، جب کہ شریعتِ حقہ کے خلاف اکثر قوانین ہوتے رہتے ہیں، اس سے جو رقم ملے وہ کیسی ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر سچے مقدمات لیتا ہو اور کسی خلافِ شرع امر کا ارتکاب اس میں نہ کرنا پڑتا ہو تو پیشۂ وکالت جائز ہے(۱)۔ اور جو آمدنی خلافِ شرع طریقہ پر حاصل کی جائے گی، وہ حرام ہوگی(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۵/۱/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۵/۱/۸۸ھ۔

وکیل کی آمدنی اور اس کا ہدیہ

سوال[۸۰۱۱]: ۱... وکلائے عدالت کی وکالت کی آمدنی حلال ہے یا حرام، جب کہ وکالت کرنے میں حق و ناحق ہر طرح کے مقدمے کی وکالت کرتے ہیں؟

۲... ایسے وکیل کی آمدنی سے ہدیہ کا قبول کرنا جائز ہے یا ناجائز؟

۳... مسلم وغیر مسلم کی وکالت کی آمدنی سے ہدیہ کے قبول کرنے میں کچھ فرق تو نہیں؟

---

(۱) (راجع عنوان: "پیشۂ وکالت")

(۲) "لایجوز أخذ الأجرة علی المعاصي کالغناء والنوح والملاهي؛ لأن المعصية لا یتصور استحقاقها بالعقد، فلا یجب علیه الأجر، وإن أعطاه الأجر أو بعضه، لا یحل له، ویجب علیه رده". (مجمع الأنهر: ۵۳۳/۲، کتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، مکتبه غفاریه کوئٹه)

"لا تجوز الإجارة علی الغناء والنوح، ولو عمل، لا أجر له". (الفتاوی البزازية علی هامش الفتاوی العالمکيرية: ۲۱/۵، کتاب الإجارة، نوع في المتفرقات، وفيه الإجارة علی المعاصي، رشيديه)

(وکذا في رد المحتار: ۵۵/۶، کتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، مطلب في الاستئجار علی المعاصي، سعيد)

(وکذا في بدائع الصنائع: ۵۲۲/۳، کتاب الإجارة، فصل في شرائط الرکن، دارالکتب العلمية بيروت)

۴... اگر وکیل کی آمدنی کا ذریعہ علاوہ وکالت کے اور بھی کوئی ہو مثلاً تجارت تو ایسی حالت میں ہدیہ کے قبول اور اس کے استعمال میں کیا حکم ہے؟ جب کہ یہ امر مخفی ہے کہ یہ ہدیہ وکالت کی آمدنی کا ہے یا اور کسی آمدنی کا؟: جائز ہونے کی صورت میں یہ امر قابلِ دریافت ہے کہ کسی حیلۂ شرعی سے اس ہدیہ کو جائز بھی کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

امورِ بالا کا جواب برائے صدکرم مدلل تحریر فرما کر ممنون وشاکر فرمائیں۔

نیازمند: سعید الدین مقیم دہرہ دون، ۶/شوال/۱۳۵۵ھ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱... وکالت ایک عقدِ اجارہ ہے، اگر اجارہ میں ثمن یا وقت اور اجر کی تعیین ہو جائے، نیز وہ عمل معصیت نہ ہو اور ان طاعات میں سے بھی نہ ہو کہ جن پر اجر لینا ناجائز ہے تو اجارہ درست ہے، اس طرح اگر وکالت میں امورِ مذکورہ کا لحاظ رکھا جائے تو وکالت کی آمدنی حلال ہوگی۔ اور جس وکالت میں معصیت پر اجر لیا جائے یعنی جھوٹے اور ناحق مقدمہ کی پیروی کی جاوے اور ظالم کی اعانت کی جاوے ایسی وکالت اور اس کی آمدنی ناجائز ہے:

"لا يجوز أخذ الأجرة على المعاصي كالغناء والنوح والملاهي؛ لأن المعصية لا يتصور استحقاقها بالعقد، فلا يجب عليه الأجر، وإن أعطاه الأجر وقبضه لا يحل له، ويجب عليه رده". اهـ. مجمع الأنهر ص: ۳۸۴(۱)۔

۲... اختلاط کی صورت میں غلبہ کا اعتبار ہوگا، یعنی اگر غالب آمدنی حلال ہے تو ہدیہ کا لینا بھی درست ہے اور اگر غالب آمدنی حرام ہے تو ہدیہ کا لینا بھی حرام وناجائز ہے۔ ہاں! اگر اس ہدیہ کے متعلق حلت یا حرمت کا علم ہو جائے تو پھر اس کا اعتبار ہوگا:

"إذا أهدى الرجل إلى إنسان أو أضافه إن كان غالب مال المهدي من الحرام، ينبغي له أن لا يقبل الهدية ولا يأكل من طعامه ما لم يخبر أنه حلال، أو أنه استقرض من غيره. وإن كان غالب مال المهدي من الحلال، لا بأس بأن يقبل الهدية ويأكل ما لم يتبين عنده أنه حرام؛

(۱) (مجمع الأنهر، كتاب الإجارة: ۲/۵۳۳، مكتبة غفارية كوئٹه)

لأن أموال الناس لا تخلو عن قليل حرام فيعتبر الغالب". فتاوى قاضي خان: ۴/۷۷۸(۱)۔

تاہم اجتناب احوط ہے۔

۳... جو معاملات مسلمانوں کے لئے ممنوع ہیں وہ کفار کے لئے بھی ممنوع ہیں۔ قول یہ ہے کہ وکالت مسلم پر وکالت کافر کو قیاس کرلیا جاوے:

"أما المعاملات فهي دائرة بيننا وبينهم، أما الكفار فيجب أن نعامل معهم حسب ما تعاملنا بيننا في البيع والشراء والإجارة وغيرها سوى الخمر والخنزير فإنهما مالان لهم لا لنا اھ". نور الأنوار، ص: ۲۹(۲) وغاية التحقيق(۳)۔ وكذا في التسهيل ص: ۲۲۹۔

۴... اس میں بھی غلبہ کا اعتبار ہوگا، بر تقدیر جواز حیلہ شرعی یہ ہے:

"وفي شرح حيل الخصاف لشمس الأئمة: أن الشيخ أبا القاسم كان يأخذ جائزة

(۱) (فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية: ۳/۴۰۰، كتاب الحظر والإباحة، وما يكره أكله وما لا يكره وما يتعلق بالضيافة، رشيديه)

"إذا كان غالب مال المهدي حلالاً، فلا بأس بقبول هديته وأكل ماله ما لم يتبين أنه من حرام، وإن كان غالب ماله الحرام، لا يقبلها ولا يأكل إلا إذا قال: إنه حلال ورثه أو استقرضه". (الأشباه والنظائر: ۱/۳۳۳، القاعدة الثانية: إذا اجتمع الحلال والحرام غلب الحرام، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، الباب الثاني عشر في الهدايا والضيافات: ۵/۳۴۲، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۴/۱۸۴، كتاب الكراهية، فصل في الكسب، غفاريه كوئٹه)

(۲) (نور الأنوار، ص: ۵۹، ۶۰، في بحث الأمر، سعيد)

(۳) "ولأن الوجوب لا يثبت عند انتفاء حكمه، لم يجب على الكافر شيء من الشرائع التي هي الطاعات، لا خلاف أن الكفار أهل الأحكام لا يراد بها وجه الله تعالى مثل المعاملات والعقوبات من الحدود والقصاص؛ لأنه أهل لأدائهما، إذ المطلوب من المعاملات مصالح الدنيا، وهم أليق بأمور الدنيا من المسلمين؛ لأنهم آثروا الدنيا على الآخرة، وكذا المقصود من العقوبات المشروعة في الدنيا الانزجار عن الإقدام على أسبابها، وهذا المعنى مطلوب من الكافر كما هو مطلوب من المؤمن، بل الكافر أليق بما هو عقوبة زجراً من المؤمن". (غاية التحقيق شرح الحسامي، باب القياس، فصل في بيان الأهلية، ص: ۲۸۴، مير محمد كتب خانه)

المستقطاب، ولكن يستقرض لجميع حوائجه، وما يأخذ من أحد لا يقضي به ديونه. والحيلة في هذه المسائل أن يشتري نسيئة، ثم يعقد ثمنه من أي مال شاء. وقال أبو يوسف رحمه الله تعالى: سألت أبا حنيفة رحمه الله تعالى عن الحيلة في مثل هذا، فأجابني بما ذكرناه، كذا في الخلاصة. اهـ". (فتاویٰ عالمگیری، ج ۵/ ۳۴۲ (۱))۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم، ۸/ ۶/ ۱۳۵۵ھ۔

صحیح: عبداللطیف، الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔

وکیل بالشراء کو قیمت میں تصرف کرنا

سوال[۱۰۸۰]: اگر کسی شخص نے ایک آدمی کو کوئی چیز خریدنے کو کہا اور پیسہ اپنے پاس سے دیدیئے تو وکیل کو یہ جائز ہے کہ یہ پیسہ بوجہ ضرورت اپنے تصرف میں لائے اور مؤکل کو اپنے پیسے سے چیز کو خرید کر دیدے، اور خریدنے کے بعد وکیل مؤکل کے لئے جو شے لایا تھا، راستہ میں وکیل سے ایک شخص نے کہا یہ شے مجھ کو دیدو اور تم دوبارہ دوسرے خرید کر مؤکل کو دیدو، تو وکیل کو یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

وکیل امین ہوتا ہے(۲)، امانت میں اس قسم کا تصرف ناجائز ہے، اگر تصرف کرلیا ہے تو وہ ضامن ہوگا، امین نہیں رہا(۳)۔ مؤکل کے روپیہ سے جو چیز خریدی ہے اس کو کسی اور کے ہاتھ فروخت کرنا درست نہیں، یہ

---

(۱) (الفتاوی العالمکیریة، کتاب الکراهية، باب الهدايا والضيافات: ۵/ ۳۴۲، رشیدیه)

(۲) "المال الذي قبضه الوكيل بالبيع والشراء وإيفاء الدين واستيفائه، والمال الذي قبضه الوكيل بقبض العين بحسب وكالته، هو في حكم الوديعة بيد الوكيل". (شرح المجلة لسليم رستم باز: ص: ۶۳۰، رقم المادة: ۱۴۶۳، مكتبه حنفيه كوئته)

(۳) "إذا هلكت الوديعة أو نقصت قيمتها بتعدي المستودع أو تقصيره، لزمه الضمان، مثلاً: إذا أنفق المستودع نقود الوديعة في أمر نفسه أو استهلكها، ضمنها". (شرح المجلة لسليم رستم باز: ص: ۳۴۹، رقم المادة: ۷۸۷، مكتبه حنفيه كوئته)

کتاب الدعویٰ والتحکیم

باب الدعویٰ

(دعویٰ کا بیان)

زمین کا سرکاری کاغذات میں کسی کے نام ہونا اثبات ملک کے لئے کافی ہے یا نہیں؟

سوال[۷۶۱۰]: زید کے نام ایک زمین ہے، خالد اور عمر اس پر قابض ہیں۔ خالد کی وفات کے بعد خالد کی بیوی کا وہ لڑکا جو خالد سے نہیں ہے یعنی خالد کا ربیب خالد کی طرف سے زمین پر قابض ہوا۔ اب اس زمین کے سلسلہ میں زید اور عمر اور خالد کے ربیب ہر ایک دعویدار ہیں کہ وہ میری زمین ہے۔ زید کہتا ہے کہ باپ دادا کے وقت سے ہم لوگ سرکاری کاغذات پر مندرج ہیں، اس لئے میری ہے۔ اس لئے تینوں کے درمیان شدت سے لڑائی جھگڑا ہے۔

خالد کے ربیب نے رشوت دے کر زمین اپنے نام کرالیا، عمر کو جب یہ معلوم ہوا تو زید سے مل کر عدالت میں زید کے حق میں بیان دیدیا جس سے زید کے حق میں فیصلہ ہوا۔ اب سوال یہ ہے کہ زید شرعاً زمین کا مالک ہوا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب کہ وہ زمین زید کے نام ہے اور سرکاری کاغذات میں خانہ ملکیت میں اس کا نام درج ہے تو اس کے لئے کسی مزید ثبوت کی ضرورت نہیں(۱)، خالد اور عمر کا اس پر قبضہ بغیر اثبات ملک کے بے محل ہے(۲)۔

---

(۱) "إن الإعلام والسندات الصادرة من حاكم محكمة بجوز الحكم والعمل بمضمونهما بلا بينة إذا كانا خاليين وسالمين من شبهة التزوير والتصنيع وموافقين لأصولهما". (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۱۰۸۰، رقم المادة: ۱۸۲۱، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) "عن السائب بن يزيد عن أبيه رضي الله تعالى عنه عن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم قال: "لا يأخذ=

خالد کے انتقال کے بعد اس کے ربیب کی ملک اس پر ثابت نہیں ہوئی (۱)۔ خالد کے ربیب کا رشوت دے کر اپنے نام کرالینا بھی غلط ہوا۔ زید کے نام پہلے سے نقل تھا اور اب عمر نے بھی جب کہ اس کے حق میں بیان دیدیا تو گویا کہ اپنی ملک کا دعویٰ واپس لے لیا، اور یہ بھی اقرار کرلیا کہ عمر کو پہلا قبضہ زمین پر صحیح نہیں تھا۔ پس زید کے حق میں فیصلہ درست ہوگیا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/۲/۹۲ھ۔

خرچہ مقدمہ مدعیٰ علیہ سے وصول کرنا

سوال [۱۴-۶۰]: ایک قطعہ زمین کو زید، بکر، خالد وغیرہ نے مشترکہ خریدنا، خرید کردہ زمین کا کچھ حصہ باقی بیچ رہا تھا۔ زید نے عمر (جو کہ ان شرکاء مذکورہ میں سے ہے) سے کہا کہ اس بقیہ کو تم لے لو تاکہ پورا قطعہ ہم لوگوں کی خریداری میں آجائے۔ عمر نے کہا کہ کوئی ضرورت نہیں ہے اور نہ میرے پاس روپیہ ہے۔ زید نے کہا کہ روپیہ میں دے دوں گا تم اپنے نام لکھوالو۔

عمر نے کہا کہ اگر اس وقت میں لکھوالوں تو پھر بیچ کر تمہیں روپیہ کہاں سے دوں گا، اس لئے کہ گھر پر بھی میرے روپیہ نہیں موجود ہے اور نہ کوئی صورت فراہم کرنے کی ہے۔ زید نے کہا لکھوالو جب ہوگا اور جس طرح ہوگا دیتے رہو گے۔ عمر نے کہا: بہت اچھا! جب یہ بات ہے تو روپیہ دے دو، اگر روپیہ میں دے دوں گا تو میری وراثت تمہاری۔ چنانچہ بیع کی رجسٹری ہوگئی، خارج داخل ہوگیا ہے، دکان پر عمر نے کچھ روپیہ فراہم کرکے زید کو دے دیا۔

چونکہ اراضی مذکورہ مشترکہ چند شرکاء کی تھی، اس لئے شرکاء نے پٹواری کو بلواکر پیمائش کراتے باہمی تقسیم کرانے کا ارادہ کیا، جو حسب قرعہ سب نے منظور کیا۔ زید نے عمر سے کہا کہ تم قرعہ کے موافق زمین آباد کرو، عمر نے کہا کہ میں اس وقت روپیہ نہیں دے سکتا ہوں، تمہارا روپیہ ہے تم ہی زمین آباد کرو۔ پس کچھ دنوں تک زید نے

---

(۱) "لا یأخذ أحدکم عصا أخیه لاعبا جادا، فمن أخذ عصا أخیه فلیردها إلیه". (مشکوة المصابیح، کتاب البیوع، ص: ۲۵۵، باب الغصب والعاریة، الفصل الثانی، قدیمی)

(۲) "اعلم أن أسباب الملك ثلاثة: ناقل: کبیع وهبة، وخلافة: کإرث، وأصالة: وهو الاستیلاء". (الدر المختار مع رد المحتار: ۴/۶۶۳، کتاب الهبة، سعید)

اس زمین کو آباد کیا، بعدہ زید وعمر کے باہمی کچھ گفت وشنید ہوئی۔

اب عمر کہتا ہے کہ اراضی مذکورہ کا میں مستحق ہوں اور تم روپیہ کے مستحق ہو تم اپنا روپیہ قسط وار مجھ سے لے لیا کرو اور قبضہ اراضی پر اب میں کروں گا، چنانچہ عمر نے قبضہ کر لیا اور اب تک قبضہ باقی ہے۔ زید کہتا ہے کہ تم میرے نام بیع کر لو، عمر کہتا ہے کہ بیع کرنے کی کیا ضرورت ہے، تم برائے مہربانی اپنا روپیہ ہم سے قسط وار لیجئے سو جو قسط وار تو لازمی طور پر ادا کرتا رہوں گا، نیز ہو سکا تو قسط سے بھی زائد دیتا رہوں گا۔ مگر وہ نہیں مانا اور کہتا ہے کہ جب تک تم میرا روپیہ کل ادا نہیں کروگے تو زمین پر میں قابض رہوں گا اور زید فساد فوجداری مقدمہ بازی پر تلا ہوا ہے۔ عمر نے کہا تمہاری تعدی سے اگر مجبوراً عدالت میں جانے کی ضرورت ہوئی تو اس کے اخراجات وضع کر کے بقیہ رقم تم کو دوں گا۔

آپ ارشاد فرمایئے کہ مقدمہ میں صرف شدہ رقم قرض میں محسوب ہوگی یا نہیں؟ نیز اگر زید زمین پر قبضہ کر لے تو اس سے نفع حاصل کرنے کا کیا حکم ہوگا؟ عمر نے زید کا کچھ روپیہ ادا کیا ہے، زیادہ حصہ باقی ہے، اس صورت میں زمین مذکورہ عمر کی ملکیت ہے یا زید کی باقی ہے؟

المستفتی: مولوی محمد تقی، موضع ادری، ڈاکخانہ ادارہ، ضلع اعظم گڑھ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

زید نے عمر کو جو روپیہ دیا ہے وہ روپیہ قرض ہے اور زمین عمر نے خریدی ہے (اگرچہ روپیہ زید سے قرض لے کر دیا ہے) لہٰذا عمر زمین کا مالک ہے۔ اور جس قدر روپیہ عمر نے قرض لیا ہے وہ واجب الاداء ہے اور اگر عمر کے پاس فی الحال ادائیگی کے لئے روپیہ موجود نہیں تو زید کو چاہیے کہ عمر کو مہلت دے، لقوله تعالیٰ ﴿وإن كان ذو عسرة فنظرة إلى ميسرة﴾ (۱)۔ تاہم زید کو مطالبہ کا حق بروقت حاصل ہے، اگر عمر کے پاس روپیہ موجود نہیں ہے تو عمر کو چاہیے کہ وہ زمین وغیرہ کو فروخت کر کے روپیہ ادا کرے، اگر باوجود قدرت کے ادا نہیں کرتا تو وہ گنہگار ہوگا (۲)۔ اور عدالت کا خرچ تین قسم کا ہے:

(۱) (سورة البقرة: ۲۸۰)

(۲) "أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "مطل الغني ظلم، فإذا أتبع أحدكم على ملي فليتبع". متفق عليه". (مشكوة المصابيح، باب الإفلاس والإنظار، الفصل الأول، ۱/۲۵۱، قديمي)

(وصحيح البخاري: ۱/۳۲۳، كتاب في الاستقراض وأداء الديون، باب: مطل الغني ظلم، قديمي)

اول: وہ جو کہ ہر صورت میں مدعی کے ذمہ رہتا ہے، جیسے مدعی کے وکیل کا محنتانہ، وہ تو مدعی کو مدعی علیہ سے وصول کرنے کا حق نہیں ہے۔

دوم: وہ جو کہ سرکار نے خود مقرر کیا ہے، جیسے کہ درخواستوں کے ٹکٹ اور کورٹ فیس وغیرہ، یہ بھی مدعی کو مدعی علیہ سے وصول کرنے کا حق نہیں ہے۔

سوم: وہ جو کہ مدعی علیہ کو طلب کرانے میں خرچ ہو، پس اگر مدعی علیہ حاضر نہیں ہوتا تھا اور کچھ خرچ کر کے جبراً حاضر کرایا ہے، یعنی بلا طلب کرائے باوجود قدرت کے ادا نہیں کرتا تھا تو اس قسم کا خرچہ وصول کرنے کا حق ہے، کیونکہ مدعی علیہ اپنے خرچ کا خود سبب بنتا ہے، اگر قرض ادا کر دیتا تو اس خرچ کی نوبت ہی نہ آتی۔

"وفي البزازية: ويستعين بأعوان الوالي على الإحضار وأجرة الأشخاص في بيت المال، وقيل: على المتمرد في المصر من نصف درهم إلى درهم، وفي خارجه لكل فرسخ ثلاثة دراهم أو أربعة...... والحاصل أن الصحيح أن أجرة الشخص بمعنى الملازم على المدعي، وبمعنى الرسول المحضر على المدعى عليه لو تمرد بمعنى امتنع عن الحضور، وإلا فعلى المدعي". شامي: ۴۲۱/۵(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱/۷/۵۵ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۱۰/رجب/۵۵ھ۔

فریق مخالف پر خرچۂ عدالت کا دعویٰ کرنا

سوال [۸۰۱۵]: زید نے عمر پر فوجداری کا دعویٰ کر کے بلا قصور پھنسا دیا اور ہائیکورٹ تک عمر بری ہوا، مگر پیروی میں اس کے اخراجات کثیر ہوئے اور بدنامی اور دشواری ہوئی، بے آبروئی اور اپنے کاروبار کا نقصان عظیم ہوا۔ ابتدائی عدالت سے ہائی کورٹ تک مقدمہ چلا اور زید آگے بڑھتا رہا، عمر ہر عدالت سے بری ہوتا گیا۔ چونکہ عمر نہایت بے قصور رہا اور بے آبرو ہوا اور مالی نقصان اٹھایا اور روحانی و جسمانی اذیت پائی تو اگر عمر اپنی ہتک عزت اور روحانی و جسمانی اذیت اور نقصانات کا دعویٰ کسی رقم کا جو مناسب حال ہو دائر کرے تو شرعاً جائز ہے یا ناجائز؟ اگر دعویٰ کر سکتا ہے تو کس قدر رقم تک دعویٰ کر سکتا ہے جو عند اللہ گنہگار نہ ہو۔ فقط۔

---

(۱) (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب القضاء، مطلب في أجرة المحضر: ۴۲۱/۵، سعيد)

الجواب حامداً ومصلیاً:

غلط دعویٰ کی جوابدہی میں جس قدر خرچ ہو، وہ سب وصول کرنا درست ہے(۱)۔ جسمانی وروحانی اذیت اور بے آبروئی کا کوئی مالی ضمان نہیں (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی۔

ایک شخص کا رقم دینے کا دعویٰ اور دوسرے کا انکار

سوال[۸۰۱۹]: اگر دفتری آدمی جو اس دفتر کے متعلقین سے رقم مختلف بتاتا رہتا ہے، کسی کی رقوم مطلوبہ واجبہ اس کے پاس رکھ دے کہ لو، اسے گن لو، اور کچھ باقی اپنے جیب سے نکالنے لگے اور ادھر سے توجہ ہٹ جائے اور دوبارہ جب ان کی طرف متوجہ ہوا اور کہے کہ رقم گن لی جائے، یہ باقی پیسہ ہے تو وہ صاحب کہیں کہ وہ رقم تو آپ نے جیب میں بھر لی، مجھے کہاں دی۔ جب دفتری صاحب نے جیب دیکھی تو وہ رقم نظر نہیں آئی، پھر جب ساری رقم شمار کی تو اتنی ہی رقم کم نکلی، لیکن وہ صاحب یہی کہتے ہیں کہ رقم ہم کو نہیں ملی۔ کسی اور کے

---

(۱) جب کسی کو اپنے حق کی حفاظت کے لئے مجبوری نالش کرنا پڑے، اور فریق مخالف کی طرف سے بالکل معاندانہ کارروائیوں کی وجہ سے بہت سے مصارف برداشت کرنا پڑیں تو اس صورت میں خرچہ کا روپیہ بہت سے علماء کے نزدیک (ومنہم مولانا رشید احمد گنگوہی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ) جائز ہے"۔ (امداد الفتاویٰ: ۱۴۳/۳، مبوب امداد الفتاویٰ، عنوان: خرچہ عدالت وصول کرنا، دار العلوم کراچی)

"ثم حاصل ما ذكره من ضمان الساعي أنه لو سعى بحق لا يضمن، ولو بلا حق فإن كان السلطان يغرم بمثل هذه السعاية البتة يضمن، وإن كان قد يغرم وقد لا يغرم لا يضمن، والفتوى على قول محمد رحمه الله تعالى من ضمان الساعي بغير حق مطلقاً ويعزر". (رد المحتار، كتاب السرقة، مطلب في ضمان الساعي: ۱۰۹/۴، سعيد)

(۲) "ومعنى التعزير بأخذ المال على القول به إمساك شيء من ماله عنده مدة لينزجر، ثم يعيده الحاكم إليه، لا أن يأخذه الحاكم لنفسه أو لبيت المال كما يتوهمه الظلمة، إذ لا يجوز لأحد من المسلمين أخذ مال أحد بغير سبب شرعي، كذا في البحر الرائق". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الحدود، فصل في التعزير: ۱۶۷/۲، رشيديه)

چرانے وغیرہ کا احتمال نہیں ہے، ایسی صورت میں دفتری صاحب کو وہاں دینا پڑے گا، یا کوئی اور صورت ہوگی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس صورت میں دونوں پر قسم آئے گی (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/۲/ ۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۲/ ۸۷ھ۔

کتاب القاضی الی القاضی کا طریقہ

سوال [۸۰۱۷]: مکتوب القاضی الی القاضی کا کیا قاعدہ ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

قاضی شہادت کو گواہوں کے سامنے تحریر کرے اور ان کو سنا کر مہر لگادے، پھر اس مہر شدہ تحریر کو دوسرے قاضی کے پاس ان گواہوں کے ساتھ بھیج دے مکتوب الیہ کے پاس۔ جب یہ گواہ اس تحریر کو لے کر جائیں تو وہ ان گواہوں سے دریافت کرے کہ اس میں کیا لکھا ہے اور وہ گواہ پورے طور پر شہادت دیں کہ فلاں قاضی نے یہ تحریر ہمارے سامنے لکھی ہے اور اس میں یہ مضمون ہے، پھر وہ مکتوب الیہ اس تحریر کو کھول کر پڑھے۔ یہ شرائط آج کل کی ڈاک، تار، ٹیلیفون، ریڈیو، خط وغیرہ کسی میں بھی موجود نہیں۔ تفصیل مطلوب ہو تو کتاب القاضی الی القاضی۔

---

(۱) "وإذا اختلف المتبايعان في البيع، فادعى أحدهما ثمناً وادعى البائع أكثر منه، أو اعترف البائع بقدر من المبيع وادعى المشتري أكثر منه، وأقام أحدهما البينة، قضي له بها ... وإن لم يكن لكل واحد منهما بينة، قيل للمشتري: إما أن ترضى بالثمن الذي ادعاه البائع، وإلا فسخنا البيع، وقيل للبائع: إما أن تسلم ما ادعاه المشتري من المبيع، وإلا فسخنا البيع، فإن لم يتراضيا، استحلف الحاكم كل واحد منهما على دعوى الآخر". (الهداية: ۳/۲۰۲، كتاب الدعوى، باب التحالف، مكتبه شركت علميه ملتان)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، الباب الرابع في التحالف: ۴/۳۲، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق: ۷/۳۱۰، باب التحالف، رشيديه)

۴۸۶/۴ رد المحتار (۱) اور لسان الحکام (۲) وغیرہ کا مطالعہ کیجئے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳/ شعبان/ ۶۲ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۹/ شعبان/ ۶۲ھ۔

قاضی کی شرعی حیثیت

سوال [۸۰۱۸]: تمام مسلمانان اور سرکار کی طرف سے عہدۂ قضا پر جو منتخب ہوتا ہے اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس کا احترام لازم ہے اور اس کا حکم جو شریعت کی حدود میں ہو وہ معتبر اور واجب التعمیل ہے (۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

---

(۱) "القاضي يكتب إلى القاضي في كل حق غير حد وقود، فإن شهد على خصم حاضر حكم بالشهادة، وكتب بحكمه. ... وكتب الشهادة إلى غائب ليحكم القاضي المكتوب إليه. ... وقرأ الكتاب عليهم أو أعلمهم به فيه أي بإخباره؛ لأنه لا شهادة بلا علم المشهود به، وختم عندهم أي عند شهود الطريق، وسلم الكتاب إليهم بعد كتابة عنوانه في باطنه ... وإذا وصل إلى المكتوب إليه نظر إلى ختمه أولاً ثم يقبله أي لا يقرؤه إلا بحضور الخصم وشهوده، إلا إذا أقر الخصم، فلا حاجة إليهم".

(رد المحتار على الدر المختار: ۵/ ۴۳۳، ۴۳۴، كتاب القاضي إلى القاضي، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۳/ ۳۸۱، ۳۸۲، الباب الثالث والعشرون في كتاب القاضي إلى القاضي)

(وكذا في بدائع الصنائع: ۹/ ۱۰۲، فصل في شرائط القضاء، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) (لسان الحكام، الفصل الأول في آداب القضاء، وما يتعلق به، ص: ۲۲۳، دار الكتب العلمية بيروت)

(۳) قال الله تعالى: ﴿يا أيها الذين آمنوا أطيعوا الله وأطيعوا الرسول وأولي الأمر منكم﴾ الآية (سورة النساء: ۵۹)

"فإن حكم، لزمهما؛ لأن حكمه صدر عن ولاية شرعية عليهما، كالقاضي إذا حكم، لزم".

(تبيين الحقائق، كتاب القضاء، باب التحكيم: ۵/ ۱۱۸، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في البحر الرائق: ۷/ ۴۴، كتاب الحوالة، باب التحكيم، رشيدية)

فاسق کو قاضی بنانا

سوال[۸۰۱۹]: زید علم دینیات سے نابلد اور سارق مزیافتہ ہے، سرقہ داڑھی منڈا تارک الصلوٰۃ ہے اور اس کے اور بھی اعمال خلاف شرع ہیں۔ تو ایسی صورت میں زید شرعی عہدۂ قضاء کے لائق و موزوں ہوسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

صورتِ مسئولہ میں افعالِ مذکورہ کی وجہ سے زید فاسق ہے، لہذا عہدۂ قضاء کے لئے شرعاً موزوں نہیں، عادل اور امین اور صالح کو قضاء کا عہدہ سپرد کرنا مناسب اور موزوں ہے۔ البتہ اگر قاضی بنادیا گیا تو قاضی بن جائے گا اور اس کی قضاء نافذ ہوگی جب کہ اس میں حدودِ شرعیہ سے تجاوز نہ ہو۔

في الكنز: "والفاسق أهل للقضاء كما هو أهل للشهادة، إلا أنه لا ينبغي أن يقلد". وفي البحر: "لا ينبغي تقليده؛ لأن القضاء من باب الأمانة، والفاسق لا يؤتمن في أمر الدين لقلة مبالاته به". بحر: ٦/٢٦٦(١)۔

وفي الهندية: ٣/٣٠٦: "فيجوز تقليد الفاسق وتنفذ قضاياه إذا لم يجوز فيها حد الشرع، ولكن لا ينبغي أن يقلد الفاسق، كذا في البدائع"(٢)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۰/۶/۴۱ھ۔

صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم، ۷/شوال/۴۵ھ۔

☆…☆…☆…☆…☆

---

(١) (البحر الرائق، كتاب القضاء: ٦/٤٣٣، رشيديه)

(٢) (بدائع الصنائع، كتاب آداب القاضي، فصل في من يصلح للقضاء: ٩/٤، دار الكتب العلمية بيروت)

باب التحکیم

(حَکَم مقرر کرنے کا بیان)

کسی کو حَکَم تسلیم کرنے کے بعد اس سے رجوع

سوال [۸۰۲۰]: زید اور عمر کا ایک زمین کے متعلق اختلاف ہوا کہ اس زمین کو کس نے پہلے خریدا، اس معاملہ کا فیصلہ کرانے کے لئے دونوں نے ایک متقی عالم کو متفقہ طور پر پسند کر کے حَکَم اور فیصل مقرر کردیا۔

زید نے عالم صاحب سے کئی بار ملاقات کر کے یہ کہا کہ "تم فیصلہ اس طرح کرو کہ عمر اس زمین کا حق چھوڑ دے اور میں اس کے عوض عمر کو ان ہزار روپے یا جتنی بھی رقم آپ فرمائیں وہ رقم عمر کو دیدوں"۔ اور زید نے عالم صاحب سے یہ بھی کہا کہ اگر آپ اس کے خلاف فیصلہ کریں گے تو میں عدالت میں جاؤں گا اور آپ کے فیصلہ کو تسلیم نہیں کروں گا۔

عالم صاحب نے تحقیق شروع کی اور ان کو یہ ظاہر ہوا کہ زید جھوٹا ہے اور اس نے عمر کے زمین خریدنے کے بعد زمین خریدی ہے: لہذا انہوں نے زبانی فیصلہ ان کو سنا دیا کہ عمر حق پر ہے اور تم جھوٹے ہو۔ اور چونکہ زید نے پہلے کہا تھا کہ اگر میرے خلاف فیصلہ کرو گے تو میں عدالت میں جاؤں گا، اس لئے عالم صاحب نے اس معاملہ کو تحریری شکل دینے کے لئے زید وعمر دونوں کو اطلاع دی کہ تم فلاں تاریخ کو اپنے کاغذات وثبوت لے کر فلاں مقررہ جگہ حاضر ہو جاؤ۔ اس اطلاع کے ملتے ہی زید نے عدالت میں دعویٰ داخل کر دیا کہ عالم صاحب جھوٹے ہیں، ان پر ہم کو اعتماد نہیں، اس لئے حکومت ان کو حَکَم اور فیصل کے لئے نااہل ٹھہرا دے۔

اب سوال یہ ہے کہ تحریر کے بغیر زبانی فیصلہ سنانے کے بعد زید کو عدالت میں جانے اور فیصلہ رد کرانے کا حق رہتا ہے؟ اور جو شخص عالم کے اوپر غلط الزام لگا کر ان کے زبانی فیصلہ کو نہ مانے اور عدالت کا دروازہ کھٹکھٹائے تو اس کے لئے شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

حکم اور فیصل قرار دینے کے بعد کسی فریق کا یہ کہنا کہ "اگر میرے خلاف فیصلہ کیا تو عدالت میں جاؤں گا" ظاہر کرتا ہے کہ اس کی نیت شرعی فیصلہ کرانے کی نہیں ہے، بلکہ اپنے موافق ہی فیصلہ کرانے کی ہے (چاہے ثبوت اور شرع کے موافق ہو یا خلاف ہو) ایسی صورت میں اس کو لازم تھا کہ وہ حکم ہی تجویز نہ کرتا، لیکن جب حکم تسلیم کر لیا تب بھی حکم کے فیصلہ سے رجوع کرنے کا حق حاصل رہتا ہے(۱)، کہہ دے کہ میں آپ سے فیصلہ نہیں چاہتا، آپ فیصلہ نہ کریں۔ کسی پر الزام اور بہتان کی اجازت نہیں(۲)، بلا وجہ بھی رجوع کرنے کا حق ہے۔

تحریر سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ عالم صاحب نے صرف زبانی جو کچھ فرمایا ہے، وہ اظہار خیال ہے، اس کی حیثیت فیصلہ اور حکم کی نہیں، اس کو ظاہر کیا ہے اور اب تک فیصلہ نہیں دیا۔ اس لئے دونوں فریق کو اپنے کاغذات وثبوت لے کر فلاں جگہ فلاں تاریخ کو حاضر ہونے کے لئے کہا ہے تا کہ تحریری حکم دے دیں۔

معلوم ہوتا ہے کہ فریقین کے کاغذات وثبوت بھی عالم صاحب کے پاس نہیں، بلکہ فریقین ہی کے پاس ہیں جن کو وہ ان کے سامنے رکھ کر فیصلہ کو تحریری شکل دیں گے۔

اس لئے صورت مسئولہ میں عالم صاحب کو چاہئے کہ فیصلہ نہ کریں، اپنا حکم نہ لکھیں، بلکہ خود ہی ان کا

---

(۱) "لكل من المحكمين عزل المحكم قبل الحكم؛ لأنه مقلد من جهتهما، فكان لكل منهما عزله، وهو من الأمور الجائزة، فيستقل أحدهما بنقضه، كما ينفرد أحد العاقدين في المضاربة والشركة والوكالة". (شرح المجلة لسليم رستم باز اللبناني، ص: ۱۱۹۷، (رقم المادة: ۱۸۴۷)، مكتبه حبيبيه كوئٹه)

"ويستقل أحدهما بنقضه: أي التحكيم بعد وقوعه كما ينفرد أحد العاقدين في مضاربة وشركة". (الدر المختار مع رد المحتار: ۴۲۹/۵، باب التحكيم، سعيد)

(وكذا في خلاصة الفتاوى: كتاب القضاء: ۴۹/۴، سهيل اكيڈمي، لاهور)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، الباب الرابع والعشرون في التحكيم: ۳۹۷/۳، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الحوالة، باب التحكيم: ۴۴/۷، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، باب التحكيم: ۱۱۸/۵، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) "ولا يجوز أن يرمي مسلماً بفسق وكفر من غير تحقيق". (شرح الفقه الأكبر لملا علي القاري، ص: ۲۷۶، قديمي)

مقدمہ واپس کردیں۔ غلطی یہ ہوئی کہ حکم نے فیصلہ سے پہلے حق رائے ظاہر کردی جس کے نتیجہ میں یہاں تک نوبت پہنچی۔ عدالت بھی زبانی فیصلہ کو تسلیم نہیں کرے گی، اور یہاں تو وہ اظہار رائے کے درجہ میں ہے، فیصلہ کے درجہ میں بھی نہیں۔ اگر حاکم صاحب فیصلہ باضابطہ تحریر فرمادیتے تو عدالت میں چارہ ہے سود اور غلط ہوتا (۱) غلط الزام لگانا بہر صورت ناجائز وحرام ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۳/۴/۹۱ھ۔

کیا محکّم کے فیصلہ کو رد کرنے کا حق ہے؟

سوال[۸۰۰۱]: دریافت طلب امر یہ ہے کہ کسی کو حکم بنانے کے بعد حکم کے فیصلہ دینے سے قبل کسی فریق کے اس حکم کو معزول یا رد کردینے کی وجہ سے وہ ثالثی منسوخ ہوجاتا ہے یا نہیں؟ جب کہ حکم پر کچھ بے اعتمادی ہوجائے یعنی معقول وجہ سے حکم کے غلط ہونے کو منسوخ کیا جائے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مختار مذہب یہ ہے دونوں صورتوں میں جو فریق بھی چاہے تحکیم کو فسخ کرسکتا ہے، اور یہ فسخ کرنے کا حق فیصلہ سنانے سے پہلے حاصل ہے۔

"ولکل واحد من المحکمین أن یرجع قبل حکمه". قوله: "لأنه مقلد من جهتهما، فلکل منهما عزله، وهو من الأمور الجائزة، فینفرد أحدهما بنقضه کالمضاربة

(۱) "ولکن لیس لأحدهما أن یرجع عن الحکم بعد صدوره؛ لأنه صدر عن ولایة علیهما". (شرح المجلة لسلیم رستم، ص: ۱۰۹۹، رقم المادة: ۱۸۴۷، مکتبه حنفیه کوئٹه)

"فإن حکم، لزمهما، ولا یبطل حکمه بعزلهما لصدوره عن ولایة شرعیة". (الدر المختار مع رد المحتار: ۵/۴۳۰، کتاب القضاء، باب التحکیم، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق: ۷/۳۵، باب التحکیم، رشیدیه)

(وکذا فی تبیین الحقائق: ۵/۱۸۱، باب التحکیم، دار الکتب العلمیة بیروت)

(۲) (راجع، ص: ۳۲۶، رقم الحاشیة: ۲)

والشرکة والوکالة، فإن حکمه فیهما لصدوره عن ولایة شرعیة، فلا یبطل حکمه بعزلهما"۔

بحر: ۲۶/۷(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۳/۱۴۰۱ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

(۱) (البحر الرائق، کتاب الحوالة، باب التحکیم: ۷/۴۲، رشیدیہ)

کتاب الہبۃ

(ہبہ کا بیان)

ہبہ اور تملیک میں فرق

سوال [۱۰۴۲]: ہبہ اور تملیک میں کیا فرق ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

تملیک عام ہے ہبہ خاص ہے، ان کے عموم وخصوص مطلق کی نسبت ہے (۱)۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

ہبہ کے لئے قبضہ شرط ہے

سوال [۱۰۴۳]: ایک شخص نے اپنا مکان دوسرے کو ہبہ کردیا لیکن ہبہ کرنے والا اسی مکان میں رہتا ہے اور اس مکان میں سے اپنا سامان نہیں نکالتا ہے۔ کیا صورت میں یہ ہبہ تام ہوا یا نہیں؟ مع حوالہ کے جواب تحریر فرمائیں۔

محمد تقی، ۱۹/ اگست/ ۱۹۷۳ء۔

---

(۱) "التملیک: هو جعل الشيء ملكاً لغيره، وهو على أربعة أنحاء: الأول: تمليك العين بالعوض، وهو البيع. الثاني: تمليك العين بلا عوض، وهي الهبة. والثالث: تمليك المنفعة بالعوض، وهي الإجارة. والرابع: تمليك المنفعة بلا عوض، وهي العارية". (التعريفات الفقهية الملحق بقواعد الفقه، ص: ۲۳۶، صدف پبلشرز)

"الهبة تمليك مال لآخر بلا عوض". (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۴۶۲، رقم المادة: ۸۳۳، مكتبه حنفيه كوئٹه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

ہبۂ تامہ مکمل ہونے کے لئے موہوب لہ کا قبضہ ضروری ہے، صورتِ مسئولہ میں قبضہ بدستور واہب کے رہا، اس لئے ہبہ تام نہیں ہوا، یہ مسئلہ کتبِ فقہ: درمختار(۱)، شامی(۲)، عالمگیری(۳)، خانیہ(۴)، ہدایہ وغیرہ سب میں مذکور ہے(۵)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۷/۹۳ھ۔

ہبہ بلا قبضہ اور وقف علی الاولاد

سوال[۸۰۴۴]: زید نے اپنی جائیداد میں سے ایک پختہ مکان جس میں خود اور اس

---

(۱) "وتتم الهبة بالقبض الكامل ولو الموهوب شاغلاً لملك الواهب لا مشغولاً به، والأصل أن الموهوب إن مشغولاً بملك الواهب منع تمامها، وإن شاغلاً لا، فلو وهب جراباً فيه طعام الواهب أو داراً فيها متاعه أو دابةً عليها سرجه وسلمها كذلك، لا تصح، وبعكسه تصح". (الدر المختار مع رد المحتار: ۵/۶۹۰، كتاب الهبة، سعيد)

(۲) "ولو وهب داراً دون ما فيها من متاعه لم يجز. وإن وهب ما فيها وسلمه دونها، جاز". (رد المحتار ۵/۶۹۱، كتاب الهبة، سعيد)

(۳) "ولا يتم حكم الهبة إلا مقبوضة، ويستوي فيه الأجنبي والولد إذا كان بالغاً". (الفتاوى العالمكيرية: ۴/۳۷۷، الباب الثاني فيما يجوز من الهبة، رشيديه)

(۴) "رجل وهب داراً فيها متاع الواهب أو جوالق، أو جراباً فيها طعام الواهب وسلم، لا يجوز؛ لأن الموهوب مشغول بما ليس بهبة". (الفتاوى الخانية على هامش الفتاوى العالمكيرية: ۳/۲۶۸، كتاب الهبة، فصل في هبة المشاع، رشيديه)

(۵) "لا يجوز الهبة إلا مقبوضة، والمراد نفي الملك؛ لأن الجواز بدونه ثابت". (الهداية، ۳/۲۸۱، كتاب الهبة، مكتبه شركت علميه ملتان)

(وكذا في شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۴۷۳، (رقم المادة: ۸۶۱)، مكتبه حنفيه كوئته)

(وكذا في مجمع الأنهر ۳/۴۹۰، كتاب الهبة، غفاريه كوئته)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الهبة: ۶/۴۹۰، دار الكتب العلمية بيروت)

کے متعلقین رہتے تھے، یا رہتے تھے، اپنے مرنے سے چار سال پیشتر اپنی بہو یعنی چھوٹے بیٹے کی بیوی کے نام ہبہ کیا اور ہبہ نامہ لکھ دیا۔ جس میں یہ بیان ہے کہ "میں نے ہبہ کر کے موہوب لہا بہو کے قبضہ میں دیدیا" حالانکہ وہ مع اپنے مذکورہ متعلقین کے اس میں رہتا ہے، اور اس میں رہنے کے لئے کرایہ نامہ کی تحریر بعوض کرایہ لکھا دیا ہے، لیکن کوئی ثبوت ایسا نہیں ہے جس سے یہ ثابت ہو کہ واہب واقف ہے، کبھی بھی چار سال میں موہوب لہا سے زر رسیدہ حصل کی ہو، لیکن واٹر ٹیکس، بجلی وغیرہ وغیرہ ہر جگہ واہب کا نام آج تک لکھا ہوا ہے، یہ سب مصنوعی کارروائی بڑے لڑکے کو کم حصہ دینے کے لئے ہے۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ آیا یہ ہبہ درست ہو گیا، یعنی بہو کو سابق سے اس میں اپنا قبضہ ہبہ سمجھا جائے گا؟ اگر یہ ہبہ نہ ہو تو کیا غیر وارث کے حق میں وصیت ہو گی؟ نیز زید نے اپنی باقی جائیداد میں سے اپنے چھوٹے لڑکے اور اپنی دختر پر زائد جائیداد وقف کی ہے اور بڑے لڑکے پر کم، اور خود اپنے نفس پر بھی کی ہے یعنی باقی جائیداد وقف علی النفس علی الاولاد کی ہے، ان تینوں وقف نامہ جات میں لکھا ہے: "تاحین حیات میں اس جائیداد کا متولی ہوں، اور اس کی آمدنی کا مستحق میرے بعد فلاں فلاں"۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ آیا یہ وقف علی الأولاد وعلی النفس وقف ہے یا وصیت علی الورثہ کے قبیل سے ہے جو ناجائز ہے؟

شیخ غلام نبی، دوہلی بازار فتح پوری۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر واہب نے ہبہ کے بعد اس مکان سے اپنا قبضہ نہیں اٹھایا تھا اور اپنا سامان وہاں سے منتقل نہیں کیا، بلکہ بعد از ہبہ نامہ بغیر مکان خالی کئے فوراً کرایہ نامہ تحریر کر دیا تو شرعاً یہ ہبہ نامہ نافذ نہیں ہوا اور موہوب لہا (یعنی بہو) کی ملک اس پر شرعاً حاصل نہیں ہوئی، محض کاغذی کارروائی ممکن ہے کہ قانوناً کافی ہو لیکن شرعاً کافی نہیں، اور چونکہ بحالت صحت اپنی زندگی میں انتقال سے چار سال پہلے یہ ہبہ کیا ہے، مرض الموت میں یا انتقال کے بعد نافذ کرنے کے لئے نہیں کیا، اس لئے یہ وصیت بھی نہیں، لہذا بجملہ ورثہ کو دیگر ترکہ کی طرح حسب وراثت شرعیہ اس میں سے بھی حصہ ملے گا اور بہو کو کچھ نہیں ملے گا، نہ ہبہ نہ وصیۃ:

"فلنو وهب جراباً فيه طعام واهب، أو داراً فيها متاعه، أو دابةً عليها سرجه، وسلمها

کذلک، لا یصح"۔ درمختار: ۴/۷۰۲(۱)۔

جو وقف بحالتِ صحت کیا جائے وہ شرعاً وقف ہی ہوتا ہے وصیت نہیں (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱/ ذی قعدہ/ ۶۷ھ۔

اگر واہب نے اس مکان سے اپنا ذاتی مال اسباب نہیں نکالا تھا تو یہ قبضہ صحیح نہیں ہوا، ہاں اگر اس کا اس میں کوئی مال نہیں تھا اور یہ اس میں رہتی تھی تو یہ قبضہ ہو گیا، اگر یہ نامہ لکھنے سے پہلے اگر اس نے تھوڑی دیر کو بھی اپنا مال اسباب علیحدہ کر دیا تھا تو ہبہ صحیح ہو گیا (۳)، اگر یہ کا وصول کرنا ضروری نہیں ہے، لہٰذا اگر یہ بھی اگر واہب بعد میں رہے تب بھی کچھ حرج نہیں (۴) اور قبضہ موہوب لہا کا اس صورت میں بھی کافی ہوگا جبکہ پہلے سے وہ رہتی ہے۔ فقط۔

سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۷/ ذی قعدہ/ ۶۷ھ۔

زبانی ہبہ بغیر قبضہ کے معتبر نہیں

سوال [۸۰۲۵]: شوہر نے کچھ روپیہ بطور امانت کسی کے پاس رکھے تا کہ بعد میں خرچ کر دے،

---

(۱) (الدر المختار، کتاب الہبۃ: ۵/۶۹۰، سعید)

(وکذا فی الفتاوی العالمکیریۃ: ۴/۳۷۴، کتاب الہبۃ، الباب الأول، رشیدیہ)

(وکذا فی مجمع الأنہر: ۳/ ۴۸۹، کتاب الہبۃ، غفاریہ کوئٹہ)

(۲) "وعبارۃ المواہب فی الوقف علی نفسہ وولدہ ونسلہ وعقبہ، جعل ریعہ لنفسہ أیام حیاتہ ثم وثم، جاز عند الثانی وبہ یفتی کجعلہ تولیتہ" (الدر المختار: ۴/۳۸۹، کتاب الوقف، فصل فیما یتعلق فی وقف الأولاد، سعید)

(۳) "یملک الموہوب لہ الموہوب بالقبض، فالقبض شرط لثبوت الملک لا لصحۃ الہبۃ" (شرح المجلۃ لسلیم رستم باز: ۱/۴۷۳، (رقم المادۃ: ۸۶۱)، کتاب الہبۃ، الباب الثالث فی أحکام الہبۃ، مکتبہ حنفیہ کوئٹہ)

(وکذا فی الدر المختار: ۵/۶۹۰، کتاب الہبۃ، سعید)

(۴) "وفرسہ، وکذا الدار المستعارۃ، أی لو وہب طفلہ داراً یسکن فیہا قوم بغیر أجر، جاز" (الدر المختار). قال العلامۃ ابن عابدین: "وکذا الدار المعارۃ: ...... ومن وہبت للزوج دار لہا بہا متاع وہما فیہا، تصح" (رد المحتار: ۵/ ۶۹۲، ۶۹۰، کتاب الہبۃ، سعید)

یا ماں باپ کو نہ دے دے، ہندہ کہتی ہے کہ میں لوں گی، شوہر نے کہا کہ لے لو لیکن اس کو دیا نہیں۔ دو روپیہ بھی ترکہ شمار ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

شوہر کے اس کہنے سے کہ ”تم لے لو“ دو روپیہ ہندہ کی ملک نہیں ہوا، اگر شوہر اس سے دو روپے لے کر ہندہ کو دیتا اور ہندہ اس پر قبضہ کر لیتی تو ہندہ کا ہو جاتا (۱) لہٰذا دو روپیہ شوہر کا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

ہبۂ جائیداد زبانی

سوال [۱۰۴۲۶]: میری والدہ مشرف جہاں بیگم نے اپنی کل جائیداد تقریباً دس سال ہوتے ہیں مجھ کو ہبہ زبانی کر دی مزید احتیاط کے طور پر انہوں نے بذریعۂ خط اطلاع دی:

”تمہارا خط ملا، اس مرتبہ تم نے بھیجے میں بہت دیر کی، معلوم ہوتا ہے کہ میں نے جو جائیداد تم کو ہبہ زبانی کر کے بتاریخ ۵/ فروری/ ۱۹۵۴ء میں دی تھی، اس میں لوگ تعرض کرتے ہیں، لہٰذا پھر مزید احتیاطاً تائید ہبہ زبانی تم کو لکھتی ہوں کہ تقریباً سات سال کا عرصہ ہوا کہ جملہ جائیداد واقع شاہ جہاں پور جملہ متروکہ پدری ناظر سلامت اللہ خان مرحوم و بار دیگر خود تم کو ہبہ زبانی کر چکی ہوں اور اس پر تم کو قابض بھی کرا چکی ہوں، جو شخص اس سے تعرض کرے اس کو میرا خط دکھلا دینا۔ دعا گو: تمہاری والدہ“۔

(دستخط) مشرف جہاں بیگم۔

---

(۱) ”لا تجوز الهبة إلا مقبوضة“. (مجمع الأنهر: ۳/۴۹۱، كتاب الهبة، مكتبه غفاريه كوئٹه)

”تنعقد الهبة بالإيجاب والقبول، وتتم بالقبض الكامل؛ لأنها من التبرعات، والتبرع لا يتم إلا بالقبض“. (شرح المجلة: ۱/۴۶۲، (رقم المادة: ۸۳۷)، كتاب الهبة، الباب الأول، حنفيه كوئٹه)

(وكذا في الدر المختار: ۵/۶۹۰، كتاب الهبة، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۴/۳۷۴، كتاب الهبة، الباب الأول، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق: ۷/۴۸۳، كتاب الهبة، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۶/۴۹۱، كتاب الهبة، دار الكتب العلمية بيروت)

اس سلسلہ میں فتوی سے آگاہ فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اپنی جائیداد ہبہ کرکے اس پر آپ کا جو کات قبضہ کرادیا اور اپنا قبضہ ہٹالیا تو وہ جائیداد آپ کی ہوگئی (۱)۔ اگر مرحوم کی جائیداد میں دوسرے ورثاء بھی حصہ دار تھے تو ان کا حصہ ان کو دینا لازم ہے، اس کے ہبہ کرنے کا آپ کی والدہ کو حق نہیں (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۷/۸۷ھ۔

الجواب صحیح بندہ نظام الدین غفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۷/۸۷ھ۔

ہبہ کی ایک صورت

سوال [۸۰۲۷]: حافظ علی کے پاس مالگذاری کی ۸۲/۸۱ ایکڑ زمین تھی، ان کے کوئی اولاد نہیں تھی، انہوں نے ایک لڑکا پالا تھا اور اپنی زندگی میں جائیداد کا حصہ ۳/۱ بخش کردیا تھا، اس کی تاریخ ۹/نومبر/۱۹۱۴ء ہے، ان کی بیوی حیات تھی، اس لڑکے کے ایک لڑکی پیدا ہوئی، اور حافظ علی کی بیوی نے اس لڑکی کی شادی اپنے بھائی حمید علی سے کردی ہے اور جائیداد کا ۸/۱ حصہ ۲۱/مارچ/۱۹۳۳ء کو بخشش کردیا، لیکن اس لڑکی کا ۱۹۳۶ء میں

---

(۱) (راجع، ص: ۴۷۰، رقم الحاشیة: ۱)

(۲) "یلزم أن یکون الموهوب مال الواهب، فلو وهب واحد مال غیره بلا إذنه، لاتصح الهبة- أی لاتنعقد- لاستحالة تملیک ما لیس بمملوک للواهب". (شرح المجلة لسلیم رستم باز، ص: ۴۷۱، (رقم المادة: ۸۵۷)، مکتبه حنفیه کوئٹه)

"وشرائط صحتها في الواهب العقل والبلوغ والملک" (رد المحتار: ۵/۶۸۷، کتاب الهبة، سعید)

"وأما ما یرجع إلی الواهب، فهو أن یکون الواهب من أهل الهبة، وکونه من أهلها: أن یکون حراً عاقلاً بالغاً مالکاً للموهوب، حتی لو کان عبداً ... او لایکون مالکاً للموهوب، لایصح".

(الفتاوی العالمکیریة: ۴/۳۷۴، کتاب الهبة، الباب الأول، رشیدیه)

(وکذا في الدر المنتقی علی هامش مجمع الأنهر: ۳/۴۹۰، کتاب الهبة، غفاریه کوئٹه)

انتقال ہوگیا۔ اب صرف ۲/ احصہ حافظ صاحب کی بیوی کے پاس بچا ہے۔ اس مرحومہ لڑکی کی دولڑکیاں نابالغ تھیں، منور بیگم نے بچی ہوئی جائیداد کا ۲/ احصہ ان لڑکیوں کے نام کردیا، ان لڑکیوں کا باپ سرپرست تھا۔

۱۹۴۲ء میں منور بیگم وفات پاگئیں، ۱۹۵۴ء میں نابالغ لڑکیوں کا نام درج ہوا، اب لڑکیاں بالغ ہوگئی ہیں اور ۱۹۶۵ء میں آدھی زمین سرپرست نے واپس کردی اور کہتا ہے کہ باقی جائیداد میری ہے، سرکار نے غلام نبی کا ۴/ احصہ خاتون بیگم ۸/ احصہ اور واجدہ بیگم کا ۲/ احصہ ایکشن کردیا، اس کا روپیہ کا بھی عباس نے لیا، اب صرف زمین بچی ہے۔ شرعی حکم فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب کہ محترمہ منور بیگم نے جو زمین نابالغ لڑکیوں کو شرعی طور پر ہبہ کردی، اور ان کے والد عباس کو اس پر سرپرست کی حیثیت سے قبضہ کرادیا تو وہ زمین لڑکیوں کی ہوگئی (۱)، اب اس کو اپنی زمین بتانا اور لڑکیوں کو نہ دینا جائز نہیں (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۵/۲/۹۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۵/۲/۹۵ھ۔

---

(۱) "الموهوب له إن كان من أهل القبض فحق القبض إليه. وإن كان الموهوب له صغيراً أو مجنوناً، فحق القبض إلى وليه، ووليه أبوه أو وصي أبيه، ثم جده ثم وصي وصيه، ثم القاضي، ومن نصبه القاضي، سواء كان الصغير في عيال واحد منهم أو لم يكن، كذا في شرح الطحاوي. فلو أن الأب ووصيه والجد أبا الأب ووصيه غاب غيبةً منقطعةً، جاز قبض الذي يتلوه في الولاية". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الهبة، الباب السادس في الهبة للصغير: ۳۹۱/۴، رشيديه)

"تنعقد الهبة بالإيجاب والقبول، وتتم بالقبض الكامل؛ لأنها من التبرعات، والتبرع لا يتم إلا بالقبض". (شرح المجلة لسليم رستم باز ۴۶۲/۱، (رقم المادة: ۸۳۷)، مكتبه حنفيه كوئته)

"وشرائط صحتها في الموهوب أن يكون مقبوضاً غير مشاع مميزاً غير مشغول، وركنها هو الإيجاب والقبول، وحكمها ثبوت الملك للموهوب له غير لازم". (الدر المختار مع رد المحتار، ۶۸۸/۵، كتاب الهبة، سعيد)

"يملك الموهوب له الموهوب بالقبض". (شرح المجلة لخالد الأتاسي: ۳۸۱/۳، (رقم المادة: ۸۶۱)، مكتبه حقانيه پشاور)

(۲) "لا يجوز لأحد أن يتصرف في ملك غيره بلا إذنه أو وكالة منه أو ولاية عليه. وإن فعل، كان ضامناً". =

ہبۂ مشاع

سوال[۸۰۲۸]: مسماۃ لطیف النساء زوجہ قاضی محمود رزاق صاحب مرحوم المغفور نے اپنی زندگی میں بحالت تندرستی و ہوش و حواس خمسہ روبرو چند اشخاص معتبر قوم بڑے زین فروا اپنے سوتیلے بیٹے کی محمد شاہ اللہ صاحب سے یہ فیصلہ کیا تھا کہ جو ترکہ مجھے میرے باپ سے آٹھویں سہام کی رو سے پہنچا ہے اور جو میرا مہر واجب ہے وہ میں تجھ کو دیتی ہوں اور جو ترکہ میرے والدین سے مجھے پہنچا ہے وہ میں اپنی بہن کی اولاد کو دیتی ہوں، اس میں تجھ کو کوئی حق نہیں اور جو کہ میں تجھ کو دے چکی ہوں اس میں ان کا حق کوئی نہیں۔ فریقین نے اس فیصلہ کو منظور کرلیا اور فریقین کو اس پر قبضہ دے دیا۔

تقریباً عرصہ بیس سال تک اسی پر عمل درآمد رہا اور مسماۃ مذکورہ اس عرصہ میں بہن کے یہاں رہی، اب ان کا انتقال ہوگیا ہے۔ چونکہ فیصلہ کی رو سے اگرچہ قبضہ فریقین کا ہے لیکن کاغذات مال میں غلطی کی وجہ سے بعض جگہ اندراج ہے اور بعض جگہ نہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ فیصلہ شرعی اور رو سے شرع شریف جائز ہے یا نہیں؟ اور بعض جگہ اندراج نہ ہونے کا کچھ اثر ہے کہ نہیں؟ فقط۔

سائل: محمد شعیب بدکان قاضی حمید حسین صاحب محلہ قاضیان، ضلع کرنال۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

صورتِ مسئولہ میں عقد ہبہ ہے، موہوبہ کا ہبہ قبضہ سے تمام ہوجاتا ہے، اگر فریقین کا حصہ تقسیم ہوکر ان کے قبضہ میں آچکا ہے تو یہ ہبہ صحیح اور تام ہے، کاغذات میں اگر اندراج غلط ہے تو شرعاً اس کا اعتبار نہیں ہے، اصل چیز حقیقی قبضہ ہر فریق کا اپنے حصہ پر موجود ہے، کاغذات کے اندراج کو صحیح کرالیا جائے۔ اگر فریقین کا حصہ تقسیم ہوکر ان کے قبضہ میں نہیں آیا بلکہ بلا تقسیم ہبہ کرکے قبضہ دیا ہے جس میں ان فریقین کا حصہ بھی ہے اور ان کے علاوہ کسی دوسرے کا حصہ بھی ہے تو یہ ہبہ صحیح نہیں بلکہ فاسد ہے، فریقین اس حصہ کے مالک نہیں ہوئے، البتہ واہب ہبہ اور تقسیم کرا کے اپنے حصے پر قبضہ کرلیتے ہیں تو ہبہ صحیح ہوجاتا، تجدید عقد ہبہ کی ضرورت نہیں تھی۔

---

(۱) (شرح المجلۃ لسلیم رستم باز، ص: ۴۰۶، (رقم المادۃ: ۹۶۹)، مکتبہ حنفیہ کوئٹہ)

(وکذا في المجموعۃ شرح الأشباہ والنظائر: ۲/ ۲۲۳، إدارۃ القرآن، کراچی)

(وکذا في رد المحتار: ۶/ ۲۰۰، کتاب الغصب، سعید)

"لو وهب مشاعاً يقسم، ثم قسمه وسلمه، صح وملكه؛ لأن التمام بالقبض. وعنده لا شيوع، ومراده أنه لو قبضه مشاعاً لا يملكه، فلا ينفذ تصرفه؛ لأنها هبة فاسدة، وهي مضمونة بالقبض، ولا يثبت الملك للموهوب له، وهو المختار. ولو باعه الموهوب له لا يصح، كذا في المجتبى". بحر: ۷/ ۲۸۶ (۱)۔

"ومما ذكرنا هنا علم أن قوله: (تصح في محوز مقسوم) معناه أنها تملك بهذه الشروط، لا أن الصحة متوقفة على القسمة؛ لأنه لو وهب شائعاً يقسم، تصح الهبة من غير ملك، ولهذا لو قبضه مضموناً ملك. ولو كان شرطاً لصحته، لاحتيج إلى تجديد العقد، كما لا يخفى". بحر (۲)۔

اب چونکہ واہب کا انتقال ہو چکا ہے، اس نے فریقین کو جو حصہ دیا تھا، وہ اب ورثہ کی ملک ہے، وہ ورثہ اگر چاہیں ہبہ باقاعدہ کر دیں، اگر چاہیں واپس کر لیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۸/ شعبان/ ۶۳ھ۔

الجواب صحیح: بندہ سعید احمد غفرلہ۔

صحیح: عبد اللطیف، عفا اللہ عنہ، ۱۸/ شعبان/ ۶۳ھ۔

---

(۱) (البحر الرائق: ۷/۴۸۸، ۴۸۹، كتاب الهبة، رشيدية)

(۲) (البحر الرائق، المصدر السابق)

"(فإن قسمه وسلمه، صح): أي لو وهب مشاعاً ثم قسمه وسلمه، جاز؛ لأن تمام الهبة بالقبض، وعنده لا شيوع فيه. ولو سلمه شائعاً، لا يملكه حتى لا ينفذ تصرفه فيه، ويكون مضموناً عليه، وينفذ فيه تصرف الواهب". (تبيين الحقائق: ۶/۵۵، كتاب الهبة، دار الكتب العلمية بيروت)

"لا تتم بالقبض فيما يقسم ولو وهبه لشريكه أو لأجنبي لعدم تصور القبض الكامل، كما في عامة الكتب، فكان هو المذهب. وقيل: يجوز لشريكه، وهو المختار. فإن قسمه وسلمه، صح؛ لزوال المانع. ولو سلمه شائعاً، لا يملكه، فلا ينفذ تصرفه فيه، فيضمنه، وينفذ تصرف الواهب". (الدر المختار مع رد المحتار: ۵/۶۹۳، كتاب الهبة، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۳/۴۹۳، كتاب الهبة، غفارية كوئٹه)

(وكذا في شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۴۶۳، رقم المادة: ۸۶۱، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(وكذا في شرح المجلة لخالد الأتاسي: ۳/۳۴۸، الباب الثاني في بيان شرائط الهبة، مكتبه حقانيه پشاور)

ہبہ مشاع

سوال [۱۰۲۱]: ایک شخص دو ہفتے سے مرض یرقان میں مبتلا تھا، جب دوا کی ترکیب و علاج سے دفع نہیں ہوا اور تکالیف مرض حد سے گذر کر امید صحت و زندگی بالکل باقی نہیں رہی تب اس حالت ناامیدی و تعطل عقل میں مریض نے اپنی جائیداد منقولہ کا۔ جو از قسم زمینداری و دوکانات و مکانات سکنی کی تھی۔ اپنے چاروں لڑکوں کے نام بلا تصریح ان کے حصص باہمی کا ہبہ نامہ لکھ دیا اور اس میں یہ بھی لکھ دیا کہ موہوب لہ کو ہم نے قبضہ دے دیا مگر درحقیقت کسی قسم کا قبضہ دخل وغیرہ واقعی اس وقت اب تک نہیں دیا گیا۔ واہب بدستور سابق قابض و دخیل ہے اور اختیارات مالکانہ عمل میں لا رہا ہے۔

۲- سب جائیداد موہوبہ یعنی زمینداری و دوکانات و مکانات دوسرے شرکاء کے ساتھ مشترک ہیں اور بلا تقسیم کے ہبہ کی گئی، نیز یہ کہ جس جائیداد غیر منقسم یعنی موہوب لہ ہبہ ہوئے اس میں بھی موہوب لہ کے حصص کی صراحت نہیں ہے کہ کتنا حصہ کس کو ہبہ کیا گیا؟

۳- مکانات مردانہ و زنانہ غیر منقسم مع اس اسباب و اثاث البیت کے کہ جو واہب کا اس میں رکھا ہوا تھا ہبہ کیا گیا ہے۔

۴- وقت تحریر ہبہ نامہ کے تین موہوب لہ بوقت تجارت دور دراز مقامات میں تھے، صرف ایک موہوب لہ واہب کے پاس موجود تھا مگر جلسہ تحریر ہبہ نامہ میں وہ بھی موجود نہ تھا بلکہ کسی ضرورت سے باہر گیا ہوا تھا اس لئے باہم واہب و موہوب لہ مثل ہبہ کا ایجاب و قبول بھی نہیں ہوا۔

۵- جب چند ہفتہ کے بعد واہب کو حضار کی بولی سے نجات نہ ملی تب وہ بغرض دیگر علاجوں کے علاج کے لئے دہلی چلا گیا، تب اس موہوب لہ حاضر نے بلا اجازت و اطلاع واہب کے تقریباً تین ماہ کے بعد درخواست داخل خارج دے کر اپنے نام اور دوسرے کے نام داخل خارج کرا لیا مگر اس کے بعد بھی کسی قسم کا قبضہ موہوب لہم کا نہیں ہوا۔

۶- اب موہوب لہم میں سے وہ شخص جو نیز موہوب لہ کے منافع کے واہب سے دعویدار و طالب ہو کر یعنی واہب کو دینے سے اس لئے انکار ہے کہ ہبہ نامہ بوجوہ مذکورہ صدر غیر نافذ اور کالعدم و باطل ہے۔

بقیہ دو موہوب لہم کو بربناء ہبہ نامہ کے کوئی دعویٰ جائیداد موہوبہ کے متعلق نہیں ہے، ان دونوں

میں سے ایک وہ ہے کہ جس نے تمیں ۔۔ کے بعد درخواست داخل خارج دے کر اپنے نام و نیز دوسروں کے نام داخل خارج کرایا تھا۔

۷- ہبہ نامہ مذکورۂ صدر ۲۰ اگست ۱۹۷۱ء میں تحریر ہوا تھا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

صورتِ مسئولہ میں جو ہبہ نامہ تحریر ہوا، اس کی وجہ سے لڑکوں کو قبضہ اور مطالبہ کا حق نہیں، کیونکہ ہبہ کے لئے ایجاب و قبول ضروری ہے، اگر قبول نہ ہو تو قبضہ ضروری ہے۔ مجلسِ عقد میں قبضہ بلا اذنِ واہب درست ہوتا ہے اور بعد مجلس واہب کے منع کرنے کی صورت میں درست نہیں ہوتا، اور اذن کی صورت میں درست ہوتا ہے، نیز تخلیط حواس کی حالت میں بلکہ مرض کی وجہ سے عقل مختلط ہو چکی ہو تو عقد ہبہ وغیرہ صحیح نہیں ہوتا، اسی طرح ہبہ مشاع (غیر منقسم) بھی صحیح نہیں ہوتا:

"وتصح بإيجاب وقبول وبالفعل في حق الموهوب له، ثم شرائط صحتها في الواهب العقل والبلوغ والملك، وفي الموهوب أن يكون مقبوضاً غير مشاع، مميزاً غير مشغول. وتتم بالقبض الكامل، فإن قبض في المجلس بلا إذن، صح، وبعده لابد من الإذن. والحاصل أنه إن أذن بالقبض صريحاً، صح قبضه في المجلس وبعده. وإن نهاه لم يصح قبضه لا في المجلس ولا بعده. ولو كان الموهوب غائباً فذهب وقبض، إن بإذن، صح، وإلا لا". ملتقى الأبحر: ۲/۳۵۲-۳۵۴ (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۰/۸/۸۵ھ۔

---

(۱) (ملتقى الأبحر والدر المنتقى على هامش مجمع الأنهر: ۳/۴۹۰، كتاب الهبة، مكتبة غفاريه كوئته)

"وشرائط صحتها في الواهب العقل والبلوغ والملك. فلا تصح هبة صغير ورقيق ولو مكاتباً. وشرائط صحتها في الموهوب أن يكون مقبوضاً غير مشاع، مميزاً غير مشغول. وركنها هو الإيجاب والقبول. وتصح بقبض بلا إذن، وتتم الهبة بالقبض الكامل". (الدر المختار مع رد المحتار: ۵/۶۹۰، كتاب الهبة، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۷/۴۸۴، ۴۸۶، كتاب الهبة، رشيديه)

غیر مملوک مکان کو ہبہ کرنا

سوال [۸۰۳۰]: سائل کے والد دو بھائی تھے، دونوں کا انتقال ہوگیا، ایک کی اولاد لڑکا ہے، دوسرے کی اولاد بھی لڑکا ہے۔ سائل منصور احمد اپنے بھائی نعیم الدین کے پاس رقم بھیجتا رہا بمبئی سے مکان تعمیر کرنے کے لئے، تو نعیم الدین جو منصور احمد کا تایا زاد بھائی تھا اس نے مکان تعمیر کرنا، مکان کی جائیداد شرکت کی تھی اور ایک دوکان اس میں منصور احمد نے اپنے روپیہ سے خریدی تھی، نعیم الدین کا انتقال ہوگیا ہے اور مکان لڑکی کے نام کردیا ہے، اب نعیم الدین کی بیوی نے اس مکان اور دوکان پر قبضہ کرلیا ہے، شرع کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نعیم الدین کی بیوہ کو شوہر کے ترکہ سے میراث میں آٹھواں حصہ پہونچتا ہے، اس سے زیادہ کی وہ حقدار نہیں ہے(۱)۔ جو دوکان منصور احمد نے اپنے ذاتی روپیہ سے خریدی ہے وہ منصور احمد کی ہے، جو مکان منصور احمد کے بھیجے ہوئے روپیہ سے تعمیر ہو وہ منصور احمد کا ہے، نعیم الدین کو لڑکی کے نام کرنے کا کوئی حق نہیں ہے، نہ یہ غلط ہے کہ لڑکی اس پر قبضہ کرے(۲) بلکہ لڑکی اور والدہ دونوں کو لازم ہے کہ وہ مکان اور دوکان منصور احمد کے حوالہ کردیں۔ البتہ نعیم الدین کا حق والد کی چھوڑی ہوئی زمین میں منصور احمد کے برابر ہے(۳)، اس میں بیوی

= (وكذا في تبيين الحقائق: ۶/۴۰۵، كتاب الهبة، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في المحيط البرهاني في الفقه النعماني: ۷/۱۷۱، فيما يجوز في الهبة وما لا يجوز، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۱) قال الله تبارك وتعالى: ﴿فإن كان لكم ولد فلهن الثمن مما تركتم من بعد وصية توصون بها أو دين﴾ الآية (سورة النساء: ۱۲)

(۲) قال الله تبارك وتعالى: ﴿ولا تأكلوا أموالكم بينكم بالباطل﴾ الآية (سورة البقرة: ۱۸۸)

"ليس لأحد أن يأخذ مال غيره بلا سبب شرعي، وإن أخذه ولو على ظن أنه ملكه، وجب عليه رده". (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۱/۲۲۱، رقم المادة: ۹۷، المقالة الثانية في بيان القواعد الفقهية، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(۳) اور شریعت کی نظر میں دونوں کے حصوں کی تعیین مورث کے معلوم ہونے پر ہی ہو سکتی ہے، جبکہ اگر صرف یہی دو بھائی مرحوم باپ کے وارث ہوں لڑکی یا بیوہ ان دونوں کو بحیثیت عصبہ ہونے کے ترکہ مل جائے گی۔

"العصبات: وهم كل من ليس له سهم مقدر، ويأخذ ما بقي من سهام ذوي الفروض، وإذا انفرد =

اور لڑکی اپنا اپنا حصہ لے سکتی ہیں (۱)۔

اب جبکہ اس زمین پر منصور احمد کی تعمیر موجود ہے جو کہ فہیم الدین کی رضامندی سے ہے، لہٰذا اپنے حصہ کی زمین کا معاملہ منصور احمد سے کرلیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۴/۱۴۰۰ھ۔

حرام، حلال مخلوط روپے کا ہبہ

سوال [۸۰۳۱]: زید کا باپ تجارت کرتا ہے، وہ تجارت شرع شریف کے بالکل خلاف ہے، مثلاً جھوٹ بولتا ہے، کم دیتا ہے، زیادہ لیتا ہے اور بہت سی دھوکہ بازیاں کرتے ہیں، جیسے کہ آج کل تجارت چل رہی ہے کہ کوئی مسئلہ کا لحاظ نہیں کرتا، جس طرح جی میں آتا ہے کر دیتا ہے۔ اب معلوم یہ کرنا ہے کہ زید کا باپ وہ روپیہ جتنے مناسب سمجھتے ہیں، زید کو دے دیتے ہیں اور باقی سے اپنا کام چلاتے ہیں، تو یہ روپیہ زید کو لینا جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر دینا جائز ہے اور زید لاعلمی میں لے لیتا ہے تو اب اس کو مسکینوں میں خیرات کردے، یا قطعی ان سے نہ لے اور صاف منع کردے؟ اور اگر کوئی صورت لینے کی ہو تو وہ بھی تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر زید کا باپ خالص حرام وناجائز روپیہ مثلاً: رشوت، سود، غصب، وغیرہ کا روپیہ زید کو دیتا ہے،

= أخذ جميع المال. وإذا اجتمع جماعة من العصبة في درجة واحدة، يقسم المال عليهم باعتبار أبدانهم لكل واحد سهم". (الفتاوى العالمكيرية: ۶/۴۵۱، كتاب الفرائض، الباب الثالث، رشيدية)

(وكذا في الدر المختار: ۶/۷۷۴، كتاب الفرائض، باب العصبات، سعيد)

(۱) بیوی کو زوج کے حصے سے ثمن آٹھواں ملے گا اور بیٹی نصف بطور ذوی فرض لے گی اور بقیہ اس کو بطور رد ملے گا:

"قال: للزوجات حالتان: الربع للواحدة فصاعدة عند عدم الولد وولد الابن وإن سفل، والثمن مع الولد أو ولد الابن وإن سفل. وأما لبنات الصلب فأحوال ثلث: النصف للواحدة الخ". (السراجي في الميراث، فصل في النساء، ص: ۱۰، سعيد)

"الرد ضد العول: ما فضل عن فرض ذوي الفروض ولا مستحق له، يرد على ذوي الفروض بقدر حقوقهم إلا على الزوجين". (السراجي في الميراث، باب الرد، ص: ۴۸، سعيد)

یا ایسا مخلوط روپیہ دیتا ہے جس میں زیادہ حرام ہے اور کم حلال تو زید کو اس کا لینا جائز نہیں، صاف انکار کردے، اگر کسی وجہ سے لے لیا ہے تو واپس کردے، اگر واپس نہیں کرسکتا ہے تو خود اپنے صرف میں نہ لائے، بلکہ جن سے باپ نے لیا ہے ان کو واپس کردے، وہ موجود نہ ہوں تو ان کے ورثہ کو دیدے، اگر اصل مالک اور اس کے ورثہ کا علم نہ ہو تو خیرات کردے اور مسکینوں پر اصل مالک کی طرف سے صدقہ کردے(۱)۔

اگر وہ خالص حلال روپیہ یا ایسا روپیہ جس میں زیادہ حلال ہے دیتا ہے تو اس کو لینا اور اپنے صرف میں لانا شرعاً درست ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ۔

نابالغ کے مال میں تصرف، ہبہ وغیرہ

سوال[۱۲۸۰۴]: ایک نابالغ بچہ جس کی نگرانی کے لئے ایک عاقل بالغ شخص مقرر کیا گیا ہے، کیا اس

---

(۱) "ويردونها على أربابها إن عرفوهم، وإلا تصدقوا بها؛ لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد على صاحبه". (رد المحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۶/۳۸۵، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۵/۳۴۹، الباب الخامس عشر في الكسب، رشيدية)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۷/۶۰، كتاب الكراهية، فصل في البيع، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في البحر الرائق: ۸/۳۶۹، كتاب الكراهية، فصل في البيع، رشيدية)

(۲) "إذا كان غالب مال المهدي حلالاً، فلا بأس بقبول هديته وأكل ماله ما لم يتبين أنه من حرام، وإن كان غالب ماله الحرام، لا يقبلها ولا يأكل إلا إذا قال: إنه حلال ورثه أو استقرضه". (شرح الأشباه والنظائر: ۱/۳۰۶، الفن الأول في القواعد الكلية، القاعدة الثانية، إدارة القرآن كراچی)

"أهدى إلى رجل شيئاً أو أضافه، إن كان غالب ماله من الحلال، فلا بأس به، إلا أن يعلم بأنه حرام، فإن كان الغالب هو الحرام، ينبغي أن لا يقبل الهدية ولا يأكل الطعام". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية: ۵/۳۴۲، الباب الثاني عشر في الهدايا والضيافات، رشيدية)

"غالب مال المهدي إن حلالاً لا بأس بقبول هديته وأكل ماله ما لم يتبين أنه من حرام؛ لأن أموال الناس لا يخلو عن حرام فيعتبر الغالب، وإن غالب ماله الحرام، لا يقبلها ولا يأكل إلا إذا قال: إنه حلال". (مجمع الأنهر: ۴/۱۸۶، كتاب الكراهية، فصل في الكسب، غفاريه كوئٹه)

(وكذا في فتاوى قاضي خان على الفتاوى العالمكيرية: ۳/۴۰۰، كتاب الحظر والإباحة، رشيدية)

بچہ کی موہوب، متصدق، مباح یا کسی اور طرح کی مملوک چیزوں میں سے وہ نگران بچہ کی اجازت کے ساتھ کچھ لے سکتا ہے جبکہ بچہ عاقل و ممیز ہے اور نگران کے نہ لینے سے اس کو رنج ہوتا ہے اور اغلب رنج کرتا ہو۔ فقط۔

عبیداللہ بہاری، ۲۴/ربیع الاول/۹۱ھ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

نابالغ کی اجازت غیر معتبر ہے اور اس کی دلداری کی وجہ سے ناجائز کام جائز نہیں ہوتا:

"وأما ما يرجع إلى الواهب، فهو أن يكون الواهب من أهل الهبة، وكونه من أهلها أن يكون حراً عاقلاً بالغاً مالكاً للموهوب، حتى لو كان عبداً أو مكاتباً أو مدبراً أو أم ولد أو من في رقبته شيء من الرق، أو كان صغيراً أو مجنوناً أو لا يكون مالكاً للموهوب، لا يصح. هكذا في النهاية" اهـ. عالمگیری: ۴/۳۷۴ (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۰/۴/۹۱ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۹/۴/۹۱ھ۔ صحیح: عبداللطیف۔

بچے کی ملک میں مربی کا تصرف

سوال [۸۰۳۳]: ایک شخص کی نگرانی میں ایک خاندان کا بچہ تعلیم کے واسطے سپرد کیا گیا، بچہ کے نام جاگیر ہے، اس کو ہبہ کیا جاتا ہے، اس کے نام روپیہ آتا ہے تو وہ نگران اپنی ضروریات میں بھی خرچ کرتا ہے۔ اور بچہ غصب کرتا ہے، یا کوئی چیز چراتا ہے، یا اس کو صدقہ دیا جاتا ہے، حالانکہ وہ سید ہے، طالب علم مسافر بھی ہے،

(۱) (الفتاوى العالمكيرية: ۴/۳۷۴، كتاب الهبة، الباب الأول، رشيدية)

"وشرائط صحتها في الواهب العقل والبلوغ والملك، فلا تصح هبة صغير ورقيق".

(الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الهبة: ۵/۶۸۷، سعيد)

"وشرائط صحتها في الواهب العقل والبلوغ والملك". (مجمع الأنهر: ۳/۴۹۰، كتاب الهبة، غفارية كوئٹه)

(وكذا في الدر المنتقى على هامش مجمع الأنهر: ۳/۴۹۰، كتاب الهبة، غفارية كوئٹه)

(وكذا في شرح المجلة لخالد الأتاسي: ۳/۳۶۵، (رقم المادة: ۸۵۹)، حقانية پشاور)

نابالغ تو ہے ہی، نگران بھی کسب گر و نادرست ہے، ایسی صورت میں شریعت کے کیا احکام ہیں اور ان کے ضبط کے لئے کیا قاعدہ کلیہ ہے؟ مدلل تشریح بیان فرمائیے۔ فقط۔

سائل: عبداللہ بہاری، ۲۸/صفر/۹۱ھ

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس بچہ کو صدقاتِ واجبہ لینا ناجائز ہے (۱)، چوری، غصب بھی ممنوع ہے، نگران کو اس کی ملک میں اپنی ذات کے لئے تصرف درست نہیں (۲) اس کا ہدیہ بھی قبول نہیں کرنا چاہیے، بچہ کا ہدیہ قبول کرنا صحیح ہے:

"قبول الصبی العاقل الہبۃ صحیح، اھ". الأشباہ، ص: ۱۹۵ (۳)۔ "شرائط صحتہا فی الواہب العقل والبلوغ". سکب الأنہر: ۲/۲۵۳ (۴)۔

---

(۱) "ولا تدفع (أی الزکوۃ) إلی بنی ہاشم، لقولہ علیہ الصلوۃ والسلام: "یا بنی ہاشم! إن اللہ تعالیٰ حرم علیکم غسالۃ الناس وأوساخہم". (الہدایۃ: ۱/۲۰۶، باب المصرف، مکتبہ شرکۃ علمیہ ملتان)

"ولا یدفع إلی بنی ہاشم". (الفتاوی العالمگیریۃ: ۱/۱۸۹، باب المصرف، رشیدیہ)

(۲) "عن أبی حرۃ الرقاشی عن عمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "ألا! لا تظلموا، ألا! لا یحل مال امرئ إلا بطیب نفس منہ". (مشکوۃ المصابیح، ص: ۲۵۵، باب الغصب والعاریۃ، الفصل الثانی، قدیمی)

(۳) (الأشباہ والنظائر: ۲/۳۰۴، الفن الثانی، الفوائد، کتاب الہبۃ، إدارۃ القرآن، کراچی)

"ویصح قبضہ (أی الصبی) للہبۃ". (شرح الأشباہ والنظائر: ۳/۳۰۴، الفن الثالث، أحکام الصبیان، إدارۃ القرآن، کراچی)

"إذا وہب شیء للصبی الممیز، تتم الہبۃ بقبضہ الموہوب وإن کان لہ ولی". (شرح المجلۃ لسلیم رستم باز، ص: ۳۶۸، (رقم المادۃ: ۸۵۳)، مکتبہ حنفیہ کوئٹہ)

(۴) (سکب الأنہر شرح ملتقی الأبحر علی ہامش مجمع الأنہر: ۳/۴۹۱، کتاب الہبۃ، مکتبہ غفاریہ کوئٹہ)

"وأما ما یرجع إلی الواہب، فہو أن یکون الواہب من أہل الہبۃ، وکونہ من أہلہا أن یکون حراً عاقلاً بالغاً مالکاً للموہوب". (الفتاوی العالمگیریۃ: ۴/۳۷۴، کتاب الہبۃ، الباب الأول فی تفسیر الہبۃ ورکنہا وشرائطہا وأنواعہا الخ، رشیدیہ)

(وکذا فی الدر المنتقی علی ہامش مجمع الأنہر: ۳/۴۹۱، کتاب الہبۃ، غفاریہ کوئٹہ)

اور جواحکام دریافت طلب ہوں، تفصیل سے تحریر کیجئے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۱/۳/ ۶۱ھ۔

صحیح: عبداللطیف، ۵/ ربیع الاول/ ۶۱ھ۔ الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔

ہبہ شدہ چیز کو اپنے گھر نہ لے جانے کی شرط لگانا

سوال [۸۰۳۴]: زید اور عمر آپس میں دوست ہیں، دونوں میں تعلقات کثیرہ ہیں۔ زید نے عمر سے کہا کہ فلاں شئی مجھے ہبہ کردے، عمر نے اس شرط پر کہ تم یہاں سے گھر نہیں لے جاسکتے، ہم دونوں استعمال کریں گے، لیکن ملک تمہاری ہے، اور قبضہ کرادیا۔ اب کئی سال کے بعد زید اس شئی کو گھر لیا اور کہیں لے جانا چاہتا ہے اور عمر اس کے انتفاع سے بالکل محروم رہ جاوے گا۔ نیز زید یہ بھی کہتا ہے کہ میں نے یہ شرط اس وقت قبول نہیں کی تھی، بلکہ میں نے تو کچھ مقدار پیسے دیئے تھے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ہبہ نہیں تھا، بلکہ بیع ہوئی تھی۔ اور عمر کہتا ہے کہ اس شئی کے عوض کچھ پیسے نہیں دیا گیا۔ اور نیز عمر کہتا ہے کہ اگر آپ نے مقدار معین دی تھی تو میں ادا کردوں گا، اور وہ شئی مجھے دیدے۔ اس میں شرعی حکم کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ہبہ صحیح ہے، شرط باطل ہے، واپسی نیز مکروہ تحریمی ہے، اگر پیسے دینے کا ثبوت ہو تو واپسی کا مطالبہ بالکل ناجائز ہے اور خلافِ شرع ہے:

"قال أصحابنا جميعاً: إذا وهب وشرط فيها شرطاً فاسداً، فالهبة جائزة والشرط باطل".

عالمگیری: ۴/ ۳۹۶(۱)۔

"ويصح الرجوع فيها: أي في الهبة كلاً وبعضاً، ولكن يكره تحريماً، ويمنع منه حروف دمع خزقة". مجمع الأنهر: ۲/ ۳۵۶(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مظاہر علوم سہارنپور، ۲۲/ ۸/ ۶۲ھ۔

---

(۱) (الفتاوى العالمكيرية: ۴/ ۳۹۶، الباب الثامن في حكم الشرط في الهبة، رشيديه)

(۲) (مجمع الأنهر: ۳/ ۴۹۹، باب الرجوع فيها، مكتبه غفاريه كوئٹه)

"وحكمها أنها لا تبطل بالشروط الفاسدة، فهبة عبد على أن يعتقه تصح ويبطل الشرط". —

خدمت کی امید پر ہبہ کردیا، پھر خدمت نہیں کی

سوال[۸۰۳۵]: میں نے اپنی زمین جو کہ رہائش کی تھی اس کو اپنے حقیقی بھتیجے کے نام ہبہ کردیا، اس لئے کہ میری عمر کافی ہوگئی ہے، کمزوری کا زمانہ ہے کہ میرے بھتیجے میری خدمت کریں گے، مگر جب ہبہ نامہ ہوگیا، اس کے بعد میں ان لوگوں نے میری کوئی خدمت نہیں کی۔ میری دو لڑکیاں بھی ہیں۔ اب آپ فرمائیں کہ یہ ہبہ صحیح ہے کہ نہیں؟ میری اب یہ مرضی ہے کہ اس ہبہ نامہ کو توڑ دوں اور اس وقت میری سمجھ حالت بھی صحیح نہیں تھی۔

میری بڑی لڑکی ناراض ہے، چھوٹی لڑکی بھی ناراض ہے، اور ان لوگوں نے اب تک کوئی خدمت نہیں کی، اس لئے میں اور میری دونوں لڑکیاں سخت ناراض ہیں، اب آپ حکم فرمائیں جو حکم ہو عمل کیا جائے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر محض تحریر لکھی گئی ہے اور ان کو قبضہ نہیں کرایا گیا تو ابھی ہبہ مکمل نہیں ہوا، اس کے ختم کرنے کا اختیار حاصل ہے(۱)، لڑکیوں کو محروم کرنا بھی برا اور گناہ ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۱/۹۲ھ۔

(الدر المختار مع رد المحتار: ۵/۶۸۸، کتاب الہبۃ، سعید)

"(وصح الرجوع فیہا بعد القبض) مع انتفاء مانعہ (وإن کرہ) الرجوع (تحریماً) ... ویمنع الرجوع فیہا حروف دمع خزقہ" (الدر المختار: ۵/۶۹۸، ۶۹۹، باب الرجوع فی الہبۃ، سعید)

"(وما لا یبطل بالشرط الفاسد القرض والہبۃ) بأن قال: وہبتک ہذہ الجاریۃ بشرط أن یکون حملہا لی" (البحر الرائق: ۶/۳۱۲، کتاب البیع، باب المتفرقات، رشیدیہ)

"(صح الرجوع فیہا الرجوع دمع خزقہ) یعنی صح الرجوع فی الہبۃ بعد القبض إذا لم یمنع مانع من الموانع الآتیۃ، واختار ذکر الصحۃ دون الجواز إلی أنہ یکرہ الرجوع فیہا" (البحر الرائق: ۷/۴۹۲، باب الرجوع فی الہبۃ، رشیدیہ)

(وکذا فی تبیین الحقائق: ۴/۵۷۵، کتاب البیوع، باب المتفرقات، دار الکتب العلمیۃ بیروت)

(۱) "وشرائط صحتہا فی الموہوب أن یکون مقبوضاً غیر مشاع ممیزاً غیر مشغول" (الدر المختار مع رد المحتار: ۵/۶۸۸، کتاب الہبۃ، سعید)

مرض الموت میں ہبہ

سوال [۸۰۳۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنے مرض الوفات میں اپنی مملوکہ کچھ حصے ایک سلیڈ کمپنی کے اپنے بعض ورثہ کو ہبہ کردیئے۔ اسی مرض میں چند ایام کے بعد زید کی وفات ہوگئی۔ اب شرعاً یہ دریافت کرتا ہوں کہ زید کا مرض الوفات میں بعض ورثہ کو ہبہ کرنا درست ہے یا نہیں؟

المستفتی: احمد یوسف سیوات، رنگون۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مرض الموت میں ہبہ بمنزلہ وصیت کے ہوتا ہے، پس اگر کوئی شخص مرض الموت میں ہبہ کردے اور شیٔ موہوب لہ کا قبضہ کرادے، اگر مشاع قابلِ تقسیم ہو تو تقسیم کرا کے قبضہ کرادے، اس کے بعد انتقال ہوجائے تو ایک ثلث میں اس کی تنفیذ ہوگی۔ بغیر تقسیم اور قبضہ سے پہلے انتقال ہوجائے تو ہبہ باطل ہوگا (۱)۔ اگر موہوب لہ وارث ہو تب بھی ہبہ نا جائز ہوگا، الا یہ کہ دیگر ورثاء اس پر راضی ہوں:

"الهبة والصدقة من المريض ليوازنه نظير الوصية؛ لأنه وصية حكماً، حتى تعتبر من الثلث". مجمع الأنهر (۲):

---

(۱) "وتتم بالقبض الكامل، لقوله عليه الصلوة والسلام: "لاتجوز الهبة إلا مقبوضة". (مجمع الأنهر: ۳/۴۹۱، كتاب الهبة، مكتبه غفاريه كوئٹه)

"وتصح بالإيجاب والقبول والقبض لقوله عليه الصلوة والسلام: "لاتجوز الهبة إلا مقبوضة". والمراد نفي الملك؛ لأن الجواز بدونه ثابت". (الهداية: ۳/۲۸۱، كتاب الهبة، مكتبه شركت علميه ملتان)

(وكذا في البحر الرائق ۷/۴۸۳، كتاب الهبة، رشيديه)

(۲) "عن أنس رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "من قطع ميراث وارثه، قطع الله ميراثه من الجنة يوم القيامة". (مشكوة المصابيح، ص: ۲۶۶، باب الوصايا، الفصل الثالث، قديمي)

( ) "وهب في مرضه ولم يسلم حتى مات، بطلت الهبة؛ لأنه وإن كان وصية حتى اعتبر فيه الثلث، فهو هبة حقيقة، فيحتاج إلى القبض". (رد المحتار: ۵/۷۰۰، باب الرجوع في الهبة، سعيد)

(۲) (مجمع الأنهر: ۳/۴۲۳، كتاب الوصايا، غفاريه كوئٹه)

"ولا تصح الوصية لوارث شيئاً إلا بإجازة الورثة". ملتقى الأبحر (۱)۔ "وتتم الهبة بالقبض الكامل ولو الموهوب شاغلاً لملك الواهب لا مشغولاً به في محوز مقسوم ومشاع لا يقسم لا ينتفع به بعد أن يقسم، ولو لشريكه، فإن قسمه وسلمه صح، ولو سلمه شائعاً لا يملكه، فلا ينفذ تصرفه فيه الخ". در مختار (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۶/ جمادی الثانیہ/ ۶۹ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۷/ جمادی الثانیہ/ ۶۹ھ۔

مرض الموت میں وارث کیلئے ہبہ

سوال [۸۰۲۶]: مسمی کالے خاں دو بیٹے عبداللہ خان وحبیب خان چھوڑ کر فوت ہوا، ان میں سے عبداللہ خان کے دو بیٹے ایک بیٹی تھی، عبداللہ خان مرض الموت میں مبتلا ہوا تو اس کے دونوں لڑکوں نے کل

"إذا وهب واحد في مرض موته شيئاً لأحد ورثته وبعد وفاته لم يجز سائر الورثة، لا تصح تلك الهبة أصلاً؛ لأن الهبة في مرض الموت وصية، ولا وصية لوارث. ولكن لو أجاز الورثة هبة المريض بعد موته، صحت". (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۱/۴۸۳، رقم المادة: ۸۷۹، كتاب الهبة، الفصل الثاني، حنفية كوئٹه)

"إن هبة المريض مرض الموت لأحد ورثته لا تجوز، إلا أن يجيزها الورثة الباقون بعد موت الواهب؛ لأن هبته وإن كان هبة حقيقية، لكن لها حكم الوصية". (شرح المجلة لخالد الأتاسي: ۳/۴۰۳، كتاب الهبة، الفصل الثاني في هبة المريض، رقم المادة: ۸۷۹، حقانيه پشاور)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۴/۴۰۰، كتاب الهبة، الباب العاشر في هبة المريض، رشيديه)

(والبزازية على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الهبة، نوع في هبة المريض: ۶/۲۳۹، رشيديه)

(۱) (ملتقى الأبحر على مجمع الأنهر: ۴/۴۱۸، كتاب الوصايا، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوصايا، الباب الأول: ۶/۹۰، رشيديه)

(۲) (الدر المختار: ۵/۶۹۰، ۶۹۲، كتاب الهبة، سعيد)

(وكذا في شرح المجلة لسليم رستم باز: ۱/۴۷۳، رقم المادة: ۸۶۱، كتاب الهبة، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الهبة، الباب الأول: ۴/۳۷۴، رشيديه)

چونکہ باپ کے اپنے نام رجسٹر کرائی اور باپ ہی کی تصدیق کرائی، گویا باپ نے خود ہی دونوں بیٹوں کے نام کل جائیداد کردی مرض الموت میں، اور لڑکی کو محروم کردیا یعنی لڑکی کے نام تقسیم نہیں کیا۔

ایں صورت دریافت طلب امر یہ ہے کہ لڑکی کو از روئے شرع کچھ حصہ ملے گا یا نہیں؟ جبکہ باپ کے ہوش وحواس بھی ٹھیک نہ تھے۔ فقط والسلام۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

عبداللہ خان کے جو دونوں بیٹوں نے رجسٹر کرائی ہے بظاہر یہ ہبہ نامہ ہے، لہذا ہبہ نامہ کا حکم جواب میں تحریر ہے، مرض الموت میں ہبہ وصیت کے حکم میں ہوتا ہے، اگر ہوش وحواس بجا ہوں اور مرض الموت میں ہبہ کرکے موہوب لہ کو قبضہ کرادے تو ایک ثلث میں جاری ہوگا۔ اگر قبضہ کی نوبت نہیں آئی کہ واہب کا انتقال ہوگیا تو ہبہ بے کار اور کالعدم ہوگیا(۱)۔ اور اگر ہوش وحواس درست نہیں تھے تو اس ہبہ کا شروع ہی سے کوئی اعتبار نہیں خواہ قبضہ ہو یا نہ ہو(۲)۔

صورت مسئولہ میں چونکہ یہ ہبہ بیٹوں کے حق میں کیا گیا ہے جو کہ شرعاً وارث بھی ہیں، اس لئے ہبہ ناجائز ہے، کیونکہ وارث کے حق میں وصیت شرعاً نافذ نہیں ہوتی جب تک دیگر ورثاء اجازت نہ دیں(۳)۔ لیکن

---

(۱) "لاتجوز هبة المريض ولاصدقته إلا مقبوضة، فإذا قبضت جازت من الثلث، وإذا مات الواهب قبل التسليم بطلت". (الفتاوى العالمكيرية: ۴۰۰/۴، كتاب الهبة، الباب العاشر في هبة المريض، رشيدية)

(وكذا في البزازية على هامش الفتاوى العالمكيرية: ۲۴۹/۶، كتاب الهبة، نوع في هبة المريض، رشيدية)

(وشرح المجلة لسليم رستم باز، كتاب الهبة: ۴۹۳/۱، رقم المادة: ۸۷۹، مكتبه حنفيه كوئته)

(۲) "ثم شرط صحتها في الواهب العقل والبلوغ والملك". (الدر المنتقى على هامش مجمع الأنهر: ۳۰۶/۳، كتاب الهبة، غفارية كوئته)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الهبة: ۶۸۷/۵، سعيد)

"يشترط أن يكون الواهب عاقلاً بالغاً، فلذا لاتصح هبة الصغير والمجنون والمعتوه". (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۴۷۳، رقم المادة: ۸۵۹، مكتبه حنفيه كوئته)

(۳) "عن عمرو بن خارجة رضي الله تعالى عنه قال: خطب رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال: "إن الله -

اگر عبداللہ خان کے صرف دو بیٹے اور ایک بیٹی ہی وارث ہیں تو یہ ہبہ بیٹی کی اجازت پر موقوف رہے گا (۱)، اگر وہ اجازت دیتی ہے تو نافذ رہے گا، ورنہ نافذ نہیں، بلکہ اس میں شرعی طور پر میراث جاری ہوگی، جس کی صورت یہ ہے کہ کالے خان کی جائیداد کل ترکہ بعد ادائے دین وغیرہ دو حصہ کر کے نصف کا مالک حبیب خان ہوگا اور نصف کا عبداللہ خان (۲)، پھر اس نصف کے پانچ حصے ہوں گے، دو دو ہر لڑکے کو اور ایک لڑکی کو ملے گا (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سوال کے مطابق جواب صحیح ہے، بہتر یہ ہے کہ اصل کاغذات کی نقل استفتاء کے ہمراہ آنی چاہئے تاکہ ان میں غور کیا جاتا۔ فقط۔ سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۲/۳/۶۳ھ۔

صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۹/۳/۶۳ھ۔

مرض الموت میں وارث کو ہبہ کا حکم

سوال [۱۰۳۸۰]: مفتیانِ دین کیا ہے

"...فقطع كل ذي حق حقه، ولا وصية لوارث" الحديث. (سنن النسائي: ۲/۱۳۱، كتاب الهبة، باب إبطال الوصية للوارث، قديمي)

(۱) "إذا وهب وسلم في مرض موته شيئاً لأحد ورثته، وبعد وفاته لم يجز سائر الورثة، لاتصح تلك الهبة أصلاً ... ولكن لو أجاز الورثة هبة المريض بعد موته، صحت". (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۱/۴۷۳، رقم المادة: ۸۷۹، كتاب الهبة، الفصل الثاني في هبة المريض، مكتبة حنفية كوئته)

(۲) صورت مذکورہ میں کالے خان کے ورثاء صرف دو بیٹے ہیں، دونوں عصبہ ہیں، اور عصبہ ذوی الفروض کی عدم موجودگی میں کل مال کے مستحق ہوتے ہیں: "العصبات وهم كل من ليس له سهم مقدر، ويأخذ ما بقي من سهام ذوي الفروض، وإذا انفرد أخذ جميع المال". (الفتاوى العالمكيرية: ۶/۴۵۱، كتاب الفرائض، الباب الثالث في العصبات، رشيدية)

وكذا في الدر المختار: ۶/۷۷۴، كتاب الفرائض، فصل في العصبات، سعيد

(۳) قال الله تبارك وتعالى: ﴿يوصيكم الله في أولادكم للذكر مثل حظ الأنثيين﴾ (سورة النساء: ۱۱)

"اگر مرض الموت میں کسی ایسے شخص کو جو مریض کا وارث نہیں بطور تحفہ وہبہ کچھ دے یا قرض معاف کردیا ہو تو نافذ ہے، لیکن اگر مریض اس مرض میں مرگیا اور معلوم ہوا کہ وہ مرض الموت تھا تو اس کا حکم مثل وصیت کے ہے، انتہی"(۱)۔

اس میں غیر وارث کو دینے کی شرط کیوں لگائی؟ اگر وارث کو مرض الموت میں دے تو اس کو بھی فی الحال دلوا دینا چاہئے، کیونکہ اس مرض کا مرض الموت ہونا یقینی نہیں، لیکن اگر اسی مرض میں مرجائے تو وہ چیز اس وارث سے واپس لے لی جائے، وارث اور غیر وارث میں کوئی فرق معلوم نہیں ہوتا۔ اگر یہ وجہ پیش کی جائے کہ وارث کو اگر فی الحال دے دی جائے تو شاید وہ اس چیز میں تصرف وغیرہ کرلے، اور وہ چیز واپس نہ لی جاسکے تو یہ وجہ غیر وارث میں بھی ہے کہ شاید جو چیز اس کو دی ہے وہ ثلث مال سے زیادہ ہو پس وہ اس میں تصرف وغیرہ کرے جس وجہ سے ما یجری فیہ الوصیۃ یعنی ثلث سے زائد واپس نہ لیا جاسکے۔ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

وارث میں واپس لینے سے ایک دوسری شئی بھی مانع ہے، اس کو ذی رحم محرم ہونا یا تعلق زوجیت ہونا۔ غالب واقرب یہ ہے کہ اس قید کو چونکہ مرض الموت میں وصیت کا حکم دیا جاتا ہے، اور وارث کے حق میں وصیت نافذ نہیں ہوتی: "لا وصیۃ لوارث" (۲)۔ اس لئے اس صورت کو غیر وارث کے ساتھ مقید کیا ہے کہ بعد میں اگر اس مرض کا مرض الموت ہونا ثابت ہوجائے تو سب کو حکم وصیت ثلث ترکہ سے نافذ کیا جاسکے (۳)، اگر وہ موہوب لہ وارث ہو تو وہاں تنفیذ وصیت کا محل ہی نہیں (۴)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۹/ رمضان المبارک/ ۶۶ھ۔

---

(۱) (قانون وراثت مقدمہ المورثین، فصل سوم مرض الموت اور مریض کے اقرار کا بیان، ص: ۶۸، سعید)

(۲) "عن عمرو بن خارجۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: خطب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال: "إن اللہ قد أعطی کل ذی حق حقہ، ولا وصیۃ لوارث" الحدیث (سنن النسائی: ۲/ ۱۲۱، کتاب الھبۃ، باب إبطال الوصیۃ للوارث، قدیمی)

(۳) "وأما لو وھب وسلم لغیر الورثۃ، فإن خرج الموھوب من ثلث مالہ، صحت الھبۃ". (شرح المجلۃ: ۱/ ۳۸۳، رقم المادۃ: ۸۷۹، کتاب الھبۃ، الفصل الثانی فی ھبۃ المریض، مکتبہ حنفیہ کوئٹہ)

"وأما ھبتہ: أی المریض لأجنبی، فتصح من کل مالہ إن أجاز الورثۃ، وإلا ففی الثلث فقط"

(شرح المجلۃ لخالد الأتاسی: ۳/ ۴۰۲، مکتبہ حقانیہ پشاور)

(۴) (راجع رقم الحاشیۃ: ۲)

مرض الموت میں جعلی ہبہ نامہ پر دستخط

سوال [۷۹۳۹]: ہندہ اپنے بستر مرگ پر عالم نزع میں ہے، ہندہ کے جیٹھ (شوہر کا بڑا بھائی) نے ایک سادہ کاغذ (اسٹامپ) پر کسی تحریر یا اقرار نامہ کے نشان انگوٹھا بغیر ہندہ کی مرضی وخوشی کے جبراً لے لیا، اور نشان انگوٹھا لیتے وقت سوائے اس کے جیٹھ کے کوئی دوسرا گواہ وہاں پر موجود نہ تھا۔ نشان انگوٹھا لینے کے چند دن بعد ہندہ کا وصال ہوگیا۔ اس کے بعد اس کاغذ جس پر ہندہ کا نشان انگوٹھا لیا گیا تھا، ہبہ کی شکل میں تحریری اقرار کرایا گیا کہ ہندہ نے اپنے ترکہ کی جائیداد اپنے شوہر کو ہبہ کردی اور بعد میں مذکورہ جیٹھ کے علاوہ دو تین گواہوں نے زور شہادت اپنے اپنے دستخط مذکورہ دستاویز پر ثبت کردیئے۔ اور اس طرح ہندہ کا ہبہ نامہ تکمیل اپنے شوہر سے مکمل ہوگیا۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ ہندہ کی کمزوری اور بیماری سے فی الحال جو ناجائز فائدہ اٹھایا گیا اور مندرجہ بالا طریقے سے ہندہ سے ہبہ کرایا گیا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر واقعہ اسی طرح ہے تو یہ کارروائی شرعاً بالکل بے کار ہے، اس سے ہبہ نہیں ہوا (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱/۳/۹۵ھ۔

اپنا وارث ہوتے ہوئے مکان متبنّی کو ہبہ کرنا

سوال [۷۹۴۰]: زید بیوہ ہے جو ایک لڑکی کے کوئی اولاد نہ تھی، اس نے اپنی زندگی کو آباد کرنے کے لئے عمر کو اپنا بنا لیا، عمر ہوش سنبھالتے ہی زید کی خدمت گذاری میں مصروف رہا، اس سے خوش ہوکر زید نے بنا زر تحریر نصف مکان عمر کو ہبہ کردیا، عمر نے اپنی آمدنی سے اس کی از سر نو تعمیر کی، پھر زید نے عیش وآرام کی زندگی پانے کی وجہ سے آخری عمر میں بقیہ نصف مکان بھی چند گواہوں کے سامنے ہبہ نامہ تحریر

(۱) "تنعقد الهبة بالإيجاب والقبول، وتتم بالقبض الكامل؛ لأنها من التبرعات، والتبرع لا يتم إلا بالقبض". (شرح المجلة: ۱/۴۶۲، رقم المادة: ۸۳۷، الباب الأول، حنفيه كوئٹه)

کردیا تاکہ عمرو کو بوقتِ ضرورت کام آئے۔ اور زید نے اپنی لڑکی کی شادی کردی، وہ اپنی سسرال رہتی ہے۔ زید کے انتقال کے بعد وہ لڑکی میراث کی طلبگار ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ کیا وہ لڑکی اس مکان میں حصہ دار ہے یا نہیں؟ اور زید کا عمرو کو کل مکان کا ہبہ کرنا شرعاً صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مکان اگر تنا بڑا ہے کہ نصف نصف کرکے تقسیم کردیا جائے تو دونوں حصوں سے انتفاع ہوسکتا ہے اور پھر زید نے تقسیم کرکے عمرو کا قبضہ نصف پر نہیں کروایا، بلکہ حسبِ سابق زید بھی مالکانہ حیثیت سے رہتا رہا اور عمرو بھی رہتا رہا تو یہ نصف کا ہبہ فاسد صحیح نہیں ہوا(۱)۔ پھر آخری عمر میں جو دوسرا بقیہ نصف ہبہ کیا ہے، اگر مرض الموت میں ہبہ کیا ہے تو وہ بھی صحیح نہیں ہوا(۲)، عمرو نے اپنی آمدنی سے جو کچھ اس پر خرچ کیا ہے، وہ زید کے ساتھ تبرع ہوا(۳)، لڑکی کو میراث طلب کرنے کا حق حاصل ہے۔

اگر بیوی اس کے علاوہ کوئی اور صورت پیش آتی ہے یعنی مکان چھوٹا تھا جو تقسیم کے بعد قابلِ انتفاع نہ

---

(۱) "(وقوله: في محوز مقسوم ومشاع لايقسم، لا فيما يقسم): أي تجوز الهبة في محوز مقسوم وفي مشاع لايقسم، ولاتجوز في مشاع يقسم. احترز بقوله: (عن المتصل كالثمرة) عن الشجرة، وبقوله: (مقسوم) عن المشاع". وقال الشلبي في حاشيته: "قال علماؤنا: هبة المشاع فيما يحتمل القسمة لاتتم والشيوع المتمكن فيه بالقسمة". (تبيين الحقائق مع حاشية الشلبي: ۵۲۲/۶، كتاب الهبة، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الدر المختار: ۶۹۲/۵، كتاب الهبة، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۲۸۶/۷، كتاب الهبة، رشيدية)

(۲) "إذا وهب واحد في مرض موته شيئاً لأحد ورثته وبعد وفاته لم يجز سائر الورثة، لاتصح تلك الهبة أصلاً". (شرح المجلة لسليم رستم: ۴۸۳/۱، (رقم المادة: ۸۷۹)، كتاب الهبة، الفصل الثاني، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(۳) "فلو أنفق عليها الآخر بلا إذنه، فهو متبرع غير مضطر، إذ يمكنه أن يقسم حصته ويعمرها". (رد المحتار: ۳۳۳/۴، كتاب الشركة، سعيد)

رہتا۔ یا تقسیم کر کے عمر کے قبضہ میں نصف دے دیا اور اس نصف سے اپنا قبضہ ختم کر دیا، بقیہ نصف مرض الموت میں ہبہ نہیں کیا، بلکہ تندرستی میں ہبہ کیا تو اس صورت کو متعین کر کے جواب حاصل کیا جائے۔ آپ نے سوال میں کوئی تصریح نہیں کی، اس لئے ایک شق کا جواب لکھ دیا گیا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفی عنہ، مفتی دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۹/۹۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، مفتی دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۹/۹۵ھ۔

واہب کی حیات میں ہبہ کے بعد موہوب لہ کا انتقال

سوال [۸۰۲۱]: زید کے چار لڑکے اور ایک لڑکی اور ایک مرحومہ لڑکی کا بیٹا (زید کا نواسہ) موجود ہے۔ زید نے اپنی حیات میں مدرسہ اپنے چار بیٹوں اور ایک بیٹی اور ایک نواسہ کو تقسیم ترکہ کا عزم قرار دے دیا، اب زید کی موجودگی میں موجودہ بیٹی کا انتقال ہو گیا۔ اس لڑکی کا خاوند اس کے حصہ میں سے کس قدر مال کا مستحق ہو سکتا ہے، یا بالکل نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

عاجز تقسیم ترکہ کا عزم قرار دینے کا کیا مطلب ہے؟ اگر اس سے مراد وصیت ہے یعنی زید نے وصیت کی ہے کہ میرے مرنے کے بعد میرا ترکہ اس طرح تقسیم کرنا، تب تو یہ وصیت ہی ناجائز ہے، کیونکہ اس میں ورثہ کے حق میں وصیت کی گئی ہے اور وارث کے حق میں بلا اذن دیگر ورثہ وصیت نافذ نہیں ہوتی (۱)، البتہ نواسہ چونکہ اس صورت میں وارث نہیں، اس کے حق میں وصیت درست ہے، مگر اس کے نفاذ کا حکم زید کے مرنے پر ہوگا (۲)۔

---

(۱) "عن شرحبیل بن مسلم الخولانی، سمعت أبا أمامة الباهلی رضی الله تعالیٰ عنه یقول: سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول فی خطبته عام حجة الوداع: "إن الله قد أعطی کل ذی حق حقه، فلا وصیة لوارث" (سنن ابن ماجه، ص: ۱۹۴، باب لا وصیة لوارث، میر محمد کتب خانه کراچی)

"عن شرحبیل بن مسلم رضی الله تعالیٰ عنه قال: سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول: "إن الله قد أعطی کل ذی حق حقه، فلا وصیة لوارث" (سنن أبی داؤد، باب ما جاء فی الوصیة للوارث، امدادیه ملتان)

(۲) "وتجوز بالثلث للأجنبی عند عدم المانع وإن لم یجز الوارث ذلک لا الزیادة علیه إلا أن تجیز ورثته"

جس لڑکی کا انتقال ہوگیا ہے، اس کے حق میں جس قدر وصیت کی ہے وہ زید ہی کی ملک ہے، لڑکی کی ملک نہیں (۱)، لہٰذا لڑکی کے شوہر کو اس میں سے کچھ نہیں ملے گا، ہاں! جو کچھ ترکہ مملوکہ لڑکی نے چھوڑا ہے اس میں اس کے شوہر کا بھی حصہ ہے (۲)۔

اگر تقسیم ترکہ مذکور کرنے سے مراد یہ ہے کہ باقاعدہ تقسیم کر کے ہر ایک کے حصہ پر اس کا قبضہ کرادیا ہے تو لڑکی کے ترکہ مملوکہ کے ساتھ اس شی میں بھی میراث جاری ہوگی اور شوہر کو حصہ ملے گا، اگر تقسیم کر کے قبضہ نہیں کرایا تو یہ ہبہ تام نہیں ہوا اور لڑکی کی ملکیت اس پر ثابت نہیں ہوئی (۳)، پس شوہر کو اس میں سے حصہ نہیں ملے گا۔ لڑکی کا ترکہ تقسیم کرنے کے لیے اس کے جملہ ورثہ کا علم ضروری ہے، اگر اس کی اولاد موجود ہے تب تو شوہر کو چوتھائی ترکہ ملے گا، اگر اولاد موجود نہیں تو نصف ملے گا (۴)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۰/۶/۱۰ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔ صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم، ۲۰/۶/۱۰ھ۔

= بعد موته، ولا تعتبر إجازتهم حال حياته أصلاً بل بعد وفاته". (الدر المختار: ۶/۶۵۰، كتاب الوصايا، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: كتاب الوصايا، الباب الأول: ۶/۹۰، رشيدية)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۳/۴۹۱، كتاب الهبة، غفارية كوئٹہ)

(۱) وارث کا مورث کے موت کے وقت زندہ رہنا شرط ہے، جبکہ مذکورہ لڑکی مورث سے پہلے فوت ہوگئی ہے، اس وجہ سے وہ وارث نہیں ہوئی۔

"وشروطه ثلاثة: موت مورث حقيقةً أو حكماً، ووجود وارثه عند موته حياً حقيقةً أو حكماً، أو العلم بجهة الإرث". (مجمع الأنهر: ۴/۴۹۳، كتاب الفرائض، مكتبه غفارية كوئٹہ)

(وكذا في رد المحتار: ۶/۷۵۸، كتاب الفرائض، سعيد)

(۲) "ويستحق الإرث برحم ونكاح وولاء". (الدر المختار: ۶/۷۶۲، كتاب الفرائض، مكتبه سعيد)

(۳) "تصح (أي الهبة) بالإيجاب والقبول، وتتم بالقبض الكامل؛ لأنها من التبرعات، والتبرع لا يتم إلا بالقبض". (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۱/۴۶۲، رقم المادة: ۸۳۷، كتاب الهبة، الفصل الأول، مكتبه حنفيه كوئٹہ)

(وكذا في الدر المختار: ۵/۶۹۰، كتاب الهبة، سعيد)

(۴) قال الله تبارك وتعالى: ﴿ولكم نصف ما ترك أزواجكم إن لم يكن لهن ولد، فإن كان لهن ولد﴾ =

اولاد کے درمیان ہبہ میں تفصیل

سوال [۸۰۰۲]: مجھے اپنی اہلیہ مرحومہ سے تین اولاد ہے: دو لڑکے محمد فاروق ومحمد ہارون اور ایک لڑکی۔ میں نے ان تینوں کے بالغ ہونے پر ان کی شادی کردی، شادی کے بعد دونوں لڑکے مجھ سے علیحدہ ہوگئے، بڑا لڑکا محمد فاروق پاکستان چلا گیا، اس کا کچھ پتہ نہیں، دوسرا لڑکا محمد ہارون شہر ہی میں دوسری جگہ رہتا ہے۔ دوسری اہلیہ سے تین لڑکے: محمد ہاشم، محمد محسن اور عبداللہ سالم اور سات لڑکیاں ہیں، جن میں چار لڑکیاں اور ایک بڑا لڑکا محمد ہاشم شادی شدہ ہیں۔

ہارون، فاروق کی موجودگی میں تنہا کام کرنے والا تھا اور میرا کاروبار بھی بہت معمولی حالت میں تھا، بعد میں محمد ہاشم کی محنت اور اس کے تعاون سے کچھ کام بڑھا اور اب وہ مطمئن حالت میں ہے۔ موجودہ کاروبار کے بڑھ جانے اور جمانے میں محمد ہاشم کی لگن اور محنت کو برابر کا دخل ہے۔

ہارون، فاروق کے علیحدہ ہونے کے بعد میں نے اپنے موروثی مکان میں اپنے بڑے بھائی اور اپنی بہن کا حصہ خرید کر اپنے ساتھ شامل کرلیا، وہ اس طرح کہ بھائی صاحب کا حصہ میں نے اپنے نام اور محمد ہاشم کے نام خریدا، اور بہن کا حصہ جو کہ بھائی کے حصہ کا نصف تھا محمد ہاشم کے چھوٹے بھائی محمد محسن کے نام خریدا۔ اب میں چاہتا ہوں کہ مکان کا اتنا ہی حصہ سب سے چھوٹے لڑکے عبداللہ سالم کے نام ہبہ کردوں، اس طرح تینوں بھائیوں کے نام مکان کے نئے خرید شدہ حصہ میں سے برابر حصہ ہو جائے گا۔ اور یہ بھی چاہتا ہوں کہ کاروبار میں تینوں لڑکوں کو اپنے ساتھ برابر کا شریک کرلوں یعنی کاروباری ملکیت میں سے ایک چوتھائی کا مالک میں رہوں اور ایک ایک چوتھائی کا مالک تینوں لڑکوں کو بنادوں۔ اس طرح میری ملکیت میں وہ مکان رہ جائے گا جو ہارون اور فاروق کی علیحدگی کے وقت تھا، اور موجودہ کاروبار کا ایک چوتھائی حصہ، جو میرے انتقال کے بعد میرے تمام ورثہ اس میں سے اپنا اپنا حصہ رسد پانے کے مستحق ہوں گے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ کل کاروبار کا مالک موجودہ تینوں لڑکوں کو بنادوں اور غیر منقول جائیداد کے حصے کرکے ان کو تقسیم کردوں اور اپنی زندگی ہی میں بخوشی دلی کے ساتھ اس کا بھی فیصلہ کردوں اور مستحقین کو مالک بنادوں۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ مذکورہ بالا صورتوں میں سے ہر ایک شکل کا مجھ کو شرعاً اختیار ہے

— فلکم الربع مما ترکن (سورۃ النساء: ۱۲)

اور حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اثر کو بحوالۂ موطأ بھی باسنادِ صحیح حافظ ابن حجرؒ نے نقل کیا ہے کہ کذا فی الفتح: ۵/ ۲۹۹ (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۶/ ۷/ ۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۷/ ۷/ ۹۲ھ۔

ہبہ میں بعض اولاد کو بعض پر فضیلت دینا

سوال [۸۰۲۳]: ایک شخص وقف علی الاولاد کرنا چاہتا ہے، یا اولاد کو ہبہ کرنا چاہتا ہے اور اس میں تفریق وترجیح کا طریقہ اختیار کرنا چاہتا ہے، بعض اولاد کو قریباً کل منافع وقف یا ہبہ کرنا چاہتا ہے اور بعض کو ایسا جزو جو غیر معتد بہ ہوتا ہے۔ تو یہ تفضیل وترجیح شرعاً درست ہے یا نہیں؟ اور نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قصہ جنہوں نے اپنی بعض اولاد کو بعض اولاد پر ہبہ اور عطیہ میں ترجیح دی تھی، مہربانی فرما کر اس کا ترجمہ فرمادیا جائے۔ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

= أن مالكاً حدثه عن ابن شهاب، عن عروة بن الزبير عن عائشة زوج النبي صلى الله عليه وسلم أنها قالت: إن أبابكر الصديق نحلها جداد عشرين وسقاً من ماله بالغابة، فلما حضرته الوفاة قال: والله! يا بنية! ما من أحد من الناس أحب إلي غنى بعدي منك، ولا أعز علي فقراً بعدي منك، وإني كنت نحلتك جداد عشرين وسقاً، فلو كنت جددته واحرزته كان لك، وإنما هو اليوم مال الوارث، وإنما هما أخواك وأختاك، فاقتسموه على كتاب الله. فقالت عائشة: والله! يا أبت! لو كان كذا وكذا، لتركته، وإنما هي أسماء، فمن الأخرى؟ فقال: ذو بطن بنت خارجة أراها جارية". أخرجه البيهقي أيضاً في سننه من حديث شعيب عن الزهري رضي الله تعالىٰ عنه عن عروة بن الزبير". (عمدة القاري: ۱۳/ ۲۴۷، باب الإشهاد في الهبة، بيروت)

(۱) "فأما أبوبكر فرواه الموطأ بإسناد صحيح عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها أن أبابكر قال لها في مرض موته: إني كنت نحلتك نحلاً، فلو كنت اخترته لكان لك، وإنما هو اليوم للوارث. وأما عمر رضي الله تعالىٰ عنه فذكره الطحاوي وغيره أنه نحل ابنه عاصم دون سائر ولده". (فتح الباري: ۵/ ۲۹۹، باب الإشهاد في الهبة، قديمي)

الجواب حامداً ومصلیاً:

تفریق و ترجیح بلا وجہ شرعی گناہ ہے یعنی اگر ایک کو نقصان پہونچانا مقصود ہو اور دوسرے کو نفع پہونچانا مقصود ہو اور کوئی وجہ شرعی اس نفع اور نقصان کی نہ ہو تو ایسا کرنا گناہ ہے، تاہم ایسا کرنے سے ہبہ صحیح ہوجائے گا، یعنی جس کو کم ملا ہے اس کو شرعاً حق نہیں کہ وہ زیادہ والے سے ہبہ کرے۔ اور اگر کوئی وجہ شرعی ہے مثلاً: جس کو زیادہ دیا ہے وہ صالح و دیندار ہے اور اسی وجہ سے اس کو زیادہ دیتا ہے اور جس کو کم دیتا ہے وہ بدچلن اور غیر متدین ہے اور اسی وجہ سے اس کو کم دیتا ہے تو ایسا کرنا گناہ نہیں بلکہ جائز ہے، حتی کہ اگر کسی کو معلوم ہو کہ میری اولاد تمام مال جائیداد کو خدا کی نافرمانی میں صرف کردے گی تو اس کے لئے بہتر ہے کہ اپنی اولاد کے واسطے کچھ نہ چھوڑے بلکہ اپنی زندگی میں تمام مصارف خیر میں صرف کردے(۱)۔

"عن النعمان بن بشير رضي الله تعالى عنه أن أباه أتى به إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال: إني نحلت ابني هذا غلاماً، فقال: "أكل ولدك نحلت مثله"؟ قال: لا، قال: "فارجعه" بخاری شریف(۲)۔

"نعمان ابن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ان کے باپ ان کو

---

(۱) "ولو وهب رجل شيئاً لأولاده في الصحة وأراد تفضيل البعض على البعض عن أبي حنيفة رحمه الله تعالى: لا بأس به إذا كان التفضيل لزيادة فضل له في الدين، وإن كانا سواء، يكره. وروى المعلى عن أبي يوسف رحمه الله تعالى: أنه لا بأس به إذا لم يقصد به الإضرار، وإن قصد به الإضرار سوى بينهم وهو المختار. رجل وهب في صحته كل المال للولد، جاز في القضاء، ويكون آثماً فيما صنع. وإن كان في ولده فاسق، لا ينبغي أن يعطيه أكثر من قوته كيلا يصير معيناً له في المعصية ..... ولو كان ولده فاسقاً وأراد أن يصرف ماله إلى وجوه الخير ويحرمه عن الميراث، هذا خير من تركه. ولو كان الولد مشتغلاً بالعلم لا بالكسب، فلا بأس بأن يفضله على غيره" (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الهبة، الباب السادس: ۴/۳۹۱، رشيدية)

(وكذا في البحر الرائق: ۷/۴۹۰، كتاب الهبة، رشيدية)

(۲) (صحيح البخاري: ۱/۳۵۲، كتاب الهبة وفضلها والتحريض عليها، باب الهبة للولد، قديمي)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائے اور عرض کیا کہ میں نے اپنے لڑکے کو ایک غلام دیا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ”کیا ہر اولاد کو ایسا ہی دیا ہے“؟ جواب دیا کہ: نہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ”اس سے رجوع کرلو“۔ (بخاری شریف)۔

قال الطیبی: ”فیہ استحباب التسویۃ بین الأولاد فی الهبة، فلا یفضل بعضهم علی بعض .... ولو وهب بعضهم دون بعض، فمذهب الشافعی ومالك وأبی حنیفة رحمهم اللہ تعالیٰ أنه مکروه ولیس بحرام، والهبة صحیحة“(۱)۔

”ولو وهب جمیع ماله من ابنه، جاز، وهو آثم، نص علیه محمد. ولو خص بعض أولاده لزیادة رشده، لابأس به، وإن کان سواء“(۲)۔

”اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اولاد کو ہبہ کرنے میں مساوات مستحب ہے، لیکن بعض کو بعض پر فضیلت نہ دے۔ اور اگر بعض کو دیا اور بعض کو نہ دیا تو امام شافعی اور امام مالک اور امام ابوحنیفہ رحمہم اللہ تعالیٰ کا مذہب یہ ہے کہ مکروہ ہے، حرام نہیں ہے۔ اور اگر تمام مال ایک لڑکے کو دیدیا تو قضاءً جائز ہے، اور گنہگار ہوگا، اور امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کو صراحۃً بیان کیا ہے۔ اور بعض کو اس کی نیکی کی وجہ سے ہبہ کیساتھ مخصوص کردیا ہے تو اس میں کچھ حرج نہیں اور جو سب برابر ہوں تو ایسا نہیں کرنا چاہیے“۔

”رجل وهب فی صحته کل المال للولد، جاز فی القضاء، ویکون آثماً فی ماصنع. وإن کان فی ولده فاسق، لاینبغی أن یعطیه أکثر من قوته کی لایصیر معیناً له فی المعصیة. ولو کان ولده فاسقاً وأراد أن یصرف ماله إلی وجوه الخیر ویحرمه عن المیراث، هذا خیر له من ترکه.

---

(۱) (شرح الطیبی علی مشکوۃ المصابیح: ۶/۱۸۱، کتاب البیوع، باب استحباب التسویۃ بین الأولاد فی الهبة، إدارۃ القرآن کراچی)

(۲) (البزازیۃ علی هامش الفتاوی العالمکیریۃ: ۶/۲۳۴، کتاب الهبة، الجنس الثالث فی هبة الصغیر و رشده)

ولو كان الولد مشتغلاً بالعلم لا بالكسب، فلا بأس بأن يفضله"(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۳/ شعبان/ ۵۵ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف۔

لڑکی کو ایک تہائی ہبہ، لڑکے کو دو تہائی

سوال [۱۰۴۳۰]: زید کے ایک دختر اور ایک خورد سال پسر تھا، جوان ہونے پر دختر کی شادی کردی اور اپنا اثاث البیت بقدر ایک تہائی کے بطور جہیز کے اس کی شادی میں دے دیا تھا اور دو تہائی اس کے بھائی خورد سال کے لئے محفوظ رکھا کہ وہ جب بالغ ہو جائے اپنے سامان کو تصرف میں لائے۔ وہ زید مر گیا، زید کی بیوی کی حضانت میں تہائی سامان بھائی کا بہن لے گئی اور اپنے تہائی سامان منتقل کرکے اپنی مکان میں رہنے لگی۔ بھائی نے بالغ ہو کر بہن سے ایک تہائی کو اپنا بیان کرکے عدالت میں دعویٰ دائر کردیا اور عدالت نے سامان مذکور بھائی کو دیدیا۔ کیا بھائی اپنے دو تہائی کے عوض میں ایک تہائی سامان بہن کا اپنے تصرف میں لا سکتا ہے کہ نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو سامان زید نے صحت اور تندرستی کی حالت میں اپنی لڑکی کے حوالہ کردیا، اس میں تو کوئی تردد نہیں کہ وہ لڑکی کی ملک ہے، جو باقی رہ گیا، اگر اپنے چھوٹے بچے کو ہبہ کردیا کہ میں اس کو دے چکا ہوں اسی کی ملک ہے تو وہ سب اس لڑکے کی ملک ہوگیا(۲)، اس میں لڑکی یا کسی دوسرے وارث کا کوئی حصہ نہیں۔ ایسی حالت میں بہن نے جو بھائی کا سامان لیا ہے، وہ غصب اور ناجائز ہے(۳)، اس کے ذمہ واجب ہے کہ اس کا سامان واپس

---

(۱) الفتاوى العالمكيرية: ۳۹۱/۴، كتاب الهبة، الباب السادس في الهبة للصغير، رشيدية

(وكذا في الدر المختار: ۶۹۶/۵، كتاب الهبة، سعيد)

(۲) "يملك الموهوب له الموهوب بالقبض، فالقبض شرط لثبوت الملك". (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۴۷۳/۱، رقم المادة: ۸۶۱، كتاب الهبة، حنفية كوئٹه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الهبة: ۳۷۴/۴، رشيدية)

(وكذا في الدر المختار: ۶۹۰/۵، كتاب الهبة، سعيد)

(۳) قال الله تبارك وتعالى: ﴿ولا تأكلوا أموالكم بينكم بالباطل﴾ الآية (سورة البقرة: ۱۸۸)

کردے، اور بھائی کو حق ہے کہ اپنا سامان واپس لے لے۔ اگر بہن بعینہ وہ سامان واپس نہ دے تو جس طرح ممکن ہو اپنا حق وصول کرلے (۱)۔

اور یہ اس وقت ہے کہ لڑکے کو بحالتِ صحت وتندرستی ہبہ کیا ہو، اگر مرض الموت میں ہبہ کیا ہے، یا ہبہ نہیں کیا بلکہ زبان سے نہ کہا محض دل میں نیت تھی کہ یہ اس کو دیدوں گا تو اس میں زید کے انتقال کے بعد شرعی طور پر میراث جاری ہوگی (۲)، جس کی تفصیل پورے ورثاء کے ظاہر کرنے سے معلوم ہوسکتی ہے، نیز لڑکے کا حصہ لڑکی سے دوہرا ہوگا (۳)، لڑکی نے جب اپنے حق سے زیادہ لیا ہے تو لڑکا اس زیادتی سے اپنا حق وصول کرسکتا ہے۔

نابالغ بچہ کو اگر باپ کوئی شی ہبہ کرے تو اس میں صرف عقد ہبہ کافی ہے، اس بچہ کا قبضہ تامہ ہبہ کے لئے ضروری نہیں ہوتا۔ بالغ کو اگر ہبہ کرے تو اس میں قبضہ ضروری ہوتا ہے (۴)۔ مرض الموت کی حالت میں

"وحکمه الإثم إن علم، ووجوب رد عينه في مكان غصبه إن كانت باقية، والضمان لو هلكت". (ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر: ۴/۹۲، كتاب الغصب، غفاريه كوئته)

(۱) "فإذا ظفر بمال مديونه، له الأخذ ديانةً، بل له الأخذ من خلاف الجنس ...... وعليه الفتوى اليوم على جواز الأخذ عند القدرة من أي مال كان، لا سيما في ديارنا لمداومتهم للعقوق". (الدر المختار مع رد المحتار: ۴/۹۵، كتاب السرقة، مطلب في أخذ الدائن من مال مديونه، سعيد)

(۲) "لاتجوز هبة المريض ولا صدقته إلا مقبوضةً، فإذا قبضت، جازت من الثلث، وإذا مات الواهب قبل التسليم، بطلت". (الفتاوى العالمكيرية: ۴/۴۰۰، كتاب الهبة، الباب العاشر في هبة المريض، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار: ۵/۷۰۵، كتاب الهبة، باب الرجوع في الهبة، سعيد)

(۳) قال الله تبارك وتعالى: ﴿وإن كانوا إخوةً رجالاً ونساءً فللذكر مثل حظ الأنثيين﴾ الآية (سورة النساء: ۱۷۶)

(۴) "يملك الصغير المال الذي وهبه إياه أو من يعني من يحفظه في حجره ويعوله، سواء كان المال في يده أو كان وديعةً عند غيره بمجرد الإيجاب، أي بمجرد قول الواهب: وهبت، ولايحتاج إلى القبض. أي أن هبة من له ولاية على الصغير كأبيه ووصيه. وكذا أيضاً إذا وهب شيئاً لابنه الكبير البالغ -

ہبہ کرنا وصیت کے حکم ہے، اور وارث کے حق میں وصیت نافذ نہیں ہوتی تاوقتیکہ دوسرے ورثہ اجازت نہ دیں(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۵/۳/۵۹ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مظاہر علوم۔

صحیح: عبد اللطیف، ناظم مدرسہ ہذا، ۵/ ربیع الاول/۵۹ھ۔

اولاد کو ہبہ میں کمی بیشی

سوال[۸۰۲۵]: احقر کے کل دس بچے ہیں، سات لڑکے اور تین لڑکیاں ہیں، جس میں دو لڑکے ابھی نابالغ ہیں اور تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ میری زوجہ بھی حیات ہیں۔ میرے چار لڑکے مجھ سے قطع تعلق کر کے اپنا اپنا الگ کاروبار کرتے ہیں، جس وقت یہ لڑکے مجھ سے الگ ہوئے ہیں، میں نے ان کو گذر اوقات اور کاروبار کے لئے ایک معقول رقم بھی دیدی تھی، لیکن ان میں سے بعض نے اپنی غلط کاری اور بے راہ روی کی وجہ سے وہ ساری رقم لہو ولعب میں صرف کر ڈالی، میں نے ان کو بارہا سمجھانے کی کوشش کی مگر یہ میری ایک بات بھی ماننے کے لئے تیار نہیں، غرضیکہ یہ چاروں لڑکے بالکل نالائق ہیں اور انہیں حقوق والدین کی کوئی پرواہ نہیں ہے۔

البتہ ایک لڑکا جو بالغ ہے اور دو نابالغ لڑکے میرے پاس رہتے ہیں اور حتی الوسع آداب حقوق

= العاقل، یلزم التسلیم له، وبدون القبض لاتتم الهبة". (شرح المجلة لسلیم رستم باز: ۱/۴۶۷، ۴۶۸، (رقم المادة: ۸۵۰، ۸۵۱)، کتاب الهبة، الباب الأول، مکتبه حنفیة کوئٹه)

"لأن هبة الصغیر منعقدة حالَ مباشرة الهبة، لقیام قبض الأب مقام قبضه". (الفتاویٰ العالمکیریة: ۴/۳۹۲، کتاب الهبة، الباب السادس فی الهبة للصغیر، رشیدیه)

(۱) "إذا وهب واحد فی مرض موته شیئاً لأحد ورثته، وبعد وفاته لم یُجِزْ سائر الورثة لاتصح تلک الهبة أصلاً؛ لأن الهبة فی مرض الموت وصیة، ولاوصیة للوارث. ولکن لو أجاز الورثة هبة المریض بعد موته، صحت". (شرح المجلة لسلیم رستم باز، ص: ۴۸۳، (رقم المادة: ۸۷۹)، کتاب الهبة، الفصل الثانی فی هبة المریض، مکتبه حنفیة کوئٹه)

ادا کرتے ہیں، ان تینوں کو میں نے اپنی تجارت میں قانوناً شریک بھی کرلیا ہے، ان میں جو بڑا ہے اس کے ذمہ تجارت کی ساری ذمہ داری ہے۔ میں بھی پیرانہ سالی کی وجہ سے اب کسی لائق نہیں ہوں، میری خواہش یہ ہے کہ میں اپنی زندگی میں ہی تمام بچوں کو اپنی جائیداد تقسیم کردوں تاکہ میرے بعد ان میں باہم اختلاف نہ ہو، لیکن میری خواہش یہ ہے کہ جس لڑکے نے میری خدمت کی ہے اور میرے ساتھ رہتا ہے اس کو نسبتاً اور لڑکوں کے زیادہ دوں۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا مجھ کو شرعاً یہ حق حاصل ہے کہ تقسیم جائیداد میں کمی بیشی کرسکوں؟ دوسری بات قابلِ عرض یہ ہے کہ میں نے جن تینوں لڑکوں کو تجارت میں شریک کیا ہے تو کیا وہ شرعاً اموالِ تجارت میں شریک ہیں یا نہیں، یا میں ہی اس کا مالک ہوں؟ تیسری بات یہ ہے کہ میں چاہتا ہوں کہ اپنی زندگی ہی میں سب کے حصص تقسیم کردوں اور بعض کو قبضہ دیدوں اور بعض کو قبضہ میری زندگی کے بعد حاصل ہوگا۔ تو یہ صورت شرعاً درست ہے یا نہیں؟ جن بچوں کو میں اپنی زندگی میں ان کا حصہ دینا نہیں چاہتا، اس کی وجہ یہ ہے کہ اس جائیداد کو برباد کردالیں گے اور میں اپنی آنکھوں بربادی دیکھنا پسند نہیں کرتا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث شریف میں اولاد میں مساوات کی ترغیب دی ہے کہ کسی کو کم اور کسی کو زیادہ دینے سے منع فرمایا ہے(۱)، تاہم یہ حکم وجوبی نہیں، اگر کسی کو اس کی ضرورت اور حاجت یا دینی مشغلہ یا دیگر فضائل کی وجہ سے زیادہ دیدے اور مقصود دوسروں کو نقصان پہونچانا نہ ہو تب بھی منع نہیں، بلکہ جائز ہے(۲)۔ اور نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا واقعہ احادیث میں مذکور ہے جس سے مساوات کا حکم

---

(۱) "عن حميد بن عبد الرحمن ومحمد بن النعمان بن بشير أنهما حدثاه عن النعمان بن بشير رضي الله تعالى عنه أن أباه - رضي الله تعالى عنهما - أتى به إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال: إني نحلت ابني هذا غلاماً، فقال: "أكل ولدك نحلت مثله"؟ قال: لا. قال "فارجعه". (صحيح البخاري: ۳۵۲/۱، كتاب الهبة، باب الهبة للولد، قديمي)

(۲) "ولو وهب شيئاً لأولاده في الصحة وأراد تفضيل البعض على البعض عن أبي حنيفة رحمه الله تعالى: لا بأس به إذا كان التفضيل لزيادة فضل في الدين، وإن كانوا سواء يكره. وروى المعلى عن أبي يوسف رحمه الله تعالى أنه لا بأس به إذا لم يقصد به الإضرار، وإن قصد به الإضرار سوى بينهم، وهو المختار. =

حکم قطعی نہیں ہے۔

مصالح کے پیش نظر کمی وزیادتی کی بھی گنجائش ہے، چنانچہ حضرت عمر فاروق، حضرت عبدالرحمن بن عوف، حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے مساوات کا لحاظ نہیں رکھا ہے، بلکہ کمی زیادتی کے ساتھ ادا کیا ہے۔ طحاوی: ۲/۲۹۵ (۱)، اور اوجز: ۵/۲۲۰ (۲) اور اعلاء السنن: ۱۶/۷۹ (۳) میں بھی یہ روایت

= الزائدة. وسابعها: وقع عند مسلم عن ابن سيرين ما يدل على أن المحفوظ في حديث النعمان: "قاربوا بين أولادكم" لا "سووا".

وثامنها: "التشبيه الواقع بالتسوية بينهم بالتسوية منهم في بر الوالدين قرينة تدل أن الأمر للندب". وتاسعها: "عمل الخليفتين: أبي بكر وعمر رضي الله تعالى عنهما بعد النبي صلى الله عليه وسلم على عدم التسوية قرينة ظاهرة في أن الأمر للندب. أما أبوبكر رضي الله تعالى عنه، فرواه الموطأ بإسناد صحيح عن عائشة رضي الله تعالى عنها، وأما عمر رضي الله تعالى عنه فذكره الطحاوي.

عاشرها: عشى أن الإجماع انعقد على جواز عطية الرجل ماله لغير ولده، فإذا جاز له أن يخرج جميع ولده من ماله، جاز له أن يخرج عن ذلك بعضهم". (أوجز المسالك شرح الموطأ للإمام مالك: ۵/۳۳۱، كتاب الهبة، باب ما لا يجوز من النحل، مكتبه يحيويه مظاهر العلوم سهارنپور)

(۱) قال الإمام الطحاوي: "وقد فضل بعض أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم ورضي عنهم بعض أولادهم على بعض في العطايا، فحدثنا يونس ...... عن عائشة رضي الله تعالى عنها زوج النبي صلى الله عليه وسلم أنها قالت: إن أبابكر الصديق نحلها جداد عشرين وسقاً من ماله بالغابة، فلما حضرته الوفاة، قال: والله يا بنية! ما من أحد من الناس أحب إلي غنى منك، ولا أعز الناس علي فقراً من بعدي منك، وإني كنت نحلتك جداد عشرين وسقاً، فلو كنت جددتيه واحرزتيه كان لك" الحديث.

وحدثنا يونس، عن صالح بن إبراهيم بن عبدالرحمن بن عوف أن عبدالرحمن نحل بنت أم كلثوم بنحل قسمه بين ولده" الحديث. (شرح معاني الآثار للطحاوي: ۲/۲۰۶، كتاب الهبة والصدقة، باب الرجل ينحل بعض بنيه دون بعض، سعيد)

(۲) (راجع أوجز المسالك، كتاب الهبة، باب ما لا يجوز من النحل، مكتبه مظاهر علوم)

(۳) "والصواب القاطع أن الإجماع قد انعقد على جواز إعطاء الرجل ماله بغير ولده، فإذا جاز له أن يخرج جميع ولده من ماله، جاز له أن يخرج عن ذلك بعضهم، ذكره ابن عبدالبر والحافظ –

موجود ہے، یہ جلیل القدر حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین حدیث کا مطلب زیادہ صحیح سمجھنے والے اور اس پر عمل کرنے والے تھے۔

اگر آپ نے قانونی مصالح یا دیگر مصالح کی بناء پر محض کاغذات میں ان کا نام درج کرایا ہے واقعۃً ان کو مالک بنا کر شریک نہیں کیا تو وہ مالک ہوئے نہ شریک، آپ تنہا مالک ہیں (۱)۔ اور اگر واقعۃً مالک بنا کر شریک کیا ہے تو وہ مالک ہوگئے۔

تقسیم کردینے کا آپ کو پورا حق ہے، لیکن جس کو قبضہ نہیں دیں گے اس کے حق میں ہبہ تام اور کامل نہیں ہوگا، اس پر ملک باقی رہے گی، بعد الوفات وہ آپ کا ترکہ ہوگا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۳/۸۸ھ۔

بیٹے کو زمین ہبہ کرکے واپس لینا

سوال [۸۰۲۶]: عمرو نے اپنی ملک اراضی میں سے اپنے بیٹے زید کو چند گواہوں کی موجودگی میں ایک قطعہ زمین کی معاوضہ کے ساتھ ہبہ کیا کہ میری حیات تک اس کی پیداوار جو تعالیٰ مجھے دیتے رہنا، زید نے اس کو منظور کرلیا، اس قطعہ کے کچھ حصہ میں زید نے اپنے تصرف سے کسی جنس کی تخم ریزی بھی کردی اور کچھ میں آئندہ

= أن حمل الأمر بالتسوية بين الأولاد على الوجوب خلاف القياس والإجماع على جواز إعطاء الرجل ماله غير ولده، فيحمل على الندب، أو يقتصر الأمر على مورده وهو تفضيل الرجل بعض أولاده بالهبة بطلب امرأة من سببه، لكونه مؤدياً إلى تفضيل بعض النساء على بعض، وهو منهي عنه، ولا يتعداه، لا سيما وقد ثبت عن أبي بكر وعمر وعبد الرحمن بن عوف وابن عمر رضي الله تعالى عنهم أنهم نحلوا بعض أولادهم دون بعض. وقال العيني: واختلف العلماء في هذا الباب وغيرهم ... اهـ.

وذهب الجمهور إلى أن التسوية مستحبة، فإن فضل بعضاً صح وكره، وحملوا الأمر في حديث النعمان على الندب، والنهي على التنزيه" (إعلاء السنن: ۱۹/۱۰۹، ۱۰۷، كتاب الهبة، باب استحباب التسوية بين الأولاد، إدارة القرآن كراچی)

(۱) "يملك الموهوب له الموهوب بالقبض، فالقبض شرط لثبوت الملك لا لصحة الهبة" (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۱/۴۶۲، رقم المادة: ۸۶۱، كتاب الهبة، الباب الثالث، حنفية كوئٹہ)

(وكذا في الدر المختار: ۵/۶۹۰، كتاب الهبة، سعيد)

تخم ریزی کے خیال سے ہل بھی چلوا دیا۔ ہبہ بھی کے اندر باپ نے اس قطعہ کو بٹائی پر ایک اجنبی شخص کو دیدیا، اور اب اسے کسی خریدار کو فروخت بھی کر دینا چاہتا ہے۔

زید جو کہ اس کا بیٹا ہے کہتا ہے کہ مذکورہ بالا صورت میں از روئے شرع میرے والد کو اس پر کسی قسم کا مالکانہ تصرف کا اختیار نہیں، کیونکہ وہ مجھے اس قطعہ کو ہبہ کر چکے ہیں، گو مروجہ قانونی کارروائی نہیں ہوئی، اس لئے اب میرے والد نہ اسے فروخت کر سکتے ہیں اور نہ کسی کو ہبہ کر سکتے ہیں۔ زید چونکہ قانوناً ابھی تک اس کا مالک ہے اور بوقت ہبہ اس نے اپنی بقید حیات تک کے لئے اس مابہ النزاع قطعہ اراضی کی پیداوار میں سے ایک مقررہ حصہ کی ادائیگی بھی موہوب سے طے کر لی تھی۔ کیا وہ از روئے شرع اس کا مالک نہیں رہا، کیا واہب کے حقوق ملکیت موہوب لہ کو منتقل ہو گئے؟ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

والد نے جب قطعۂ زمین اپنے بیٹے کو ہبہ کر دیا اور اپنی ملک وقبضہ سے خارج کر کے بیٹے کی ملک وقبضہ میں دیدیا تو یہ ہبہ تام ونافذ ہو گیا(۱)، جو شرط لگائی ہے وہ بھی صحیح نہیں، اور اس کی پابندی بیٹے پر لازم نہیں، اس شرط کی وجہ سے ہبہ فاسد نہیں ہوا، اور اب والد کو اس کے لینے کا حق نہیں(۲)، نہ کسی کو ہبہ کر سکتا ہے نہ فروخت کر سکتا ہے، یہ تو اصل مسئلہ ہے، لیکن اگر والد کو حاجت ہے اور وہ مجبوری کی وجہ سے واپس لیتا یا فروخت

---

(۱) "هي تمليك عين بلا عوض، وتصح بإيجاب وقبول، وتتم بالقبض الكامل". (ملتقى الأبحر: ۳/۴۸۹، كتاب الهبة، غفاريه كوئٹه)

"تنعقد الهبة بالإيجاب والقبول، وتتم بالقبض الكامل؛ لأنها من التبرعات، والتبرع لا يتم إلا بالقبض". (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۴۶۲، رقم المادة: ۸۳۷، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"وتتم الهبة بالقبض الكامل". (الدر المختار مع رد المحتار: ۵/۶۹۰، كتاب الهبة، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۶/۹۳، كتاب الهبة، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) "وحكمها أنها لا تبطل بالشروط الفاسدة، فهبة عبد على أن يعتقه تصح، ويبطل الشرط". (رد المحتار: ۵/۶۸۸، كتاب الهبة، سعيد)

"الهبة لا تبطل بالشروط الفاسدة". (البحر الرائق: ۷/۵۰۳، فصل: ومن وهب أمة، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع: ۶/۱۱۷، كتاب الهبة، دار الكتب العلمية بيروت)

کرنا چاہتا ہے تو بیٹے کی سعادت مندی کا تقاضہ یہ ہے کہ والد کی خدمت میں بخوشی پیش کردے اور ان کو کسی تصرف سے منع نہ کرے(۱)، والد کا حق احسان بیٹے پر بہت ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۱/۹/۹۰ھ۔

پوتے کو ہبہ کرکے پھر رجوع کرنا

سوال[۸۰۴۷]: زید کے بیٹے عمر کا انتقال ہوگیا، اس کے بعد زید نے اپنا حصہ جو بیٹے کے ترکہ سے اس کو ملنا چاہیے تھا اپنے پوتے پوتی یعنی عمرو مرحوم کے بیٹے بیٹی کے حق میں زبانی ہبہ کردیا اور اپنے عزیزوں کے سامنے اظہار بھی کردیا، چنانچہ زید کا حصہ اس کے ہبہ کرنے کی بناء پر عمرو کے بیٹے بیٹی کے درمیان تقسیم کردیا گیا اور ہر ایک کا حصہ اس کو دیدیا گیا جس کو تقریباً دس گیارہ ماہ کا عرصہ گذر چکا۔ اب زید مطالبہ کرتا ہے کہ میرا حق مجھ کو واپس کردو۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا زید کو اپنے پوتے اور پوتی کے حق میں اپنا حصہ ہبہ کردینے اور حصہ تقسیم ہوکر ان کے قبضہ میں پہونچ جانے کے بعد رجوع کرنے کا حق ہے یا نہیں؟ فقط۔

عرفان الحق، کانپور۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس صورت میں زید کو رجوع کرنے کا حق نہیں رہا، "فلو وھب لذی رحم محرم منه نسباً لا یرجع"۔ درمختار: ۴/۵۱۶(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

---

(۱) "قال علیه الصلوٰة والسلام: "أنت ومالك لأبيك". يعني أن أباك كان سبب وجودك، ووجودك سبب وجود مالك، فصار له بذلك حق، كان به أولى منك بنفسك، لما احتاج فيه أن يأخذ منه قدر الحاجة". (فيض القدير: ۵/۱۰۰۳، رقم الحديث: ۲۷۰۴، مكتبه نزار مصطفى الباز رياض)

(۲) (الدر المختار: ۵/۷۰۳، كتاب الهبة، باب الرجوع في الهبة، سعيد)

"عن ابن عباس رضي الله تعالى عنهما قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "ليس لنا مثل السوء الذي يعود في هبته كالكلب يرجع في قيئه". (صحيح البخاري: ۱/۳۵۷، كتاب الهبة، باب

مرحوم بیٹے کی بیوہ کو ہبہ

سوال[۸۰۴۸]: زید کے چار لڑکے ہیں: نور محمد، بھائی رمضان، فیض محمد اور دل محمد۔ نور محمد کا انتقال زید کی زندگی ہی میں ہوگیا، اس کے بعد زید نے اپنی پوری زمین اپنے تینوں لڑکوں اور نور محمد کی بیوہ عورت کے درمیان تقسیم کردی، پھر زید کا انتقال ہوگیا۔ اس کے تقریباً دس بارہ سال بعد اس کے تینوں لڑکے اس بات کے مدعی ہوئے کہ زید کی زمین میں بیوہ عورت کو کوئی حق نہیں پہونچتا، لہٰذا زید نے جو زمین بیوہ عورت کو دی ہے وہ ہم کو ملنا چاہئے، لہٰذا اس بیوہ کا حق زید کی دی ہوئی جائیداد میں پہونچتا ہے کہ نہیں؟ معاملہ کورٹ تک پہونچ چکا ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو زمین زید نے اپنے تینوں لڑکوں اور ایک مرحوم لڑکے کی بیوہ کو ہبہ کر کے تقسیم کردی ہے اور ہر ایک کا قبضہ جتا کر ان کا قبضہ کرادیا تو وہ سب کی حسب تقسیم ملک ہوگئی(۱)، اب وہ زید کا ترکہ نہیں ہے۔ بیوہ کو جو کچھ دیا گیا ہے اس سے واپس لینے کا حق نہیں(۲)۔ البتہ انتقالِ زید کے وقت جو ترکہ باقی رہا اس میں مرحوم لڑکے کی بیوہ کو

= الهبة للمشركين، قديمي)

"من وهب لأصوله وفروعه، أو لأخيه أو أخته أو لأولادهما، أو لعمه أو لعمته، أو لخاله أو لخالته شيئاً، فليس له الرجوع". (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۱/۴۷۶، (رقم المادة: ۸۹۲)، كتاب الهبة، الباب الثالث، مكتبه حنفية كوئته)

(وكذا في مجمع الأنهر ۳/۵۰۳، باب الرجوع، غفاريه كوئته)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۹۸/۶، باب الرجوع في الهبة، دار الكتب العلمية بيروت)

(۱) "يملك الموهوب له الموهوب بالقبض، فالقبض شرط لثبوت الملك لا لصحة الهبة". (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۱/۴۶۳، (رقم المادة: ۸۶۱)، كتاب الهبة، الباب الثالث، مكتبه حنفيه كوئته)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية ۴/۳۷۴، كتاب الهبة، الباب الأول، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۳/۴۹۱، كتاب الهبة، غفاريه كوئته)

(۲) قال الله تبارك وتعالى: ﴿ولا تأكلوا أموالكم بينكم بالباطل﴾ الآية. (سورة البقرة: ۱۸۸)

حیثیت میراث کچھ نہیں ملےگا (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۱/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۱/۸۸ھ۔

ہبہ اور وارث کے حق میں وصیت

سوال [۸۰۲۹]: ایک شخص نے حالتِ مرض میں اپنے تمام وارثوں کو جمع کر کے کل جائیداد برضامندی تمام ورثہ کچھ کم وبیش کیساتھ تقسیم کر کے وصیت نامہ لکھوا کر اپنا دوحصہ کا رجسٹری کر دیا، لیکن فعلاً قبضہ نہیں کیا، بلکہ تو قبضہ پایا گیا۔ اب وہ شخص اس مرض سے اچھا ہو کر کوئی تین چار ماہ تک رہا، کسی کو کچھ اعتراض نہیں، پھر مرض دیگر سے ان کا انتقال ہوا۔ بعد انتقال کوئی تین ماہ بعد بعض وارث نے اعتراض کیا کہ اس تقسیم پر میں راضی نہیں ہوں، کیونکہ مجھے اور زیادہ ملتا ہے، لیکن جن کو زیادہ دیا گیا ان کے ذمہ قرض بھی رکھا گیا۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ تقسیم شرعاً صحیح ہے یا نہیں اور یہ ہبہ میں داخل ہوگا یا وصیت میں، اگر وصیت میں ہو تو اجازت ورثہ بعد انتقال مورث مال میں معتبر ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

صورتِ مسئولہ میں ہبہ تام نہیں ہوا، کیونکہ ہبہ کے تام اور لازم ہونے کے لئے موہوب لہ کا قبضہ ضروری ہے اور یہاں قبضہ کی صراحۃً نفی ہے۔

"لاتجوز هبة المريض ولاصدقته إلا مقبوضةً، فإذا قبضت جازت من الثلث، وإذامات الواهب قبل التسليم، بطلت". فتاوی عالمگیری: ۳/ ۷۶،۱۰ (۲)۔

---

(۱) "ويستحق الإرث بإحدى خصال ثلاث: بالنسب وهو القرابة، والسبب وهو الزوجية، والولاء".

(الفتاوى العالمكيرية: ۶/ ۴۴۷، كتاب الفرائض، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار: ۶/ ۷۶۲، كتاب الفرائض، سعيد)

(۲) (الفتاوى العالمكيرية: ۴/ ۴۰۳، كتاب الهبة، الباب العاشر في هبة المريض، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار: ۵/ ۶۹۰، كتاب الهبة، سعيد)

(وكذا في البزازية على هامش الفتاوى العالمكيرية: ۶/ ۲۳۹، كتاب الهبة، رشيديه)

دوسرے یہ بظاہر بلا تقسیم ہے اور قبل تقسیم شی کا ہبہ کردینا بلا تقسیم کئے ہوئے ہبہ مشاع ہے جو کہ ناجائز ہے:

"ولو وهب داراً من رجلين، لايجوز في قول أبي حنيفة رحمه الله تعالى، وكذلك كل ما يقسم" اهـ. فتاوى قاضي خان: ۲/۲۹۹(۱)۔

البتہ اس کو وصیت قرار دیا جاسکتا ہے، مگر اس کا نفاذ بعد موت موصی ہوتا ہے، نیز وارث کے حق میں وصیت دیگر ورثہ کی اجازت پر موقوف رہتی ہے:

"ولا لوارثه إلا بإجازة ورثته، لقوله عليه الصلاة والسلام: "لا وصية لوارث، إلا أن يجيزها الورثة"، يعني عند وجود وارث آخر، كما يفيده آخر الحديث، وسنحققه، ويجيز كبار عقلاء" اهـ. درمختار: ۵/۶۵۷(۲)۔

پس اگر تمام ورثہ بالغ اور عاقل ہیں اور تمام نے اجازت دیدی ہے تو یہ وصیت نافذ ہوگی، اگر ان کی اجازت نہیں ہوئی، یا وہ نابالغ ہیں، وصیت نافذ نہیں ہوئی، بلکہ شرعی حصص کے موافق میراث تقسیم ہوگی اور قرضہ کی ادائیگی تقسیم ترکہ پر مقدم ہے:

"يبدأ من تركة الميت الخالية عن تعلق حق الغير بعينها كالرهن والعبد الجاني بتجهيزه من غير تقتير ولاتبذير، ثم ديونه التي لها مطالب من جهة العباد، ثم وصيته من ثلث مابقي، ثم

---

(۱) (الفتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية: ۳/۲۹۷، كتاب الهبة، فصل في هبة المشاع، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار: ۵/۶۹۲، كتاب الهبة، سعيد)

(وكذا في البزازية على هامش الفتاوى العالمكيرية: ۶/۲۳۹، كتاب الهبة، فصل مسائل الشيوع، رشيديه)

(۲) (الدر المختار: ۶/۶۵۵، ۶۵۶، كتاب الوصايا، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۶/۹۰، كتاب الوصايا، الباب الأول في تفسيرها وشرط جوازها، الخ، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق: ۹/۲۱۱، كتاب الوصايا، رشيديه كوئٹه)

یقسم الباقی بین ورثتہ"۔ تنویر: ۵/۶۶۶(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۳/۱۱/۵۵ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد۔ صحیح: بندہ عبداللطیف۔

ہونے والے ورثاء کو بیع یا ہبہ کرنا

سوال[۱۰۵۰۸]: زید بکر ہر دو حقیقی بھائی ہیں، ان کو ترکہ پدری سے کچھ اراضی ملی تھی جس میں دو مکان تعمیر شدہ تھے اور ساڑھے تین سو گز زمین خالی افتادہ تھی۔ بکر نے تعمیر شدہ مکان زید کو ہبہ قیمۃً دیدیا اور افتادہ زمین جو بکر کے حصہ میں آئی تھی اس میں مسکونہ مکان بنالیا، چونکہ زید کے اولاد نہیں تھی صرف دو لڑکیاں تھیں، زید نے بکر سے کہا کہ بھائی میرے پاس تو گذارہ کے موافق دو مکان ہیں، یہ افتادہ زمین جو میرے حصہ میں ہے اس میں بھی تم مکان بنالو، مجھے کیا کرنی ہے، گویا زید نے بکر کو احساناً اپنا حصہ بطور ہبہ کے دیدیا تھا۔

بعد میں زید کے بھی دو لڑکے پیدا ہوگئے، لہٰذا زید کو زمین کی ضرورت ہوئی، اپنا حصہ واپس کرنے کا ارادہ کیا، مگر اس حدیث کے موافق کہ "ہبہ کرکے لینا ایسا ہے جیسے کتا قے کرکے چاٹ لے" زید خاموش ہوگیا، مگر اس وقت زید کے دونوں لڑکے چونکہ فوت ہوچکے تھے، صرف دو لڑکیاں باقی ہیں، زید چاہتا ہے کہ اپنے دونوں مکان لڑکیوں کے نام بیع کردے تاکہ میرے مرنے کے بعد بکر یا بکر کے لڑکے میرے مذکورہ مکانات سے حصہ نہ لے سکیں۔ پہلے جو زمین بکر کو احساناً دیدی ہے، اسی طرح اپنی حیات میں لڑکیوں کو بھی حصہ دار مکان بیع کردوں۔

نیز اس وقت زید اور بکر میں باہمی رنجش بھی اس قدر ہے کہ کلام تک بند بلکہ ملنا جلنا بھی ترک ہے، بکر زید سے سخت مخالفت اور دشمنی رکھتا ہے، اس لئے بکر سے زید کا دل بھی پھٹ گیا۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ زید مذکورہ صورت میں مسکونہ مکان شرعاً لڑکیوں کے نام کرسکتا ہے یا نہیں؟ ایسا کرنے سے زید کے ذمہ عند اللہ آخرت میں مواخذہ ہوگا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

---

(۱) (تنویر الأبصار مع الدر المختار: ۶/۷۵۹، کتاب الفرائض، سعید)

(وكذا في البحر الرائق: ۹/۳۹۵، كتاب الفرائض، رشيديه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر زید کا مقصود اس بیع سے بکر کو نقصان پہنچانا ہے ذاتی مخالفت کی بناء پر تو زید کو ایسا نہیں کرنا چاہئے، یہ فعل اس کے لئے مکروہ ہے، اور اگر مقصود یہ ہے کہ لڑکیاں زیادہ ضرورت مند ہیں، یا زیادہ وہ خدمت گذار ہیں اور بکر کے متعلق اندیشہ ہے کہ وہ اپنے حصہ کو معصیت میں صرف کردیگا، یا اور کوئی مصلحت ہے یعنی بکر کو نقصان پہنچانا نہیں، بلکہ کسی اور مصلحت کی بناء پر ایسا کرتا ہے تو کچھ مضائقہ نہیں (۱)، تاہم اگر بیع کردیا خواہ اسی نیت سے کی تو بکر کو اس میں مداخلت کا حق نہیں رہے گا (۲)۔

اسی طرح اپنی صحت اور تندرستی کی حالت میں لڑکیوں کے نام ہبہ کرنا چاہے تو اس کا حکم بھی یہی ہے، ہبہ کے لئے ضروری ہے کہ اپنا قبضہ اٹھا کر باقاعدہ موہوب لہ کا قبضہ کرادے (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۰/ ربیع الاول/ ۵۹ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ ہذا۔

عبد اللطیف، ناظم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۰/ ربیع الاول/ ۵۹ھ۔

---

(۱) "ولو وهب رجل شيئاً لأولاده في الصحة وأراد تفضيل البعض على البعض، عن أبي حنيفة رضي الله تعالى عنه أنه لا بأس به إذا كان التفضيل لزيادة فضل له في الدين، وعن أبي يوسف رحمه الله تعالى أنه لا بأس به إذا لم يقصد به الإضرار، وإن قصد به الإضرار، سوّى بينهم. وإن كان في ولده فاسق، لا ينبغي أن يعطيه أكثر من قوته كيلا يصير معيناً له في المعصية". (الفتاوى العالمكيرية: ۳۹۱/۴، كتاب الهبة، الباب السادس في الهبة للصغير، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق: ۴۹۰/۷، كتاب الهبة، رشيديه)

(وكذا في فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية: ۲۷۹/۳، كتاب الهبة، فصل في هبة الوالد لولده، رشيديه)

(۲) "ولكل واحد منهم أن يتصرف في حصته كيف ماشاء" (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۶۳۲/۱، كتاب الشركة، الفصل الثامن في أحكام القسمة، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(۳) "تنعقد الهبة بالإيجاب والقبول، وتتم بالقبض الكامل؛ لأنها من التبرعات، والتبرعات لا تتم إلا بالقبض". (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۴۶۲/۱، رقم المادة: ۸۳۷، مكتبه حنفيه كوئٹه)

متبنّیٰ کو ہبہ یا وراثت

سوال [۸۰۰۵]: (نوٹ) پہلے ایمن گروسوال اور جناب کا جواب درج ذیل ہے:

زید کے کوئی اولاد نہیں وہ اپنے ایک حقیقی بھائی کے لڑکے عمرو کو متبنّیٰ قرار دینا ہے، اس کی خواہش ہوتی ہے کہ عمرو کو زمین جائیداد کا وارث قرار دے، زید کے دوسرے بھتیجے بھی موجود ہیں، زید اس خیال سے کہ اس کی موت کے بعد شرعی حقوق پر دوسرے بھتیجے بھی وارث ہو جائیں گے عمرو کے نام ہبہ کرا رہا ہے، اس کے نتیجہ کے طور پر زید کے انتقال پر اس کے ہبہ شدہ جائیداد سے اس کے دوسرے بھتیجوں کو کوئی حصہ نہیں مل سکا۔ بعض کا خیال ہے کہ اسلامی قانون کے تحت زید کو ایسا عمل کرنے کی گنجائش موجود ہے۔

بعض کہتے ہیں کہ زید نے اس عمل سے اس کے دوسرے بھتیجوں کی حق تلفی ہوتی ہے، اور شرعی حیثیت سے زید کے ہبہ کا عمل ناجائز ہے۔

(آپ کا جواب)

''اگر زید نے اپنی زندگی اور صحت کی حالت میں زمین جائیداد اپنے بھائی کے لڑکے عمرو کو ہبہ کر دی، اور اپنا قبضہ ختم کر کے اس کا قبضہ مکمل کرا دیا تو عمرو اس کا مالک ہو گیا، انتقالِ زید کے بعد دوسرے بھتیجوں کو بطورِ وراثت لینے کا حق نہیں رہا، جو چیز زید کی زندگی میں زید کی ملک سے خارج ہو گئی اس میں زید کی وراثت جاری نہیں ہوتی، اگر زید دوسرے بھتیجوں کو نقصان پہونچانے اور بلا وجہ شرعی وارث کو محروم کرنے کی نیت سے ایسا کرے تو وہ گنہگار ہوگا''(۱)۔

(دستخط محمود غفی عنہ)

(وكذا في الدر المختار: ٥/٦٩٠، كتاب الهبة، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ٤/٣٧٤، كتاب الهبة، الباب الأول، رشيديه)

(١) "عن أنس رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "من قطع ميراث وارثه، قطع الله ميراثه من الجنة يوم القيامة". (مشكوة المصابيح، ص: ٢٦٦، كتاب الوصايا، قديمي)

"عن أنس بن مالك رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "من قطع =

اس مسئلہ میں مزید عرض ہے کہ اگر ہبہ کے سلسلے میں خود عمر کی ذاتی خواہش موجود تھی، تو کیا عمر بھی گناہ کا مرتکب ہوا؟ نیز کیا عمر کا اس ہبہ شدہ جائیداد کو لینا شرعی نقطۂ نظر سے جائز ہے اور اگر ناجائز ہے تو عمر کو کیا کرنا چاہیے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

عمر پر اس مسئلہ میں کوئی گرفت نہیں (۱) جبکہ انہوں نے کوئی ناجائز کوشش نہیں کی، اس کو اس ہبہ شدہ جائیداد سے استفادہ وانتفاع درست ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/۵/۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/۵/۸۷ھ۔

انتقال سے پہلے کسی وارث کو کچھ دینا میراث نہیں، ہبہ ہے

سوال [۱۰۰۵۲]: حاجی محمد حسن نے انتقال کیا، ورثہ میں بیوی مسماۃ آسیہ اور دو لڑکے: محمد اور شاہد اور دو لڑکیاں: کریمہ، ذاکرہ چھوڑی۔ پس ترکۂ مورث کس طرح تقسیم ہوگا؟ واضح ہو کہ مسماۃ کریمہ اپنے باپ سے پانچ سو روپے لے کر دست بردار ہوگئی کہ مورث کے انتقال کے بعد جو مسماۃ مذکورہ کا حصہ شرعی ہوگا، رقم مذکورہ کے بدلہ میں باز آئی۔ پس مورث کی زندگی میں مسماۃ مذکورہ کی دست برداری صحیح ہے یا نہیں؟ اگر

= میراث وارثه، قطع الله میراثه من الجنة یوم القیامة". (سنن ابن ماجة، ص: ۱۹۴، باب الحیف فی الوصیة، قدیمی)

(وکذا فی فتاوی قاضی خان علی الفتاوی العالمکیریة: ۳/۲۷۹، فصل فی هبة الوالد لولده، رشیدیه)

(۱) "إذا اجتمع المباشر والمتسبب، أضیف الحکم إلی المباشر". (شرح الأشباه والنظائر: ۱/۴۰۲، الفن الأول، القاعدة التاسعة عشر، إدارة القرآن، کراچی)

(۲) "یملک الموهوب له الموهوب بالقبض". (شرح المجلة لسلیم رستم باز: ۱/۴۷۳، رقم المادة: ۸۶۱، مکتبه حنفیه کوئٹه)

"کل یتصرف فی ملکه کیف شاء؛ لأن کون الشیء ملکاً لرجل یقتضی أن یکون مطلقاً فی التصرف فیه کیفما شاء". (شرح المجلة لخالد الأتاسی: ۴/۱۳۲، رقم المادة: ۱۱۹۲، مکتبه حقانیه پشاور)

دست برداری صحیح نہیں ہے تو رقم مذکورہ واپس کرنی ہوگی یا نہیں؟ مسماۃ مذکورہ اب اپنا حصہ شرعیہ باپ کی میراث لینا چاہتی ہے۔

نیز گزارش یہ ہے کہ موصی مذکور کی زندگی میں اس کے دو لڑکے مسمی ابراہیم و عبدالغفور کا انتقال ہوا، ابراہیم کے چار لڑکے ہیں: ادریس، شعیب، فضیل، عبدالحمید جن کے نام بزمانہ صحت میں ایک مکان جائیداد کی وصیت کی۔ پس ان تمام پوتوں کے لئے وصیت درست ہے یا نہیں؟ بعدہ مرض الموت میں اپنے ربیب یعنی بیوی کے لڑکے زید کو ایک مکان کی وصیت کی، بعدہ عبدالغفور کا لڑکا جو صرف سمیع اللہ ہے اس کے لئے ایک مکان کی وصیت کی۔ پس ان پوتے وغیرہ کی وصیت درست ہے یا نہیں؟ اگر درست ہے تو کس طرح تقسیم ہوگی؟ جواب مع حوالہ کتب کے عنایت ہو۔ فقط۔

مستفتی: محمد یٰسین، مدرس مدرسہ احیاء العلوم مبارک پور ضلع اعظم گڑھ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ولی محمد حسن،

مسئلہ ۸، تصحیح ۴۸

بنت	بنت	ابن	ابن	زوجہ
ذاکرہ	کریمہ	نثار احمد	محمد	وہبیہ
۷	۷	۱۴	۱۴	۶

باپ اپنی زندگی میں کل مال کا مالک تھا، پانچ سو روپے کی رقم اگر اپنی صحت وتندرستی میں لڑکی (کریمہ) کو دی ہے تو یہ اپنی ملک میں تصرف ہے جو کہ شرعاً جائز ہے اور نافذ ہے (۱) اور کریمہ اس رقم کی مالک ہوگئی اور اس عقد کو عقد ہبہ کہا جاتا ہے (۲)۔ اس کے ساتھ یہ بات کہ یہ رقم عوض میراث ہے، بے سود ہے، اس سے نہ عقد ہبہ

(۱) "کل یتصرف فی ملکہ کیف شاء". (شرح المجلۃ لسلیم رستم باز: ۱/۶۵۴، رقم المادۃ: ۱۱۹۲)، مکتبہ حنفیہ کوئٹہ)

(۲) "الہبۃ تملیک مال لآخر بلا عوض: أی بلا شرط عوض". (شرح المجلۃ لسلیم رستم باز: ۱/۴۶۲، رقم المادۃ: ۸۳۳)، مکتبہ حنفیہ کوئٹہ)

میں فرق آتا ہے، نہ یہ رقم عوضِ میراث بنتی ہے۔ عوضِ میراث نہ بننے کی وجہ یہ ہے کہ میراث تقسیم ہوتی ہے وفاتِ مورث کے بعد اور اسی وقت اس پر وراثت ثابت ہوتی ہے(۱) اور قبل از وقت میراث تقسیم نہیں ہوتی، نہ اس پر ملکِ وراثت ثابت ہوتی ہے، لہذا جس شئی کی فی الحال کوئی مالک و مستحق ہی نہیں تو اس کا عوض لے سکتی ہے، نہ اس سے دست بردار ہو سکتی ہے، اور اس قسم کی شرط سے ہبہ فاسد نہیں ہوتا بلکہ وہ شرط خود باطل ہو جاتی ہے۔

رقم مذکورہ کی واپسی بھی واجب نہیں، اگر واہب زندہ ہوتا تو باپ ہونے کی وجہ سے اس کو بھی رجوع کا حق نہیں تھا، پھر ورثہ کو تو انتقالِ واہب کے بعد کسی طرح بھی رجوع کا حق حاصل نہیں۔

"قال أصحابنا جميعاً: إذا وهب هبة وشرط فيها شرطاً فاسداً، فالهبة جائزة والشرط باطل، كمن وهب لرجل أمة فاشترط عليه أن يبيعها أو شرط أن يتخذها أم ولد، أو أن يبيعها من فلان، أو يردها عليه بعد شهر، فالهبة جائزة، وهذه الشروط كلها باطلة، كذا في السراج الوهاج"(۲)۔

"ولو وهب رجل أمة على أن يردها عليه، أو على أن يعتقها أو على أن يستولدها، أو وهب له داراً، أو تصدق عليه بدار على أن يرد عليه شيئاً منها أو يعوضه شيئاً منها، فالهبة جائزة، والشرط باطل، كذا في الكافي" اھ" عالمگیری: ۴/۳۹۶(۳)۔

اگر کوئی وارث کہہ دے کہ میں نے اپنا حق چھوڑ دیا تو اس کہنے سے اس کا حق باطل نہیں ہوتا بلکہ باقی رہتا ہے:

= (وكذا في الدر المختار مع رد المحتار: ۵/۶۸۷، كتاب الهبة، سعيد)

(۱) "والمراد من التركة ما تركه الميت خالياً عن تعلق حق الغير بعينه" (الشريفية شرح السراجي، ص: ۳، كتاب الفرائض)

"والمراد من التركة ما تركه الميت". (تبيين الحقائق: ۷/۴۳۱، كتاب الفرائض، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۶/۴۴۷، كتاب الفرائض، الباب الأول، رشيديه)

(۲) (الفتاوى العالمكيرية: ۴/۳۹۶، الباب الثامن في حكم الشرط والهبة، رشيديه)

"وحكمها أنها لا تبطل بالشروط الفاسدة، فهبة عبد على أن يعتقه تصح، ويبطل الشرط".

(رد المحتار: ۵/۶۸۸، كتاب الهبة، سعيد)

(۳) (الفتاوى العالمكيرية: ۴/۳۸۵، الباب الخامس في الرجوع في الهبة، رشيديه)

"وبرق بين الورثة: تركت حقي، لم يبطل حقه، إذ الملك لا يبطل بالترك". (الأشباه، ص: ۲۳۹) (۱)۔

صورت مسئولہ میں پوتے ورثاء نہیں (۲)، ربیب بھی وارث نہیں (۳)، لہٰذا ان سب کے حق میں وصیت درست ہے۔ اگر ورثاء بالغ ہیں، وصیت کی اجازت دیتے ہیں تو وصیت میت کے موافق اس کو نافذ کر دیا جائے یعنی جس قدر جس کے لئے وصیت کی ہے اس کو دے دیا جائے۔ اگر ورثاء بالغ نہیں یا کل وصیت کی اجازت نہیں دیتے تو ایک ثلث میں نافذ ہوگی (۴)، اس طرح پر کہ جس قدر وصیت کی ہے اس کی نسبت ثلث کے ساتھ قائم کر کے اتنی مقدار دی جائے:

"الوصايا إذا اجتمعت، فالثلث لا يخلو: إما أن يسع كل الوصايا أو لا يسع الكل، فإن كان يسع الكل، تنفذ الوصية من الثلث في الكل، إلخ". عالمگیری: ۶/۱۰۲ (۵)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۱/۸/۶۲ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف۔

---

(۱) (الأشباه والنظائر: ۳/۵۲، الفن الثالث، ما يقبل الإسقاط من الحقوق وما لا يقبل، إدارة القرآن كراچی)

(۲) "أولاهم بالميراث جزء الميت: أي البنون ثم بنوهم". (السراجي، ص: ۱۳، باب العصبات، سعيد)

"فإن اجتمع أولاد الصلب وأولاد الابن، فإن كان في أولاد الصلب ذكر، فلا شيء لأولاد الابن ذكوراً أو إناثاً". (المبسوط للسرخسي: ۲۹/۱۴۱، كتاب الفرائض، مكتبه حبيبيه كوئٹه)

(۳) "ويستحق الإرث برحم ونكاح وولاء". (الاختيار لتعليل المختار: ۵/۹۰، كتاب الفرائض، سعيد)

"ويستحق الإرث بإحدى خصال ثلاث: بالنسب وهو القرابة، والسبب وهو الزوجية، والولاء". (الفتاوى العالمكيرية: ۶/۴۴۷، كتاب الفرائض، الباب الأول، رشيديه)

(وكذا في السراجي، ص: ۱۸، ۱۹، باب العصبات، سعيد)

(۴) "ثم تنفذ وصاياه من ثلث ما يبقى بعد الكفن والدين إلا أن يجيز الورثة أكثر من الثلث". (الفتاوى العالمكيرية: ۶/۴۴۷، كتاب الفرائض، الباب الأول، رشيديه)

(وكذا في الهداية: ۴/۶۵۱، باب في صفة الوصية ما يجوز من ذلك، مكتبه شركت علميه ملتان)

(۵) (الفتاوى العالمكيرية: ۶/۱۰۳، فصل: الوصايا إذا اجتمعت فالثلث لا يخلو، رشيديه)

غیر مسلم کا صدقہ یا ہبہ

سوال[۸۰۵۳]: ایک کافر برہمن نے کوئی گائے یا بکری خدا واسطے دی تو اس کا کھانا جائز ہے یا نہیں؟ اور مذکورہ چیزوں کے علاوہ اور اشیاء کھانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

جو چیز ثواب سمجھ کر خدا واسطے دے اور وہ مسلمان کے مذہب میں حلال ہو اس کا لینا اور کھانا درست ہے(۱)۔ اگر کوئی غرض ہو، مثلاً: یہ کہ وہ احسان جتلائے گا، عار دلائے گا، دباؤ ڈالے گا تو نہ لے، جو کچھ وہ بتوں کی نذر اور نیاز سے دے اس کو بھی نہ لے(۲)۔ اگر مسلمان مالدار ہے تو پھر صدقہ اور خیرات کی چیز نہ لے۔ جو کچھ تہوار کی تعظیم میں دے اس کو بھی نہ لے(۳)۔ جس چیز کے لینے سے تعلق قلبی کا اظہار ہو اس کو بھی نہ لے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۸/۶/۵۹ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۲۰/ جمادی الثانیہ/ ۵۹ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، ۲۳/ جمادی الثانیہ/ ۵۹ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) "ولا بأس بطعام اليهود والنصارى من الذبائح وغيرها...... ولا بأس بطعام المجوسي كله إلا الذبيحة فإن ذبيحتهم حرام". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الهبة، الباب الرابع عشر في أهل الذمة الخ: ۵/۳۴۷، رشيدية)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿حرمت عليكم الميتة والدم ولحم الخنزير وما أهل لغير الله به﴾ الخ (سورة المائدة: ۳)

(۳) "ولو أهدى لمسلم ولم يرد تعظيم اليوم بل جرى على عادة الناس، لا يكفر، وينبغي أن يفعله قبله أو بعده نفياً للشبهة". (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الخنثى، مسائل شتى: ۶/۷۵۴، سعيد)

یہ کہ ضامن صاحب قسم یا حلف لینے سے ڈرتے ہیں، غرض اس پر راضی نہیں ہیں اور نہ یہ کہنے کی ہمت رکھتے ہیں کہ ہم از سر نو بات کر کے جھوٹ الزام لگاتے ہو بلکہ "یا غضب ہے" کہہ کے پردہ میں روپوش ہو جاتے ہیں، اللہ علیم وبصیر ہے۔

حقوق العباد کا زکوۃ اور قربانی وغیرہ پر مقدم ہونا

سوال [۱۰۵۶]: ۲... کیا حقی ضمانت کا جو شرع اسلامی کے عین مطابق ہو پورا کرنا زکوۃ، خیرات، حج، قربانی پر مقدم ہے؟

ضامن کو حلفیہ وعدہ کا پورا کرنا

سوال [۱۰۵۷]: ۳... کیا ضامن کو اس حلفی وعدہ کا پورا کرنا لازم ہے؟

کیا حلفیہ وعدہ کا پورا نہ کرنا قرآن کریم کی توہین ہے؟

سوال [۱۰۵۸]: ۴... کیا ضامن نے حلفی وعدے سے انکار کر کے قرآن شریف کی توہین نہیں کی ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱... قسم مدعی پر نہیں آتی بلکہ منکر پر آتی ہے، لہذا جو صاحب ضمانت کا دعویٰ کرتے ہیں ان کے ذمہ قسم نہیں، ان کا قسم کھانا بے معنی اور فضول ہے(۱)۔ جس پر ضمانت کا دعویٰ کیا جاتا ہے اگر وہ ضمانت کے منکر ہیں تو قسم

---

(۱) "عن عمرو بن شعیب عن أبيه عن جده رضي الله تعالیٰ عنه عن النبي صلی الله تعالیٰ علیه وسلم قال: "البینة علی المدعي، والیمین علی المدعیٰ علیه". (مشکوۃ المصابیح، ص: ۳۲۶، کتاب الإمارۃ، باب الأقضیة والشهادات، الفصل الثاني، قدیمي)

"عن عمرو بن شعیب عن أبيه عن جده رضي الله تعالیٰ عنه أن النبي صلی الله تعالیٰ علیه وسلم قال في خطبته: "البینة علی المدعي، والیمین علی المدعیٰ علیه". (جامع الترمذي: ۱/۲۴۹، أبواب الأحکام، باب ما جاء في أن البینة علی المدعي والیمین علی المدعیٰ علیه، سعید)

(وکذا في شرح المجلة لسلیم رستم باز، ص: ۱۰۵، (رقم المادۃ: ۷۶)، مکتبه حنفیه کوئٹه)

کہا کہ ہم نے کہیں سے ضمانت نہیں کی ان کا قول معتبر ہوگا۔ اگر ان کو ضمانت کرنا یاد نہیں تو وہ یہی قسم کھائیں کہ مجھ کو ضمانت کرنا یاد نہیں تو بھی ان کی قسم معتبر ہوگی۔ "یاد نہیں" کوئی پردہ نہیں، آدمی بھول بھی سکتا ہے، ایسی حالت میں یہ قسم لی جائے کہ "مجھے ضمانت کرنا یاد نہیں" یہ قسم نہ لی جائے کہ "میں نے ضمانت نہیں کی"۔ یاد رکھتے ہوئے جھوٹی قسم کھانا سخت وبال کا موجب اور کبیرہ گناہ ہے(۱)۔

۲.. زکوۃ، خیرات، حج، قربانی کی ادائیگی پر حقوق العباد مقدم ہیں(۲)۔

۳.. ہر وعدہ جو شرع کے موافق ہو، اس کا پورا کرنا حسب استطاعت لازم ہے، جس کو وعدہ دیا ہو وہ کیا پورا کرے گا(۳)۔

---

(۱) "(وهي): أي اليمين بالله تعالى غموس تغمسه في الإثم، ثم النار، وهي كبيرة مطلقاً، لكن إثم الكبائر متفاوت، إن حلف على كذب عمداً". (الدر المختار: ۳/۷۰۵، كتاب الأيمان، سعيد)

"وهي ثلاث: غموس: حلفه على ماض أو حال كذبا عمداً، وحكمها الإثم ولا كفارة فيها إلا التوبة". (ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر: ۲/۲۷۰، كتاب الأيمان، غفاريه كوئته)

(وكذا في الدر المنتقى على هامش مجمع الأنهر: ۲/۲۷۰، كتاب الأيمان، غفاريه كوئته)

(۲) "إذا اجتمع الحقان قدم حق العبد -لاحتياجه- على حق الله تعالى لغناه بإذنه اهـ". (الأشباه والنظائر، ص: ۳۸۱، الفن الثالث، القول في ... من أبواب متفرقة، قديمي)

"إذا اجتمع الحقان، قدم حق العبد". (قواعد الفقه، ص: ۵۵، الصدف پبلشرز)

"(قوله: لتقدم حق العبد): أي على حق الشرع، ألا ترى أنه إذا اجتمعت الحدود فيها حق العبد، يبدأ بحق العبد". (رد المحتار: ۲/۴۶۲، كتاب الحج، سعيد)

(۳) "الخلف في الوعد حرام". (الأشباه والنظائر، ص: ۲۸۱، الفن الثاني، كتاب الحظر والإباحة، قديمي)

"قال النووي: أجمعوا على أن من وعد إنساناً شيئاً ليس بمنهي عنه، فينبغي أن يفي بوعده". (مرقاة المفاتيح: ۸/۶۹۳، آخر باب المزاح، رشيديه)

"ولأن الوفاء بالوعد مأمور به في جميع الأديان، وحث عليه الرسل المتقدمون والسلف الصالحون، وأثنى الله تعالى على خليله في التنزيل بقوله: ﴿وإبراهيم الذي وفّى﴾". (فيض القدير: ۲/۸۹۱، (رقم الحديث: ۸۹۳)، مكتبة نزار مصطفى الباز رياض)

۳... قرآن کریم کو ہاتھ میں لے کر اور اس کی قسم کھا کر وعدہ کرنا، پھر یاد رہتے کے باوجود وعدہ کا عمداً انکار کر دینا یقیناً بڑا جرم اور قرآن پاک کے احترام کے خلاف ہے جو کہ موجب توہین ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۸/۲/۹۵ھ۔

مؤذن سے روپیہ ضائع ہو گیا ضمان کس پر ہے؟

سوال[۸۰۵۹]: ہمارے گاؤں میں افریقہ سے ایک آدمی آیا تو مسجد اور مدرسے کے اراکین نے جلسہ کیا اور اس کی مہمان نوازی کے لئے پھولوں کا ہار اور دوسری چیزیں لانے کے لئے متولی نے مدرسے کے مؤذن صاحب کو سو روپے دیئے اور روپے مؤذن سے گم ہو گئے۔ اب وہ روپے کس کے ذمہ ہیں، مؤذن صاحب دیں یا متولی صاحب؟

واضح رہے کہ مؤذن صاحب ہی بینک سے روپے لانے اور لے جانے کا کام کرتے ہیں اور یہ کام دیانت داری کے ساتھ کرتے ہیں اور یہ بات یقینی ہے کہ روپے گم ہو گئے، خیانت نہیں ہوئی، گاؤں میں اعلان بھی کرایا گیا مگر نہیں ملے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر پوری حفاظت کے باوجود مؤذن سے روپے گم ہو گئے تو مؤذن پر ضمان لازم نہیں، بلکہ جن کے

---

(۱) "الخلف في الوعد حرام" (الأشباه والنظائر، ص: ۲۸۱، الفن الثاني، كتاب الحظر والإباحة، قديمي)

"قال النووي: أجمعوا على أن من وعد إنساناً شيئاً ليس بمنهي عنه، فينبغي أن يفي بوعده" (مرقاة المفاتيح، ۸/۶۱۲، آخر باب المزاح، رشيدية)

"ولأن الوفاء بالوعد مأمور به في جميع الأديان، وحافظ عليه رسل المتقدمين والسلف الصالحون، وأثنى الله تعالى على خليله في التنزيل بقوله: ﴿وإبراهيم الذي وفّى﴾. (فيض القدير: ۲/۸۹۱، (رقم الحديث: ۸۹۳)، مكتبه نزار مصطفى الباز رياض)

داپ تقسان سے گئے(۱)۔ البتہ مسجد یا مدرسہ کے روپیہ کو پھولوں کے ہار میں خرچ کرنا جائز نہیں، ایسا کرنے سے ضمان لازم ہے، یعنی جتنا روپیہ بے محل خرچ کرنے کے واسطے دیا گیا تھا، اس کا ضمان داعین دیں اور وہ مدرسہ یا مسجد میں جس کا روپیہ تھا داخل کردیں(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۱/۹/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/۹/۹۰ھ۔

مہتمم پر ضمان

سوال[۸۰۶۰]: ایک صاحب بہت نیک اور باحیثیت مگر آنکھوں سے معذور عرصہ سے ایک عربی مدرسہ کے مہتمم اور مدرسہ کا جو کچھ چندہ وغیرہ کا روپیہ ہوتا تھا وہ بھی انہیں کے پاس رہتا تھا اور یہی آمد و خرچ کا

---

(۱) "إذا وكله بشراء شيء و دفع الثمن إليه، فهلك في يده، قال في البزازية: وفي جامع الفصولين: دفع إليه ألفاً يشتري به فاشترى، وقبل أن يسلمه للبائع، هلك، فمن مال الآمر". (البحر الرائق: ٢٦٣/٧، باب الوكالة بالبيع والشراء، رشيدية)

"إذا دفع إلى قصاب ألف درهم فأمره أن يشتري بها جارية، فاشترى، ثم هلك الثمن قبل أن ينقد للبائع، هلك من مال الآمر". (خلاصة الفتاوى: ٢٥٨/٤، الفصل الخامس في الوكالة بالشراء، رشيدية)

"دفع إلى رجل ألف درهم وأمره أن يشتري له بها عبداً بألف درهم، وجاء به إلى منزله ليدفع الدراهم إلى البائع، فإذا الدراهم قد سرقت وهلك العبد، فجاء البائع يطلب منه الدراهم وجاء الموكل يطلب منه العبد، كيف يفعل؟ قالوا: يأخذ الوكيل من الموكل ألف درهم ويدفعها إلى البائع، والعبد والدراهم إن هلكا هلكا على الأمانة في يده". (شرح المجلة لسليم رستم باز، رقم المادة: ١٤٦٣، ص: ٨٠٥، مكتبه حنفيه كوئته)

(٢) "لا بأس بنقشه خلا محرابه، فإنه يكره ... بجص وماء ذهب لو بماله الحلال، لا من مال الوقف، فإنه حرام، وضمن متوليه لو فعل". (رد المحتار: ٦٥٨/١، مطلب في أحكام المساجد، سعيد)

"يضمن القيم ما أنفق فيه من مال المسجد". (البحر الرائق: ٤٢٠/٥، فصل في أحكام المساجد، رشيدية)

مدرس کی تنخواہ سے ضمان کی صورت

سوال [۸۰۶۰]: کسی دینی مدرسہ کے مدرس سے کوئی مالی نقصان ہو جائے جس میں اس کے قصد کو دخل نہ ہو تو اس کی تنخواہ سے نقصان کا وضع کرنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر اس کو امین بنایا گیا تھا اور اس نے پوری احتیاط وحفاظت کی، پھر بھی ناگہانی طریقہ پر وہ چیز ضائع ہوگئی تو اس پر ضمان لازم نہیں، اس کی تنخواہ سے وضع کرنا درست نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴/۸/۹۱ھ۔

اگر مبیع ڈاک سے ضائع ہو جائے تو ضمان کس پر ہے؟

سوال [۸۰۶۱]: زید نے عمرو سے کچھ کتابیں بطور خرید بذریعہ ڈاک طلب کی، عمرو نے زید کے تحریر کردہ پتہ پر متعدد پارسل روانہ کئے جس میں چند پارسل پوری پوری کتابیں وصول ہو گئیں لیکن بعض پیکٹ میں سے کچھ کتابیں ضائع ہو گئیں اور وہ زید تک نہیں پہونچیں۔ اس صورت میں اس ضائع شدہ کا ضمان ازروئے شریعت کون ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

عمرو (بائع) نے زید (مشتری) کی ہدایت کے موافق کتابیں روانہ کی ہیں اور کوتاہی نہیں کی تو بائع پر ضمان لازم نہیں، کیونکہ اس نے مشتری کے امر پر عمل کیا (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۸/۹۱ھ۔

---

(۱) "والأمانة غير مضمونة، فإذا هلكت أو ضاعت بلا صنع الأمين، ولا تقصير منه، لا يلزمه الضمان". (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۳۲۹، (رقم المادة: ۷۶۸)، مكتبه حنفيه كوئته)

"والوديعة ما يترك عند الأمين للحفظ وهي أمانة، فلا يضمن بالهلاك، وللمودع أن يحفظها بنفسه وعياله". (ملتقى الأبحر على هامش مجمع الأنهر: ۲/۳۳۸، كتاب الوديعة، غفاريه كوئته)

(وكذا في البحر الرائق: ۷/۴۶۵، كتاب الوديعة، رشيديه)

(۱) (راجع، ص: ۵۲۶، رقم الحاشية: ۱)

(۲) "وإن هلك المشتري في يد الوكيل قبل التسليم، هلك على الموكل من غير ضمان على الوكيل". —

دھوبی سے گم شدہ کپڑوں کا ضمان کس پر ہے؟

سوال [۸۰۹۴]: اگر دھوبی نے کپڑا گم کر دیا تو کیا اس سے تاوان لے سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر دھوبی کی بے پرواہی سے کپڑا گم ہو گیا تو اس کا ضمان لینا درست ہے، لیکن اگر دھوبی بے قصور تھا اور یکدم پانی زیادہ آگیا اور کوشش کے باوجود حفاظت نہ کر سکا تو اس پر ضمان نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۹/۸/ھ۔

بچپن کی چوری کا ضمان

سوال [۸۰۹۵]: بچپن کی چوری کا حساب ہوگا یا والدین پر اس کا گناہ ہوگا؟ اور اسی طرح جتنے بھی گناہ بچپن میں کیے؟

= یضمن". (شرح المجلة لسلیم رستم باز، ص: ۳۴۲، ۳۴۳، رقم المادة: ۶۰۰، ۶۰۲، ۶۰۷، مکتبہ حنفیہ کوئٹہ)

"استأجر حماراً فضل فی الطریق إن علم أنه لا یجده بعد الطلب، لا یضمن". (رد المحتار: ۶/۷۲، کتاب الإجارة، باب ضمان الأجیر، سعید)

(۱) "والمتاع فی یده غیر مضمون بالهلاک یعنی لا یضمن ما ذکر، سواء هلک بسبب یمکن الاحتراز عنه کالسرقة، أو بما لا یمکن کالحریق الغالب والغارة المکابرة". (البحر الرائق: ۸/۴۷، کتاب الإجارة، رشیدیه)

"الأجیر المشترک من یعمل لغیر واحد، ولا یستحق الأجر حتی یعمل کالصباغ والقصار، والمتاع فی یده أمانة لا یضمن إن هلک". (ملتقی الأبحر مع مجمع الأنهر: ۳/۵۴۳، کتاب الإجارة، غفاریه کوئٹه)

"والأجیر المشترک من یعمل لغیر واحد، والمتاع فی یده غیر مضمون بالهلاک، وما تلف بعمله کتخریق الثوب من دقه وزلق الحمال وانقطاع الحبل الذی یشد به الحمل وغرق السفینة من مدها مضمون". (تبیین الحقائق: ۶/۱۳۹، باب ضمان الأجیر، دار الکتب العلمیة بیروت)

(وکذا فی رد المحتار: ۶/۶۰، کتاب الإجارة، باب ضمان الأجیر، سعید)

(وکذا فی شرح المجلة لسلیم رستم باز، ص: ۳۴۲، ۳۴۳، رقم المادة: ۶۰۰، مکتبه حنفیه کوئٹه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

بچوں پر گناہ نہیں، البتہ چوری کی مقدار کا ضمان ان کے مال میں لازم ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/ ۲/ ۹۳ھ۔

بچوں کے کھلونے ضائع کرنے کا تاوان

سوال [۸۰۶۲]: بعض بچے کھیل کی چیزیں مدرسہ میں لے آتے ہیں تو ان کو زجراً ختم کر کے واپس نہ کریں تو کیسا ہے، کی صلاح ہو تو کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایسی چیزیں زجراً ختم ہوں تو ان کو ضائع کر دیں اور قیمت اپنے پاس سے بچہ کو دیدیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/ ۳/ ۹۵ھ۔

دوسرے کے لئے ٹکٹ خریدنے کی صورت میں ضمان

سوال [۸۰۶۳]: زید، عمر، خالد تینوں سفر کو جارہے تھے، راستہ میں احمد ملا، کہا: میں جاؤں گا لیکن پیسے میرے پاس نہیں، تم میں سے کوئی اگر ٹکٹ لے کر دیدے تو چلا چلوں گا۔ زید کے پاس پیسے تھے لیکن وہ پیچھے رہ گیا تھا، عمر نے خالد سے کہا کہ تم جلدی جا کر زید سے پیسے لے کر احمد کے لئے ایک ٹکٹ لے لو۔ لہذا خالد چلا، زید پیچھے دروازہ تک گیا تھا اور خود کہتا ہے کہ میں نے خالد کو آواز دی، جواب نہیں ملا، غصہ ہو کر وہاں سے چلا گیا۔ خالد کہتا ہے کہ میں نے نہیں سنا۔

---

(۱) کیونکہ ایسا اتلاف کی نیت سے ضائع کرنا ہوگا ہے: "المال إن كان من القيميات، يلزم قيمته يوم الغصب في زمان الغصب ومكانه، وإن كان من المثليات يلزمه إعطاء مثله". (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۴۰۹، رقم المادة: ۸۹۰، مكتبة حنفية كوئٹه)

"وما لا مثل له، فقيمته يوم غصبه" (تبيين الحقائق: ۶/ ۲۲۳، كتاب الغصب، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۳/ ۸۸، ۹۰، كتاب الغصب، غفاريه كوئٹه)

اب دریافت طلب بات یہ ہے کہ خالد نے زید سے پیسے لیکر جلدی سے احمد کے لئے ایک ٹکٹ لے لیا، لیکن احمد کا پتہ نہیں، بہت تلاش کیا تو وہ ٹکٹ بیکار گیا۔ اب پیسہ کون دے گا؟ قبل سوار کے راستہ میں یہ بات ہو چکی تھی کہ خالد جا کر احمد کے لئے ٹکٹ لے لے، درمیان میں منسوخ بھی نہیں ہوا۔

المستفتی: احقر العباد احمد حسین غفرلہ چاٹگامی، مقیم حجرہ نمبر: ۱۳-۲/ رمضان المبارک/ ۵۵ھ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر احمد کے امر سے خالد نے زید سے پیسے قرض لیکر احمد کے لئے ٹکٹ خریدا ہے تو ان پیسوں کا ذمہ دار احمد ہے، اگر احمد کے امر سے نہیں خریدا بلکہ از خود خریدا ہے تو خالد ذمہ دار ہے۔ اگر زید نے خود خریدا یا خریدنے کے لئے خالد کو امر کیا تو زید ذمہ دار ہے(۱)۔ اور اگر احمد کا یہ مطلب تھا کہ اگر تم میں سے کوئی تبرعاً وہبۃً ٹکٹ دے تو میں جاؤں گا تو جس نے تبرع کیا ہے وہی ذمہ دار ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۸/۹/۵۵ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ صحیح عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۰/ رمضان المبارک/ ۵۵ھ۔

---

(۱) "إذا أدى الوكيل بالشراء ثمن المبيع من ماله وقبضه، كان له حق الرجوع على الموكل: يعني أن له أن يطلب من الموكل مثل الثمن الذي أداه، وله أيضاً أن يطالب الموكل بالثمن وأن يحبس المبيع عليه، حتى يؤدي له وإن لم يكن هو قد أداه إلى البائع". (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۶۰۳، رقم المادة: ۱۴۹۱، مكتبه حنفيه كوئته)

"إذا أمر صيرفياً في المصارفة أن يعطي رجلاً ألف درهم قضاءً عنه، أو لم يقل: عنه، فعل، يرجع على الآمر في قول أبي حنيفة رحمه الله تعالى ..... ولو أمره بشرائه أو بدفع الفداء، يرجع عليه استحساناً". (رد المحتار: ۶۱۴/۳، باب الكفالة، سعيد)

"وللوكيل بالشراء طلب الثمن من الموكل إذا اشترى وقبض المبيع ..... فإن هلك قبل حبسه، هلك على الآمر". (مجمع الأنهر: ۳۱۸/۳، كتاب الوكالة، باب الوكالة بالبيع والشراء، مكتبه غفاريه كوئته)

(وكذا في الدر المنتقى على هامش مجمع الأنهر: ۳۱۸/۳، غفاريه كوئته)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الوكالة، باب الوكالة بالبيع والشراء: ۲۵۶/۵، ۲۵۷، دار الكتب العلمية بيروت)

ملزم کی ضمانت کرنا

سوال[۸۰۰۸]: ایک شخص کا عداوت میں مقدمۂ قتل میں قید کر دیا اور اس کے قاتل ہونے پر گواہ بھی تیار کر دیئے، ایسے شخص کا ضامن ہونا اور ضمانت پر رہا کرنے کی کوشش کرنا اور اس کا تعاون کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر واقعۃً ایک شخص قاتل نہ ہو، محض عداوت کی وجہ سے اس پر قتل کا جھوٹا مقدمہ چلایا جائے تو اس کی ضمانت کرنا اور بچانے کی کوشش کرنا شرعاً درست اور موجب اجر ہے(۱)، اگر واقعۃً قاتل وظالم ہو تو اس کو بری ثابت کرنے کے لئے ضمانت کرانا اور کوشش کرنا جائز نہیں، بلکہ اعانتِ ظلم ہے: ﴿وتعاونوا على البر والتقوى، ولا تعاونوا على الإثم والعدوان﴾ الآية(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲/۲/۱۳۹۲ھ۔

☆.....☆.....☆.....☆.....☆

---

(۱) "عن ابن عمر رضي الله تعالى عنهما أن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم قال: "المسلم أخو المسلم، لايظلمه ولا يسلمه. ومن كان في حاجة أخيه، كان الله في حاجته، ومن فرّج عن مسلم كربةً فرّج الله عنه كربةً من كربات يوم القيامة ....الخ". (مشكوة المصابيح، ص: ۴۲۲، باب الشفقة والرحمة على الخلق، قديمي)

"من لطف عن مؤمن سيئةً كان خيراً ممن أحياموء ودةً". (فيض القدير: ۱۱/۵۹۶۸، رقم الحديث: ۸۳۹۷، مكتبه نزار مصطفى الباز رياض)

(۲) (سورة المائدة: ۲)

"عن أوس بن شرحبيل رضي الله تعالى عنه أنه سمع رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم يقول: "من مشى مع ظالم ليقويه وهو يعلم أنه ظالم فقد خرج من الإسلام". (مشكوة المصابيح، ص: ۴۳۶، باب الأمر بالمعروف، قديمي)

"قال عليه السلام: "من أعان على خصومة بظلم، لم يزل في سخط الله حتى ينزع". (فيض القدير: ۱۱/۵۶۷۱، رقم الحديث: ۸۴۳۷، مكتبه نزار مصطفى الباز رياض)

بابٌ في الوديعة

(امانت کا بیان)

مالک کے لاپتہ ہونے کے بعد امانت میں تصرف

سوال[۸۰۶۹]: میرے پاس ایک شخص نے ۲۶۰/ روپیہ امانت رکھا اور آج پندرہ برس ہوگئے، کچھ پتہ نہیں کہ وہ کہاں گیا۔ تو کیا وہ امانت ہم کسی نیک کام میں لگا سکتے ہیں؟ بیت المال، مدرسہ یا کسی اور نیک کام میں لگا سکتے ہیں یا نہیں؟ ضرورت مندوں کو دوسروں کی ذمہ داری پر قرض دے سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس امانت کو اسی طرح محفوظ رکھنا ضروری ہے، نہ مدرسہ میں دیں، نہ دوسرے ضرورت مندوں کو دیں، نہ قرض دیں، نہ صدقہ کریں(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۱۳/۳/۹۴ھ۔

فسادزدگان کے لئے چندہ کیا گیا، کچھ بچ گیا، اس کو کیا کیا جائے؟

سوال[۸۰۷۰]: خلاصہ سوال یہ ہے کہ کراچی کے فسادات میں جو مسلمانوں کو عظیم نقصان پہنچا، ان کی امداد کے لئے مسلم ریلیف کمیٹی بنائی گئی تھی جس میں کافی چندہ جمع ہوا اور کافی تقسیم ہوا اور کچھ بچ گیا۔ بہر حال

---

(۱) "والوديعة لا تودع و لا تعار و لا تؤاجر و لا ترهن، وإن فعل شيئاً منها، ضمن". (الفتاوی العالمكيرية: ۴/۳۳۸، كتاب الوديعة، رشيديه)

(وكذا في خلاصة الفتاوى: ۴/۱۹۱، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق: ۷/۴۷۶، كتاب الوديعة، رشيديه)

(وكذا في الأشباه والنظائر، ص: ۲۶۷، الفن الثاني، كتاب الأمانات، قديمي)

(وكذا في رد المحتار: ۵/۶۷۴، كتاب العارية، سعيد)

ہے یہ فیصلہ کیا جارہا ہے کہ اس کو دوسرے کاموں میں صرف کردیا جائے، حالانکہ بہت بیوہ عورتیں موجود ہیں۔ تو کیا مسلم ریلیف کمیٹی کو یہ حق ہے، جو صرف مظلومین امداد کے لئے چندہ کیا گیا ہے اپنی مرضی سے کسی دوسری جگہ خرچ کردے؟ آخر مسلم ریلیف کمیٹی کی حیثیت کیا ہے؟ کیا یہ ممبران اس روپے کے مالک ہیں یا امین ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جن کاموں کے لئے چندہ کیا گیا ہے چندہ کی رقم کو ان ہی کاموں میں صرف کیا جائے، دوسرے کاموں میں رقم خرچ کرنا بلا اجازت چندہ دہندگان درست نہیں، چندہ دہندگان بقیہ رقم کو جن کاموں میں خرچ کرائیں اس رقم کو ان کاموں میں خرچ کیا جائے گا۔ مسلم ریلیف کمیٹی کی حیثیت محض امین اور وکیل کی ہے۔

فتاوی عالمگیری مصری: ۳/۱۱۴، کتاب الوکالة میں ہے:

"واما حكمها فمنه قيام الوكيل مقام الموكل فيما وكله به" (۱)۔ اور ۳/۱۱۵ پر ہے:

"واما صفتها فهي ... ومنه أنه أمين فيما في يده كالمودع" (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، ۱۳/۲/۸۸ھ۔

---

(۱) (الفتاوی العالمگیریة: ۳/۵۶۵، کتاب الوکالة، رشیدیه)

(۲) (الفتاوی العالمگیریة: ۳/۵۶۷، کتاب الوکالة، رشیدیه)

"الوكالة تفويض واحد امره لآخر، وإقامته مقامه في ذلك الأمر، ويقال لذلك الواحد: موكل، ولمن قام عنه: وكيل، ولذلك الأمر: موكل به". (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۸۱۰، (رقم المادة: ۱۴۴۹)، مكتبه حنفيه كوئته)

"لا يجوز لأحد أن يتصرف في ملك غيره بلا إذنه أو وكالة منه". (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۶۱، رقم المادة: ۹۶، مكتبه حنفيه كوئته)

(وكذا في الأشباه والنظائر، ص: ۳۴۶، الفن الثاني، الفوائد، كتاب الغصب، قديمي)

(وكذا في رد المحتار: ۶/۲۰۰، سعيد)

(وكذا في شرح المجلة لمحمد خالد الأتاسي: ۱/۲۶۴، مكتبه پشاور)

کیا سزا کے عوض امانت کی رقم کاٹ لی جائے؟

سوال [۱۷۰۸۱]: زید نے اپنے بھائی بکر کے پاس ۲۷/ ہزار روپیہ امانت رکھا۔ بکر کے دل میں فتور آ گیا، اس نے چند آدمیوں کو بلا کر مار پیٹ کر کے رات کے وقت ایک تالا توڑ کیا، محلہ والوں کو بتلایا کہ ڈکیتی پڑ گئی ہے، اور پولیس میں بھی رپورٹ ڈکیتی درج کر لی، اور پولیس نے آ کر فوراً انکوائری کی اور معلوم کیا یہ رقم کس کی تھی تو بکر نے خود جواب دیا کہ میرے بھائی زید کی تھی، اس پر پولیس نے سختی کی تو اس نے پولیس کے سامنے کہا یہ کام میں نے ہی کرایا ہے۔ اس پر کیس چلا۔ بکر کے اوپر سوا پانچ ہزار روپیہ جرمانہ ہوا، ۲۱/ ہزار رقم میں ۱۵/ ہزار زید کو ملا۔ جب بکر چھوٹ کر آیا تو زید نے چھ ہزار روپیہ طلب کیا۔ بکر کا کہنا ہے کہ ہم نے سزا کاٹی اور روپیہ بھی دیں، وہ چھ ہزار روپیہ ہم نہیں دیں گے۔ اب سوال یہ ہے کہ زید اپنے چھ ہزار روپیہ کا حقدار ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

بکر نے کمینہ حرکت کی اور بھائی کی امانت ضائع کرنے کی کوشش کی، ڈکیتی دکھلائی، پولیس نے گرفتار کیا، سزا کاٹی، اب لازم ہے کہ بقیہ چھ ہزار کی رقم زید کو ادا کر دے، سزا کے عوض اس رقم کے رکھنے کا اختیار نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح بندہ محمد نظام الدین، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿إن اللہ يأمركم أن تؤدوا الأمانات إلى أهلها﴾. (سورة النساء: ۵۸)

"عن أبي صالح عن أبي هريرة رضي اللہ تعالیٰ عنه قال: قال رسول اللہ صلى اللہ تعالیٰ عليه وسلم: "أد الأمانة إلى من ائتمنك، ولا تخن من خانك". (سنن أبي داؤد: ۱۴۳/۲، كتاب البيوع، باب في الرجل يأخذ حقه، إمدادیہ ملتان)

"قال عليه السلام: "أد الأمانة إلى من ائتمنك، ولا تخن من خانك". (فيض القدير: ۱/۳۰۹، (رقم الحديث: ۳۰۸)، مكتبہ نزار مصطفى الباز رياض)

"عن أبي حرة الرقاشي عن عمه رضي اللہ تعالیٰ عنه قال: كنت آخذ بزمام ناقة رسول اللہ صلى اللہ تعالیٰ عليه وسلم في أوسط أيام التشريق، أذود عنه الناس فقال: ...... ومن كانت عنده أمانة =

امانت کی واپسی کے لئے شرط

سوال [۸۰۶۲]: زید نے - جو ضلع رائے بریلی کا رہنے والا ہے - پرتاب گڈھ میں ایک مسجد بنانے کے لئے روپیہ عمرو کے پاس (جو معتبر شخص ہے اور پرتاب گڈھ کا رہنے والا ہے) امانت رکھے۔ مسجد کے لئے جو زمین زید نے خریدی وہ بوجہ لگان قائم رہنے کے مسجد کے لئے ناجائز قرار دی گئی، اس لئے زید نے رائے بریلی کے ضلع میں ایک مسجد اس نیت سے تعمیر کرائی جو ہنوز زیر تعمیر ہے۔ اس مسجد کی تعمیر کے لئے زید دوسروں سے کچھ روپیہ قرض لیا کہ پرتاب گڈھ سے روپیہ لا کر ادا کرے گا۔ عمرو یہ کہتا ہے کہ پرتاب گڈھ ہی میں تمہیں کسی دوسری جگہ مسجد بنانی چاہئے، ورنہ روپیہ واپس نہ دے گا۔

سوال یہ ہے کہ زید کو اپنا روپیہ عمرو سے واپس لے کر اس مسجد میں جو رائے بریلی میں بنوایا ہے لگانے کا اختیار ہے یا نہیں؟ نیز یہ کہ عمرو زید کی امانت واپس دینے میں کسی قسم کی شرط لگانا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

عمرو کا مطالبہ کہ "پرتاب گڈھ ہی میں مسجد بناؤ یا کسی جگہ کسی دوسرے کام میں روپیہ خرچ کرو تو امانت کا روپیہ واپس دے گا ورنہ نہیں" ناجائز اور ظلم ہے (۱)، اصل مالک کو اختیار ہے اپنا روپیہ جس جائز کام میں چاہے۔

= "فلیؤد ذلک إلی من ائتمنه علیها". (مسند الإمام أحمد بن حنبل: ۱/۲۱۶، رقم الحدیث: ۲۰۰۲۴، دار إحیاء التراث العربي بیروت)

(وکذا في مشکوة المصابیح، ص: ۴۲۲، کتاب الآداب، باب الشفقة والرحمة علی الخلق، الفصل الثالث، قدیمي)

(۱) "فإن طلبها ربها فحبسها وهو قادر علی تسلیمها، صار غاصباً". (ملتقی الأبحر مع مجمع الأنهر: ۳/۴۷۰، غفاریه کوئٹه)

"فإن طلبها ربها فحبسها ظلماً وهو قادر علی تسلیمها، صار غاصباً؛ لأنه حقه". (الدر المنتقی علی هامش مجمع الأنهر: ۳/۴۷۰، کتاب الودیعة، غفاریه کوئٹه)

"وإن طلبها ربها فحبسها قادراً علی تسلیمها، ضمنها: یعني لو منع صاحب الودیعة بعد طلبه وهو قادر علی تسلیمها، یکون ضامناً؛ لأنه ظالم بالمنع، حتی لو لم یکن ظالماً بالمنع، لا یضمن". (البحر الرائق: ۷/۴۷۶، کتاب الودیعة، رشیدیه)

چاندی کا روپیہ امانت رکھ کر اس کے عوض نوٹ دینا کیسا ہے؟

سوال[۱۰۷۴]: ۱ ... مسجد کا روپیہ جس کے پاس جمع ہے، بجائے اس جمع کئے ہوئے روپیہ کے دوسری رقم دے، مثلاً چاندی کا روپیہ ہے اور نوٹ دے، تو کیا خیانت کا مجرم نہیں ہے؟ ۱۹۴۰ء میں جب کہ چاندی کا روپیہ ملتا تھا اس وقت چاندی کا روپیہ جمع کیا گیا، اب وہ شخص جس کے پاس امانت رکھی ہے وہ شخص اب موجودہ نوٹ دیتا ہے، تو کیا وہ شخص خیانت کا مجرم ہو سکتا ہے؟ مع دلائل حدیث وقرآن جواب دیجئے۔

امانت کے نوٹ کو بدل دینا

سوال[۱۰۷۵]: ۲ ... زید کے پاس ماہانہ روپیہ کا نوٹ ۲۰ کا بکر رکھوا دیتا ہے اور جس وقت بکر اپنی امانت زید سے مانگتا ہے تو زید اس کو بجائے ۲۰ کے اس نوٹ کے جو کہ امانت میں دیا تھا، ۲۰ کا نوٹ دس روپیہ کا واپس کرتا ہے۔ زید خیانت کا مجرم ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

۱ ... یقیناً یہ صورت خیانت میں داخل ہے، اس کے ذمہ لازم ہے کہ وہ چاندی کا روپیہ واپس کرے جو اس کے پاس جمع کیا گیا ہے، مگر اس سے وہ چاندی کا روپیہ خرچ کر دیا ہے تو اس کی قیمت دے جو موجودہ روپیہ اور نوٹ سے یقیناً زیادہ ہے۔ علامہ شامی نے نقود کے بھاؤ کی کمی زیادتی کے مسائل کے متعلق مستقل ایک رسالہ تصنیف کیا ہے اس میں فقہی جزئیات کثیرہ نقل کی ہیں۔ اگر نوٹ سے قیمت ادا کرے تو چاندی کے روپیہ کی موجودہ قیمت ادا کرے ورنہ غاصب شمار ہوگا، اور پوری قیمت دینے کی صورت میں ضمان سے بری ہو جائے گا:

"المتولی أنفق دراهم الوقف في حاجته، ثم أنفق مثله في مرمة الوقف، برئ عن الضمان، اهـ". عالمگیری (۱)۔

---

(۱) (الفتاوى العالمكيرية: ۲/۴۲۱، الباب الخامس في ولاية الوقف، رشيدية)

"لا يتعين ذلك عند التعيين في العقد، مثلاً: لو أرى المشتري البائع ذهباً معيناً في يده، ثم اشترى بذلك الذهب شيئاً، لا يجبر على أداء ذلك الذهب بعينه، بل له أن يعطي البائع ذهباً معيناً من ذلك النوع غير الذي أراه".

يراد بالعقد عقد المعاوضة كالبيع والإجارة، وأما غيرهما من العقود كالإيداع والشركة، =

۲…… جو امانت کسی کے پاس رکھی جائے اس میں تغیر وتصرف جائز نہیں، اس لئے یہ امانت کے تحفظ کے خلاف ہے، کذا فی الکتب المتداولۃ من مرآۃ المجلۃ وغیرہا (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۵/شوال/ ۶۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۱۶/شوال/ ۶۷ھ۔

☆……☆……☆……☆……☆

= فتتعین فیہ النقود بالتعیین، فلو أودع رجلاً عشرین ذہباً عثمانیاً، لزم الودیع أن یرد ہذہ الذہبات عینہا"۔ (شرح المجلۃ لسلیم رستم باز، ص: ۱۲۴، رقم المادۃ: ۲۴۳، مکتبہ حنفیہ کوئٹہ)

"أحکام النقد . لا یتعین فی المعاوضات …… ولا یتعین فی النذر والوکالۃ قبل التسلیم، وأما بعدہ، فالعامۃ کذلک، ویتعین فی الأمانات والہبۃ والصدقۃ والشرکۃ"۔ (الأشباہ والنظائر، ص: ۳۰۹، أحکام النقد وما یتعین فیہ، قدیمی)

(وکذا فی ردالمحتار: ۵/۱۵۳، کتاب البیوع، سعید)

(۱) "الودیعۃ لاتودع ولاتعار ولا تؤجر ولا ترہن، وإن فعل شیئاً منہا، ضمن، کذا فی البحر الرائق"۔ (الفتاوی العالمکیریۃ، کتاب الودیعۃ، الباب الأول فی تفسیر الإیداع الخ: ۴/۳۳۸، رشیدیہ)

(وکذا فی خلاصۃ الفتاوی، کتاب العاریۃ، الفصل الأول: ۴/۲۰۱، رشیدیہ)

فصلٌ في الضمان بهلاك الوديعة

(امانت کے ضائع ہونے پر ضمان کا بیان)

امانت کا ضمان

سوال[۱۰۷۶]: ایک شخص ملازم حیثیت کارندہ کی تحویل میں سے کچھ روپیہ چوری ہوگیا، مالک نے ملازم سے حلف اٹھوایا اور یہ کہلوایا کہ "یوں کہو کہ اگر میں نے تمہارا روپیہ اپنے کام میں لگایا ہو، یا کسی کو دیا ہو یا اپنے آئندہ خرچ کے لئے اپنے یا کسی اور کے پاس رکھا ہو تو اندھا ہو جاؤں اور بھیک مانگتا پھروں، ایمان نصیب نہ ہو" اس قسم لینے کے بعد مالک کو ملازم سے تاوان لینا جائز ہے یا نہیں یعنی گم شدہ روپیہ لینا؟ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر ملازم کے پاس وہ روپیہ امانت تھا اور کافی حفاظت کے باوجود پھر چوری ہوگیا تو ملازم پر ضمان نہیں، اگر ملازم کی بے توجہی اور غفلت سے ضائع ہوا ہے تو ملازم پر ضمان لازم ہے:

"الإيداع هو تسليط الغير على حفظ ماله، والوديعة ما تترك عند الأمين، و هي أمانة، فلا تُضمن بالهلاك". زیلعی: ۷۶/۵(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم، ۱۸/۱/۷۵ھ۔

---

(۱) (تبيين الحقائق: ۶/۷۶، ۸۱، كتاب الوديعة، دار الكتب العلمية بيروت)

"والوديعة أمانة في يد المودَع، فإذا هلكت بلا تعدٍ منه و بدون صنعه و تقصيره في الحفظ، لا يضمن". (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۳۳۱، (رقم المادة: ۷۷۷)، مكتبه حنفيه كوئته)

"الوديعة أمانة في يد المودع إذا هلكت لم يضمنها، لقوله عليه السلام: "ليس على المستعير غير المغل ضمان، ولا على المستودع غير المغل ضمان". (الهداية: ۳/۲۷۴، كتاب الوديعة، مكتبه شركت علميه ملتان) =

مگر مشین والے نے روپیہ واپس کر دیا اور کہا کہ قیمت شام کو دیکر لے جانا، مگر اس کی دوکان میں آگ لگ گئی جس سے اس کا کافی نقصان ہو گیا، وہ کہتا ہے کہ اس نے مجھے روپیہ واپس نہیں کیا۔ اس صورت میں کیا مسئلہ ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

۱..... جس کے پاس روپیہ رکھا تھا اور اس کی دوکان میں آگ لگ گئی، اس کے ذمہ اس روپیہ کا تاوان نہیں ہے (۱)۔ جس نے مشین خریدی تھی اور اس کا روپیہ باقی تھا تو وہ روپیہ دینا ضروری ہے، جس نے خریدی ہے وہ روپیہ دے، پھر جس سے شرکت کا معاملہ تھا اس کے موافق عمل کیا جائے۔

۲..... اگر وہ روپیہ جل گیا ہے تو اس کا تاوان لازم نہیں، کیونکہ وہ امانت تھا (۲)۔ اگر اس کو آگ لگنے سے پہلے واپس کر دیا تھا اور وہ انکار کرتا ہے کہ مجھے نہیں دیا تو جس کے پاس روپیہ رکھا تھا اس کے ذمہ قسم آئے گی، وہ قسم کھا کر کہہ دے کہ میں واپس کر چکا ہوں، میرے ذمہ نہیں تو اس کی قسم معتبر ہوگی اور تاوان لازم نہیں آئے گا، اگر قسم نہ کھائے تو روپیہ دیدے (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۷/ذ/۹۵ھ۔

---

(۱) "والوديعة أمانة في يد المودع، فإذا هلكت بلا تعد منه وبدون صنعه وتقصيره في الحفظ لا يضمن". (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۳۳۱، (رقم المادة: ۷۷۷)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"وهي أمانة، فلا تضمن بالهلاك، لقوله عليه السلام: "لا ضمان على مؤتمن"". (تبيين الحقائق: ۶/۱۰۸، كتاب الوديعة، سعيد)

"الوديعة ما يترك عند الأمين للحفظ، وهي أمانة، فلا يضمن بالهلاك". (ملتقى الأبحر: ۳/۴۹۱، كتاب الوديعة، غفاريه كوئٹه)

(وكذا في الهداية: ۳/۲۷۱، كتاب الوديعة، مكتبه شركت علميه ملتان)

(وكذا في البحر الرائق: ۷/۴۶۵، كتاب الوديعة، رشيديه)

(وكذا في رد المحتار: ۵/۶۶۳، ۶۶۴، كتاب الإيداع، سعيد)

(۲) (راجع الحاشية المتقدمة)

(۳) "عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده رضي الله تعالى عنه، عن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم قال: "البينة على المدعي، واليمين على المدعى عليه". (مشكوة المصابيح، ص: ۳۲۷، باب الأقضية —

امانت غسل خانہ میں رکھ کر بھول گیا اس کا ضمان

سوال[۸۰۷۹]: احسان حضرت کی دعاؤں کے صدقہ میں حج بیت اللہ کرنے کی سعادت نصیب ہوئی، چلتے وقت ایک محسن نے مجھے دو ہزار روپیہ دیا اور گھڑی، کمبل، قالین کی فرمائش کی اور تین افراد کی قربانی کرنے کی فرمائش کی۔ میں نے کہا کہ اگر آپ کی رقم خیریت سے پہونچ گئی تو ان شاء اللہ تعالیٰ فرمائش کا سامان ہمراہ لے کر آؤں گا۔ بمبئی پہونچ کر اس میں سے ۶۰۰/روپیہ کی رقم جمع کرنے کی نیت سے الگ کرلی، غسل کی حاجت ہوئی اور میں غسل خانہ گیا، کپڑے اتار کر اس رقم کو طاق میں رکھ کر بھول گیا، اس طرح یہ رقم ضائع ہوگئی، جو رقم علیحدہ تھی۔ میں نے اس رقم سے سفر پورا کیا۔ از روئے شریعت اب مجھے کیا کرنا چاہئے، رقم کا کچھ حصہ واپس کرنا چاہئے، یا بالکل واپس نہیں کرنا چاہئے؟

بندہ سید عبدالعزیز لیکچرار ہائرسکنڈری اسکول سیدھی (ایم، پی)

الجواب حامداً ومصلیاً:

امانت کا روپیہ غسل خانہ میں غسل کرتے وقت طاق میں رکھ دیا، پھر بعد غسل اٹھانا یاد نہیں رہا وہیں چھوڑ کر چلے آئے اور روپیہ ضائع ہوگیا تو وہ تمام روپیہ واپس کرنا ہوگا:

"ولو قال المودع: وضعت الوديعة بين يدي، فقمت ونسيتها، فضاعت، ضمن؛ لأنه جنى" اهـ". عالمگیری (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۳/۹۵ھ۔

= والشهادات، كتاب الإمارة، الفصل الثاني، قديمي)

(وجامع الترمذي: ۲۴۹/۱، أبواب الأحكام، باب ما جاء في أن البينة على المدعي واليمين على المدعى عليه، سعيد)

(وكذا في شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۱۵، (رقم المادة: ۷۶)، مكتبه حنفيه كوئته)

(۱) (الفتاوى العالمكيرية: ۳۴۴/۴، كتاب الوديعة، الباب الرابع فيما يكون تضييعاً للوديعة وما لا يكون، رشيديه)

"وفي فتاوى أبي الليث: ولو أن المودع قال: وضعت الوديعة بين يدي، فقمت ونسيتها، =

غیر مسلم کے پاس مسجد کا پیسہ امانت تھا وہ ضائع ہو گیا

سوال[۸۰۸۰]: متولی مسجد کو اپنے پاس مسجد کے پیسے رکھنے میں حفاظت کا یقین نہیں تھا اور کوئی دوسرا مسلمان بھی امانت رکھنا قبول نہیں کرتا تھا تو اس وقت شرعی حاکم نہ ہونے کی وجہ سے بامر جماعت محلہ متولی نے مسجد کے پیسے کافر کے پاس رکھے وہ کافر اس وقت مالدار تھا اور امانت رکھنے میں مرجع خاص وعام تھا، اب کافر مفلس ہو گیا اور مسجد کے پیسے اس کے پاس سے ہلاک ہو گئے اب اس کے پاس کوئی مال وجائیداد نہیں ہے کہ جس سے مسجد کے پیسے وصول ہو سکیں تو اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس مسجد کے پیسہ کا ضمان لازم ہوگا یا نہیں، اگر لازم ہو تو متولی پر یا اہل محلہ پر؟

اگر صورت مذکورہ میں مسجد کے پیسے کافر کو قرض دیئے ہوں اور پھر ہلاک ہو جائے تو اس وقت کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

"في القنية: طالب القيم أهل المحلة أن يقرض من مال المسجد للإمام، فأبى، فأمره القاضي به فاقرضه، ثم مات الإمام مفلساً، لا يضمن القيم.......مع أن القيم ليس له إقراض مال المسجد. قال في جامع الفصولين: ليس للمتولي إيداع مال الوقف والمسجد إلا ممن في عياله، ولا إقراضه فلو أقرضه، ضمن. وكذا المستقرض. وذكر أن القيم لو أقرض مال المسجد ليأخذه عند الحاجة وهو أحرز من إمساكه، فلا بأس به. وفي العدة يسع المتولي إقراض ما

= فضاعت، يضمن، لأن نسيانه تضييع". (المحيط البرهاني في الفقه النعماني: ۳۱۲/۶، فيما يكون تضييعاً للوديعة، غفاريه كوئٹه)

"ولو قال: وضعتها بين يدي، وقمت ونسيتها، فضاعت، يضمن". (البزازية على هامش الفتاوى العالمكيرية: ۲۰۰/۱، كتاب الوديعة، الفصل الثاني فيما يكون إضاعة، رشيديه)

"مودع قال: وضعت الوديعة بين يدي، ثم قمت، ونسيتها، فضاعت، كان ضامناً". (فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية: ۳۴۷/۳، فصل فيما يضمن المودع، رشيديه)

(وكذا في شرح المجلة لسليم رستم باز، (رقم المادة: ۷۸۴)، ص: ۳۴۳، مكتبه حنفيه كوئٹه)

تفضل من غلة الوقف لو أحرز" اهـ". بحر شرح کنز: ۲۴۹/۵ (۱)۔

اس سے معلوم ہوا کہ متولی کو اگر مسجد کے پیسے ضائع ہونے کا اندیشہ تھا اور کوئی دوسری صورت بھی حفاظت کی نہیں تھی اور اہلِ محلہ کے امر سے متولی نے وہ پیسے کافر کے پاس رکھ دیئے اور اس کافر سے وصولیابی کی کافی توقع تھی تو پھر متولی پر ضمان لازم نہیں اور نہ اہلِ محلہ پر لازم ہے۔ یہی حکم صورتِ مذکورہ میں قرض کا ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم۔　　الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ ہذا، ۲۱/۷/۵۵ھ۔

امانت چوری ہونے پر ضمان کا حکم

سوال [۸۰۰۸]: انتظام آمد وخرچ کی پنچایت ذمہ دار ہوتی ہے، لہٰذا ایک فنڈ پنچایت کا ہے اور دوسرا فنڈ ملکیت مسجد ہے، دونوں فنڈ امین کے پاس تھے جو چوری ہوگئے، ایک عرصہ تک مشورہ ہوتا رہا، تحقیق سے ثابت ہوگیا کہ واقعی چوری چلے گئے، امین کو اس کے بار کا متحمل نہ سمجھا، پنچایت نے معاف کردیا مگر امین کو فکر ہے کہ شرعاً یہ دونوں رقم معاف ہیں، یا شرعاً فرق ہے۔ اس سے مفصل بندہ کو مطلع فرمائیں۔

---

(۱) مذکورہ عبارت میں کچھ کتابت کی غلطیاں ہیں، لہٰذا بحر الرائق کی اصل عبارت یہ ہے:

"قال في القنية: طالب القيم أهل المحلة أن يقرض من مال المسجد للإمام، فأبى، فأمره القاضي به، فأقرضه ثم مات الإمام مفلساً، لا يضمن القيم اهـ مع أن القيم ليس له إقراض مال المسجد. قال في جامع الفصولين: ليس للمتولي إيداع مال الوقف والمسجد إلا ممن في عياله ولا إقراضه، فلو أقرضه، ضمن، وكذا المستقرض. وذكر أن القيم لو أقرض مال المسجد ليأخذه عند الحاجة، وهو أحرز من إمساكه، فلا بأس به. وفي العدة: يسع المتولي إقراض ما فضل من غلة الوقف لو أحرز، اهـ".

(البحر الرائق، كتاب الوقف: ۳۰۱/۵، رشيديه)

(۲) "أو أخرجها من يده عند الضرورة بأن وقع الحريق في داره فخاف عليها الحرق، أو كانت الوديعة في سفينة فخاف عليها الغرق، أو خرج اللصوص وخاف عليها أو ما أشبه ذلك، فدفعها إلى غيره، لا يكون ضامناً". (الفتاوى العالمكيرية، الباب الثاني في حفظ الوديعة بيد الغير: ۳۴۰/۴، رشيديه)

(وكذا في شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۳۴۰، (رقم المادة: ۷۸۳)، مكتبه حنفيه كوئته)

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر امین نے ہر دو نقد کو علیحدہ علیحدہ رکھا اور پوری حفاظت کی اپنی طرف سے کوئی کوتاہی نہیں کی، پھر بھی وہ چوری ہوگئے تو اب شرعاً امین پر مواخذہ نہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفی عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳/۴/۵۷ھ۔

صحیح: عبداللطیف، مفتی مدرسہ ہذا، الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۱۲/ربیع الثانی/۵۷ھ۔

مسجد کی امانت چوری ہوجائے تو ضمان کا حکم

سوال [۸۰۸۲]: ایک شخص کے پاس مسجد کی امانت رکھی ہوئی تھی جو چوری ہوگئی، کچھ چوری واپس آگئی اس نے مسجد کی امانت کچھ دی کچھ نہیں دی۔ جو امانت باقی رہ گئی تھی اس کو دینا لازم ہے یا نہیں؟ یہ آدمی شریعت کا پابند نہیں۔ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر امانت کو اپنے مال میں مخلوط کرکے رکھا تھا تو پوری امانت کو اس سے لینا چاہیے (۲)، اگر الگ رکھا

---

(۱) "الودیعة أمانة في ید المودع، فإذا هلکت بلا تعدٍ منه وبدون صنعه وتقصیره في الحفظ، لا یضمن"

(شرح المجلة لسلیم رستم باز، ص: ۳۳۱، رقم المادة: ۷۷۷، مکتبه حنفیه کوئٹه)

"الودیعة أمانة في ید المودع، إذا هلکت، لم یضمنها". (الهدایة: ۳/۲۷۴، کتاب الودیعة، مکتبه شرکت علمیه ملتان)

"وهي أمانة، فلا تضمن بالهلاک، لقوله علیه الصلوٰة والسلام: "لاضمان علی مؤتمن".

(تبیین الحقائق: ۶/۱۹۲، کتاب الودیعة، دار الکتب العلمیة بیروت)

(وکذا في البحر الرائق: ۷/۴۶۵، کتاب الودیعة، رشیدیه)

(وکذا في مجمع الأنهر: ۳/۴۶۶، کتاب الودیعة، مکتبه غفاریه کوئٹه)

(وکذا في فتح القدیر: ۸/۴۸۵، کتاب الودیعة، مصطفی البابي الحلبي مصر)

(۲) "وکذا لو خلطها المودع بجنسها أو بغیره بماله أو مال آخر ... بغیر إذن المالک بحیث لا تتمیز إلا بکلفة ... ضمنها لاستهلاکه بالخلط" (رد المحتار: ۵/۶۶۸، ۶۶۹، کتاب الإیداع، سعید)

(وکذا في مجمع الأنهر، کتاب الودیعة: ۳/۴۶۰، مکتبه غفاریه کوئٹه)

تھا اور باوجود پوری حفاظت کے وہ چوری ہوگئی، تو اس سے پوری لینے کا حق نہیں، جتنی واپس آگئی ہو وہ لے لی جائے(۱)۔

تنبیہ: جو شخص شریعت کا پابند ہو اس کے پاس مسجد کی امانت رکھنا درست نہیں(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۵/۸۵ھ۔

انجمن کا روپیہ ڈاکوؤں نے لے لیا وہ کس کے ذمہ ہے؟

سوال[۸۰۸۳]: ہمارے یہاں ایک انجمن ہے جو ہمارے مفاد کے لئے بنائی گئی ہے، مثلاً: مطالعہ کے لئے کتب وغیرہ۔ اس انجمن میں کچھ نقد رقوم جمع ہیں اور یہ انجمن ہی کی ہیں۔ اس رقم میں سے ہم ممبران انجمن بوقت اشد ضرورت ۲۵/ روپیہ بطور قرض اٹھا سکتے ہیں۔ اس انجمن کا ایک ممبر اپنی ذاتی کارروائی کی بناء پر جیل میں بند کر دیا گیا، اس قیدی ممبر نے جیل سے خط لکھا صدر انجمن کے پاس کہ اس جمع شدہ انجمن کی رقم میں سے سات سو روپے مجھے بطور قرض دیدو۔ صدر انجمن نے ممبران کو جمع کیا اور کہا کہ تم سب ممبران اس کی ذمہ داری اٹھاتے ہو کہ اگر یہ رقم ادا نہ کر سکا تو تم کو ادا کرنی ہوگی؟ سب ممبران نے ذمہ داری لے لی اور صدر انجمن، انجمن میں سے سات سو روپے لیکر اس قیدی کی رہائی کے لئے جاتا ہے۔

اس صدر نے یہ رقم کسی ذمہ دار ممبر کے ہاتھ بھیج دی۔ اور جب یہ بات ہوئی کہ رہائی کے لئے کون

= (وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الوديعة: ٦/٢٠، دار الكتب العلمية بيروت)

(١) "وهي أمانة، هذا حكمها مع وجوب الحفظ والأداء عند الطلب واستحباب قبولها، فلا تضمن بالهلاك ..... مطلقاً سواء أمكن التحرز أم لا، هلك معها شيء أم لا، لحديث الدار قطني: "ليس على المستودع غير المغل ضمان"". (الدر المختار: ٥/٦٦٣، كتاب الإيداع، سعيد)

"وهي أمانة فلا تضمن بالهلاك، لقوله عليه السلام: "لا ضمان على مؤتمن"". (تبيين الحقائق: ٦/١٨، كتاب الوديعة، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في مجمع الأنهر شرح ملتقى الأبحر: ٣/٤٦٩، كتاب الوديعة، غفاريه كوئته)

(۲) ایسا شخص امور دینیہ میں لاپرواہی برتنے کی بناء پر اس قابل نہیں ہوتا کہ اس کے پاس کوئی امانت رکھی جائے، کیونکہ اس کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے، باقی شریعت کا پابند ہونا امانت رکھوانے کے لئے شرط نہیں ہے۔

جائے گا، تو صدر انجمن نے کہا میں آن جاؤں گا۔ اور چونکہ وہ خود بھی ذمہ دار تھا اس لئے سب ممبران نے صدر سے دب کر سکوت اختیار کیا۔ نیز یہ صدر ممبران ذمہ داران سے خوش نہیں ہے۔

یہ صدر یہ رقم لیکر رہائی کے لئے رات کے وقت جاتا ہے، ریل سے سفر کرتا ہے۔ صدر کا بیان ہے کہ میں جارہا تھا تو "میرے صندوق سے ڈاکوؤں نے مجھے غفلت میں ڈال کر دو سات سو روپے نکال لئے"۔ کچھ علامات بھی بتاتا ہے جس پر ممبران کو کسی وجہ یقین نہیں آتا اور صدر اس پر باوجود شادی شدہ ہونے کے طلاق مغلظہ کی قسمیں کھاتا ہے۔ ممبران کے علاوہ دوسرے لوگ بھی کہتے ہیں کہ یہ بات غلط معلوم ہوتی ہے۔ اب زیر بحث یہ مسئلہ ہے کہ انجمن کی رقم کس پر عائد ہوگی اور کون ذمہ دار ہوگا؟ وہ قیدی ممبر یا ذمہ داران ممبر یا صدر صاحب؟ جواب عنایت فرمائیے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

قیدی ممبر نے روپیہ قرض مانگا، صدر انجمن نے دوسرے ممبروں سے ضمانت لی کہ اگر وہ قیدی ممبر روپیہ واپس نہ کرے تو آپ لوگوں کو دینا ہوگا، انہوں نے ذمہ داری لے لی۔ روپیہ قیدی کے ہاتھ میں نہیں پہونچا، نہ اس کے مشورہ سے اس کے کسی کام میں خرچ ہوا، لہٰذا قیدی ممبر کے ذمہ اس کی واپسی نہیں۔ ذمہ دار ممبروں نے قیدی کی طرف سے ضمانت لی تھی، جب اس کے ذمہ ہی واپسی ضروری نہیں، کیونکہ اس تک پہونچا ہی نہیں تو ذمہ داری اور ضمانت کی وجہ سے ان کی ذمہ بھی واپسی ضروری نہیں، وہ صدر انجمن کے ذمہ دار و ضامن نہیں تھے کہ اگر صدر سے ضائع ہوجائے تو ہم دیں گے، لہٰذا صدر انجمن کا دوسرے ضامن ممبران سے مطالبہ کرنا بے محل ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۳/۱۳۹۵ھ۔

---

(۱) صدر کے قول کہ: "میرے صندوق سے ڈاکوؤں نے مجھے غفلت میں ڈال کر دو سات سو روپے نکال لئے" سے معلوم ہوتا ہے کہ صدر نے امانت کی حفاظت میں تقصیر کی ہے، لہٰذا وہ خود اس کا ضامن ہے، جیسے شئ مستاجر۔ اگر مست جری عدم حفاظت کی وجہ سے ہلاک ہو تو اس پر ضمان ہے:

"والمتاع في يده غير مضمون بالهلاك: يعني لا يضمن ما ذكر، سواء هلك بسبب يمكن الاحتراز عنه كالسرقة أو بسبب لا يمكن كالحريق الغالب والغارة المكابرة". (البحر الرائق: ۸/۲۷، كتاب الإجارة، رشيديه)

حفاظت میں کوتاہی کی بنا پر امانت کا ضمان

سوال [۸۰۰۲]: احقر کے پاس ذی الحجہ میں پھوپھی زاد بھائی نے تین حصوں کے لئے مبلغ ستر روپے اور ایک حصہ کے لئے بڑوں کی ایک بیوہ کی طرف سے ۵۰/ روپے (دیئے)۔ پوسٹ مین نے جب منی آرڈر ادا کیا تو دس دس کے تین نوٹ دیئے اور پانچ واپس مانگے۔ احقر کے پاس جیب میں ۲۰/ ایک امانت کے ساتھ مبلغ ۱۵/ جو کہ احقر کی بیوی کی جانب سے بہروائی سے مباحث ملنے بھیجے تھے، رکھے تھے، وہ ۵/ واپس کردیئے، اس میں دو دو کے دو نوٹ اور ایک روپے والا ایک نوٹ رہا۔ ۱۰/ روپے والا نوٹ پوسٹ مین نے پھر واپس دیکر لیا کہ ریزگاری دیدو۔ اس درمیان میں احقر نے ریزگاری دینے سے پہلے کل ۱۱۰/ روپے گھٹنے کے نیچے رکھ لئے، بس اڈہ پر ایک شخص کا تخت پڑا تھا، اس کے کونے پر پیر لٹکائے بیٹھا تھا، اتنے میں ہردوئی جانے کے لئے بس آگئی۔

احقر کے پاس دو تین اخبار رکھے تھے، روپے نوٹ اٹھنے سے یا تو تخت کے پاس نیچے گر گئے، یا تخت پر گھٹنے کے نیچے وہیں چھوٹ گئے، بس تک جانے پر فوراً یاد آیا اور بری طرح سے بھاگا، مگر نہ ملے۔ احقر نے قرض روپیہ لیکر قربانی کردی اور اطلاع کردی۔

اب دریافت طلب یہ ہے کہ ایسی صورت میں احقر پر تاوان واجب ہے، یا ان لوگوں کی امانت تھی اور وہ اس طرح ضائع ہوئی؟ ان سے اب فی حصہ ۲۰/ روپے طلب کروں جو کہ خرچ ہوئے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

بس اڈہ پر جہاں کثرت ہر قسم کے لوگ آتے جاتے رہتے ہیں، گھٹنے کے نیچے نوٹ رکھ کر اخبار پڑھنا اور پھر اخبار فروخت کرنے کے لئے چلے جانا اور نوٹوں کو اٹھا کر جیب میں نہ رکھنا یقیناً حفاظت میں کوتاہی ہے، ایسی صورت میں نوٹ ضائع ہونے سے ضمان لازم ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۶/۱۲/۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین، دار العلوم دیوبند، ۲۷/۱۲/۸۹ھ۔

---

(۱) "یلزم حفظ الودیعۃ فی حرز مثلہا، فوضع مثل النقود و المجوہرات فی إصطبل الدواب أو التبن تقصیر فی الحفظ. و بہذہ الحال إذا ضاعت الودیعۃ أو ہلکت، لزم الضمان". (شرح المجلۃ للسلیم =

امانت کو دفن کرنے کی شکل میں ضائع ہونے پر ضمان

سوال[۸۰۸۵]: پچیس سال ہوئے میری بھانجی میری بیوی کے پاس کچھ چاندی کا زیور بغرض حفاظت رکھنے کو آئی، میرے منع کرنے پر بھی بیوی کی خوشامد کرکے رکھ گئی۔ بیوی نے وہ زیور ڈبہ میں رکھ کر ایک جگہ مکان میں گاڑ دیا۔ کچھ عرصہ کے بعد برسات میں مکان گرا تو سب اٹھ کر مکان دوبارہ بنوایا گیا۔ بہر کیف! اب بھانجی نے زیور مانگا تو کھدوایا گیا، زیور غائب تھا۔ اب میری بیوی اور میں دونوں بہت شرمندہ ہیں، اور میری بھانجی زیور کا مطالبہ کر رہی ہے۔ اب اس میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب کہ امانت کی چیز ڈبہ میں رکھ کر محفوظ مکان میں زمین کھود کر گاڑ دی تو اپنی طرف سے حفاظت کا پورا انتظام کر دیا، اس کے بعد جب وہ گر گیا اور دوبارہ اس کی تعمیر ہوئی تو وہ امانت یاد بھی نہیں تھی۔ اس بات کو ۲۵ سال گزر چکے۔ اس جگہ کو کھود کر دیکھا گیا تو وہ امانت محفوظ نہیں، ایسی حالت میں اس کا ضمان واجب نہیں:

هكذا يفهم مما في الهندية: "إذا قال: دفنت في داري أو كرمي ونسيت مكانها، لم يضمن إذا كان للدار والكرم باب. ولو قال: دفنت في موضع آخر ونسيت مكانها، يضمن، كذا في الخلاصة. وكذلك لو سم يبين مكان المدفن، لكنه قال: سرقت الوديعة من المكان المدفون فيه، فإن كان للدار والكرم باب لا يضمن، وإن لم يكن لهما باب يضمن، كذا في

= رستم جز، ص: ۳۳۲، (رقم المادة: ۸۰۴)، مكتبه حنفيه كوئته)

"ولو قال: وضعت بين يدي في داري، ثم قمت ونسيتها، فضاعت، ينظر: إن كانت الوديعة مما لا يحفظ في عرصة الدار ولا تعد حرزاً له كصرة الدراهم والذهب ونحوهما، يضمن، وإلا فلا" (الفتاوى العالمكيرية: ۴/۳۴۲، الباب الرابع فيما يكون تضييعاً للوديعة وما لا يكون، رشيديه)

"سئلت عن المودع إذا قال: وضعتها بين يدي ولم أدر ونسيت، فضاعت، هل يضمن؟ فالجواب: نعم، كما في جامع الفصولين". (الفتاوى الكاملية، ص: ۱۴۵، كتاب الوديعة، مكتبه حقانيه پشاور)

المحیط اھ۔ عالمگیری: ۳۶۴/۳ (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۴/۹۲ھ۔

امانت کے ہلاک کرنے پر ضمان

سوال [۸۰۹۱]: اگر کسی شخص نے کسی دوسرے مسلمان کے پاس اپنی امانت رکھی مثلاً: غلہ، سونا، چاندی، وغیرہ اور امین نے بغیر اجازت کے وہ اپنے کام میں لے لی۔ اب امین سے وہ شخص اپنی امانت طلب کرتا ہے، مگر امین کہتا ہے کہ خرچ ہوگئی، اپنی امانت کی قیمت لے لو، اس وقت قیمت اس چیز کی چار روپے من ہے اور جب وہ امانت رکھی گئی تو دو روپے من کا بھاؤ تھا۔ تو اب امین سے امانت رکھانے والا چار روپے من کے بھاؤ یعنی موجودہ بھاؤ کے حساب سے دام وصول کرتا ہے، یہ صورت جائز ہے یا نہیں؟

دوسری صورت یہ ہے کہ امانت رکھنے والا یوں کہتا ہے کہ موجودہ بھاؤ سے مجھے کچھ غرض نہیں، اپنی امانت کی جنس لیتا ہوں، وہ دے یا جتنی قیمت میں آئے اتنی دے، مجھے موجودہ بھاؤ سے کوئی تعلق نہیں۔ اور اس صورت میں وہ اپنی امانت کی قیمت اپنی طبیعت کے موافق وصول کر لیتا ہے یعنی چار روپے کے بھاؤ کے بجائے، یا موجودہ بھاؤ کے بجائے وہ دوگنی تگنی قیمت لیتا ہے۔ یہ جائز ہے یا ناجائز؟

---

(۱) (الفتاویٰ العالمکیریۃ: ۳۴۲/۴، کتاب الودیعۃ، الباب الرابع فیما یکون تضییعاً للودیعۃ الخ، رشیدیہ)

"الودیعۃ أمانۃ في ید المودَع، فإذا هلکت بلا تعدیه و بدون صنعه و تقصیره في الحفظ، لا یضمن". (شرح المجلۃ لسلیم رستم باز، ص: ۳۳۱، رقم المادۃ: ۷۷۷، مکتبہ حنفیہ کوئٹہ)

"وهي أمانة، فلا تضمن بالهلاک، لقوله علیه السلام: "لا ضمان علی مؤتمن"". (تبیین الحقائق: ۱۰۹/۶، کتاب الودیعۃ، دار الکتب العلمیۃ بیروت)

"والودیعۃ أمانۃ في ید المودَع، إذا هلکت لم یضمنها، لقوله علیه السلام: "لیس علی المستعیر غیر المغل ضمان، ولا علی المستودع غیر المغل ضمان" ... اهـ". (الهدایة: ۲۷۴/۳، کتاب الودیعۃ، مکتبہ شرکت علمیہ ملتان)

(وکذا في مجمع الأنهر، کتاب الودیعۃ: ۳۳۹/۳، مکتبہ غفاریہ کوئٹہ)

الجواب حامداً ومصلیاً:

امین مال امانت میں بلا اجازت تصرف کرنے کی وجہ سے بمنزلہ غاصب کے ہو گیا اور غاصب اگر شئ مغصوب کو ہلاک کردے تو اس کے ذمہ مغصوب کا بدل واجب ہوتا ہے، مثلی میں مثل اور قیمتی میں قیمت اور صورتِ مسئولہ میں مالِ امانت مثلی ہے لہذا مثل واجب ہوگا خواہ اس کی قیمت کچھ بھی ہو۔

"والضمان لو هلكت، ففي المثلي كالكيلي، والوزني والعددي يجب مثله" اهـ. "ملتقى الأبحر" ۲/۶۵۶(۱)۔

"قال أبو الليث في فتاواه: وإن كانت الوديعة دراهم أو دنانير أو شيئاً من المكيل والموزون، فأنفق طائفة منها في حاجته، كان ضامناً لما أنفق منها؛ لأنه أتلفه بالإنفاق" اهـ(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۳/۱/۹۱ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔　　صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۳/۱/۹۱ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) (ملتقى الأبحر (الدر المنتقي) شرح ملتقى الأبحر على هامش مجمع الأنهر: ۳/۷۸، كتاب الغصب، غفاریہ کوئٹہ)

(۲) (الفتاوى العالمكيرية: ۴/۳۴۸، الباب الرابع فيما يكون تضييعاً للوديعة وما لا يكون، رشیدیہ)

"في الأصل: إذا كانت دراهم أو دنانير أو شيئاً من المكيل والموزون، فأنفق المودع طائفة منها في حاجة نفسه، كان ضامناً لما أنفق منها". (المحيط البرهاني في الفقه النعماني: ۶/۳۴۹، في رد الوديعة، غفاریہ کوئٹہ)

"الوديعة متى وجب ضمانها، فإن كانت من المثليات تضمن بمثلها، وإن كانت من القيميات تضمن بقيمتها يوم لزوم الضمان". (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۳۴۰، رقم المادة: ۸۰۳، مکتبہ حنفیہ کوئٹہ)

"الوديعة إذا لزم ضمانها، فإن كانت من المثليات تضمن بمثلها، وإن كانت من القيميات تضمن بقيمتها يوم لزوم الضمان .... يعني يوم وقع تعدي المودع على الوديعة؛ لأنه بذلك صار غاصباً. ففي المنح وغيره: المودع بالتعدي على الوديعة غاصب". (شرح المجلة لخالد الأتاسي: ۳/۲۹۶، كتاب الوديعة، مکتبہ حقانیہ پشاور)

كتاب الإجارة

باب الإجارة الصحيحة

(اجارۂ صحیحہ کا بیان)

اجارہ کی تعریف

سوال[۸۰۸۷]: اجارہ کا مفہوم شرعی کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

تمليك المنفعة بالعوض(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

اجرت پر ملک کا تحقق کب ہوتا ہے اور ملازمین کے فنڈ پر ہدایہ کی عبارت سے اشکال

سوال[۸۰۸۸]: بعض مدارس میں ایک قسم کا فنڈ مدرسین وملازمین کے لئے جاری کیا گیا ہے جس میں تنخواہ میں سے مہینہ پورا ہونے پر کچھ حصہ کاٹ کر مدرسہ میں جمع رکھا جاتا ہے اور مدرسہ اپنی طرف سے کچھ اس

---

(۱) "هي (أي الإجارة) تمليك نفع بعوض". (الدر المختار، كتاب الإجارة: ۶/۴، سعيد)

(وكذا في فتح القدير، الإجارة عقد على المنافع بعوض. ۸/۵۸، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۴/۴۰۹، رشيديه)

"اعلم أن الإجارة عقد على المنفعة بعوض هو مال". (المبسوط للسرخسي: ۸۲/۸، مكتبه غفاريه كوئٹه)

میں اضافہ کرتا ہے۔اسی طرح ان کے لئے رقم جمع کی جاتی ہے، جو ملازمت کے ختم ہونے پر ان کو دی جائے گی، تاکہ اس کو بے موقع پریشانی نہ ہو۔

اب اس میں سوال یہ ہے کہ صاحب ہدایہ کی تشریح کے مطابق استیفائے منافع پر اجرت کا مالک ہوتا ہے۔ نیز تنخواہ کے رجسٹر میں اس پر ملازم کے دستخط بھی ہو جاتے ہیں اور عرف و بقایا ملازمین اپنا ہی تصور کرتے ہیں تو یہ مزید جواز ہو جاتا ہے، جب کہ اس میں ملازمین کے کئے ہوئے پیسہ کا ہونا شرط ہے۔ تو کیا یہ سود کی نوعیت نہیں ہوگی؟ اگر یہ نوعیت نہیں تو بے غبار حلال ہے، یا کسی قسم کے شائبہ سود سے قابل التفات ہے؟

محمد اسماعیل گجراتی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ہدایہ میں "ثبوت ملک" سے مراد "حقیقت ملک" نہیں، بلکہ "استحقاق ملک" مراد ہے جیسا کہ عنوان باب سے ظاہر ہے۔ "باب الأجر متى يستحق" اور متن میں ہے:

"قال: الأجرة لا تجب بالعقد وتستحق بإحدى معاني ثلاثة" (۱)۔

محشی نے بھی اسی کی تشریح کی ہے (۲)۔ عمدۃ الفتاویٰ میں خوب تفصیل سے اس پر بحث موجود ہے (۳)۔ امید ہے کہ اب اس تقریر پر اشکال نہیں ہوگا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/۹/۹۲ھ۔

---

(۱) (الهداية: ۳/۲۹۲، كتاب الإجارة، باب الأجر متى يستحق، مكتبه شركت علميه ملتان)

(۲) "المراد نفس الوجوب، لا وجوب الأداء، لأنه عقد معاوضة، فيعتبر فيه المساواة، ولم يوجد في جانب المعقود عليه، لا نفس الوجوب، ولا وجوب الأداء فكذلك في جانب العوض" (حاشية العلامة عبد الحي اللكنوي رحمه الله تعالى على الهداية: ۳/۲۹۲، باب الأجر متى تستحق، كتاب الإجارة، مكتبه شركت علميه ملتان)

(وكذا في فتح القدير، للحافظ كمال ابن الهمام: ۹/۷۵، ۹۰، باب الأجر متى يستحق، كتاب الإجارة، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في العناية شرح الهداية على هامش فتح القدير، كتاب الإجارة: ۹/۷۶، باب الأجر متى يستحق، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۳) سوال: "گورنمنٹ دو وقت کرتی ہے کہ جو ملازمین سرکاری تنخواہوں سے ماہانہ کچھ ... =

زمین اجارہ پر دینا

سوال[۸۰۵۱]: زید نے اپنی غرض سے اپنا ایک قطعہ کھیت چار بیگھے چار سال کے واسطے عمر کے پاس چار سو روپیہ میں رہن رکھ دیا اور عمر سے کہہ دیا کہ چار سال کے بعد تم میرا کھیت مجھ کو دے دینا، تم چار سال تک میرے کھیت سے جو کچھ بھی فائدہ اٹھاؤ اور پیداوار کھاؤ، مجھ کو اس سے کوئی واسطہ اور غرض نہ ہوگا، اور جب میں اپنا کھیت تم سے لوں گا تو تم کو کوئی پیسہ نہیں دوں گا، اور تمہارے وہ چار سو روپے ختم ہو جائیں گے اور میں تمہارے ان چار سو روپے سے کتنا ہی فائدہ اٹھاؤں، تمہیں اس فائدے سے کوئی غرض اور واسطہ نہیں ہوگا۔

یہ بات قرار پا گئی اور عہد و پیمان اور قول و قرار ہو گئے، عمر نے کہہ دیا میں چھوڑ دوں گا، مجھے یہ سب باتیں منظور ہیں۔ لہٰذا از روئے شرع شریف دونوں کا فائدہ اٹھانا یا ایک کا سود ہوا یا نہیں؟ قرآن و حدیث اور فقہ کی روشنی میں جواب مرحمت فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

یہ رہن نہیں، بلکہ اجارہ ہے، یعنی زید نے اپنی زمین چار سال تک عمر کو کرایہ پر دی ہے کہ وہ اس میں جو چاہے کاشت کرے اور اس کا کرایہ چار سو روپیہ پیشگی وصول کرلیا، پس یہ چار سو روپے بطور اجرت زمین زید کی ملک ہو گیا، عمر کا نہیں رہا، نہ عمر کو اس کو واپس لینے کا حق رہا اور زمین پر چار سال تک کے لئے عمر کو حقِ کاشت حاصل ہو گیا۔

=صدی کے حساب سے ہر مہینہ میں تنخواہ سے سرکار میں جمع کریں، اور وہ کل رقم بعد ختم ہونے نوکری سرکاری کے خواہ پنشن ہونے پر یا خود نوکری چھوڑ دے، اس وقت کل روپیہ اس کا مع چار روپیہ فی صدی سود کے سرکار واپس دے گی؟

الجواب: "جواب مسئلہ کا یہ ہے کہ تنخواہ کا کوئی جزو اس طرح جمع کرا دیا اور یہ یکمشت وصول کرلیا، گر چہ اس کے ساتھ سود کے نام سے کچھ رقم ملے یہ سب جائز ہے، کیونکہ درحقیقت وہ سود نہیں ہے، اس لئے کہ تنخواہ کا جو جزو وصول نہیں ہوا وہ اس ملازم کی ملک میں داخل نہیں ہوا، پس وہ رقم تا دم اس کی مملوک نہ تھے سے منتفع ہونے پر نہیں دی گئی، بلکہ تبرع ابتدائی ہے، گو گورنمنٹ اس کو اپنی اصطلاح میں سود ہی کہے۔ فقط" (امداد الفتاویٰ ۳:۱۴۹، کتاب الربوٰ، تحت عنوان: "تحقیق ربٰی بودن ملازمین کی تنخواہ کا کوئی جزو جو کٹ جاتا ہے وہ وقت وصول سود جو ملتا ہے اس سود کا حکم، رقم السوال: ۱۹۷)

دار العلوم کراچی)

اس معاملہ کا نام رہن رکھنا غلط ہے، اگر یہ رہن ہوتا اور چار سو روپے قرض ہوتا تو زید کے ذمہ قرض کی واپسی لازم ہوتی: "لأن الأقراض تقضى بأمثالها". كذا في الدر المختار (۱) اور زمین سے عمرو بذریعۂ کاشت نفع حاصل کرنا جائز نہ ہوتا اور "كل قرض جر نفعاً فهو حرام" (۲) کے تحت یہ نفع اٹھانا حرام ہوتا، اب ایسا نہیں، بلکہ یہ معاملہ بصورتِ اجارہ درست ہے۔ ہاں! یہ لحاظ رہے کہ ایسی زمین کا چار سال کا کرایہ عرفاً وعادۃً بھی چار سو روپیہ ہی ہوتا ہو، یا معمولی کی بیشی ہو تو وہ قابلِ گرفت نہیں (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/۲/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۲/۹۰ھ۔

زمین کی اجرت دھان قرار دینا

سوال[۸۰۰۰]: زید عمرو کو ایک بیگہ زمین اس شرط پر دیتا ہے کہ تمہیں ۱۵/من دھان دینا ہے پیدا ہو یا نہ ہو، عمرو بھی اس پر راضی ہے۔ شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ مزارعت نہیں ہے، بلکہ زمین کرایہ پر دینا ہے، اور ۱۵/من دھان اجرت ہے، خواہ دھان (۴) کی

(۱) قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالى: "هو عقد مخصوص يرد على دفع مال مثلي لآخر ليرد مثله". (الدر المختار: ۵/۱۶۱، باب القرض، سعيد)

(۲) (الدر المختار، كتاب الإجارة: ۵/۱۶۶، سعيد)

(۳) "وتصح إجارة أرض للزراعة مع بيان ما يزرع فيها، أو قال: على أن أزرع فيها ما أشاء، كي لا تقع المنازعة". (الدر المختار: ۶/۲۹، كتاب الإجارة، باب ما يجوز من الإجارة وما يكون خلافاً فيها، سعيد)

"صح العقد لانه الغيث، وليس للمؤجر إخراجه حتى ينقضي إلا بعذر، كما لو عجل أجرة شهرين فأكثر لكونه كالمسمى، إلا أن يسمى الكل: أي جملة شهور معلومة، فيصح لزوال المانع". (الدر المختار: ۶/۴۵، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، سعيد)

(۴) "دھان: چاول کا پودا، چھلکے دار چاول"۔ (فیروز اللغات ص: ۶۹۰، فیروز سنز لاہور)

کاشت کرے یا کسی اور چیز کی، یا بالکل ہی کاشت نہ کرے۔ یہ معاملہ شرعاً درست ہے جیسا کہ ۵۰/ روپیہ کو اجرت قرار دینا درست ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفی عنہ دار العلوم دیوبند، ۱۰/۱/ ۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ۔

زمین اور باغ کا اجارہ

سوال[۸۰۹۱]: اگر کوئی آم کے باغ کا مالک دو چار سال کے لئے زمین اور درخت کسی کو دے دے تاکہ وہ زمین اور درختوں سے نفع اٹھائے، پھل وغیرہ حاصل کرے اور مالک باغ بدلے میں دو چار ہزار روپیہ لے لے تو درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اجارہ میں شیٔ مستاجرہ سے نفع حاصل کرنا مقصود ہوتا ہے نہ کہ استہلاک اعیان۔ زمین میں کاشت کرنا اور اس سے غلہ حاصل کرنا تو اجارہ میں داخل ہے، لیکن مالک زمین کے درختوں سے پھل حاصل کرنا یہ اجارہ میں داخل نہیں، بلکہ یہ تو بیع ہوگی(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند، ۱۱/۱۱/ ۱۴۰۲ھ۔

---

(۱) قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالى: "وكل ما صلح ثمناً: أي بدلاً في البيع، صلح أجرةً، لأنها ثمن المنفعة". (الدر المختار: ۶/۴، كتاب الإجارة، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۴/۴۱۲، كتاب الإجارة، الباب الأول، رشيديه)

(وكذا في شرح المجلة لسليم رستم باز: ۱/۲۶۰، (رقم المادة: ۴۶۳)، الفصل الأول في بدل الإجارة، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) "سئلت فيمن استأجر بستاناً ليأكل ثمرة أشجاره من نخل و زيتون وليمون: هل يجوز ذلك؟ فأجبت: بأنه لا يجوز، وسند ذلك ما في شرح الطحطاوي رحمه الله تعالى: الإجارة على استهلاك الأعيان باطلة، كما لو استأجر كرماً مدةً معلومةً ليأكل ثماره، أو استأجر غنماً ليأكل لبنها وسمنها، أو استأجر المرعى ليرعى البهائم، وما أشبه ذلك، لم تصح الإجارة. فهذا صريح في أن الإجارة باطلة".

(الفتاوى الكاملية، ص: ۱۱۰، كتاب الإجارة، مكتبه حقانيه پشاور) ....

کھیت کا کرایہ غلہ کی صورت میں

سوال[۸۰۹۲]: بکر نے عمر کو اپنا کھیت دے دیا اور اس سے کہا کہ ہر سال بر ششماہی پچھ من غلہ دے دیا کرنا خواہ میرے کھیت میں غلہ پیدا ہو یا نہ ہو، اس کا شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس طرح نقد اجرت مقرر کرنا درست ہے اسی طرح غلہ مقرر کر لینا بھی درست ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۲/۸/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۱۲/۸/۸۸ھ۔

جائز وناجائز کام کرنے والی فیکٹری میں ملازمت کرنا

سوال[۸۰۹۳]: یہاں پر ایک ایسی فیکٹری ہے جہاں شراب وغیرہ کا ایڈورٹائزنگ بھی ہوتا ہے(۲) اور کر اہم چیزوں کا بھی ہے، اس کا کام دوسرا ہے، کیا اس جگہ کی ملازمت میرے لئے درست ہے یا نہیں؟

"ولا يجوز إجارة ماء في نهر أو قناة أو بئر، ولو استأجر النهر والقناة مع الماء، لم يجز أيضاً؛ لأن فيه استهلاك العين أصلاً". (الفتاوى العالمكيرية: ۴۴۲/۴، الباب الخامس عشر من كتاب الإجارة، رشيدية)

(وكذا في فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۳۲۸/۲، رشيدية)

(۱) قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالى: "وكل ما صلح ثمناً أي بدلاً في البيع صلح أجرةً؛ لأنها ثمن المنفعة". (الدر المختار: ۵/۶، كتاب الإجارة، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۴۱۲/۴، كتاب الإجارة، الباب الثاني في بيان أنه متى تجب الأجرة وما يتعلق به من الملك وغيره، رشيدية)

(۲) "ایڈورٹائز" (Advertise): تشہیر کرنا، اشتہار دینا، اعلان کرنا، مشتہر کرنا، مطلع کرنا۔ (English to Urdu & English & Urdu Dictionary, Page No. 18, Feroz Sons Lahore)

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب اصل کام شراب کے اعلان واشتہار کا نہیں، بلکہ جائز چیز کا ہے تو ملازمت جائز ہے(۱)، شراب کے متعلق جہاں تک ہوسکے بچنا چاہیے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

جس فیکٹری میں بھی شراب کا ایڈورٹائز ہوتا ہو اس میں ملازمت کا حکم

سوال [۱۰۲۲۱]: کیا ہم ایسی فیکٹری میں کام کرسکتے ہیں جہاں شراب وغیرہ جو حرام چیزوں کی ایڈورٹائزنگ ہو(۳)، ان کو بھی بنایا جاتا ہے، کیا یہ مال ہمارے لئے جائز ہے؟

نوٹ: ہر وقت شراب کی ایڈورٹائزنگ نہیں بلکہ کبھی کبھی آتی ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب اصل کام شراب کے اعلان واشتہار کا نہیں، بلکہ جائز کام کا ہے تو ملازمت جائز ہے(۴)۔ شراب

---

(۱) قال العلامة محمد كامل الطرابلسي: "سئل في كافر استأجر مسلماً لبناء كنيسة أو بيعة أو لنحت صنم، هل يحل له الأجر؟ فالجواب: ما في البزازية، وهذا لفظه: استأجر مسلماً لبناء بيعة أو كنيسة أو لنحت طنبور، يحل له الأجر ويطيب، إلا أنه يأثم الأجير؛ لأنه إعانة على المعصية". (الفتاوى الكاملية، ص: ۱۲۷، كتاب الإجارة، مكتبه حقانيه پشاور)

(۲) "لعن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم في الخمر عشرة: عاصرها، ومعتصرها، وشاربها، وحاملها، والمحمولة إليه، وساقيها، وبائعها، وآكل ثمنها، والمشتري لها، والمشتراة له". (جامع الترمذي، أبواب البيوع، باب ما جاء في بيع الخمر والنهي عن ذلك: ۱/۲۴۲، سعيد)

"ويكره أن يؤاجر نفسه منهم لعصر العنب ليتخذ منه خمراً". (الفتاوى العالمكيرية: ۴/۴۵۰، كتاب الإجارة، الباب الخامس عشر في بيان ما يجوز من الإجارة وما لا يجوز، الفصل الرابع، رشيديه)

(۳) "ایڈورٹائز (Adverties) خریدار کرنا، اشتہار دینا، اعلان کرنا، مشتہر کرنا، مطلع کرنا، آگاہ کرنا" (English to English & Urdu Dictionary, Page No. 18, Feroz Sons Lahore)

(۴) راجع للتخريج عنوان: "شراب کے کارخانے میں دوسرے کام کی ملازمت"۔

دے کر ذبح کراتے ہیں۔ آیا زید کو حلال کرنے کی اجرت لینا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو لوگ زید سے یہ کہتے ہیں کہ حلال کرنے سے دل سخت ہو جاتا ہے اور حلال کرنے والے کی روح سختی سے نکالی جائے گی، یہ پیشہ جائز تو ہے مگر مکروہ ہے۔

الجواب حامداً ومصلياً:

فتاویٰ عالمگیری میں صراحۃً مذکور ہے کہ جانور ذبح کرنے کی اجرت شرعاً جائز ہے، اس لئے کوئی فکر نہ کریں(۱) اور یہ بات کہ "ذبح کرنے والے کی روح سختی سے نکالی جائے گی" یہ شرعاً بے اصل ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴/۸/۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، ۱۵/۸/۸۹ھ۔

امتحان کے پرچے بنانے اور جانچنے کی اجرت

سوال[۸۰۹۷]: ۱... عموماً یونیورسٹیاں اور مدارس ممتحنین سے سوالات بنواتے ہیں، جن میں ان صاحبوں کا وقت صرف ہوتا ہے۔ اور پھر جوابات امتحان بھی ان حضرات کو دیکھنے پڑتے ہیں جس میں وقت کا کثیر حصہ صرف میں آتا ہے، نیز ان کی روانگی وغیرہ بھی انہی کے ذمہ ہوتی ہے۔ تو کیا اس محنت کا معاوضہ ان حضرات کو تنخواہ دیا جاتا ہے اور اس صرف شدہ وقت کی بہت حق الخدمت جو عام طور سے یونیورسٹی کی طرف سے دیا جاتا ہے لینا درست ہے یا نہیں اور یہ شرعی معاملہ کون سی نوع میں داخل ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

صورتِ مسئولہ میں دو عمل ہیں: ایک سوالات امتحان بنانا، دوسرا جوابات امتحان کو دیکھنا۔ ورداول پر

---

(۱) "ويجوز الاستئجار على الذكاة: لأن المقصود منها قطع الأوداج دون إفاتة الروح، وذلك يقدر عليه". (الفتاوى العالمكيرية: ۴/۴۵۲، كتاب الإجارة، الباب الخامس عشر في بيان ما يجوز من الإجارة وما لا يجوز، فصل في المتفرقات، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع: ۵/۵۵۱، كتاب الإجارة، فصل في شرائط الركن، دار الكتب العلمية بيروت)

معاوضہ لینا شرعاً درست ہے، اگر پہلے متعین کرلیا جائے نقل کو بھی اور معاوضہ کو بھی، اس طرح کہ مثلاً اتنے بڑے کاغذ پر اتنی سطروں کا سوال لکھنا ہوگا اور اس کا یہ معاوضہ ہوگا تاکہ جہالت نقل مفضی الی النزاع نہ رہے، تو اجرت کی واجب ہوگی۔

"لو استأجر رجلاً ليكتب له غناءً بالفارسية أو بالعربية، يجب له الأجر. ولو استأجرته امرأة ليكتب لها كتاباً إلى حبيبها، يجب الأجر، ويطيب له، هذا إذا بيّن الشرائط وبين أعداد الخط، وقدره الكل في التجريد. وفي الأصل: استأجر رجلاً ليكتب له مصحفاً أو فقهاً أو ادعاءً أو غناءً أو هو معلوم جاز اھ". خلاصہ: ۲/۱۱۶(۱)۔

اگر پہلے معاوضہ متعین نہیں کیا گیا تو اجر مثل ہوگا:

"سئل إذا كتب لآخر صكاً ولم يقاوله على أجر معين: فهل يجب له أجر مثله؟ فالجواب: نعم، يجب له أجر مثله، ففي تنقيح الفتاوى ما نصه: وإنما يجب للصكاك أجر مثله بقدر مشقته في صنعته كما يستأجر الكاتب والصكاك بأجر كثير على مشقة قليلة اھ". فتاوی کاملیہ، ص: ۱۸۹(۲)۔

صورت ثانی کی کوئی نظیر کتب فقہ میں نہیں ملی۔ "إذا استأجر رجلاً ليقرأ عليه شيئاً لا يجوز، سواء كان شعراً أو فقهاً أو غيره اھ". خلاصہ: ۲/۱۱۵(۳)۔

لیکن شمس الائمہ سرخسی نے بطلانِ استیجار دری علی القراءۃ کی جو علت بیان کی ہے اس سے بطور مفہوم مخالف کے جزئیہ مسئولہ کا جواز نکلتا ہے:

---

(۱) (خلاصة الفتاوى، الفصل الثاني في صحة الإجارة وفسادها، جنس في المتفرقات: ۳/۱۱۶، كتاب الإجارة، امجد اكيڈمي لاهور)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۴/۴۵۰، مطلب: الاستيجار على الأعمال المباحة، كتاب الإجارة، رشيديه)

(۲) (الفتاوى الكاملية، ص: ۱۸۹، كتاب الإجارة، مكتبه حقانيه پشاور)

(وكذا في تنقيح الفتاوى الحامدية: ۲/۱۳۳، كتاب الإجارة، مكتبه ميمنيه مصر)

(۳) (خلاصة الفتاوى: ۳/۱۱۵، جنس في تعليم القرآن والحرف، كتاب الإجارة، امجد اكيڈمي لاهور)

"کذلک الاستیجار علی الحداء، وکذلک الاستیجار لقراءۃ الشعر؛ لأن هذا لیس من تجارۃ الناس، والمعتبر في الإجارۃ عرف الناس، ولأن ما هو المقصود إنما یحصل بمعنی في المستأجر، وهو السماع والتأمل والتفهیم، فلا یکون ذلک موجباً للأجر علیه، اهـ".

مبسوط: ۳۸/۱۶(۱)۔

اگر وقت کی تعیین کی جائے اور پھر اس وقت کا معاوضہ لیا جاوے تو بظاہر گنجائش معلوم ہوتی ہے(۲)۔

فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مظاہر علوم سہارنپور۔

اگر عمل معلوم ہو خواہ تعیین سے خواہ عرفاً ہو، الغرض ایسی جہالت باقی نہ رہے جو مؤدی الی النزاع ہو تو جواز میں تردد نہیں(۳)۔ فقط۔

عبد اللطیف مظاہر علوم۔

کوئی شئی آدھ گھنٹے کے لئے کرایہ پر لے کر دس منٹ میں واپس کر دیا

سوال[۸۰۰۸]: سائیکلیں جو کرایہ پر دی جاتی ہیں ان میں شرط ہوتی ہے کہ کم از کم آدھ گھنٹہ کا پیسہ لیا جائے گا، چاہے پانچ منٹ ہی میں واپس کردے اور عوام کا اتفاق اس پر ہے۔ لہذا پچیس منٹ کا فضل کرایہ لینا جائز ہے یا نہیں؟

---

(۱) (المبسوط للسرخسي: ۳۸/۱۶، باب الإجارۃ الفاسدۃ، مکتبہ غفاریہ کوئٹہ)

(۲) وقال العلامۃ القاضي أبو الحسن علي بن الحسین بن محمد السغدي: "وإذا وقعت (أي الإجارۃ) علی وقت معلوم، فتجب الأجرۃ بمضي الوقت إن هو استعمله أو لم یستعمله، وبمقدار ما مضی من الوقت تجب الأجرۃ". (النتف في الفتاوی، ص: ۳۲۸، کتاب الإجارۃ، دار الکتب العلمیۃ بیروت)

(۳) "فإن وقعت علی عمل معلوم، فلا تجب الأجرۃ إلا بإتمام العمل إذا کان العمل مما لا یصلح أوله إلا بآخرہ. وإن کان یصلح أوله دون آخرہ، فتجب الأجرۃ بمقدار ما عمل" (النتف في الفتاوی، ص: ۳۲۸، کتاب الإجارۃ، دار الکتب العلمیۃ بیروت)

الجواب حامداً و مصلیاً:

معاملہ آدھ گھنٹے کا کیا ہے، کرایہ دینے والا اپنی ضرورت ۵ منٹ میں پوری کر کے اپنی خوشی سے سائیکل واپس کر گیا اور کرایہ آدھ گھنٹے کا دے گیا تو یہ درست ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۹/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۹/۹۰ھ۔

نشہ آور دوا فروخت کرنے والے میڈیکل اسٹور کا کرایہ

سوال[۹۰۹۹]: میں ایک پختہ دکان کا مالک ہوں جس کو میں نے ایک شخص کو کرایہ پر دے رکھا ہے جس میں اس نے میڈیکل اسٹور (انگریزی ادویات) کھولا تھا۔ ''جنجر'' بھی ایک دوا ہے، لیکن چونکہ اس میں نشہ ہوتا ہے، اس لئے وہ شراب کی جگہ لوگ استعمال کرتے ہیں اور وہاں کافی مجمع رہتا ہے۔ میں نے دکاندار سے متعدد بار اس معاملہ میں بازپرس کی اور دکان خالی کرنے کے لئے کہا، لیکن وہ کوئی توجہ نہیں دیتا۔ اور چونکہ وہ برابر ماہ بماہ کرایہ ادا کرتا ہے اس لئے اس کو قانونی حیثیت سے بھی خالی نہیں کروایا جا سکتا۔ اگر میں رست بدست کرایہ نہ لوں تو وہ منی آرڈر وغیرہ سے بھیجنا شروع کر دے گا۔

میرے لئے عجیب پریشانی و کلفت ہے۔ یہاں لوگوں کا کہنا ہے کہ یہ کرایہ شرعاً جائز نہیں ہے، آپ ہی بتلائیے اس میں میرا کیا قصور ہے، میری نیت تو خیر ہے۔ آپ تحریر فرمائیں آیا اس دکان کا کرایہ حالات بالا کے پیش نظر لینا جائز ہے یا ناجائز؟

---

(۱) قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالى: "ليجب الأجر لدار قبضت ولم تسكن، لوجود تمكنه من الانتفاع". (الدر المختار، كتاب الإجارة: ۶/۱۰، سعيد)

"تلزم الأجرة أيضاً في الإجارة الصحيحة بالاقتدار على استيفاء المنفعة، مثلاً: لو استأجر أحد داراً بإجارة صحيحة، فبعد قبضها يلزمه إعطاء الأجرة وإن لم يسكنها". (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۱/۲۴۳، (رقم المادة: ۴۷۰)، الفصل الثاني، كتاب الإجارة، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۴/۴۱۳، الباب الثاني من كتاب الإجارة، رشيديه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس کی دکان میں پاک سودا بکتا ہو تو محض ذمی ہونے کی وجہ سے اس کی آمدنی کو ناجائز نہیں کہا جائے گا، لہٰذا اس سے حاصل شدہ کرایہ کو ناجائز نہ کہا جائے گا، اس سے آپ پریشان نہ ہوں(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۶/۱/۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۶/۱/۸۹ھ۔

بیوی کے لیے شوہر کی ملازمت

سوال[۸۱۰۰]: ہندہ کا ایک کارخانہ ہے جس میں بہت سے ملازم ہیں، شوہر غریب ہے، ہندہ خواہش رکھتی ہے کہ شوہر ملازمت کرے، شوہر بھی چاہتا ہے، بلکہ خود وہ کام بھی جانتا ہے، ہندہ وہ کام کرانا چاہتی ہے، تو شوہر کو نوکری کرنی چاہیے یا نہیں؟ اگرچہ ایسا کرنے سے قلب موضوع نہ ہو جائے گا، تو دلیل شرعی و عقلی کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

شوہر کو بیوی کی ایسی نوکری جائز نہیں جس سے شوہر کی تذلیل و اہانت ہوتی ہو، کیونکہ قلب موضوع لازم آتا ہے(۲)۔

---

(۱) "وإذا استأجر الذمي من المسلم داراً يسكنها، فلا بأس بذلك، وإن شرب فيها الخمر أو عبد فيها الصليب، أو أدخل فيها الخنازير، ولم يلحق المسلم في ذلك بأس، لأن المسلم لا يؤاجرها لذلك، إنما آجرها للسكنى، كذا في المحيط". (الفتاوى العالمكيرية: ۴/۴۵۰، الفصل الرابع في فساد الإجارة إذا كان مشغولاً بغيره، رشيدية)

(وكذا في خلاصة الفتاوى: ۳/۹۳، كتاب الإجارة، الفصل العاشر في الحظر والإباحة، امجد اكيدمي لاهور)

(۲) "وإن تزوج حر على خدمتها سنة أو على تعليم القرآن فلها مهر مثلها ... لأن خدمة الزوج الحر لا يجوز استحقاقها بعقد النكاح لما فيه من قلب الموضوع". (الهداية، كتاب النكاح، باب المهر: ۲/۳۲۴، شركة علمية ملتان)

"والحاصل أن ما هو مال أو منفعة يمكن تسليمها شرعاً يجوز التزوج عليها، وما لا يجوز —

نیز ایسے کام کی نوکری بھی جائز نہیں کہ وہ کام شوہر کے ذمہ بغیر نوکری ضروری تھا۔ اور صورت مسئولہ میں دونوں باتیں نہیں، لہذا یہ جائز ہے، کذا فی البدائع: ۴/۲۷۰ (۱) وقاضی خان: ۲/۳۳۶ (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفر اللہ عنہ، معین مفتی مظاہر علوم سہارنپور، ۵/رجب/۶۲ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، ناظم مدرسہ مظاہر علوم، ۶/رجب/۶۲ھ۔

گیسٹ ہاؤس کی آمدنی

سوال [۸۱۰۱]: ہم بمبئی میں ایک گیسٹ ہاؤس (۳) چلاتے ہیں (۱) اس گیسٹ ہاؤس میں باہر سے آنے والے بھی ٹھہرا کرتے ہیں اور اکثر وبیشتر بمبئی ہی کے عیاش لوگ آکر روم بک کرواتے ہیں

= کخدمة الزوج الحر لیخدمها" (فتح القدیر، کتاب النکاح، باب المهر: ۳/۳۴۰، مصطفی البابی الحلبی مصر)

(۱) "ولو استأجرت المرأة زوجها لیخدمها فی البیت بأجر مسمی، فهو جائز" (بدائع الصنائع: ۵/۱۱۶، کتاب الإجارة، دار الکتب العلمیة بیروت)

(۲) "وإن استأجرت المرأة زوجها لیخدمها بأجر مسمی جاز، وللزوج أن یمتنع عن خدمتها بعد الإجارة، لأنه یتضرر بذلک .... ولو قالت المرأة لزوجها: اغمز رجلی علی أن لک علی ألف درهم، فغمز الزوج رجلها، ثم إن قالت المرأة: لا أرید الزیادة، قالوا: هذه الإجارة باطلة ولا شیء علیها؛ لأن خدمة المرأة حرام علی الزوج؛ لأنه قوام علیها" (فتاوی قاضی خان علی هامش الفتاوی العالمکیریة، فصل فیما یجب الأجر علی المستأجر وما لا یجب: ۲/۳۱۸، رشیدیه)

"وإن استأجرت امرأة زوجها لیخدمها، فهو جائز؛ لأن خدمتها غیر مستحقة علی الزوج. وقال فی کتاب الآثار: له أن یمتنع من الخدمة؛ لأنه یلحقه مذلة بأن یخدم زوجته، وذلک عذر فی فسخ الإجارة .... ولو خدمها، کان له الأجر علیها" (المبسوط للسرخسی: ۱۶/۳۳، باب إجارة الرقیق، کتاب الإجارة، دار الکتب العلمیة بیروت)

(وکذا فی الفتاوی العالمکیریة: ۴/۴۳۵، الباب الحادی عشر فی الاستئجار للخدمة، کتاب الإجارة، رشیدیه)

(۳) "گیسٹ ہاؤس: مہمان خانہ" (فیروز اللغات، ص: ۱۰۹۹، فیروز سنز لاہور)

اور اپنے ساتھ کوئی بھی لڑکی (عورت) لے کر دو یا تین گھنٹے رہتے ہیں اور کمرہ کا بھاڑا ۲۴/ گھنٹے کا چالیس یا پچاس روپیہ ادا کر دیتے ہیں۔ اور بک کرنے والے یہ کہتے کہ ہم دونوں میاں بیوی ہیں اور ان کے ساتھ زیادہ تر سامان بھی نہیں ہوتا۔ تو اس صورت میں گیسٹ ہاؤس کا بزنس (کاروبار) کرنا جائز ہے اور اس کی کمائی حلال ہے یا حرام؟

الجواب حامداً ومصلياً:

مسافر خانہ بنانا اور اس میں ٹھہرنے کا کرایہ لینا درست ہے(۱)۔ اس کوشش کے باوجود کہ وہاں بداخلاقی نہ ہونے پاوے، پھر بھی اگر آنے والے برائی کریں تو مسافر خانہ والوں پر اس کا کوئی گناہ نہیں ہوگا اور کرایہ کی آمدنی کو ناجائز نہیں کہا جائے گا(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند، ۲۸/۱/۹۱ھ۔

سرکاری ملازمت اور اس کی آمدنی

سوال[۸۱۰۲]: جن ملازموں کو خلاف حکم شرع کا اختیار ہو مثلاً تحصیلدار، نائب تحصیلدار وغیرہ۔ بظاہر یہ ﴿ومن لم يحكم بما أنزل الله﴾ الآية(۳)۔ کے مصداق ہیں۔ پھر ان کی ملازمت کی جواز

---

(۱) "(قوله: وجاز إجارة بيت، الخ) هذا عنده أيضاً؛ لأن الإجارة على منفعة البيت، ولهذا يجب الأجر بمجرد التسليم". (رد المحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۳۹۲/۶، سعيد)

(۲) "وإذا استأجر الذمي من المسلم داراً يسكنها، فلا بأس بذلك، وإن شرب فيها الخمر، أو عبد فيها الصليب، أو أدخل فيها الخنازير، ولم يلحق المسلم في ذلك بأس، لأن المسلم لا يؤاجر لذلك، إنما آجرها للسكنى. كذا في المحيط". (الفتاوى العالمكيرية: ۴۵۰/۴، باب فساد الإجارة، فصل في الأجرة على المعاصي، رشيدية)

"وكذا في كل موضع تعلق المعصية بفعل فاعل مختار، ومن جملة ذلك لو آجر بيته ليتخذ فيه بيعة أو كنيسة أو بيت نار، يطيب له". (خلاصة الفتاوى: ۳۴۹/۴، الفصل العاشر في الحظر والإباحة منه، امجد اكيدمي لاهور)

(وكذا في رد المحتار: ۳۹۲/۶، فصل في البيع من كتاب الحظر والإباحة، سعيد)

(۳) (سورة المائدة: ۴۵)

تو کیا صورت ہو اور ان کا روپیہ دینی کاموں میں کس طرح پر صرف کرنا چاہیے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جن ملازمتوں میں خلافِ شرع حکم کرنے پر گورنمنٹ کی طرف سے ملازم مجبور ہوتا ہے وہ ملازمتیں اور ان کی آمدنی سب ناجائز ہیں، اگر تحصیلدار کا یہ حال ہے تو اس کا بھی یہی حکم ہے(۱)۔ ایسی ملازمت کا روپیہ دینی کاموں میں صرف کرنے کی صورت یہ ہے کہ کسی غریب مسکین کو دے دیا جائے، وہ از خود کسی دینی کام میں دے دے(۲)۔ بظاہر ہر ملازمت کا یہ حال نہیں، تحقیق کرلیا جائے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

جوتی بنانے کا پیشہ

سوال[۸۰۰۱]: جوتی بنانے کا کام کو شریعت منع تو نہیں کرتی، اگر کرتی ہے تو کیوں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

شریعت اس کو منع نہیں کرتی ہے(۳)، البتہ معاملات میں صفائی اور سچائی کا اہتمام

---

(۱) "لا يجوز أخذ الأجرة على المعاصي كالغناء والنوح والملاهي، لأن المعصية لا يتصور استحقاقها بالعقد، فلا يجب عليه الأجر. وإن أعطاه الأجر وقبضه، لا يحل له، ويجب عليه رده على صاحبه". (مجمع الأنهر، كتاب الإجارة: ۳/۵۳۳، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الإجارة: ۶/۱۱۹، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في البحر الرائق، باب الإجارة الفاسدة: ۸/۳۳، رشيدية)

(۲) "والحيلة أن يتصدق به المتولي على الفقراء، ثم الفقراء يدفعونه إلى المتولي، ثم المتولي يصرف إلى ذلك". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الفصل الثاني عشر: ۲/۴۶۴، رشيدية)

(۳) جوتا بنانے کا پیشہ اصلاً مشروع ہے، اور صناعت کو فقہاء نے جائز لکھا ہے، بلکہ افضل پیشوں میں اس کا شمار کیا ہے:

"أفضل أسباب الكسب الجهاد، ثم التجارة، ثم الزراعة، ثم الصناعة". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس عشر في الكسب: ۵/۳۴۹، رشيدية)

قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالى: "كل أنواع الكسب في الإباحة سواء". (الدر المختار، كتاب الصيد: ۶/۴۶۲، سعيد)

(وكذا في المحيط البرهاني، كتاب الاستحسان والكراهية، الفصل الرابع عشر في الكسب: ۶/۹۵، مكتبه غفاريه كوئته)

ضروری ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۱/۸/۵۵ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مظاہر علوم۔ صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم۔

ٹھیکیداری کا پیشہ

سوال [۱۰۲۸۱]: زید ٹھیکیدار ہے اور محکمہ ٹھیکہ میں کام کرتا ہے اور منجانب حکومت ٹھیکیداری کوئی تنخواہ متعین نہیں ہے، اس لئے وہ کام انجام دے کر اس سے کچھ روپیہ بچا کر اپنا پیٹ پالتا ہے۔ تو کیا زید کو اس سے روپیہ بچا کر لینا جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر یہ ٹھیکہ نہیں لے گا تو حکومت دوسرے کو ٹھیکہ دے دے گی اور دوسرا ٹھیکیدار زید کی طرح کام بھی نہیں کرتا، بلکہ اس سے زیادہ مال ہڑپ کر لیتا ہے۔ تو کیا زید ٹھیکیداری چھوڑ دے، یا اگر زید ایسا کرے کہ جو مال بچا ہے وہ غریب مسلمانوں میں تقسیم کردے تا کہ مسلمانوں کی مالی حالت سدھر جائے تو ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

حکومت نے جس کام کا ٹھیکہ دیا اور زید نے اس کو منظور کرلیا کہ اتنے روپے لوں گا اور کام کردوں گا تو یہ درست ہے، پھر روپیہ اس میں برابر خرچ ہو یا کم زیادہ خرچ ہو سب درست ہے، جیسے ایک شخص کتابوں کی جلد بندی کرتا ہے اور روپیہ طے کر لیتا ہے، اس میں سامان زیادہ روپیہ کا لگے یا کم کا، سب طرح درست ہے(۲)۔ کوئی

---

(۱) "المراد من قولهم: "كل أنواع الكسب في الإباحة سواء" أنهما بعد أن لم تكن بطريق محظور لا يذم بعضها، وإن كان بعضها أفضل من بعض". (رد المحتار، كتاب الصيد: ۶/۴۶۲، سعيد)

(۲) "الإجارة لا تخلو: إما أن تقع على وقت معلوم أو على عمل معلوم، فإن وقعت على عمل معلوم، فلا تجب الأجرة إلا بإتمام العمل إذا كان العمل مما لا يصلح أوله إلا بآخره، وإن كان يصلح أوله دون آخره، فتجب الأجرة بمقدار ما عمل". (النتف في الفتاوى، ص: ۳۳۸، كتاب الإجارة، سعيد)

"مستأجره ليبني له حائطاً بالآجر والجص وعلم طوله وعرضه، جاز ... ولو استأجره ليحفر البئر إن لم يبين الطول والعرض والعمق، جاز استحساناً، ويؤخذ بوسط ما يعمله الناس، كذا في الوجيز للكردري". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الإجارة، الباب الخامس، الفصل الرابع: ۴/۴۵۱، رشيديه)

مکان تعمیر کرانا ہو یا مرکب جوتا ہو سب کا یہی حال ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۹/۵/۱۴۰۲ھ۔

ملازمت کے وقت میں دوسرا کام

سوال [۸۱۰۵]: ملازم پیشہ جس نے اپنا پورا وقت ماہانہ ملنے والی تنخواہ کے عوض لگا رکھا ہے، اگر وہ بوقت فرصت یا ڈیوٹی خالی ہونے کے وقت کچھ کام کرے تو صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر ملازمت کا معنی یہ ہے کہ اتنا کام کرنا ہوگا تب تو خالی وقت میں اپنا کام کرنا درست ہے، اگر ملازمت وقت کی ہے تو درست نہیں، الا یہ کہ اجازت ہو(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۱۴/۹/۸۷ھ۔

تنخواہ دار مدرس اجیر خاص ہے یا اجیر مشترک؟

سوال [۸۱۰۶]: تنخواہ دار مدرس اجیر خاص ہوتا ہے یا اجیر مشترک؟ اور اوقات کے علاوہ مدرسے نے جو چیزیں اس کے حوالہ کی ہیں مثلاً پنکھا وغیرہ ان چیزوں کا وہ مدرس امین ہوتا ہے، یا شرعاً اس کی کیا حیثیت ہوتی ہے؟

= (وكذا في البزازية على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الإجارة، النوع الخامس في الاستصناع والاستئجار على العمل: ۵/۴۳، رشيدية)

(۱) قال العلامة القاضي أبو الحسن علي بن حسين بن محمد السعدي: "والإجارة لاتخلو: إما أن تقع على وقت معلوم أو على عمل معلوم، فإن وقعت على عمل معلوم فلا تجب الأجرة إلا بإتمام العمل، وإن وقعت على وقت معلوم فتجب الأجرة بمضي الوقت إن هو استعمله أو لم يستعمله، وبمقدار ما مضى من الوقت تجب الأجرة". (النتف في الفتاوى، كتاب الإجارة، معلومية الوقت والعمل، ص: ۳۳۸، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الإجارة، الباب الثالث في الأوقات التي يقع عليها عقد الإجارة: ۴/۴۱۹، رشيدية)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الإجارة، باب ضمان الأجير: ۶/۶۹، سعيد)

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب مدرس کے لئے اوقات متعین کردیے گئے تو ان اوقات میں وہ اجیرِ خاص ہے، ان اوقات میں اس کو دوسرا کام اجارہ پر کرنا جائز نہیں(۱)، بغیر اجارہ کے معمولی مختصر سا کام جس پر عرفاً چشم پوشی کی جاسکتی ہے کہ اس سے مدرسہ کے کام میں کوئی معتد بہ حرج نہ ہو یا وہ ضروریات میں سے ہو، اس کی اجازت ہے، جیسے مثلاً کوئی معمولی خط لکھ دیا، یا پیشاب پاخانہ کی ضرورت پیش آگئی(۲)۔

---

(۱) "الثاني: وهو الأجير الخاص، ويسمى أجير وحد، وهو من يعمل لواحد عملاً مؤقتاً بالتخصيص ..... كمن استؤجر شهراً للخدمة، أو شهراً لرعي الغنم المسمى بأجر مسمى ..... وليس للخاص أن يعمل لغيره، ولو عمل نقص من أجرته بقدر ما عمل". (الدر المختار: ۶/۶۹، ۷۰، باب ضمان الأجير، كتاب الإجارة، سعيد)

قال الشيخ سليم رستم باز: "الأجير على قسمين: الأول الأجير الخاص، وهو الذي استؤجر على أن يعمل للمستأجر فقط، كالخادم مشاهرة، عملاً مؤقتاً بمدة معلومة، ليخرج نحو الخياط إذا عمل لواحد ولم يذكر مدة، ومخصوصاً ليخرج نحو الراعي". (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۱/۲۳۹، الباب الأول، كتاب الإجارة، (رقم المادة: ۴۲۲)، الباب الأول في الضوابط العمومية، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(وكذا في الهداية: ۳/۳۰۶، كتاب الإجارة، باب: متى الأجير يستحق، مكتبه شركت علميه ملتان)

(۲) "وإن لم يخرج من المصر فإن اشتغل بكتابة علم شرعي، فهو عذر .... وفيه أيضاً: إمام يترك الإمامة لزيارة أقربائه في الرستاق أسبوعاً أو نحوه، أو لمصيبة، أو لاستراحة، لا بأس به، ومثله عفو في العادة والشرع". (رد المحتار: ۴/۴۱۹، ۴۲۰، مطلب فيما إذا قبض المعلوم وغاب قبل تمام السنة، كتاب الوقف، سعيد)

وقال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالى: "وليس للخاص أن يعمل لغيره". (الدر المختار)

وقال ابن عابدين رحمه الله تعالى: "بل ولا أن يصلي النافلة ..... وقد قال بعض مشايخنا: له أن يؤدي السنة أيضاً، واتفقوا أنه لا يؤدي نفلاً، وعليه الفتوى. قال أبو علي الدقاق: لا يمنع في المصر من إتيان الجمعة، ويسقط من الأجر بقدر اشتغاله إن كان بعيداً، وإن قريباً لم يحط شيء". (رد المحتار: ۶/۷۰، مطلب: ليس للأجير الخاص أن يصلي النافلة، كتاب الإجارة، سعيد)

جو چیزیں اوقاتِ درس میں استعمال کرنے کے لئے دی جائیں، مثلاً: بچھانے کے لئے دری، دری یا گدا یا پنکھا، یا قلم وغیرہ، مدرس کو مدرسہ کے کام میں ان چیزوں کے استعمال کا حق ہوتا ہے، مگر امانت و دیانت کے ساتھ احتیاط سے استعمال کرے کہ خراب وضائع نہ ہو جائیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۱/۲/۸۹ھ۔

روپیہ نہ ہونے کی وجہ سے تنخواہ نہیں ملی، اب روپیہ ہونے کی صورت میں ان کو وصول کرنا

سوال [۸۱۰۶]: زید نے ایک امدادی مدرسہ میں تمام گاؤں والوں کے رکھنے سے مبلغ چھ روپیہ ماہانہ طے پر تعلیم کا کام شروع کیا اور تقریباً تین سال تک برابر اپنے فرضِ منصبی کو انجام دیتا رہا۔ اس درمیان میں تنخواہ بھی وصول ہوتی رہی، روپیہ نہ ہونے کی وجہ سے اکثر کئی کئی ماہ کی تنخواہ ایک دم ضرور رکی، لیکن حساب صاف ہوتا رہا، زید بھی اپنے کام میں مشغول رہا۔

ان تین سال کی زندگی کے بعد ایک شخص کہتا ہے میں آپ کی تنخواہ کا ذمہ دار نہیں، گاؤں والے دیں یا نہ دیں۔ زید نے اس ایک شخص کے کہنے پر کچھ زیادہ توجہ نہ کی اور یہ خیال کیا کہ یہ وصولیابی کی پریشانیوں کی وجہ سے کہتا ہے، زید کو یہ وہم بھی نہ گزرا کہ معاملہ ختم ہی ہو جائے گا، جب سال تمام گاؤں والے ذمہ دار تھے تو ایک شخص کا کہنا کیا معنی رکھتا ہے اور یوں تنخواہ وصولی میں تاخیر ہوتی رہتی تھی۔

غرض کہ ایک سال یوں ہی گزر گیا، تنخواہ کا مطالبہ کیا تو مہتمم صاحب مدرسہ فرماتے ہیں کہ روپیہ ہی نہیں، کہاں سے دیا جائے۔ یہ واقعہ ہے اس مجبوری پر علیحدگی اختیار کرنی پڑی۔ اب مدرسہ ہذا میں کافی روپیہ

---

(۱) قال العلامة الحصكفي: "شرط الواقف كنص الشارع: أي في المفهوم والدلالة". (الدر المختار: ۴/۴۳۳، كتاب الوقف، سعيد)

"إن أراد إنسان أن يدرس الكتاب بسراج المسجد، إن كان سراج المسجد موضوعاً في المسجد للصلاة، قيل: لا بأس به، وإن كان موضوعاً في المسجد لا للصلاة بأن فرغ القوم من صلاتهم، وذهبوا إلى بيوتهم، وبقي السراج في المسجد، قالوا: لا بأس بأن يدرس به إلى ثلث الليل، وفيما زاد على الثلث لا يكون له حق التدريس". (الفتاوى العالمكيرية: ۲/۴۵۹، الباب الحادي عشر، الفصل الأول، رشيدية)

موجود ہے۔ اگر زید اپنی اس ایک سال ماضیہ کی تنخواہ کا مطالبہ کرے، کیا وہ حق بجانب ہے؟ درصورت اس بات گاؤں والے مدرسے کے لالچ کی وجہ سے اگر انکار کریں تو عند الشرع وہ کس درجہ کے مجرم ہیں اور کس سزا کے مستحق ہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب کہ زید نے تمام گاؤں والوں کے رکھنے سے ملازمت اختیار کی ہے تو صرف ایک غیر ذمہ دار شخص کے اس کہنے کی وجہ سے کہ "نہیں آپ کی تنخواہ کا ذمہ دار نہیں، گاؤں والے دیں یا نہ دیں" ملازمت ختم نہیں ہوئی۔ لیکن اگر وہ شخص ذمہ دار تھا اور تمام گاؤں والوں نے جس سے ملازمت کا معاملہ طے ہوا تھا اس کو اپنا نائب یا وکیل یا مختار کل بنادیا تھا تو ملازمت کا معاملہ ختم ہو چکا تھا (۱)۔ اس آخر صورت میں مطالبہ بے ضابطہ ہے اور پہلی صورت میں اگر مہتمم صاحب سے علیحدگی کے وقت ایک سال کی تنخواہ کا مدرسے کے ذمہ قرض دین قرار پایا ہے تب تو مطالبہ کا حق حاصل ہے (۲)۔ اگر مدرسے کے ذمہ قرض دین قرار نہیں پایا، بلکہ زید ابراء کر چکا تھا تو اب مطالبہ کا حق نہیں (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۷/ رجب/ ۵۹ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم۔ صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم۔

---

(۱) "وتفسخ بالقضاء والرضاء. ظاهره أنه شرط في خيار الشرط والرؤية والعيب والعذر؛ لأنه ربطه بالكل". (رد المحتار ۶/۷۶، باب فسخ الإجارة، سعيد)

"إذا تحقق العذر، ومست الحاجة إلى النقض، هل ينفرد صاحب العذر بالنقض أو يحتاج إلى القضاء أو الرضاء، اختلفت الروايات فيه. والصحيح أن العذر إذا كان ظاهراً ينفرد، وإن كان مشتبهاً لا ينفرد". (الفتاوى العالمكيرية ۴/۴۵۸، الباب التاسع عشر في فسخ الإجارة، رشيديه)

(۲) "الفصل في القرض: هو عقد مخصوص: أي بلفظ القرض ونحوه، يرد على دفع مال لآخر ليرد مثله". (الدر المختار ۵/۱۶۱، فصل في القرض، كتاب البيوع، سعيد)

(۳) "إذا أبرأ واحد آخر من حق، سقط ذلك الحق، ولا يبقى له أن يدعي به. هذا إذا كان الحق مما يسقط بالإسقاط، كالدين وحق المرور وحق الشفعة". (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۲/۸۳۸، (رقم المادة: ۱۵۶۲)، الفصل الثاني في المسائل المتعلقة بأحكام الإبراء، مكتبه حنفيه كوئٹه)

غیر حاضری کی تنخواہ ملازم کے لئے

سوال[۸۱۰۸]: ملازم وقف دو دن کی رخصت لیکر گیا اور چھ روز میں آیا، دریافت یہ ہے کہ ملازم کو اس چار دن کی تنخواہ لینی کیسی ہے اور متولی کو دینا چاہئے یا نہیں؟ فقط والسلام۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر ملازمت کے شرائط میں یہ ہے کہ بلا تحصیل رخصت غیر حاضری پر تنخواہ وضع ہوگی تو صورت مسئولہ میں تنخواہ وضع کی جائے گی۔ اگر شرائط میں کچھ مدت بلا تحصیل رخصت چھٹی پر رہنے اور حاضر نہ ہونے کی بھی موجود ہے تو اس مدت کی تنخواہ وضع نہ ہوگی، زائد کی وضع ہوگی (۱)۔ غرض حسب شرائط عمل کیا جائے جب کہ وہ موافق شرع ہوں (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

مشاہرۂ تنخواہ میں دنوں کا اعتبار ہوگا

سوال[۸۱۰۹]: زید نے اکتوبر میں کسی مدرسہ میں مدرسی اختیار کی درمیان ماہ میں، تو اس کو

---

(۱) "لما لم يشرط شرطاً، تبع كحضور المدرس أياماً معلومة في كل جمعة، فلا يستحق المعلوم إلا من باشر، خصوصاً إذا قال: من غاب عن الدرس، قطع معلومه، فيجب اتباعه". (رد المحتار: ۴/۴۱۹، كتاب الوقف، مطلب: فيما إذا قبض المعلوم و غاب قبل تمام السنة، سعيد)

"ولكن تقديم المدرس إنما يكون بشرط ملازمته للمدرسة للتدريس الأيام المشروطة في كل جمعة، ولذا قال: للمدرسة؛ لأن مدرسها إذا غاب، تعطلت ...... و حاصله أنه ينظر إلى ما شرطه الواقف له، وعليه من العمل، و يقسم المشروط على عمله". (البحر الرائق: ۵/۳۵۸، كتاب الوقف، رشيديه)

(وكذا في النتف في الفتاوى، ص: ۳۳۸، نوع: مطرمبة الوقت والعمل، كتاب الإجارة، سعيد)

(۲) "شرط الواقف كنص الشارع في المفهوم والدلالة". (الدر المختار: ۴/۴۳۳، كتاب الوقف، سعيد)

(وكذا في الفتاوى الكاملية، ص: ۵۹، مطلب في وجوب اتباع شرط الواقف، كتاب الوقف، مكتبه حقانيه پشاور)

کتنے دن کی، کتنے وقت کی کتابت طے کی جب کہ مہینہ ۳۱/ کا ہے؟ دارا ثنا ایک ۱۲/ سے اس نے ڈیوٹی دینا شروع کیا ہے، اٹھیسواں ماہ کا بیس دن کا ہے جب کہ ۲۹/ اور ۳۱/ دونوں کے ہونے سے پورے ماہ کی تنخواہ ۳۰/ دن کی ہوتی ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو مہینہ جتنے دن کا ہوتا ہے اتنے ہی دن کی تنخواہ کا حق ہوگا، اس میں کچھ الجھاؤ کی بات نہیں(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۲/۱۴۰۶ھ۔

حَکَم کے لئے حقِ محنت اور فریقین کے یہاں کھانا

سوال[۸۱۱۰]: زید اور عمرو دونوں میں تنازع ہوا، بکر کو دونوں نے فیصل مان لیا، بکر نے کہا کہ میری ایک شرط ہے، اگر تم دونوں راضی ہو تو فیصلہ کرنے پر تمہیں اس تنازع میں مجھ کو دس روپیہ دینا ہوگا۔ دونوں راضی ہوگئے، لیکن شرط میں کھانے پینے کی کوئی بات نہ تھی، مگر بکر نے دونوں کے گھر میں کھایا، یا ایک کے گھر میں کھایا تو بکر کے لئے یہ سب جائز ہے یا نہیں؟

---

(۱) "وأول المدة ما سمى إن سمى، وإلا فوقت العقد، فإن كان العقد حين يهل - أي يبصر الهلال، اعتبر الأهلة، وإلا فالأيام، كل شهر ثلاثون. وقالا: يتم الأول بالأيام، والباقي بالأهلة". (الدر المختار: ۶/۵۱، باب الإجارة الفاسدة، سعيد)

"وإذا عقدت الإجارة في أول الشهر على شهر واحد أو أكثر من شهر، انعقدت مشاهرة، وفي هذه الصورة: يلزم دفع أجرة شهر كامل وإن كان الشهر ناقصاً عن ثلاثين يوماً". (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۱/۲۴۷، كتاب الإجارة، الفصل الرابع، رقم المادة: ۴۸۸، الباب الرابع في المسائل التي تتعلق بمدة الإجارة، مكتبه حنفيه كوئته)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۴/۴۱۵، الباب الثاني في الأوقات التي يقع عليها عقد الإجارة، كتاب الإجارة، رشيديه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

روپیہ بطورِ خدمت ومحنت لینا درست ہے(۱)، کھانا ایک فریق کے یہاں ٹھیک نہیں، اس میں رشوت کا شائبہ ہے(۲)، اگر دونوں فریق کا کھانا کھایا تو درست ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/۹/۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۹/۹۲ھ۔

قبرستان کی حفاظت کے لئے شیعہ کو ملازم رکھنا

سوال[۸۱۱۹]: ایک شخص کو قبرستان میں ملازم رکھا ہے حفاظت کے لئے، بعد میں معلوم ہوا کہ وہ

---

(۱) قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالى: "يستحق القاضي الأجر". (الدر المختار) وقال ابن عابدين رحمه الله تعالى: "قيل: على المدعي؛ لأنه يحيي حقه ... وقيل: على المدعى عليه ... وقيل: على من استأجر الكاتب". (رد المحتار: ۶/۷۴۹، مسائل شتى، كتاب الإجارة، سعيد)

"تلزم الأجرة باستيفاء المنفعة". (شرح المجلة لسليم رستم باز، كتاب الإجارة، الباب الثالث، الفصل الثاني في المسائل المتعلقة بلزوم الأجرة: ۱/۲۶۲، (رقم المادة: ۴۶۹)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"فإن وقعت على عمل معلوم، فلا تجب الأجرة إلا بتمام العمل إذا كان العمل مما لا يصلح أوله إلا بآخره، وإن كان يصلح أوله دون آخره، فتجب الأجرة بمقدار ما عمل". (النتف في الفتاوى، ص: ۳۳۸، مطلب معلومية الوقت والعمل، كتاب الإجارة، سعيد)

(۲) قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالى: "ويرد هدية إلا من قريبه، أو ممن جرت عادته بذلك، ويرد إجابة دعوة خاصة، وهي التي لا يتخذها صاحبها لو لا حضور القاضي ... فلو عامة له حضورها لو لا خصومة لصاحبها". (الدر المختار). "قوله: (ويرد هدية) قال عمر بن عبد العزيز رحمه الله تعالى: كانت الهدية على عهد رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم هدية، واليوم رشوة، ذكره البخاري". (رد المحتار: ۵/۳۷۲، ۳۷۳، مطلب في هدية القاضي، كتاب القضاء، سعيد)

(وكذا في البزازية على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب أدب القاضي، الفصل الثاني: ۵/۱۴۰، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۳/۳۳۰، كتاب القضاء، رشيديه)

شیعہ ہے، مگر معاملات بہت صاف ہیں، حفاظت خوب کرتا ہے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ ایسے آدمی کو رکھنا جائز ہے کہ نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر اس سے کسی قسم کے نقصان کا اندیشہ نہیں تو اس کو ملازم رکھنا درست ہے(۱)، اگر کسی قسم کے نقصان کا اندیشہ ہے، یا احتمال ہے کہ سنیوں کی قبروں کا احترام نہیں کرے گا، بلکہ بے حرمتی کرے گا تو اس کو ملازم رکھنا درست نہیں(۲)۔ تاہم اس سے بہتر اچھے عقائد کا آدمی اگر مل جائے تو اس کو رکھنا زیادہ اچھا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۲۱/شوال المکرم/۵۹ھ۔

حکومت سے اپنا حق تنخواہ وصول کر لینا

سوال[۸۱۱۴]: ناچیز نے بعینہ بیماری رخصت پندرہ یوم نصف تنخواہ پر لی تھی اور اخبار میں گزٹ

---

(۱) "لا بأس بأن يكون بين المسلم والذمي معاملة إذا كان مما لا بد منه". (الفتاوى العالمكيرية: ۳۴۸/۵، الباب الرابع عشر في أهل الذمة وأحكامهم، كتاب الكراهية، رشيديه)

(۲) قال الله تعالى: ﴿يا أيها الذين آمنوا لا تتخذوا بطانة من دونكم﴾ (سورة آل عمران: ۱۱۸)

قال أبو بكر الجصاص رحمه الله: "فنهى الله تعالى المؤمنين أن يتخذوا أهل الكفر بطانة من دون المؤمنين، وأن يستعينوا بهم في خواص أمورهم. وأخبر عن ضمائر هؤلاء الكفار للمؤمنين فقال: ﴿لا يألونكم خبالاً﴾ يعني لا يقصرون فيما يجدون السبيل إليه من إفساد أموركم؛ لأن الخبال هو الفساد". (أحكام القرآن، باب الاستعانة بأهل الذمة: (سورة آل عمران: ۱۱۸): ۳۷/۲، قديمي)

"وكذلك كتب عمر رضي الله تعالى عنه إلى أبي موسى رضي الله تعالى عنه ينهاه أن يستعين بأحد من أهل الشرك في كتابته، وتلا قوله تعالى: ﴿لا تتخذوا بطانة من دونكم، لا يألونكم خبالاً﴾".

(أحكام القرآن للجصاص: ۱۲۶/۳، في تمييز الطبقات، قديمي)

(وكذا في بدائع الصنائع: ۲۹۹/۹، كتاب الجهاد، فصل في بيان ما يجب على الغزاة، دار الكتب العلمية بيروت)

بھی ہو گیا کہ بصیغۂ بیماری رخصت نصف تنخواہ پر منظور ہوئی مگر وصولی تنخواہ پر محکمہ سے پوری ملی، نصف تنخواہ وضع نہیں کی گئی جو بذمہ بندہ واجب الادا ہے، جس کو عرصہ دو سال کا گذر چکا ہے۔ اس کے متعلق یہ عرض ہے کہ جو لگان یعنی تقریباً نقد، لہٰذا زمین کا سرکار اس سے ششماہی وصول کرتی ہے غالباً وہ شرعاً ظلم ہے تو اگر یہ نصف تنخواہ اس تخفیف میں محسوب کر کے رکھ لی جائے اور داخل خزانہ نہ کی جائے تو یہ جائز ہے یا نہیں؟

اسکول کے دیگر اساتذہ کی تنخواہ کمیٹی سے وصول ہوتی ہے اور میری تنخواہ خزانہ صدر مقام ضلع دار الخلافہ سے وصول ہو کر آتی ہے۔ اس کے متعلق پوری پوری تشفی فرمائی جائے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اپنا حق وصول کرنا شرعاً درست ہے، جس طرح سے دیا گیا ہے اسی طرح سے وصول کرے یا دوسرے طریقہ سے(۱)، لیکن ریاست اسلامیہ کی زمین کا حال ہمیں معلوم نہیں، انگریزی حکومت کی زمین پر اس کو قیاس کرنا درست نہیں، لہٰذا وہاں کے لگان کے متعلق ظلم یا غیر ظلم کا حکم نہیں لگا سکتے۔

تنخواہ کا معاملہ صاف ہے کہ تراضی طرفین سے قرار پایا ہے(۲) اور لگان کا معاملہ تحقیق طلب ہے، لہٰذا مشکوک ہے، پس حق مشکوک کے عوض حق یقینی کو ساقط کرنا خلاف احتیاط ہے، البتہ حق واجب الاداء کو ادا کرنا یقینی براءت ہے(۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۹/۶/۷۵ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۱۱/جمادی الثانیہ/۷۵ھ۔

---

(۱) "فإذا ظفر بمال مديونه له الأخذ ديانة بل له الأخذ من خلاف الجنس على ما نذكره قريباً". (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الحدود، باب التعزير: ۴/۶۴، سعيد)

(۲) قال الله تعالى: ﴿يأيها الذين آمنوا لا تأكلوا أموالكم بينكم بالباطل إلا أن تكون تجارة عن تراض منكم﴾ (سورة النساء: ۲۹)

"وأما ما يرجع إلى العاقد: فرضا المتعاقدين لقوله عز وجل: ﴿يأيها الذين آمنوا لا تأكلوا أموالكم بينكم بالباطل إلا أن تكون تجارة عن تراض منكم﴾ والإجارة تجارة؛ لأن التجارة تبادل المال بالمال، والإجارة كذلك، ولهذا يملكها المأذون، وإنه لا يملك ما ليس بتجارة، فثبت أن الإجارة تجارة، فدخلت تحت النص". (بدائع الصنائع، كتاب الإجارة: ۵/۳۸، دار الكتب العلمية بيروت)

(۳) "اليقين لا يزول بالشك".

باغ کو کرایہ پر دینا

سوال [۸۱۱۴]: اگر کوئی شخص ایسے باغ کو کہ جس کے اندر اس کی زمین کو کاشت کیا جا سکتا ہے اس زمین کو پھل کے آنے سے پہلے دس بیگہ زمین کو سو روپیہ فی بیگہ کے حساب سے ایک سال کو دے سکتا ہے یا نہیں؟ اور ایک ایسے باغ کو جس کے اندر کاشت نہیں ہو سکتی اور اس باغ کو پھل آنے سے پہلے تعداد مذکورہ کے مطابق دے سکتا ہے یا نہیں؟ کیا دونوں کو پھل آنے سے پہلے دے سکتا ہے یا نہیں؟ ایک ایک باغ کو دے سکتا ہے یا کون سے کو دے سکتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

زمین کو مقررہ کرایہ پر ٹھیکہ پر بمدت مقررہ ایک مزارع کے لئے شرعاً درست ہے خواہ وہ کاشت کے قابل ہو یا نہ ہو(۱)۔ باغ (درختوں) کو کرایہ پر ٹھیکہ پر دینا درست نہیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۹/۹۰ھ۔

— "ومن فروع ذلك ما لو كان لزيد على عمرو ألف مثلاً فبرهن عمرو على الأداء أو الإبراء، فبرهن زيد على أن له عليه ألفاً لم تقبل. في فتح القدير: علمت لزيد على عمرو ألفاً فأقام عمرو بينة بالأداء أو الإبراء، فأقام زيد بينة أن عمرواً أقر له بألف مطلقاً، لم يثبت بهذه البينة شيء، لاحتمال أن الألف الذي أقر به هو الألف الذي علمنا وجوبه وقامت البينة بابرائه، فلا تشتغل ذمته بالاحتمال". (الأشباه والنظائر مع شرحه للحموي، (القاعدة الثالثة: اليقين لا يزول بالشك): ۱/۱۹۹-۲۰۰، إدارة القرآن كراچی)

(۱) "أي تصح إجارة أرض (للبناء والغرس)، وسائر الانتفاعات كطبخ آجر وخزف، ومقيلاً ومراحاً حتى تلزم الأجرة بالتسليم، أمكن زراعتها أم لا". (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الإجارة، باب ما يجوز من الإجارة وما يكون خلافاً فيها: ۶/۳۰، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الإجارة، باب ما يجوز من الإجارة وما يكون خلافاً فيها: ۸/۱۸، رشيديه)

(۲) "ومن استأجر أرضاً فيها زرع ورطبة أو شجر وقصب أو كرم أو ما يمنع من الزراعة، فالإجارة فاسدة". (المبسوط للسرخسي، كتاب الإجارات، باب الإجارة الفاسدة: ۸/۳۰، مكتبه حبيبيه)

— "وإذا عرفت أن الإجارة بيع المنفعة فنخرج عليه بعض المسائل فنقول: لا تجوز إجارة

مکان کی پگڑی

سوال [۸۱۱۴]: ۱- مکان کی پگڑی لینا جائز ہے یا نہیں، جبکہ بمبئی جیسے شہر میں مکان ملنا جوئے شیر (۱) لانے کے مترادف ہے؟

۲- مکان مالک، کرایہ دار کے تبدیل ہوتے وقت ایک کرایہ دار کے نام سے دوسرے کرایہ دار کے نام پر کرایہ کا بل تبدیل کرنے کا معاوضہ طلب کرتے ہیں، نیز تھوڑی کرایہ میں کچھ مخصوص تناسب کے لحاظ سے بڑھا دیتے ہیں۔ یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱- مالک مکان اگر کرایہ پر دیتے وقت کہے کہ اتنی رقم یکمشت پیشگی لوں گا اور پھر اتنی ماہانہ لوں گا اور پھر اتنی سالانہ لوں گا تو اس کی گنجائش ہے (۲)۔ لیکن کرایہ دار مکان کے خالی کرنے کے لئے یا دوسرے کرایہ دار کو اپنی طرف سے رہنے کے لئے پگڑی لے تو اس کی اجازت نہیں (۳)۔

= الشجر". (بدائع الصنائع، کتاب الإجارة، فصل في ركن الإجارة ومعناها: ۵/۸۰۵، دار الكتب العلمية بيروت)

(۱) "جوئے شیر وہ نہر جو فرہاد (کوہکن) نے اپنی محبوبہ شیریں کے لئے پہاڑ میں کھود کر نکالی تھی، جس کے ذریعے بکریوں کا دودھ شیریں کے محل کے ایک حوض میں پہنچتا تھا"۔ (فیروز اللغات، ص: ۴۸۲، فیروز سنز لاہور)

(۲) "ويعتبر ويراعى كل ما اشترطه العاقدان في تعجيل الأجرة وتأجيلها". (شرح المجلة: ۱/۲۲۵، الفصل الثاني من كتاب الإجارة، (رقم المادة: ۴۷۳)، دار الكتب العلمية بيروت)

"تلزم الأجرة بشرط التعجيل، يعني لو شرط أن تكون الأجرة معجلة، لزم المستأجر تسليمها". (شرح المجلة: ۱/۲۶۱، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(وكذا في البحر الرائق: ۸/۹، كتاب الإجارة، رشيديه)

(۳) "ما يدفع لدفع الخوف من المدفوع إليه على نفسه أو ماله حلال للدافع، حرام على الآخذ؛ لأن دفع الضرر عن المسلم واجب، ولا يجوز أخذ المال ليفعل الواجب". (رد المحتار، كتاب القضاء، مطلب في الكلام على الرشوة والهدية: ۵/۳۶۲، سعيد)

۲...... مالکِ مکان کو اس کا بھی حق ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۶/۲/۸۹ھ۔

مکان کی پگڑی

سوال[۸۱۱۵]: جو پگڑی پر دکانیں دی جاتی ہیں، یا لی جاتی ہیں، کیا جائز ہے یا ناجائز؟ اگر جائز ہے تو صورتِ جواز کیا ہو سکتی ہے اور اگر ناجائز ہے تو کس وجہ سے ناجائز ہے؟ نیز ایک آدمی کے قبضہ میں دکان عرصہ طویل سے تھی، اب وہ شخص بیمار ہو کر تقریباً پانچ سال سے گھر پڑا ہوا ہے اور دکان بند پڑی ہے، اور وہ شخص اس دکان کا کرایہ ادا کرنا مفت کا سمجھتا ہے، چونکہ وہ بیمار پڑے ہے گھر پر۔ تو کیا وہ شخص اس دکان کو پگڑی پر دے کر کرایہ وصول کر سکتا ہے یا نہیں؟ اور پگڑی کا یہ طریقہ کثرت سے رائج ہے عوام میں، کسی کی تو پانچ سو ہوتی ہے اور کسی کی چار سو اور کسی کی چار ہزار ہوتی ہے، کسی کی پانچ ہزار، موقع محل کے اعتبار سے ادا کرتے ہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مالکِ دکان اپنی دکان کسی کو کرایہ پر اس طرح دے کہ مثلاً کہ یہ دکان ایک سال کے لئے کرایہ پر دیتا ہوں، بیس روپیہ ماہوار کرایہ ہوگا اور چار سو روپیہ پگڑی کے، اور ایک ماہ کا کرایہ پیشگی لوں گا تو یہ صورت درست ہے(۱)۔ اور یہ کہا جائے کہ عموماً سال میں سے پہلے مہینہ کا کرایہ چار سو بیس روپیہ ہیں جو پیشگی ہے، باقی گیارہ مہینہ کا کرایہ بیس روپے ماہانہ ہے۔ کرایہ دار کے لئے اس چیز کی اجازت نہیں کہ جتنے کرایہ پر خود دکان لی ہے اس

---

(۱) "يعتبر و يراعى كل ما اشترط العاقدان في تعجيل الأجرة و تأجيلها". (شرح المجلة: ۱/۲۶۵، الفصل الثاني، كتاب الإجارة، (رقم المادة: ۴۷۳)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"تلزم الأجرة بشرط التعجيل، يعني لو شرط أن تكون الأجرة معجلة، لزم المستأجر تسليمها". (شرح المجلة: ۱/۲۴۱، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"إذا كان الأجرة مؤقتةً بوقت معين كالشهرية أو السنوية، يلزم إيفاؤها عند انقضاء ذلك الوقت، فلو كانت مشاهرةً تؤدى عند نهاية الشهر. وإن كانت مسانهةً فعلى ختام السنة". (شرح المجلة: ۱/۲۶۵، (رقم المادة: ۴۷۶)، الفصل الثاني، كتاب الإجارة، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۴۱۳/۲، الباب الثاني في بيان أنه متى تجب الأجرة، رشيديه)

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱/۵/۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۱/۵/۸۷ھ۔

☆.....☆.....☆.....☆.....☆

— الوقت فلو كانت مشاهرة فتؤدى عند نهاية الشهر، وإن كانت مسانهة ففي ختام السنة".

(شرح المجلة لسليم رستم باز: ۱/۳۶۵: كتاب الإجارة، الفصل الثاني، (رقم القاعدة: ۴۶۳)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الإجارة، الباب الثاني في بيان أنه متى تجب الأجرة: ۳/۴۱۳، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الإجارة: ۸/۹، رشيديه)

باب الإجارۃ الفاسدۃ

(اجارۂ فاسدہ کا بیان)

کٹے ہوئے کھیت سے کھیتی کاٹنے کی اجرت

سوال[۸۱۰۷]: کاشتکاروں کے یہاں یہ قاعدہ ہے کہ کھیتی کاٹنے کے وقت مزدوروں سے یہ کہہ کر کھیتی کٹاتے ہیں: "اس کو کاٹنے کے بعد اسی سے تمہاری مزدوری دی جائے گی"۔ یہ شرعاً کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ناجائز ہے، اگر یہ شرط نہ کی جائے کہ اسی غلہ سے تمہاری مزدوری دی جائے گی، بلکہ کچھ مقدار غلہ کی طے کرلی جائے تو جائز ہے اگرچہ بعد میں اسی غلہ سے مزدوری دے دی جائے:

"صورۃ قفیز الطحان أن یستأجر الرجل من آخر ثوراً لیطحن بها الحنطة علی أن یکون لصاحبها قفیز من دقیقها، أو یستأجر إنساناً لیطحن له الحنطة بنصف دقیقها أو ثلثه أو ما أشبه ذلك، فذلك فاسد. والحیلة في ذلك لمن أراد الجواز أن یشترط صاحب الحنطة قفیزاً من الدقیق الجید، ولم یقل: من هذه الحنطة" عالمگیری: ۳/۱۱۳ (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۰/۳/۵۵ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۱۱/ربیع الاول/۵۵ھ۔

---

(۱) (الفتاویٰ العالمکیریة: ۴/۴۴۳، الفصل الثالث في قفیز الطحان وما في معناه من کتاب الإجارة، رشیدیه)

(وکذا في فتاویٰ قاضي خان علی هامش الفتاویٰ العالمکیریة: ۲/۳۳۴، باب الإجارة الفاسدة، رشیدیه)

(وکذا في مجمع الأنهر: ۳/۵۳۴، باب الإجارة الفاسدة، دار الکتب العلمیة بیروت)

کھیت کٹائی کی مجہول اجرت

سوال[۸۱۱۸]: اس وقت فصل گندم تیار رہتی ہے اور اس میں جو کاٹنے والے جاتے ہیں اور ان کو شام کو محنت جو "لائی" بولی جاتی ہے، مالک دیتا ہے(۱) جس کا کوئی کسی قسم کا تول نہیں ہوتا، وہ جائز ہے یا ناجائز اور لائی کاٹنی جائز ہے یا ناجائز اور اس کا کھانا کس طرح درست ہوسکتا ہے اور کس پر کاٹنا درست ہے؟ اگر کوئی صورت ہو ضرور تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

کھیتی کاٹنے کی مزدوری جائز ہے اگر اجرت متعین ہے۔ اور اگر کسی نے اجرت متعین نہیں کی، وہ محنت دیتے وقت جھگڑا ہوا، مزدور نے کہا کہ یہ کم ہیں، مالک نے کہا کہ کم نہیں بلکہ زائد ہیں تو یہ اجارہ فاسدہ ہے:

"تفسد الإجارة بجهالة المسمی و بعدم التسمیة". درمختار: ۱۷۷/۲(۲)۔

اسی طرح اگر اجرت کے متعلق شرط کرلی ہے کہ جو گندم کاٹے گا اسی میں سے اجرت دی جائے گی، یہ بھی اجارہ فاسدہ ہے، "لأنه علیه الصلوة والسلام نهی عن قفیز الطحان"(۳)۔

جواز کی صورت یہ ہے کہ اجرت اور عمل دونوں کو متعین کرلیا جائے اور مزدوری کے متعلق شرط نہ کی جائے کہ اسی اناج سے ہوگی جس کو کاٹے گا:

"الحیلة أن یفرز الأجر أولاً، أو یسمي قفیزاً بلا تعیین، ثم یعطه قفیزاً منه، فیجوز". درمختار: ۱۷۷/۲(٤)۔

---

(۱) "لائی: فصل کا کاٹنا" (فیروز اللغات، ص: ۱۱۲۵، فیروز سنز لاہور)

(۲) (الدر المختار: ۴۸/۶، باب الإجارة الفاسدة، سعید)

(۳) "والأصل في ذلك نهیه صلی الله تعالی علیه وسلم عن قفیز الطحان، اهـ". (الدر المختار: ۵۷/۶، باب الإجارة الفاسدة، سعید)

(٤) (الدر المختار، المصدر السابق)

(وكذا في الفتاوی البزازیة علی هامش الفتاوی العالمكیریة: ۵/۴۰، باب الإجارة الفاسدة، النوع الثالث في الدواب، رشیدیه)

(وكذا في الفتاوی العالمكیریة: ۴/۴۴۴، الفصل الثالث في قفیز الطحان، كتاب الإجارة، رشیدیه)

اس طرح جو اناج مزدوری میں ملے گا اس کا کھانا جائز ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ۔

بندہ عبدالرحمن، عبداللطیف، ٢٠/محرم الحرام/٨١ھ۔

کھیت کا سترواں یا دسواں حصہ اجرت میں دینا

سوال [٨١٠٢]: اگر کاشتکار کھیت کاٹنے کے لئے مزدوروں کو مقرر کرلیتا ہے اس بات پر کہ تم لوگ میرے دھان کاٹ کر میرے گھر میں لا کر کو بنے کے بعد جتنا دھان ہوگا ساتواں حصہ یا دسواں حصہ تم لوگوں کا ہوگا اور باقی مالک کا۔ اور اسی طرح کاشتکار اپنے کھیت سے مع مونگ کی دال اور مسور کی دال پر ساتواں یا دسواں حصہ مقرر کرتے ہیں اور اسی حصہ مقررہ پر توڑتے ہیں۔ تو ان صورتوں میں کھیتوں کا توڑنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو کن صورتوں میں جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس صورت میں ناجائز ہے، لأنه في معنی قفیز الطحان وقد ورد النهي عنه(١)۔ جواز کی صورت یہ ہے کہ اجرت میں قیمت مقرر کی جاوے، یا فی من کے حساب سے مقرر کی جاوے، مثلاً ایک من پر ایک سیر یا دو سیر دیں گے اور یہ شرط نہ ہو کہ جو تم کاٹو گے اس میں سے دیں گے خواہ یک روز قبل کی کاٹی ہوئی رکھی ہوئی میں سے دیں یا بازار سے لے کر غرض شرط مذکور نہ ہو۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف۔

---

(١) "ولو دفع غزلاً لآخر لينسجه له بنصفه - أي بنصف الغزل، أو استأجر بغلاً ليحمل طعامه ببعضه، أو ثوراً ليطحن برّه ببعض دقيقه، فسدت في الكل؛ لأنه استأجره بجزء من عمله، والأصل في ذلك نهيه صلى الله تعالى عليه وسلم عن قفيز الطحان والحيلة أن يفرز الأجر أولاً أو يسمي قفيزاً بلا تعيين، ثم يعطيه قفيزاً منه، فيجوز" (الدر المختار: ٦/٥٦، ٥٧، باب الإجارة الفاسدة، سعيد)

(وكذا في البزازية على هامش الفتاوى العالمكيرية: ٥/٣٥، باب الإجارة الفاسدة، النوع الثالث في الدواب، رشيدية)

(وكذا في البحر الرائق: ٨/٣١، باب الإجارة الفاسدة، رشيدية)

آٹا پسائی کی اجرت میں آٹا دینا

سوال [۸۱۲۶]: ہمارے یہاں آٹا پسائی کا یہ دستور ہے کہ ایک من اناج پر ایک کلو چکی کاٹتے ہیں اور ۲۰ پیسہ اجرت کے لیتے ہیں، کیا یہ چکی کو گاہک کی رضامندی سے جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

آٹا پیسنے کی اجرت میں یہ آٹا لینا درست نہیں، اگر اتنی مقدار غلہ گاہک کی رضامندی سے کاٹ لیا جائے تو درست ہے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۱۱/۸۹ھ۔

سرسوں کا تیل نکالنے کا عوض تیل سے

سوال [۸۱۲۷]: ہمارے اطراف میں سرسوں اس طرح لیتے ہیں کہ تیلی کو سرسوں دے کر اور تیل نکلوا کر سرسوں کا چوتھائی تیل اس سے لے لیا جاتا ہے اگرچہ زائد نکلے اور تیل کی مزدوری سرسوں کی کھلی ہوتی ہے (۲)، یہ تیلی اپنے پاس سے تیل لاتا ہے اور اس کو اتنی سرسوں دینی جاتی ہے۔ اب دریافت یہ ہے کہ ان

= (وكذا في الدر المختار: ۶/ ۵۷، مطلب: باب الإجارة الفاسدة، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۴/ ۴۴۴، الفصل الثالث في قفيز الطحان وما في معناه، كتاب الإجارة، رشيديه)

(۱) "صورة قفيز الطحان أن يستأجر الرجل من آخر ثوراً ليطحن به الحنطة على أن يكون لصاحبها قفيز من دقيقها، أو يستأجر إنساناً ليطحن له الحنطة بنصف دقيقها أو ثلثه أو ما أشبه ذلك، فذلك فاسد. والحيلة في ذلك لمن أراد الجواز أن يشترط صاحب الحنطة قفيزاً من الدقيق الجيد، ولم يقل: من هذه الحنطة، أو يشترط ربع هذه الحنطة من الدقيق الجيد؛ لأن الدقيق إذا لم يكن مضافاً إلى حنطة بعينها يجب في الذمة" (الفتاوى العالمكيرية: ۴/ ۴۴۴، الفصل الثالث في قفيز الطحان، كتاب الإجارة، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۶/ ۴۷ - ۴۹، باب الإجارة الفاسدة، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الدر المختار: ۶/ ۵۶، مطلب: باب الإجارة الفاسدة، سعيد)

(۲) "کھلی: [illegible]" (فیروز اللغات، ص: ۱۰۴۲، فیروز سنز لاہور)

صورتوں میں کوئی صورت جائز بھی ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو کیوں؟ مفصل مدلل تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

پہلی صورت میں اجارہ فاسدہ ہے، اولاً اس لئے جو شئی فی الحال موجود نہیں، بلکہ اجیر کے عمل سے حاصل ہوگی اور اس کو اجیر کے لئے اجرت مقرر کرنا جائز نہیں:

"ولو دفع غزلاً لآخر لينسجه له بنصفه، أي بنصف الغزل، أو استأجر بغلاً ليحمل طعامه ببعضه، أو ثوراً ليطحن بُرّه ببعض دقيقه، فسدت في الكل؛ لأنه استأجر بجزء من عمله، والأصل في ذلك نهيه عليه الصلاة والسلام عن قفيز الطحان". در مختار: ۲/ ۱۷۹(۱)۔

یہاں پر کھلی کو اجرت مقرر کیا گیا جو کہ تیلی کے عمل سے حاصل ہوگی۔

ثانیاً اس لئے کہ اجرت یعنی کھلی کی مقدار مجہول ہے: "وتفسد الإجارة بجهالة المسمى وبعدم التسمية". تنویر مع الدر: ۲/ ۱۷۷(۲)۔

دوسری صورت میں اگر اس کی تیل کی مقدار جو تیلی دیتا ہے اس تیل سے زائد ہے جو سرسوں میں ہے، تب تو بیع جائز ہے، کیونکہ جتنا تیل زائد ہے وہ کھلی کے مقابلہ میں ہے اور باقی تیل تیل کے مقابلہ میں ہو جاویگا، ورنہ جائز نہیں:

"ويجوز البيع في صورة بالإجماع أي يعلم أن الذهب المنفصل أكثر، ليكون الفضل بالغش، وكذا بيع الجوز بدهنه، واللبن بسمنه، والتمر بنواه، وكل شيء لثفله قيمة إذا بيع

---

(۱) (الدر المختار مع رد المحتار: ۶/۵۶، ۵۷، باب الإجارة الفاسدة، سعيد)

"ولو دفع غزلاً لينسجه بنصفه، أو استأجره ليحمل طعامه بقفيز منه، أو ليخبز له كذا اليوم بدرهم، لم يجز؛ لأنه في الأولى والثانية جعل الأجر ما يخرج من عمله، فيصير في معنى قفيز الطحان، وقد نهى عنه عليه السلام، وهو أن يستأجر ثوراً ليطحن له حنطة بقفيز من دقيقه، فصار هذا أصلاً يعرف به فساد جنسه". (تبيين الحقائق: ۶/۱۳۴، باب الإجارة الفاسدة، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۳/۵۳۹، باب الإجارة الفاسدة، غفاريه كوئٹه)

(۲) (الدر المختار، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۶/۴۸، سعيد)

فصل کا خوشہ چنوانے کی اجرت

سوال[۸۱۴۴]: ہمارے یہاں رواج ہے کہ جب کھیت سے فصل کٹتی ہے تو کچھ اس میں سے خوشے ٹوٹ کر زمین پر گر جاتے ہیں، کاٹنے والے مزدور اس کو چنتے ہیں اور زمیندار کو نصف یا تہائی حصہ دیتے ہیں۔ آیا ساقط شدہ خوشے زمیندار کی ملکیت ہے یا چننے والوں کی اور اس طرح لینا دینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ زمیندار کی ملک ہے، اس طرح مزدوری کا معاملہ جائز ہے: "ولو دفع غزلاً لآخر لينسجه له بنصفه، أو استأجر بغلاً ليحمل طعامه ببعضه، أو ثوراً ليطحن ببعض دقيقه، فسد في الكل؛ لأنه استأجره بجزء من عمله اهـ". در مختار: ۵/۳۹(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

گائے کو کرایہ پر دینا

سوال[۸۱۴۵]: دودھ دینے والی گائے بھینس کو کرایہ پر دینا جائز ہے یا نہیں؟ اس کے دودھ کی رقم یکجا دے دی جاتی ہے، گھاس وغیرہ کرایہ دار کے ذمہ ہوتا ہے، بلکہ جب تک دودھ دیتی رہے وہ گائے بھینس کرایہ دار کے پاس رہتی ہے، پھر مالک کو واپس کردی جاتی ہے۔ کیا یہ صورت جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ناجائز ہے: "لا تجوز إجارة الشجر على أن الثمر للمستأجر، وكذلك لو استأجر بقرة

---

(۱) (الدر المختار: ۶/۵۶، ۵۷، باب الإجارة الفاسدة، سعيد)

"صورة قفيز الطحان أن يستأجر الرجل من آخر ثوراً ليطحن به الحنطة على أن يكون لصاحبها قفيز من دقيقها، أو يستأجر إنساناً ليطحن له الحنطة بنصف دقيقها أو ثلثه أو ما أشبه ذلك، فذلك فاسد. والحيلة في ذلك لمن أراد الجواز أن يشترط صاحب الحنطة قفيزاً من الدقيق الجيد، ولم يقل: من هذه الحنطة، أو يشترط ربع هذه الحنطة من الدقيق الجيد، لأن الدقيق إذا لم يكن مضافاً إلى حنطة بعينها يجب في الذمة". (الفتاوى العالمكيرية: ۴۴۴/۴، الفصل الثالث في قفيز الطحان، كتاب الإجارة، رشيديه)

(وكذا في فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الإجارة: ۳۳۴/۲، باب الإجارة الفاسدة، رشيديه)

بشاة، ليكون ما يلد أو لبنه له، كذا في محيط السرخسي اھ". عالمگیری: ۴/۴۴۴ (۱)۔ فقط
واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۵/۹/۶۶ھ۔

ادھیاں پر جانور دینا

سوال [۸۱۲۹]: ادھیار جانور دیتے ہیں یعنی جانور میرا اور خدمت آپ کی، پھر وہ جانور مدت مقررہ پر سال دو سال میں پہنچے گا تو پھر دونوں شخص اس جانور کی قیمت ڈال دیتے ہیں فریقین میں جس کا دل چاہتا ہے جانور رکھ لیتا ہے اور جس کا دل چاہتا ہے قیمت لے لیتا ہے۔ کیا یہ صورت جائز ہے یا نہیں؟ در جواز کی کون سی صورت ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ صورت اجارہ فاسدہ ہے جو کہ ناجائز ہے (۲)۔ جواز کی صورت یہ ہے کہ جانور کی قیمت لگا کر نصف حصہ فروخت کردے، اب دوسرا شخص اس نصف کو خرید لے، پھر جانور والا اس نصف قیمت کو معاف کردے، اب اس جانور میں دونوں برابر کے شریک ہیں، اس کی کل منفعت دودھ بچے وغیرہ بھی مشترک ہیں (۳)۔ اگر

---

(۱) (الفتاوی العالمکیریة: ۴/۴۴۴، الباب الخامس عشر في بيان ما يجوز من الإجارة وما لا يجوز، رشیدیہ)

"وعلى هذا إذا دفع البقرة بالعلف ليكون الحادث بينهما نصفين، فما حدث فهو لصاحب البقرة، وللآخر مثل علفه وأجر مثله". (رد المحتار: ۴/۳۲۶، كتاب الشركة، فصل في الشركة الفاسدة، سعید)

(وكذا في فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الإجارة: ۲/۳۳۰، باب الإجارة الفاسدة، رشیدیہ)

(۲) (الفتاوى العالمكيرية: ۲/۳۳۵، الباب الخامس في الشركة الفاسدة، كتاب الشركة، رشیدیہ)

(۳) "وعلى هذا إذا دفع البقرة بالعلف ليكون الحادث بينهما نصفين، فما حدث فهو لصاحب البقرة، وللآخر مثل علفه وأجر مثله". (رد المحتار: ۴/۳۲۶، كتاب الشركة، فصل في الشركة الفاسدة، سعید)

فروخت کردیں تو قیمت بھی نصف نصف ہوگی۔ فتاویٰ عالمگیری میں یہ صورت بطورِ حیلہ جواز لکھی ہے:

"والحيلة في ذلك أن يبيع نصف البقرة من ذلك الرجل ونصف الدجاجة ونصف بذر الفيلق بثمن معلوم، حتى تصير البقرة وأجناسها مشتركة بينهما، فيكون الحادث منهما على الشركة، كذا في الظهيرية"(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۲/ربیع الثانی/۶۲ھ۔

بکریوں کو ادھیا پر دینا

سوال[۸۲۷۱]: بکریوں کو ادھیا پر دیتے ہیں یعنی بکری دے دی، جب بچے پیدا ہوا تو آگر دو ہوئے تو ایک ایک لے لیا، اور ایک ہوا تو دونوں نے بانٹ لیا۔ یہ طریقہ جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہو تو جو طریقہ ادھیا پر دینے کا جائز ہو وہ بتائیں۔

عبدالقدیر گروڈہ، ۹/ مئی/۹۲ء۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ طریقہ درست نہیں ہے، البتہ نصف بکری فروخت کردیں اور قیمت معاف کردیں تو دونوں نصف کے شریک ہوجائے گا، نصف بکری آپ کی ہوگی اور دوسرے کی، بچے سب نصفا نصف ہوں گے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

=(وكذا في الفتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية: ۲/۳۳۴، باب الإجارة الفاسدة، رشيدية)

(۱) (الفتاوى العالمكيرية، كتاب المضاربة، الباب الخامس في الشركة الفاسدة: ۲/۳۳۵، رشيدية)

(۲) (راجع عنوان: "ادھیا پر جانور دینا")

بکری پالنے کے لئے دینا

سوال[۸۱۲۹]: زید نے ایک بکری خریدی اور بغیر قیمت لگائے ہوئے بکر کو پالنے کے لئے دیدی اور کہا کہ اس بکری کا جو بچہ ہوگا وہ نصف نصف کرلیں گے۔ تو کیا کرنا جائز ہے یا نہیں؟ زید کے حصہ میں جو بچہ آیا اس کی قربانی درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ معاملہ جائز نہیں ہے جیسا کہ فتاویٰ عالمگیری(۱) اور شامی میں تصریح ہے(۲)، وہ بچہ زید ہی کی ملک ہے، زید کو اس کا لینا اور قربانی کے قابل جب ہوجائے تو قربانی کرنا سب درست ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/۸/۹۹ھ۔

---

(۱) "وعلى هذا إذا دفع البقرة إلى إنسان بالعلف، ليكون الحادث بينهما نصفين، فما حدث فهو لصاحب البقرة، ولذلك الرجل مثل العلف الذي علفها وأجر مثله فيما قام عليها" (الفتاوى العالمكيرية: ۲/۳۳۵، كتاب الشركة، الباب الخامس في الشركة الفاسدة، رشيدية)

(۲) "إذا دفع البقرة بالعلف ليكون الحادث بينهما نصفين، فما حدث: فهو لصاحب البقرة، وللآخر مثل علفه وأجر مثله". (رد المحتار، كتاب الشركة: ۴/۳۲۶، مطلب يرجع القياس، فصل في الشركة الفاسدة، سعيد)

"إذا دفع البقرة بالعلف، ليكون الحادث بينهما نصفين، فما حدث: فهو لصاحب البقرة، ولذلك الرجل مثل علفه الذي علفه وأجر مثله فيما قام عليها". (الفتاوى التاتارخانية: كتاب الشركة، الشركة بالأعمال: ۵/۴۶۰، إدارة القرآن، كراتشي)

"سئلت عن البقرة دفعها مالكها لرجل على أن يعلفها من علفه ويقوم بها، وما حدث عنها من النتاج يكون بينهما نصفين، فهل لا يصح ذلك؟ الجواب: لا يصح ذلك، وما حدث فهو لصاحب البقرة، وللآخر مثل علفه وأجر مثله". (الفتاوى الكاملية: ص ۵۵، كتاب الشركة، مكتبه حقانيه پشاور)

(وكذا في المحيط البرهاني في الفقه النعماني: ۹/۳۰۳، كتاب الشركة، فصل في الشركة بالأعمال، مكتبه غفاريه)

ایضاً

سوال [۸۱۲۹]: بکری کے پیٹ کے بچوں کی بٹائی کی اجرت دینا جائز ہے یا نہیں؟ صورت یہ کہ آدمی کے پاس ایک بکری ہے اس کو دوسرے آدمی والی شرط پر چرانے کو دیتا ہے کہ تم اس بکری کو ایک سال تک رکھو تو اس بکری سے اگر دو بچے پیدا ہو جائیں تو ایک تیرا اور دوسرا میرا ہوگا، اور اگر ایک ہوگا اس کو بیچ کر دونوں تقسیم کر لیں گے۔ تو یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ اجارہ ناجائز ہے، اس کو فسخ کر کے صحیح طور پر معاملہ کیا جاوے(۱)، اس ناجائز اجارہ کی صورت میں بچہ اصل مالک کا ہوگا اور چرانے والے کو اجر مثل واجب ہوگا(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۶/ربیع الاول/۶۳ھ۔

گائے پالنے کے لئے دینا

سوال [۸۱۳۰]: یہاں رواج ہے کہ گائے وغیرہ پالنے کے لئے دیدیتے ہیں دوسرا آدمی پالتا ہے، جب بچہ دینے کے قریب ہوتی ہے تو اس وقت اس کو فروخت کر دیتے ہیں اور نصف نصف تقسیم کر لیتے ہیں۔ یہ درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ صورت جائز نہیں، گائے کی قیمت متعین کر کے مثلاً دس روپیہ اس کا نصف حصہ پانچ روپیہ میں فروخت کر دیا جائے اور پھر وہ پانچ روپیہ معاف کر دیا جائے، پالنے والے سے نہ لیا جائے، اور دونوں پرورش

---

(۱) "ویجب علی کل واحد منهما فسخه قبل القبض، ویکون عاصیاً بعده ما دام المبیع بحاله في يد المشتري، إعداماً للفساد، لأنه معصية، فيجب رفعها". (الدر المختار: ۵/۹۱، کتاب البیوع، باب البیع الفاسد، سعید)

(۲) (تقدم تخريجه تحت المسألة السابقة)

کرتا ہے، اس صورت میں وہ نصف کا شریک رہے گا، دودھ اور بچے اور خود بیگانے سب نصف نصف رہے گی، اس طرح درست ہے، فتاوی عالمگیری (۱) اور شامی میں جواز کی یہی صورت لکھی ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۱۱/۸۹ھ۔

پال پر جانور دینا

سوال [۹۱۲۱]: ہمارے اطراف میں ایسا ہوتا ہے کہ امیر لوگ جانور خرید کر غریبوں کو پالنے کے لئے دیدیتے ہیں، بکری اور مرغی کو اس شرط پر دیتے ہیں کہ پیدا ہونے والے بچے میں نصفا نصف کے شریک رہیں گے، مثلاً بکری کے دو بچے پیدا ہوئے تو ایک مالک کا اور ایک پالنے والے کا، اور گائے بھینس کی قیمت لگا دیتے ہیں، لیکن دودھ اور بچے میں دونوں برابر کے شریک ہوتے ہیں۔ اس کے بارے میں تحریر فرمائیں۔

---

(۱) "دفع بقرة إلى رجل على أن يعلفها وما يكون من اللبن والسمن بينهما أنصافاً، فالإجارة فاسدة، وعلى صاحب البقرة للرجل أجر قيامه وقيمة علفه إن علفها من علف هو ملكه، لا ما سرحها في المرعى، ويرد كل اللبن إن كان قائماً، وإن أتلف فالمثل إلى صاحبها. والحيلة في جوازه أن يبيع نصف البقرة منه بثمن ويبرئه، ثم يأمره باتخاذ اللبن، فيكون بينهما. وكذا لو دفع الدجاج على أن البيض بينهما، لا يجوز، والحادث كله لصاحب الدجاج". (الفتاوى العالمكيرية: ۴۴۵/۴، كتاب الإجارة، الباب الخامس عشر في بيان ما يجوز من الإجارة وما لا يجوز، الفصل الثالث في قفيز الطحان وما هو في معناه، رشيديه)

(۲) "تنبيه: لم يذكروا ما لو كانت الدابة بين اثنين دفعها أحدهما للآخر على أن يؤجرها ويعمل عليها على أن ثلثي الأجر للعامل والثلث للآخر، وهي كثيرة الوقوع، ولا شك في فسادها؛ لأن المنفعة كالعروض لا تصح فيها الشركة، وحينئذ فالأجر بينهما على قدر ملكيهما، وللعامل أجر مثل عمله، ولا يجب للعمل في المشترك حتى يقول للأجير؛ لأن العمل فيما يحمل وهو لغيرهما ذمل ...... وعلى هذا إذا دفع البقرة بالعلف ليكون الحادث بينهما نصفين، فما حدث فهو لصاحب البقرة وللآخر مثل علفه وأجر مثله". (رد المحتار: ۳۲۷/۴، كتاب الشركة، فصل في الشركة الفاسدة، مكتبه سعيد)

(وكذا في الفتاوى البزازية على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الإجارات، النوع الثالث في الدواب: ۳۴/۵، رشيديه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ صورت ناجائز ہے: "دفع بقرة إلى رجل على أن يعلفها، وما يكون من اللبن والسمن بينهما أنصافاً، فالإجارة فاسدة، وعلى صاحب البقرة للرجل أجر قيامه وقيمة علفه إن علفها من علف هو ملكه، لاما سرحها في المرعى. ويرد كل اللبن إن كان قائماً، وإن أتلف فالمثل إلى صاحبها. والحيلة في جوازه أن يبيع نصف البقرة منه بثمن ويبرئه، ثم يأمره باتخاذ اللبن فيكون بينهما. وكذا لو دفع الدجاج على أن البيض بينهما، لايجوز، والحادث كله لصاحب الدجاج". فتاویٰ عالمگیریہ (۱)۔

ایسی صورت میں وہ جانور اور اس سے پیدا ہونے والی چیز: انڈے، بچے، دودھ سب اصل مالک کی ہے اور پالنے والا اجرِ مثل کا مستحق ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۱۱/۸۹ھ۔

بکری پال پر دینا

سوال[۸۱۳۲]: زید نے ایک بکری خریدی اور بغیر قیمت لگائے ہوئے بکر کو پالنے کے لئے دیا

---

(۱) (الفتاوى العالمكيرية: ۴۴۵/۴، كتاب الإجارة، الباب الخامس عشر في بيان مايجوز من الإجارة ومالايجوز، الفصل الثالث في قفيز الطحان، رشيديه)

(وكذا في فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية: ۳۳۰/۲، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، رشيديه)

(وكذا في البزازية على هامش الفتاوى العالمكيرية: ۳۷/۵، كتاب الإجارة، النوع الثالث في الدواب، رشيديه)

(وكذا في المحيط البرهاني في الفقة النعماني: ۲۱۳/۳، كتاب الشركة، الفصل السادس الشركة في الأعمال، غفاريه)

"وعلى هذا إذا دفع البقرة بالعلف ليكون الحادث بينهما نصفين، فما حدث، فهو لصاحب البقرة، وللآخر مثل علفه وأجر مثله". (ردالمحتار، كتاب الشركة، فصل في الشركة الفاسدة: ۳۲۷/۴، سعيد)

اور کہا کہ اس بکری کے جو بچہ ہوگا وہ نصف نصف کرلیں گے۔ تو ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟ زید کے حصہ میں جو بچہ آیا اس کی قربانی درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ معاملہ جائز نہیں ہے، جیسا کہ فتاویٰ عالمگیری (۱) اور شامی (۲) میں تصریح ہے۔ وہ بچہ زید ہی کی ملک ہے، زید کو اس کا لینا اور قربانی کے قابل جب ہو جائے تو قربانی کرنا سب درست ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/۸/۸۹ھ۔

بکری پال پر دینا

سوال[۸۱۴۳]: بکری کے پیٹ کے بچہ کی چرائی کو اجرت دینا جائز ہے یا نہیں؟ صورت یہ ہے کہ آدمی کے پاس ایک بکری ہے وہ اس کو دوسرے آدمی کو اس شرط پر چرانے کو دیتا ہے کہ تم اس بکری کو ایک سال گھاس کھلاؤ تو اس بکری سے اگر دو بچہ پیدا ہوجائیں تو ایک تیرا اور دوسرا میرا ہوگا۔ اور اگر ایک ہوگا اس کو بیچ کر

---

(۱) "وعلی هذا إذا دفع البقرة إلی إنسان بالعلف لیکون الحادث بینهما نصفین، فما حدث فهو لصاحب البقرة، ولذلک الرجل مثل العلف الذی علفها وأجر مثله فیما علیها". (الفتاویٰ العالمکیریة: ۲/۳۳۵، کتاب الشرکة، الباب الخامس فی الشرکة الفاسدة، رشیدیه)

(۲) "إذا دفع البقرة بالعلف لیکون الحادث بینهما نصفین، فما حدث، فهو لصاحب البقرة، وللآخر مثل علفه وأجر مثله". (ردالمحتار: ۳۲۴/۴، مطلب: یرجع القیاس، الشرکة الفاسدة، سعید)

"إذا دفع البقرة بالعلف لیکون الحادث بینهما نصفین، فما حدث، فهو لصاحب البقرة، وللآخر مثل علفه، وأجر مثله لمن قام علیها". (الفتاویٰ التاتارخانیة، کتاب الشرکة، الشرکة بالأعمال: ۴۷۰/۵، إدارة القرآن کراچی)

"سئل عن البقرة دفعها مالکها لرجل علی أن یعلفها من عنده، ویقوم بها، وما حدث منها من النتاج یکون بینهما نصفین، هل لایصح ذلک؟ فالجواب: لایصح ذلک، وما حدث فهو لصاحب البقرة، وللآخر مثل علفه وأجر مثله". (الفتاویٰ الکاملیة، ص: ۵۵، کتاب الشرکة، مکتبه حقانیه پشاور)

(وکذا فی المحیط البرهانی فی الفقه النعمانی: ۱۳/۶، فصل فی الشرکة بالأعمال، مکتبه غفاریه)

ایسی صورت میں وہ جانور اور اس سے پیدا ہونے والی چیز: انڈے، بچے، دودھ سب اصل مالک کی ہے اور پالنے والا اجر مثل کا مستحق ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۱۱/۹۹ھ۔

جانور کی جفتی کی اجرت

سوال[۸۱۲۹]: آج کل نر، مادہ جفتی کے لئے بلا اجرت نہیں چھوڑتے۔ کیا یا امیر وغریب ہر ایک کے لئے ناجائز ہے، یا کسی کی تخصیص ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس میں سب کا حکم برابر ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۳/۹۵ھ۔

گابھن کرانے کی اجرت

سوال[۸۱۳۰]: گابھن کرانے کی اجرت کا کیا حکم ہے؟ بخاری شریف پارہ ۹ کتاب الاجارات میں منع فرمایا ہے(۲)۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

گابھن کرانے کی اجرت لینا ناجائز ہے: "لا يجوز أخذ أجرة عسب التيس، لقوله عليه الصلوة والسلام: "إن من السحت عسب التيس، ومهر البغي، وكسب الحجام". ولأنه عمل لا يقدر

---

(۱) قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالى: "لا تصح الإجارة لعسب التيس، وهو نزوه على الإناث؛ لأنه عمل لا يقدر عليه وهو الإحبال". (الدر المختار: ۶/۵۶، ۵۷، باب الإجارة الفاسدة، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۶/۱۱۵، باب الإجارة الفاسدة، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۴/۴۵۳، الباب الخامس عشر في بيان ما يجوز من الإجارة وما لا يجوز، رشيديه)

(۲) "عن ابن عمر رضي الله تعالى عنهما قال: "نهى النبي صلى الله تعالى عليه وسلم عن عسب الفحل".

(صحيح البخاري، كتاب الإجارات، باب عسب الفحل: ۱/۳۰۵، قديمي)

علیه، ولأنه أخذ المال بمقابلة الماء، وهو نجس عين لا قيمة له، فلا يجوز أخذ الأجرة عليه، اهـ". زیلعی: ۵/۱۲۴ (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

جواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، الجواب صحیح: عبد اللطیف، ۱۶/محرم/۵۶ھ۔

جتنے کرایہ پر مکان لیا ہے اس سے زائد پر دینا

سوال [۸۱۳۸]: میرا مکہ مکرمہ جانے کا ارادہ ہے کیونکہ میرے لڑکے وہاں رہتے ہیں، میں ان سے علیحدہ رہتا ہوں لیکن وہاں کرایہ کے مکان میں رہنا چاہتا ہوں۔ اگر میں وہاں پر کوئی موزوں فلیٹ چھ آٹھ ہزار روپیہ پر لے لوں اور زمانۂ حج میں مثلاً پندرہ ہزار ریال پر حجاج کو کرایہ پر دے دوں تو اس صورت میں مجھے آسانی سے آٹھ ہزار ریال کا منافع ہو جائے گا۔ تو سوال یہ ہے کہ میں قرضِ حسنہ لے کر اس مکان کو جس کو میں نے کرایہ پر لیا ہے اس سے زائد کرایہ پر دوسروں کو دے سکتا ہوں کہ نہیں؟ جواب سے مطلع فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو صورت آپ چاہتے ہیں یہ تو حدودِ حرم مبارک سے باہر بھی اور جگہ بھی درست نہیں، جتنی رقم کسی جگہ بھی کرایہ مکان کی آپ ادا کریں اتنی رقم پر دوسرے کو دے سکتے ہیں، اگر اس سے زیادہ رقم لیں گے تو اس کا صدقہ کر دینا ہوگا (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ دار العلوم دیوبند، ۲۱/۳/۹۵ھ۔

---

(۱) (تبیین الحقائق: ۶/۱۱۱، باب الإجارة الفاسدة، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الدر المختار: ۶/۵۵، باب الإجارة الفاسدة، سعيد)

(وكذا في خلاصة الفتاوى: ۳/۱۱۳، باب الإجارة الفاسدة، امجد اكيدمي لاهور)

(۲) "وله السكنى بنفسه وإسكان غيره بإجارة وغيرها، وكذا كل ما لا يختلف بالمستعمل يبطل التقييد؛ لأنه غير مفيد، بخلاف ما يختلف به. ولو آجر بأكثر، تصدق بالفضل، إلا في مسألتين: إذا آجرها بخلاف الجنس، أو أصلح فيها شيئاً". (الدر المختار: ۶/۲۹، باب ما يجوز من الإجارة وما يكون خلافاً فيها، سعيد)

کرایہ پر لی ہوئی مسجد کی جائیداد کو زیادہ کرایہ پر دینا

سوال [۹۳۰۸]: ایک شخص نے مسجد کی جائیداد دس روپیہ ماہواری کرایہ پر لے رکھی ہے اور اس کو اپنے طریقہ سے بارہ روپیہ کو کرایہ پر دے رکھی ہے۔ یہ منافع جائیداد مسجد سے اٹھانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر اس شخص نے اس جائیداد میں کوئی تصرف نہیں کیا بلکہ جس طرح مسجد سے لی تھی اسی طرح دوسرے کو دے دی تب تو یہ منافع ناجائز ہے اس کا تصدق واجب ہے، اگر اس جائیداد کی کوئی اصلاح کی یا مرمت کی ہے اور پھر دوسرے شخص کو دی ہے تو یہ منافع جائز ہے:

"وإذا استأجر داراً وقبضها ثم آجرها، فإنه يجوز إن آجرها بمثل ما استأجرها أو أقل، وإن آجرها بأكثر مما استأجرها فهي جائزة أيضاً، إلا أنه إن كانت الأجرة الثانية من جنس الأجرة الأولى، فإن الزيادة لا تطيب له ويتصدق بها، وإن كانت من خلاف جنسها طابت له الزيادة. ولو زاد في الدار زيادة كما لو وتد فيها وتداً أو حفر فيها بئراً أو طيناً أو أصلح أبوابها أو شيئاً من حوائطها طابت له الزيادة. وأما الكنس فإنه لا يكون زيادة، وله أن يؤاجرها من شاء إلا الحداد والقصار والطحان وما أشبه ذلك مما يضر بالبناء ويوهنه، هكذا في السراج الوهاج" اهـ.

فتاویٰ عالمگیری: ۴/۴۲۵(۱)۔

اس کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ جائیداد کسی ایسے آدمی کو کرایہ پر دے جس کے رہنے اور کام کرنے سے اس جائیداد کو نقصان نہ پہنچے، مثلاً: اگر وہ دکان یا مکان ہو تو اس کو لوہار یا آٹا پیسنے والے کو نہ دے کہ لوہار کی بھٹی اور کام سے اور آٹا پیسنے والے کی مشین سے دوکان اور مکان کی دیواروں اور چھت اور بنیادوں کو

= (وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۴/۴۲۵، الباب السابع في إجارة المستأجر، رشيدية)

(وكذا في خلاصة الفتاوى: ۳/۱۳۵، باب الإجارة الفاسدة، امجد اكيڈمي لاهور)

(۱) (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الإجارة، الباب السابع في إجارة المستأجر: ۴/۴۲۵، رشيدية)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الإجارة، باب ما يجوز من الإجارة وما يكون خلافاً فيه: ۶/۲۹، سعيد)

(وكذا في خلاصة الفتاوى، كتاب الإجارة: ۳/۱۴۵، امجد اكيڈمي لاهور)

نقصان پہنچتا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۱/ذی الحجہ/۵۸ھ۔

کرایہ دار سے قرض اور مکان خالی نہ کرنے کی شرط

سوال [۱۰۱۳۹]: خلاصہ سوال یہ ہے کہ ایک مکان والا کچھ رقم بطور قرض مکان کو کرایہ پر لینے والے سے لینا چاہتے ہیں تو کرایہ دار یہ شرط کرتے ہیں کہ جب تک ہم رہنا چاہیں ہم سے خالی نہ کرانا اور نہ کرایہ بڑھانا۔ یہ شرط کیسی ہے؟ دراصل مالک مکان سابق کرایہ دار کے قرضدار ہیں، وہ کرایہ دار مکان خالی کرتے وقت اپنا قرض طلب کر رہے ہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس طرح قرض لے کر سابق کرایہ دار کا معاملہ صاف کر دینا درست ہے، مگر یہ شرط نہ کی جائے کہ جب تک ہم رہنا چاہیں مکان خالی نہ کریں گے (۱)۔ دوسری صورت ادائے قرض کی یہ بھی ہے کہ نئے کرایہ دار سے ایک رقم پیشگی کرایہ کے طور پر لے کر قرض ادا کریں، پھر وہ رقم کرایہ میں محسوب ہوتی رہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی اللہ عنہ دار العلوم دیوبند، ۲۰/۱/۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ دار العلوم دیوبند، ۲۰/۱/۸۹ھ۔

---

(۱) قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالى: "وتفسد الإجارة بالشروط المخالفة لمقتضى العقد، فكل ما أفسد البيع يفسدها كجهالة مأجور أو أجرة أو مدة أو عمل، وكشرط طعام عبد وعلف دابة ومرمة الدار أو مغارمها وعشر أو خراج أو مؤنة رد" (الدر المختار: ۶/۴۶، باب الإجارة الفاسدة، سعيد)

"وكل شرط يخالف موجب العقد مفسد للعقد". (المبسوط للسرخسي: ۱۶/۲۰، باب الإجارة الفاسدة، كتاب الإجارات، غفاريه كوئٹه)

(وكذا في الفتاوى الكاملية، ص: ۱۹۲، كتاب الإجارة، مكتبه حقانيه پشاور)

(۲) "تملك الأجرة بشرط التعجيل يعني لو شرط أن تكون الأجرة معجلة، لزم المستأجر تسليمها" =

کتابیں کرایہ پر دینا

سوال [۸۱۴۱]: ایک دکان دار جس کی آمدنی صرف کتابوں کو کرایہ پر دینے سے حاصل ہوتی ہے، اس کی آمدنی کا کیا حکم ہے، کیا کتابیں کرایہ پر دینا گناہ ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

فتاویٰ عالمگیری میں ہے کہ کتابیں کرایہ پر دینا منع ہے اور اس اجارہ کو باطل قرار دیا ہے، بحوالہ مبسوط(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

قلی کو متعینہ مزدوری سے زیادہ لینا

سوال [۸۱۴۲]: میرے ایک دوست نے سوال کیا ہے: ہم گورنمنٹ کے ملازم نہیں، بلکہ ہم ضمانت روپیہ اسٹیشن میں آنے جانے کے لئے جمع کرواتے ہیں اور ہم کو اس سے اسٹیشن پر کام کرنے کی اجازت حاصل ہو جاتا ہے۔ گورنمنٹ نے ۳/ آنہ فی بستر کا ریٹ مقرر کیا ہے، لیکن ہم اکثر مسافروں سے زیادہ لیتے

= (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۲۲۰/۱، (رقم المادة: ۴۶۸)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"يعتبر و يراعى كل ما اشترطه العاقدان في تعجيل الأجرة و تأجيلها". (شرح المجلة: ۲۲۵/۱، (رقم المادة: ۴۷۳)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(۱) "ولو استأجر كتباً ليقرأ فيها، شعراً كان أو فقهاً، أو غير ذلك، لا يجوز ولا أجر له، وإن قرأ، وكذلك إجارة المصحف". (الفتاوى العالمكيرية: ۴۴۹/۴، الفصل الرابع في فساد الإجارة إذا كان مشغولاً بغيره، رشيديه)

"ولو استأجر كتباً ليقرأ فيها، شعراً أو فقهاً أو غير ذلك، لم يجز؛ لأن المعقود عليه فعل القاري، والنظر في الكتاب والتأمل فيه ليفهم المكتوب فعله أيضاً، فلا يجوز أن يجب عليه أجر بمقابلة فعله، ولأن فهم ما في الكتاب ليس في وسع صاحب الكتاب، ولا يحصل ذلك بالكتاب". (المبسوط للسرخسي: ۴۰/۱۶، باب الإجارة الفاسدة، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(وكذا في بدائع الصنائع: ۵/۲۳، فصل في ركن الإجارة، دار الكتب العلمية بيروت)

میں جو ٹھیکہ دار اور مسافروں کے درمیان طے ہو جائے۔ یہ ٹھیکہ مزدوری لینا ہمارے لئے جائز ہے یا نہیں، اگر جائز نہیں تو جواز کی کیا صورت ہوگی؟

مولوی محمد شیریں صاحب مظاہری۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر پیشہ چلنے پر گورنمنٹ مقدمہ نہ چلائے اور اجرت مقرر ہے تو جائز ہے(1)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

ہنڈی اور منی آرڈر

سوال[8144]: ہنڈی لینا اور دینا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز نہیں تو منی آرڈر کرنا کیوں جائز ہے؟ منی آرڈر میں بھی جمع کردہ روپیہ مرسل الیہ کو نہیں ملتے۔

مولانا شائق پلنپوری۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ہنڈی کو فقہاء رحمہ اللہ تعالیٰ نے مکروہ لکھا ہے، رد المحتار: 5/295 (2)۔ منی آرڈر کو بھی

---

(1) اجرت چونکہ مستاجر اور اجیر کے درمیان ان کی رضامندی سے طے شدہ عقد کا عوض ہے، اس میں کسی جہت کی دخل اندازی سے اس کی صحت پر جب کہ صحیح ہو، کوئی اثر نہیں پڑتا۔

"وأما شرائط الصحة، فمنها رضا المتعاقدين. ومنها أن يكون المعقود عليه وهو المنفعة معلومة علماً يمنع المنازعة، فإن كان مجهولاً جهالة مفضية إلى المنازعة يمنع صحة العقد، وإلا فلا" (الفتاوى العالمكيرية: 4/411، كتاب الإجارة، رشيديه)

البتہ یا تو جائز تو ایسی کی پابندی کرنا ضروری ہے: "أمر السلطان إنما ينفذ: أي يتبع، ولا تجوز مخالفته . صاحب البحر ذكر ناقلاً عن أئمتنا أن طاعة الإمام في غير معصية واجبة، فلو أمر بصوم يوم وجب . وقدمنا أن السلطان لو حكم بين الخصمين ينفذ في الأصح" (الدر المختار، كتاب القضاء: 5/422، سعيد)

(2) "أفتى المصنف ببطلان بيع الجامكية لما في الأشباه: بيع الدين إنما يجوز من المديون".

(الدر المختار، مطلب في بيع الجامكية: وهو أن يكون لرجل جامكية في بيت المال ويحتاج إلى —

فتاویٰ رشیدیہ (۱)، فتاویٰ اشرفیہ وغیرہ میں منع لکھا ہے (۲)۔ البتہ امداد الفتاویٰ میں جواز کی تاویل بھی لکھی ہے (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

= دراهم معجلة قبل أن تخرج الجامكية، فيقول له رجل: بعني جامكيتك التي قدرها كذا بكذا، أنقص من حقه في الجامكية، فيقول له: بعتك، فهل البيع المذكور صحيح أم لا، لكونه بيع الدين بالنقد؟ أجاب: إذا باع الدين من غير من هو عليه الدين، لا يصح" (رد المحتار: ۴/۵۱۷، مطلب في بيع الجامكية، كتاب البيوع، سعيد)

"إن كان السفتج مشروطاً في القرض، فهو حرام، والقرض بهذا الشرط فاسد، وإلا جاز. وصورة الشرط كما في الواقعات: رجل أقرض رجلاً مالاً على أن يكتب له بها إلى بلد كذا، فإنه لا يجوز". (رد المحتار: ۵/۳۵۰، كتاب الحوالة، سعيد)

(۱) "بذریعہ منی آرڈر روپیہ بھیجنا درست ہے اور داخل ربوا نہیں ہے، اور یہ جو محصول دیا جاتا ہے، درست ہے"۔ (فتاویٰ رشیدیہ، ص: ۱۹۰، باب سود کے مسائل کے احکام، سعید)

(۲) ہنڈی کے بارے میں فتاویٰ اشرفیہ میں ناجائز لکھا ہے، ص: ۱۲۲۔

سوال: "ہنڈوی ڈرافٹ میں دینا لینا درست ہے یا نہیں؟"

الجواب: "نہیں"۔ (فتاویٰ اشرفیہ، ص: ۱۲۱، ۱۲۲، سعید)

منی آرڈر کے بارے میں لکھا ہے: "الجواب: قاعدہ کلیہ ہے: "الأقراض تقضى بأمثالها" اور منصوص ہے کہ قرض میں کمی بیشی کی شرط ربا ہے ...... لیکن بہت مرتبہ ریزگی سے اس قدر تاویل کی گنجائش ہو سکتی ہے کہ فیس کو اجرت کتابت ورواگی فارم کی کہا جاوے، اس سے حرمت تفاضل تو رفع ہو جاوے گی، مگر کراہت ضرور باقی رہے گی۔ واللہ اعلم"۔ (فتاویٰ اشرفیہ، ص: ۱۲۷، سعید)

(۳) امداد الفتاویٰ میں ہے: "منی آرڈر مرکب ہے دو معاملوں سے: ایک قرض جو اصل رقم سے متعلق ہے، دوسرا اجارہ جو فارم کے لکھنے اور روانہ کرنے پر بنام فیس کے دی جاتی ہے، اور دونوں معاملے جائز ہیں، پس دونوں کا مجموعہ بھی جائز ہے، اور چونکہ اس میں ابتلائے عام ہے، اس لئے یہ تاویل کر کے جواز کا فتویٰ مناسب ہے"۔ (امداد الفتاویٰ: ۳/۱۴۹، کتاب الربوا، عنوان: "تحقیق منی آرڈر"، مکتبہ دار العلوم کراچی)

کیا کرایہ دار دوکان دوسرے کرایہ دار کو زیادہ کرایہ پر دے سکتا ہے؟

سوال[۸۱۴۴]: ہمارے یہاں ایک صاحب ہیں، انہوں نے مسجد کی ایک دوکان کئی سال سے کرایہ پر لے رکھی ہے، بذات خود وہ اس کو استعمال نہیں کرتے، بلکہ پیشہ دوسرا کرایہ دار رکھتے ہیں۔ دوکان کا کرایہ مسجد کو آٹھ روپے دیتے ہیں اور خود دوکان دار سے پندرہ روپے وصول کرتے ہیں۔ اس طرح سات روپے ہر ماہ نفع کماتے ہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ نفع لینا درست نہیں اگرچہ سود بھی نہیں، اگر دوکان پر کچھ خرچ کرکے، مثلاً: اس میں الماری، کواڑ وغیرہ لگا کر اس کی حیثیت کو بڑھایا ہو تو اتنی حد تک نفع لینے کی اجازت ہے۔ کمیٹی کو اختیار ہے کہ اصل کرایہ دار کے معاملہ کو ختم کرکے شخص کرایہ دار سے معاملہ کرے۔ اور کرایہ دار کو چاہیے کہ اپنا واسطہ درمیان سے ختم کر دے اور مسجد کی دوکان سے خود اس طرح نفع نہ کمائے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۱/۸۹ھ۔

جراح کا زخم اچھا ہونے تک کا ٹھیکہ لینا

سوال[۸۱۴۵]: آج کل جراح زخم کے اچھا ہونے تک کا ٹھیکہ لے لیتے ہیں تو شرعاً یہ جائز ہے یا نہیں، اگر یہ جائز نہیں ہے تو اس کی کوئی جواز کی شکل بھی نکل سکتی ہے یا نہیں؟

---

(۱) "قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالىٰ: "ولو آجر بأكثر، تصدق بالفضل، إلا في مسألتين: إذا آجرها بخلاف الجنس، أو أصلح فيها شيئاً". (الدر المختار). "(قوله: أو أصلح فيها شيئاً) بأن جصصها، أو فعل فيها مسناة، وكذا كل عمل قائم، لأن الزيادة بمقابلة ما زاد". (رد المحتار: ۶/۲۹، باب ما يجوز من الإجارة وما يكون خلافاً فيها، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الإجارة: ۴/۴۲۵، الباب السابع في إجارة المستأجر، رشيديه)

(وكذا في خلاصة الفتاوى: ۳/۱۴۵، كتاب الإجارة، امجد اكيڈمي لاهور)

کردیا، بکر نے مقدمہ دائر کیا، مقدمہ میں بکر ہار گیا اور جج کے سوال پر کہ: ''جگہ تمہاری ہے، دوکان تم نے بنائی ہے''۔ بکر نے جواب دیا کہ: ''دوکان میری ہے نہ جگہ''۔

زید مسلسل کرایہ گورنمنٹ کو دیتا رہا، چار سال بعد گورنمنٹ نے زید سے کرایہ لینا بند کردیا کہ یہ جگہ گورنمنٹ کی نہیں ہے، جو جگہ کا اصلی مالک ہے اس کو کرایہ دیا جائے۔ بہرحال بعد تحقیق کے معلوم ہوا اور جگہ کے مالک کا پادری دوکان پر آیا اور اس کی ملکیت کا اظہار کیا۔ زید نے پادری کو کرایہ دینا شروع کردیا اور پادری نے کرایہ داری کا سرٹیفکیٹ زید کو دیا اور آج تک رسید ہے، لیکن زید کرایہ دے رہا ہے۔ بکر نے دوبارہ مقدمہ دائر کردیا ہے اس بناء پر کہ کسی پالیسی میں جاکر محلے کے لوگوں کا بل اپنے کام کرالیا ہے۔

آپ حضرات سے مشورہ طلب ہے کہ اصل مالک کس کو سمجھا جائے؟ اور زید کو اس دکان میں تجارت کرنا اس کو استعمال کرنا درست و جائز ہے یا نہیں؟ جب کہ بکر شروع سے آج تک کا کرایہ مقدمہ کے ذریعہ حاصل کرنا چاہتا ہے اور دوکان بھی خالی کرا کر اپنے قبضہ میں کرنا چاہتا ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

زید نے مالک ہونے کا دعویٰ نہیں کیا، بلکہ وہ تو کرایہ دار ہے، اول اس نے یہ سمجھا تھا کہ یہ جگہ اور دوکان بکر کی ہے، بعد میں جب جج کے سامنے بکر نے اپنی ملک کا انکار کردیا تو اس سے ظاہر ہوا کہ دوکان بکر کی نہیں ہے۔ زید کرایہ دار ہے جب تک یہ ظاہر ہوا کہ دوکان بکر کی ہے اس کو کرایہ دیتا رہا، جب ظاہر ہوا کہ گورنمنٹ کی ہے اس کو کرایہ دیتا رہا، اب پتہ چلا کہ جگہ چرچ کی ہے تو پادری کو کرایہ دے رہا ہے۔ زید کو اس دکان میں تجارت کرنا بحیثیت کرایہ دار درست ہے(۱)۔

---

(۱) "تصح إجارة حانوت: أي دكان ودار بلا بيان ما يعمل فيها وبلا بيان من يسكنها". (رد المحتار، كتاب الإجارة، باب ما يجوز من الإجارة وما يكون خلافا فيه: ۲۸/۶، سعید)

"ثم الأجرة تستحق بإحدى معان ثلاثة إما بشرط التعجيل أو بالتعجيل أو باستيفاء المعقود عليه إذا وجد أحد هذه الأشياء الثلاثة فإنه يملكها". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الإجارة، الباب الثاني في بيان أنه متى تجب الأجرة: ۴۱۳/۴، رشیدیہ)

(وكذا في شرح المجلة لسليم رستم، كتاب الإجارة: ۲۹۳/۱، (رقم المادة: ۴۶۹)، مكتبه حنفیه کوئٹہ)

آئندہ اگر عدالت سے یہ ثابت ہو جائے کہ یہ کسی اور کی ہے مثلاً بکر کی ہے (حالانکہ پہلے وہ اپنی ملکیت کا انکار کر چکا ہے) اور اس کے حق میں قانونی فیصلہ ہو جائے تو اس کو مطالبہ کا حق ہوگا (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

کرایہ کا معاملہ ختم ہونے پر پیشگی لی ہوئی رقم کی واپسی

الاستفتاء [۸۱۲۷]: ۱...... میں ایک مسجد کا متولی ہوں۔ مسجد کا ایک کمرہ کرایہ پر دینا تھا، دو گاہک آئے جن میں سے ایک نقد رقم دے رہے تھے اور دوسرے میرے پڑوسی تھے، ان کے پاس پوری رقم موجود نہ تھی مگر انہوں نے مجھ پر دباؤ ڈالا، بالآخر ان سے سودا ہو گیا کہ کمرہ کا عطیہ ساڑھے پانچ ہزار روپے اور کرایہ ماہانہ چالیس روپے ہوگا۔ معاملہ طے ہو چکا تھا، انہوں نے ساڑھے پانچ ہزار روپے بطور عطیہ دینا منظور کر لیا۔ سودا طے ہونے کے ڈیڑھ ماہ بعد معذرت چاہی اور کمرہ کسی اور کو کرایہ پر دینے کی درخواست کی۔

چونکہ وہ بقیہ ساڑھے چار ہزار روپے مہیا نہ کر سکے اور مسجد کو دی ہوئی رقم واپس طلب کرنے لگے، ہم نے کہا کہ جب کوئی کرایہ دار کمرہ لے لے گا تب ہی رقم کا فیصلہ ہوگا۔ انہوں نے خاموشی اختیار کی۔ ان سے سودا طے ہونے کے آٹھ ماہ بعد کمرہ کا دوسرا کرایہ دار آگیا۔

اب سوال یہ ہے کہ کیا ان سے آٹھ ماہ کا کرایہ لیا جا سکتا ہے؟

۲...... انہوں نے جو رقم بطور عطیہ مسجد کو دی انہیں لوٹا دی جائے۔ شرعی نقطۂ نظر سے آگاہ کریں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... جب کہ کمرہ پر قبضہ نہیں رہا، تو ان سے اس مدت کا کرایہ وصول کرنا شرعاً درست نہیں، خاص کر جب کہ انہوں نے معذرت کر کے کمرہ دوسرے کو کرایہ پر دینے کے لئے کہہ دیا (۲)۔

---

(۱) "فقال البائع ولي بينة أنها كانت ملكاً لي منذ سنين مثلاً وبرهن على ذلك، لاتندفع الخصومة، بل يقضى بها للمستحق ...... لأن المعلم بكونه ملك الغير لايمنع من الرجوع عند الاستحقاق".

(الدر المختار، كتاب الاستحقاق: ۲۰۲/۵، سعيد)

(وكذا في شرح المجلة لسليم رستم: كتاب البيوع، باب الاستحقاق: ۱/۲۲۷، ۲۲۹، مكتبه حنفيه كوئته)

(۲) "ومنها: تسليم المستأجر في إجارة المنازل ونحوها إذا كان العقد مطلقاً عن شرط التعجيل ...... —

۲..... ایک ہزار کی رقم اگرچہ عطیہ کہہ کر دی ہے اور اس کی رسید بھی دی گئی ہے، لیکن ظاہر ہے کہ ان کا مقصود حسبۃً للہ مسجد کی خدمت کرنا نہیں ہے، بلکہ اسی امید پر دی ہے کہ وہ کمرہ لیں گے، ان کو مسجد کا کمرہ ملے گا۔ اگر وہ محض خدا کے واسطے مسجد کو رقم دیتے تو واپسی کا مطالبہ نہ کرتے، لہٰذا یہ وہ پگڑی ہے جس کو مسجد کے لئے درست نہ سمجھتے ہوئے آپ نے اس کا نام عطیہ رکھ دیا، جس طرح بیعانہ جزوِ قیمت ہوتا ہے اور بیع کا معاملہ ختم ہو جانے پر اس کی واپسی شرعاً لازم ہوتی ہے، اسی طرح اس عطیہ کی واپسی بھی لازم ہے(۱)۔

جس طرح مسجد کے لئے پگڑی کو آپ درست نہیں سمجھتے، اسی طرح لی ہوئی رقم بھی مسجد کے لئے جبراً رکھنا درست نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۱۰/۸۵ھ۔

الجواب صحیح: سید احمد علی سعید، نائب مفتی دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۱۰/۸۵ھ۔

دھوبی وغیرہ کی خدمت اور اجرت

سوال[۸۱۴۸]: بعض جگہ کا قاعدہ ہے کہ درزی، دھوبی، حجام، بڑھئی وغیرہ کو کچھ زمین بے لگان دے دیتے ہیں، یا وہ دان پر غلہ کی ایک خاص مقدار معین کر دیتے ہیں اور اس کے عوض میں اس سال بھر میں جتنی

= ويلي بالتسليم التخلية والتمكين من الانتفاع برفع الموانع في إجارة المنازل ونحوها . . . حتى لو انقضت المدة من غير تسليم المستأجر على التفسير الذي ذكرناه، لا يستحق شيئاً من الأجر؛ لأن المستأجر لم يملك من المعقود عليه شيئاً، فلا يملك هو أيضاً شيئاً من الأجر؛ لأنه معاوضة مطلقة".

(بدائع الصنائع، كتاب الإجارة، فصل في شرائط الركن: ۵/۵۴۳، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في البزازية على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الإجارات: ۵/۱۱، رشيديه)

(۱) "ونهى عن بيع العربان أن يقدم إليه (أي البائع) شيء من الثمن، فإن اشترى، حسب من الثمن، وإلا فهو له مجاناً، وفيه معنى الميسر". (حجة الله البالغة، المبحث: البيوع المنهي عنها، باب بيوع فيها معنى الميسر: ۲/۲۸۸، قديمي)

"اطمینان کے لئے بیعانہ لینے دینے کا تو مضائقہ نہیں، مگر مشتری کے لینے سے انکار کر بیٹھنے پر بیعانہ کی واپسی واجب ہے اور اس کا دبا لینا ظلم و غصب میں داخل ہے"۔ ملخصاً۔ (امداد الاحکام، کتاب البیوع، عنوان: بیعانہ کی رقم ضبط کر لینا ظلم اور غصب ہے: ۳/۳۷۶، مکتبہ دارالعلوم کراچی)

مرتب کام کی ضرورت پڑتی ہے کام لیتے رہتے ہیں، خواہ وہ آمدنی اس کے کام کی سالانہ اجرت سے کم ہو یا زیادہ، اگر وہ خوشی سے اس کو کرتا ہے۔ براہِ مہربانی جواب عنایت فرما کر شکریہ کا موقع دیں۔

المستفتی: محمد نعیم بستوی، موضع گرہی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس صورت میں چونکہ عمل کی تفصیل معلوم نہیں ہوتی جس سے نزاع پیدا ہوتا ہے، لہٰذا یہ اجارہ فاسدہ ہوتا ہے، لیکن اگر کسی جگہ اس کا عرف عام ہے اور اجیر ومستاجر معاملہ کو بوقتِ عقد اچھی طرح سمجھ لیتے ہیں اور کوئی جہالت مفضی الی النزاع باقی نہیں رہتی تو وہاں اس معاملہ کو جائز کہا جائے گا(1):

"ومنها أن يكون المعقود عليه -وهو المنفعة- معلوماً يمنع المنازعة، فإن كان مجهولاً جهالةً مفضيةً للمنازعة يمنع صحة العقد، وإلا فلا". فتاوی عالمگیری: 1/88-1(2)۔ فقط والله سبحانه وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، 5/3/53ھ۔

ملازم کو سفر خرچ کی جعلی رسید بنانا

سوال[8049]: میں ایک سرکاری ملازم ہوں، میرے اور متعلقین کے لئے ایک قاعدہ مقرر ہے

---

(1) والعرف في الشرع له اعتبار لذا عليه الحكم قد يدار

"السادسة: العادة محكمة وأصلها قوله صلى الله تعالى عليه وسلم "ما رآه المسلمون حسناً فهو عند الله حسن" واعلم أن اعتبار العادة والعرف رجع إليه في مسائل كثيرة حتى جعلوا ذلك أصلاً، فقالوا: تترك الحقيقة بدلالة الاستعمال والعادة". (رسائل ابن عابدين، رسالة شرح عقود رسم المفتي: 1/44، سهيل اكيڈمى لاهور)

(2) (الفتاوى العالمكيرية: 4/411، كتاب الإجارة، الباب الأول، رشيديه)

"ويفسدها، كجهالة مأجور أو أجرة أو مدة أو عمل". (الدر المختار: 6/46، باب الإجارة الفاسدة، سعيد)

"منها أن يكون المعقود عليه -وهو المنفعة- معلوماً علماً يمنع من المنازعة". (بدائع الصنائع، 5/538، كتاب الإجارة، دار الكتب العلمية بيروت)

اس کے مطابق سفر خرچ ملتا ہے، سامان کی منتقلی کے لئے بھی ایک قاعدہ مقرر ہے، اس کے موافق خرچ ملتا ہے، لیکن اس کی توثیق کے لئے ہمیں رسید دینی پڑتی ہے۔ عموماً سامان بستی سے تھوڑا تھوڑا لایا جاتا ہے۔ میں نے بھی ایسا ہی کیا ہے، لیکن سفر خرچ کی برآوردہ اس سال کے ختم سے پہلے داخل کرنا ضروری ہے، ورنہ تنخواہ میں سے جو رقم بضمن سفر خرچ پیشگی لی گئی تھی منہا کرلی جاتی ہے۔

لہٰذا اب برآوردہ کے ساتھ جعلی رسید منتقلی سامان کی دینی پڑ رہی ہے اور مزید ایک سامان کی فہرست دینی پڑتی ہے جس میں بناوٹی سامان رہتا ہے، یہ عام رواج سرکاری ملازمین کا ہے۔ اب سرکار سے مقررہ قاعدہ کے اعتبار سے جعلی رسید دے کر خرچ برائے منتقلی سامان لینا درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جتنا روپیہ خرچ ہوگا وہ خرچ اگر پیشگی دے کر اس کی رسید حاصل کرلی جائے اور وہ داخل کردی جائے تو درست ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۱/۱۰/۸۵ھ۔
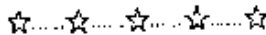
☆.....☆.....☆.....☆.....☆

---

(۱) قال الله تعالى: ﴿يٰأيها الذين اٰمنوا لا تأكلوا أموالكم بينكم بالباطل إلا أن تكون تجارة عن تراض منكم﴾ (سورة المائدة: ۲۹)

"عن أبي حرة الرقاشي عن عمه رضي الله تعالى عنه قال: قال النبي صلى الله تعالى عليه وسلم: "ألا لا تظلموا، ألا! لا يحل مال امرئ إلا بطيب نفس منه". رواه البيهقي في "شعب الإيمان"، والدارقطني في "المجتبى" (مشكوة المصابيح، كتاب البيوع، باب الغصب والعارية، ص: ۲۵۵، قديمي)

باب أجرة الدلال والسمسار

(دلالی کی اجرت کا بیان)

بائع ومشتری دونوں سے دلالی کی اجرت

سوال[۸۱۵۰]: بائع ومشتری دونوں سے دلالی لینا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

دونوں طرف سے دلالی جائز ہے جبکہ عرف ہو، اصالۃً دلالی کا معاملہ جائز نہ تھا، مگر حاجت اور عرف کی بناء پر فقہاء نے اجازت دی ہے اور یہ اجازت اپنے عموم کی حیثیت سے یکطرفہ دوطرفہ سب کو شامل ہے، کذا فی الشامی، کتاب الإجارة(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۲/ربیع الثانی/۶۲ھ۔

---

(۱) "قال في التاتارخانية: وفي الدلال والسمسار يجب أجر المثل، وما تواضعوا عليه أن في كل عشرة دنانير كذا، فذلك حرام عليهم. وفي الحاوي: سئل محمد بن سلمة عن أجرة السمسار، فقال: أرجو أنه لا بأس به وإن كان في الأصل فاسداً، لكثرة التعامل. وكثير من هذا غير جائز، فجوّز لحاجة الناس إليه". (رد المحتار: ۶/۶۳، مطلب في أجرة الدلال، سعید)

"وفي الدلال والسمسار يجب أجر المثل ...... دفع ثوباً إليه وقال: بعه بعشرة فما زاد فهو بيني وبينك ...... ولو باع بالثني عشر أو أكثر فله أجر مثل عمله، وعليه الفتوى". (الفتاوى العالمكيرية: ۴/۴۵۰، ۴۵۱، الباب الخامس عشر، الفصل الرابع، رشيديه)

(وكذا في خلاصة الفتاوى: ۳/۱۱۶، الفصل الثاني في صحة الإجارة وفسادها، جنس آخر في المتفرقات، امجد اكيڈمي لاهور)

(وكذا في المبسوط للسرخسي: ۱۵/۱۲۸، ۱۲۹، باب السمسار، مكتبه غفاريه كوئٹه)

اجرتِ دلال

سوال [۸۱۰۱]: عمر نے ایک مکان تعمیر کیا، اس کے لئے اس کو لوہے کی ضرورت پیش آئی اور وہ ایک تجربہ کار شخص کو ساتھ لے کر لوہا خریدنے گیا، وہاں ۵۰۰۰/ روپے کا لوہا خریدا۔ بعد کو اس سے معلوم ہوا کہ دوکاندار نے اس تجربہ کار شخص کو ۵۰/ روپے دیئے، کیونکہ وہ اس کی دکان پر گاہک کو لے گیا تھا، یا جو بھی ان کے مابین طے ہو۔ تو یہ کمیشن لینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ روپیہ اس شخص کے لئے درست ہے، اس کی کوشش اور محنت کا عوض ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳۹۶/۲/۲۸ھ۔

دلالی کا حکم

سوال [۸۱۰۲]: دلالی کی ایک شکل یہ ہے کہ بائع ومشتری دونوں الگ الگ کچھ رقم دینے کو کہیں، مثلاً بائع نے تو یہ کہا کہ اگر ہمارا پھل سو روپیہ کا بکوا دو تو پانچ روپیہ ہم تم کو دیں گے۔ اور مشتری نے کہا کہ اگر یہ پھل ہم کو ایک سو پانچ میں خرید دو گے تو ہم پانچ روپیہ تم کو دیں گے، تو دلال کو پانچ پانچ روپیہ بائع اور مشتری دونوں کی جانب سے ملے۔ اس کے علاوہ ایک سو پانچ میں سے پانچ اور ملے۔ تو اس تیسری رقم کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

دلال سو روپے میں خرید کر ایک سو پانچ روپے میں بیچ دے تو یہ جائز ہے، مگر اس صورت میں صرف پانچ

---

(۱) "وفي الدلال والسمسار يجب أجر المثل ... دفع ثوباً إليه وقال: بعه بعشرة، فما زاد فهو بيني وبينك ... فباعه باثني عشر أو أكثر، فله أجر مثل عمله، وعليه الفتوى". (الفتاوى العالمكيرية: ۴/۴۵۰، ۴۵۱، كتاب الإجارة، الباب الخامس عشر، الفصل الرابع، رشيديه)

(وكذا في رد المحتار: ۶/۶۳، كتاب الإجارة، مطلب في أجرة الدلال، سعيد)

(وكذا في المبسوط للسرخسي: ۱۵/۱۰۸، ۱۰۹، باب السمسار، مكتبه غفاريه كوئٹه)

روپے کا نفع ہوا، ورنہ دلالی کی صورت نہیں ہوئی۔ دلالی یہ ہے کہ بائع ومشتری کے درمیان معاملہ کرایا جائے، اس میں بائع ومشتری دونوں کو ثمن (قیمت) معلوم ہوتی ہے(۱) اور دلال کو اس ثمن سے علاوہ اجرت ملتی ہے، خواہ وہ اجرت پانچ دس روپے کی صورت میں متعین ہو، خواہ اس طرح کہ فیصد دس روپے یا فی روپیہ ایک آنہ اجرت مقرر کی جائے، وہ اجرت درست ہے جس قدر بھی ہو(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

کسی دوسرے خریدار کو دھوکہ دینے کے لئے قیمت میں کمی زیادتی کرنا

سوال[۸۱۵۴]: خالد پاکستان سے بکریوں کا کاروبار کرتا ہے اور دلالی وصول کرتا ہے۔ دلالی دو قسم کی ہوتی ہے: بکری والے سے یہ طے کرے کہ میں تیری بکری فروخت کروا دوں گا، ہر بکری پر پچاس روپے مجھے چاہئیں، اس پر اتفاق ہو جائے اور جتنی بکری بکوائے ہر ایک کے بدلے پچاس روپے بکری والے سے وصول کرلے۔

دوسری قسم جو آج کل عام ہے: بکری والا بازار میں کھڑا ہے، ایک طرف دو آدمی اس بکری کو خریدنا چاہتے ہیں، وہ قریب میں کھڑے ہیں، پہلے وہ بکری کی قیمت بھی معلوم کرچکے ہیں، بکری کی اصلی قیمت چار سو روپے سے زائد نہیں۔ وہ آدمی آتے ہیں، بکری والا کہتا ہے پانچ سو، وہ دونوں آدمی دو تین چکروں میں اس کی قیمت ۶۰۰/ سو تک پہنچا دیتے ہیں اور حقیقت میں خریدار نہیں ہیں۔ اب جو آدمی بکری خریدنا چاہتے ہیں، یہ دیکھ کر اس بکری کو خرید لیتے ہیں اور انھوں نے بکری والے سے قیمت بڑھانے پر جو طے کیا تھا وہ لے لیتے

---

(۱) "والسمسار: اسم لمن يعمل للغير بالأجرة بيعاً وشراءً" (المبسوط للسرخسي: ۱۵/۱۲۸، باب السمسار، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(وكذا في قواعد الفقه، ص: ۳۲۰، الصدف پبلشرز كراچی)

(۲) "وفي الدلال والسمسار يجب أجر المثل　　　دفع ثوباً إليه وقال: بعه بعشرة، فمازاد فهو بيني وبينك　　　ولو باع باثني عشر أو أكثر، فله أجر مثل عمله، وعليه الفتوى" (الفتاوى العالمكيرية: ۴/۴۵۰، ۴۵۱، الباب الخامس عشر، الفصل الرابع، رشيديه)

(وكذا في رد المحتار: ۶/۶۳، كتاب الإجارة، مطلب في أجرة الدلال، سعيد)

(وكذا في خلاصة الفتاوى: ۳/۱۱۶، الفصل الثاني، جنس آخر في المتفرقات، امجد اكيڈمي لاهور)

ہیں، کیا یہ اجرت وکمیشن جائز ہے، یا پہلی قسم والی اجرت جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

پہلی قسم جائز ہے(۱)، دوسری قسم دھوکا اور فریب کا معاملہ ہے، ناجائز ہے، حدیث پاک میں ایسے فریب کی ممانعت وارد ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۸/۳/۱۳۹۲ھ۔

سود سے بچنے کے لئے دلال کی اجرت میں اضافہ

سوال[۸۱۵۴]: ایک تاجر کچھ کپڑے کا بیوپار کرتا ہے اور وہ دہلی جا کر دلال کی معرفت کپڑا خریدتا ہے اور وہ دلال کو مبلغ ایک سو روپیہ سیکڑہ آڑت یا مزدوری دیتے ہیں، اور اگر کچھ روپیہ ادھار رہ جاتا ہے تو وہ اس پر سیکڑہ کی سود لگاتے ہیں، کیونکہ دلال لوگ بازار سے مال خریدتے ہیں، اگر بازار والوں کے روپیہ رہتے ہیں تو وہ ان سے سود لیتے ہیں اور دلال لوگ ہم سے لیتے ہیں۔ اب اگر ہم بجائے سود کے ان کی آڑت یا مزدوری بجائے ایک روپیہ کے سوا روپیہ یا ڈیڑھ روپیہ دیں اور یہ سمجھ لیں کہ ہم سود نہیں دیں گے۔

ہم اگر وہ آڑت یا مزدوری ایک روپیہ میں ڈیڑھ روپے دیں تو وہ جائز ہے یا نہیں؟ اگر یہ بھی ناجائز ہو

---

(۱) (راجع، ص: ۶۱۹، رقم الحاشیۃ: ۲)

(۲) "عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم - وقال قتيبة: يبلغ به النبي صلى الله تعالى عليه وسلم - قال: "لا تناجشوا". وقال الترمذي: والعمل على هذا عند أهل العلم كرهوا النجش، والنجش أن يأتي الرجل الذي يفصل السلعة إلى صاحب السلعة، فيستام بأكثر مما تسوى، وذلك عندما يحضره المشتري يريد أن يغتر المشتري به، وليس من رأيه الشراء، إنما يريد أن يخدع المشتري بما يستام، وهذا ضرب من الخديعة". (جامع الترمذي: ۱/۲۴۳، أبواب البيوع، باب في كراهية النجش، سعيد)

(والصحيح لمسلم: ۲/۳، كتاب البيوع، قديمي)

"وكره النجش ... أن يزيد، ولا يريد الشراء، ويمدحه بما ليس فيه، ليروجه. ويجري في النكاح وغيره". (الدر المختار: ۵/۱۰۱، باب البيع الفاسد، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۳/۲۱۰، الباب العشرون في البياعات المكروهة، رشيدية)

جاوے تو کوئی اور جب تلاوٹ جنس سے ہم سود دینے سے بری رہیں اور ہمارے کام چل جاویں۔ اور پھر دلال ہم سے یہ کہتے ہیں کہ بجائے ایک روپیہ کے دو روپیہ آڑت یا مزدوری دے دو تو ہم سود چھوڑ دیویں گے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

طریقۂ مروجہ پر دلال کی اجرت ناجائز ہے(۱)۔ جواز کی صورت یہ کہ دلال کو ایک یا آدھے دن کے لیے اجرت طے کر کے بطور مزدور کے رکھ لیا جائے اور اس دن میں اس سے کپڑا خریدوالیا جائے اور اجرت مقررہ دے دی جائے۔ اب خریدار اور دلال آپس میں جو چاہیں طے کرلیں، اس میں کوئی مضائقہ نہیں(۲)۔ کذا فی سکب الأنہر(۳)۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

نیلام کرنے کی اجرت

سوال[۸۱۵۵]: ایک شخص دوسرے شخص کے پھل نیلام کرتا ہے اور نیلام کرائی مالک کی رضامندی

---

(۱) "ما حرم أخذه حرم إعطاؤه". فأخذ الرشوة ممنوع كإعطائها، ومثل ذلك الربا وأجرة النائحة". (شرح المجلة لسليم رستم: ۱/۳۳، (رقم المادة: ۳۴)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"المعروف بين التجار كالمشروط بينهم". (شرح المجلة لسليم رستم: ۱/۳۸، (رقم المادة: ۴۴)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(۲) "وإن استأجره يوماً إلى الليل بأجر معلوم ليبيع له أو يشتري له، فهذا جائز؛ لأن العقد يتناول منافعه هنا، وهو معلوم ببيان المدة، والأجير قادر على إيفاء المعقود عليه". (المبسوط للسرخسي: ۱۵/۱۲۸، باب السمسار، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(وكذا في النتف في الفتاوى، ص: ۳۳۹، من كتاب الإجارة، سعيد)

(وكذا في البزازية على هامش الفتاوى العالمگيرية: ۵/۴۰، نوع في المتفرقات، كتاب الإجارة، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار: ۵/۶۵۶، كتاب المضاربة، سعيد)

(۳) "والسمسار" المتوسط بين البائع والمشتري (يجبران عليه)؛ لأنهما يعملان بأجرة عادة بلا استئجار، إذ لو استأجر لبيع أو لشراء، لم يجز؛ لأنه لا يقدر إلا بغيره، والحيلة أن يستأجره ليخدمه يوماً، ويستعمله في البيع والشراء، ولو عمل بلا شرط وأعطاه شيئاً لابأس به، وبه جرت العادة". (سكب الأنهر على هامش مجمع الأنهر: ۳/۵۸۰، كتاب المضاربة، غفاريه ملتان)

سے ہر گچھے(۱) سے دو پیسے نیلام کرنے سے قبل نکال لیتا ہے، کیا اس کی آمدنی درست ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جائز ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

کمیشن پر نیلام

سوال[۸۱۵۶]: ا..... میرے ایک عزیز دوست نے ایک آڑھت (فرم) از قسم میوہ جات پھل وغیرہ کی کھولی ہے، یعنی وہ کمیشن ایجنٹ ہیں کہ جو مال ان کی دکان آڑھت پر فروخت کرنے والے ہیں تو اس مال پر اپنے مالکوں سے بولی بلوا کر فروخت کرواتے ہیں، جس بیوپاری کی بولی زیادہ رقم کی ہوتی ہے اور مالک اس پر رضامند مال دینے پر ہوتا ہے، اس خریدار (بیوپاری) کے نام بولی ختم کرکے مال اس بیوپاری کو دے دیتے ہیں۔ پھر اس روپیہ کو لے کر ایک مال کو ادا کرتے ہیں۔ اور اگر بیوپاری کے پاس اس وقت ادا کرنے کے لئے روپیہ نہیں ہے تو مالک آڑھت (فرم) اپنے پاس سے مالک مال کو روپیہ ادا کردیتے ہیں اور پھر بعد میں اس سے اپنا روپیہ جب دو دیتا ہے تو لے لیتے ہیں۔ ہر دو صورت میں بیوپاری یعنی خریدار مال سے علاوہ اصل رقم مال کے ایک آنہ فی روپیہ بطور کمیشن مال اس سے مالک فرم لیتے ہیں۔

مال کی بولی یعنی نیلام کرنے کے لئے مالک فرم (آڑھت) کے ملازم رکھتے ہیں اور حساب وغیرہ کے لئے بھی ملازم ہے، ان سب کی تنخواہ جو مال بکوانے پر کمیشن ملتا ہے اس رقم سے ادا کرتے ہیں اور دوکان کا دیگر خرچہ اور اپنا خرچ بھی اسی کمیشن والی رقم آمدنی سے خرچ کرتے ہیں۔ تو ایسی صورت میں مالک مال کی اشیاء

---

(۱) ''گچھا: پھولوں کا گچھا، گچھوں''۔ (نور اللغات، ص: ۹۲۱، مکتبہ کمال، چیل لکھنؤ، لاہور)

(۲) "رجل أراد أن يبيع سالعزا لقدة، فأمر رجلاً لينادي، ثم يبيع صاحبه، فنادى ولم يبعه قالوا: إن بين لذلك وقتاً، جازت الإجارة، فله الأجر المسمى. وكذا إن لم يذكر الوقت و لكن أمره أن ينادي كذا مرة، جاز أيضاً". (الفتاوى العالمكيرية: ۴/۴۵۱، الباب الخامس عشر، الفصل الرابع في فساد الإجارة، رشيدية)

(وكذا في المبسوط للسرخسي: ۱۵/۱۲۸، باب السمسار، مكتبه غفاريه كوئٹه)

نیلام کروانے پر خریداروں سے بعض رقموں کے علاوہ ایک آنہ فی روپیہ کے حساب سے زائد بطور کمیشن لینا لگ فرم کو جائز ہے یا نہیں؟

۲. اس طریقہ سے کمیشن مال فروخت کرنے پر خریدار سے لینا سود ہے یا نہیں؟

۳. اس کمیشن سے آمدنی والے روپیہ پر زکوۃ دینا چاہیے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱. جائز ہے (۱)۔

۲. یہ سود نہیں ہے، بلکہ اس کی اجرت ہے جس کو شامی میں درست لکھا ہے (۲)۔

۳. یہ روپیہ ملک میں داخل ہے، حسب قواعد شرعیہ دیگر مملوکہ روپیہ کی طرح اس پر بھی زکوۃ لازم ہوگی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیوبند، [illegible]/۸۹ھ۔

کمیشن پر چندہ کرنا

سوال [۸۱۵۷]: مدرسہ کی وصولی کرنے پر تہائی یا چوتھائی حصہ جو محصلین وعاملین کو دیا جاتا ہے کیسا

---

(۱) "رجل أراد أن يبيع بالمزايدة، فأمر رجلاً ينادي، ثم يبيع صاحب المتاع، وكم يعطى؟ قالوا: إن بين لذلك وقتاً جازت الإجارة، فله الأجر المسمى، وكذا إن لم يذكر الوقت ولكن أمره أن ينادي كذا صوتاً، جاز أيضاً". (الفتاوى العالمكيرية: ۴/۴۵۰، الباب الخامس عشر، الفصل الرابع في فساد الإجارة، رشيدية)

(وكذا في المبسوط للسرخسي: ۱۵/۸۴، باب السمسار، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۲) "وفي الدلال والسمسار يجب أجر المثل، وما تواضعوا عليه أن في كل عشرة دنانير كذا فذاك حرام عليهم. وفي الحاوي: سئل محمد بن سلمة عن أجرة السمسار، فقال: أرجو أنه لا بأس به وإن كان في الأصل فاسداً لكثرة التعامل، وكثير من هذا غير جائز، فجوزوه لحاجة الناس إليه". (رد المحتار، كتاب الإجارة: ۶/۶۳، مطلب في أجرة الدلال، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۴/۴۵۰، الباب الخامس عشر، الفصل الرابع، رشيدية)

ہے، کونسی صورت جائز ہے؟ دیوبند میں کیا اقدام ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ طریقہ ناجائز ہے، یہ اجارہ فاسد ہے، وجہ یہ ہے: ایک وجہ جہالتِ اجرت اور دوسرا اس لئے کہ اس میں اجرت عملِ اجیر سے حاصل ہوتی ہے:

"وشرطها كون الأجرة والمنفعة معلومتين؛ لأن جهالتهما تفضي إلى المنازعة".

درمختار علی هامش ردالمحتار: ۵/۴(۱)۔

"ولو دفع غزلاً لآخر لينسجه له بنصفه: أي بنصف الغزل، أو استأجر بغلاً ليحمل طعامه ببعضه، أو ثوراً ليطحن بره ببعض دقيقه، فسدت في الكل؛ لأنه استأجره بجزء من عمله". الدرالمختار علی هامش ردالمحتار: ۵/۴۸(۲)۔

جائز صورت یہ ہے کہ اس کی تنخواہ مقرر کر دی جائے اور یہ کہا جاوے کہ ہزار روپے لاؤ گے تو پچاس روپے علاوہ تنخواہ کے مزید انعام دیا جائے گا(۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۵/۱/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۵/۱/۸۸ھ۔

---

(۱) (الدرالمختار: ۶/۵، کتاب الإجارة، سعید)

(وکذا في الفتاوی العالمکیریة، کتاب الإجارة: ۴/۴۱۱، الباب الأول في تفسير الإجارة وشروط الإجارة، رشیدیه)

(۲) (الدرالمختار: ۶/۵۶، باب الإجارة الفاسدة، سعید)

(وکذا في تبيين الحقائق: ۶/۱۲۴، باب الإجارة الفاسدة، دار الكتب العلمية بيروت)

(۳) "والحيلة أن يفرز الأجر أولاً أو يسمى قفيزاً بلا تعيين ثم يعطيه قفيزاً منه فيجوز". (الدرالمختار: ۶/۵۷، باب الإجارة الفاسدة، سعید)

(وکذا في الفتاوی البزازية على هامش الفتاوى العالمكيرية: ۵/۳۵، النوع الثالث في الدراهم، الإجارة الفاسدة، رشیدیه)

کمیشن پر سفیر رکھنا

سوال[۸۱۵۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ذیل میں:

ایک دینی عربی مدرسہ ہے جس میں قرآن کریم، حدیث شریف، تفسیر، فقہ کی درس نظامی کے تحت تعلیم ہوتی ہے، طلب مستطیع وغیر مستطیع دونوں قسم کے پڑھتے ہیں، غریب طلبہ کو کھانا، نقد وظیفہ، کپڑا وغیرہ دیا جاتا ہے۔ مدرسہ سے متعلق کچھ وقف جائیداد بھی ہے، زیادہ تر ضروریات چندہ سے پوری ہوتی ہیں، جس کے لئے تنخواہ دار سفیر مقرر ہیں، مگر سفیر پوری محنت نہیں کرتے جس کی وجہ سے آمدنی کم ہوتی ہے۔

ایک صاحب نے مشورہ دیا ہے کہ چندہ وصول کرنے کے لئے کمیشن کا معاملہ کر لیا جائے، یعنی جتنا روپیہ جو سفیر وصول کر کے لائے اس کا نصف اس کو اجرت میں دے دیا جائے، یعنی اس کی تنخواہ، اس سے آمدنی زیادہ ہوگی، متعین تنخواہ کا معاملہ نہ کیا جائے۔

اب گزارش ہے کہ اس طرح معاملہ کرنے میں کوئی شرعی قباحت تو نہیں؟ امید ہے کہ جواب مرحمت فرمائیں گے، فقہی عبارات میں سے بھی حوالہ نقل فرمادیں تو عین کرم ہوگا۔

مولوی شبیر احمد، مہتمم مدرسہ دارالعلوم زکریا نگر، جنولی قریہ، ۱۰/۶/۲ھ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ مسئلہ کتاب الاجارہ کا ہے، اجارہ کی تعریف یہ ہے: "هي تمليك نفع مقصود من العين بعوض. اهـ". درمختار: ۶/۴(۱)۔

"كل ما صلح ثمناً: أي بدلاً في البيع، صلح أجرةً؛ لأنها ثمن المنفعة، ولا ينعكس كلياً، فلا يقال: ما لا يجوز ثمناً لا يجوز أجرةً؛ لجواز إجارة المنفعة بالمنفعة إذا اختلفت. اهـ". درمختار: ۶/۳(۲)۔

---

(۱) (الدر المختار: ۶/۴، كتاب الإجارة، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۶/۷۴، كتاب الإجارة، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۳/۱۵، كتاب الإجارة، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۲) (الدر المختار: ۶/۳، كتاب الإجارة، سعيد)

جس طرح بیع میں مبیع وثمن کا معلوم ہونا ضروری ہے، اسی طرح اجارہ میں منفعت واجرت کا معلوم ہونا ضروری ہے۔

"وشرطها كون الأجرة والمنفعة معلومتين؛ لأن جهالتهما تفضي إلى المنازعة اهـ".

درمختار۔ "والكلام فيهما (في صفتهما) كالكلام فيهما في البيع اهـ". شامی: ۵/۳۴۵ (۱)۔

منفعت معلوم ہونے کی صورت مثلاً کسی سے کہا جائے کہ یہ سامان فلاں جگہ پہنچا دو، یا مثلاً معمار سے کہا جائے کہ اتنے گز طول وعرض میں دیوار تعمیر کردو، یا مثلاً سقے سے کہا جائے (۲) کہ مشک میں پانی لے کر مسجد کے حمام میں بھردو، یا مثلاً یہ مکان ایک ماہ سکونت کے لئے دے دو وغیرہ وغیرہ۔

"وتعلم النفع ببيان المدة كالسكنى والزراعة مدة كذا، والعمل كالصباغة والصبغ والخياطة، ويعلم أيضاً بالإشارة كنقل هذا الطعام إلى كذا اهـ". درمختار: ۵/۱۱ (۳)۔

جو شرط تقاضائے عقد کے خلاف ہو، اس سے اجارہ فاسد ہوجاتا ہے، جیسے بیع فاسد ہوجاتی ہے مبیع یا ثمن کے مجہول ہونے سے، اسی طرح اجارہ فاسد ہوجاتا ہے اجرت یا ماجور کے مجہول ہونے سے۔

"تفسد الإجارة بالشروط المخالفة لمقتضى العقد، فكل ما أفسد البيع يفسدها كجهالة مأجور أو أجرة اهـ". درمختار: ۵/۴۶ (۴)۔

بیع ایسی چیز کی درست نہیں جس کو مشتری کے سپرد کرنے کی قدرت نہ ہو، جیسے ہوا میں اڑنے والا پرندہ، یا جنگل میں چرنے والا ہرن، یا دریا میں مچھلی، الا یہ کہ ان کو پکڑ کر قابو میں کرلے، اسی طرح ایسی چیز کو ثمن قرار

☆ (وكذا في شرح المجلة لسليم رستم: ۱/۲۲۰، الباب الثالث، مكتبه حبيبه كوئٹه)

(۱) (الدر المختار: ۶/۵، كتاب الإجارة، سعيد)

(وكذا في بدائع الصنائع: ۵/۳۹۵، باب شروط الإجارة، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) "سقہ: پانی بھرنے کا پیشہ کرنے والا" (نور اللغات، ص: ۳۶۶، سنگ میل پبلی کیشنز لاہور)

(۳) (الدر المختار: ۶/۱۰، كتاب الإجارة، سعيد)

(۴) (الدر المختار: ۶/۴۶، باب الإجارة الفاسدة، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۴/۴۴۳، الفصل الثاني فيما يفسد العقد فيه لمكان الشرط، رشيديه)

دینا بھی درست نہیں جس کے تسلیم پر قدرت نہ ہو، یہی حال اجارہ کا ہے۔ ایسی منفعت کا اجارہ درست نہیں جس پر اجیر کو قدرت نہ ہو اور ایسی چیز کو اجرت قرار دینا درست نہیں جس پر مستاجر کو قدرت نہ ہو۔

نیز جو چیز اجیر کے عمل سے حاصل ہوگی اس کو اجرت قرار دینا بھی درست نہیں:

"استأجر بغلاً ليحمل طعامه ببعضه، أو ثوراً ليطحن بُرّه ببعض دقيقه، فسد في الكل، اهـ". درمختار. "لأنه استأجره بجزء من عمله: أي ببعض ما يخرج من عمله، والقدرة على التسليم شرط، وهو لا يقدر بنفسه، زيلعي، اهـ". شامي: ۵/۳۶ (۱)۔

سفیر کا کام اگر روپیہ وصول کر کے لانا تجویز کیا جائے تو یہ اجارہ درست نہ ہوگا، کیونکہ یہ کام اس کے اختیار اور قابو سے باہر ہے، اس کو قدرت نہیں کہ وہ لوگوں کی جیب سے روپیہ نکال کر لے آئے:

"لا يحل مال امرئ مسلم إلا بطيب نفس منه". الحديث (۲)۔

اس کو روپیہ ملنا ارباب اموال کے دینے پر موقوف ہے تو یہاں اجیر والے عمل یہ ہے جو اجیر کے اختیار سے خارج ہے، اس کے اختیار میں لوگوں کے پاس جانا اور مدرسہ کی ضروریات بتا کر چندہ کی ترغیب دینا ہے، مگر اس کے لئے کوئی وقت مقرر نہیں کہ کتنے گھنٹے روزانہ لوگوں کے پاس جانا ہے، لہٰذا یہ منفعت بھی مجہول ہے، اور اجرت ایسی چیز کو قرار دیا جائے گا جو اجیر کے عمل سے حاصل ہوگی، وہ بوقت معاملہ معدوم ہے مستاجر کے پاس نہیں، اس کو تسلیم کرنے پر مستاجر کو قدرت نہیں۔ یہ بھی معلوم و متعین نہیں کہ کتنا چندہ وغیرہ کی ترغیب سے حاصل ہوگا، اس لئے اس کا نصف بھی معلوم و متعین نہیں۔ یعنی اجرت و عمل دونوں مجہول ہیں۔

یہ بھی ممکن ہے کہ تھوڑے وقت میں زیادہ روپیہ وصول ہو جائے اور سفیر زیادہ رقم کا مستحق قرار پائے اور

---

(۱) (ردالمحتار، ۶/۵۹، ۶۰، باب الإجارة الفاسدة، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۶/۱۲۷، ۱۲۸، باب الإجارة الفاسدة، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في المبسوط للسرخسي: ۱۶/۳۷، باب الإجارة الفاسدة، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۲) "قال: أخبرنا أبو بكر ...... عن أبي على بن زيد عن أبي حرة الرقاشي عن عمه رضي الله تعالى عنه أن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم قال: "لا يحل مال امرئ مسلم إلا بطيب نفس منه". (السنن الكبرى للبيهقي: ۳/۱۸۷، (رقم الحديث: ۵۴۹۲)، دار الكتب العلمية بيروت)

(ومشكوة المصابيح، كتاب البيوع، باب الغصب والعارية، الفصل الثاني: ۱/۲۵۵، قديمي)

یہ بھی ممکن ہے کہ زیادہ وقت اور محنت میں بھی تھوڑا روپیہ ملے، یا بالکل نہ ملے اور سفیر تھوڑی رقم کا حقدار قرار پائے، یا بالکل ہی محروم رہے، اس کا نتیجہ بھی معلوم۔

جن صاحب نے کمیشن کا مشورہ دیا ہے ان کو یہ تحریر دکھا کر مشورہ کرکے مجھے بھی مطلع کردیں، تاکہ مجھے بھی مکرر غور کرنے کا موقع ملے۔ اللہ تعالیٰ اجر عظیم دے۔ فقط والسلام۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، جنوبی افریقہ، ۱۵/۷/۱۴۱۰ھ۔

کمیشن پر مدرسے کے لئے سفیر مقرر کرنا

سوال [۱۰۵۸۱]: ایک مدرسہ کا چندہ وصول کرنے کے لئے ایک شخص رکھا ہے، شرط یہ ہے کہ جو کچھ وہ وصول کرے گا اس کا نصف یا ثلث اس کو دیا جائے گا۔ یہ جائز ہے یا ناجائز؟

= **عربی عبارات کا ترجمہ:**

۱- کسی چیز کے بدلے ایسے نفع کا مالک بنانا جو معین، مقصود ہو۔

۲- ہر وہ چیز جو بیع میں ثمن بن سکے وہ اجرت بن سکتی ہے، اس لئے کہ اجرت منفعت کی ثمن ہوتی ہے اور اس کا عکس کلی نہیں ہوسکتا کہ ہر وہ چیز جو ثمن نہ بن سکے وہ اجرت بھی نہ بن سکے، کیونکہ منفعت کو منفعت کا اجارہ ہو سکتا ہے جب کہ دونوں منفعت مختلف ہوں۔

۳- اور اجارہ کی شرط یہ ہے کہ اجرت اور منفعت دونوں معلوم ہوں، اس لئے کہ ان دونوں کی جہالت سے جھگڑا پیدا ہوگا۔

۴- اور نفع معلوم ہوگا مدت کے بیان سے، جیسے اتنے دن اس مکان میں رہے گا، یا اتنی مدت زمین میں کھیتی کرے گا، اور نفع معلوم ہوگا عمل سے بھی، جیسے مثلاً کام جو کپڑے رنگنے کا ہو یا کپڑے سینے کا ہے۔ اور کبھی نفع کا علم اشارہ سے ہوتا ہے کہ اس کو اٹھا کر وہاں سے یہاں لانا ہوگا۔

۵- اجارہ ایسی شرطوں سے فاسد ہو جاتا ہے جو عقد کے مقتضیٰ کے خلاف ہوں، جیسا کہ ہر ایسی چیز جس سے بیع فاسد ہو جائے اس سے اجارہ بھی فاسد ہو جائے گا، جیسے شی ماجور کی جہالت یا اجرت کی جہالت۔

۶- ایک شخص کرایہ پر لیا تاکہ کسی جگہ سے کھانے کا سامان بار کرلائے اور اسی میں سے کچھ اس کی اجرت مقرر کی، یا پن چکی کرایہ پر لیا آٹا پیسنے کے لئے اور اسی میں سے کچھ اجرت ٹھہرایا، تو سب صورتوں میں اجارہ فاسد ہے، اس لئے کہ اجرت اس پر ٹھہرایا ہے جو اجیر کے عمل سے حاصل ہوگی، اجرت کے سپرد کرنے پر قدرت ہونا شرط ہے اور وہ اس پر قدرت نہیں رکھتا۔

۷- کسی مسلمان کا مال بغیر اس کی خوشی کے حلال نہیں (الحدیث)۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ناجائز ہے: "ومنها (أي من شروط صحة العقد) أن تكون الأجرة معلومة". عالمگیری: ۴۰۹/۳ (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۰/۳/۵۵ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۱۱/ربیع الاول/۵۵ھ۔

کمیشن پر چندہ

سوال [۶۱۶۰]: ہمارے یہاں مدرسہ کا چندہ ہوتا ہے، اس میں سفراء کمیشن بھی لیتے ہیں۔ یہ کہاں تک درست ہے اور جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس طرح معاملہ کرنا کہ جس قدر چندہ لاؤ گے اس میں سے نصف یا ثلث وغیرہ تم کو دے گا، شرعاً درست نہیں، اس میں اجرت مجہول ہے۔ نیز اجرت اسی چیز کو قرار دیا گیا ہے جو عمل اجیر سے حاصل ہونے والی ہے کہ یہ دونوں چیزیں شرعاً مفسد اجارہ ہیں:

"وتفسد الإجارة بجهالة المسمى كله وبعضه"(۲)۔ "ولو دفع غزلاً لآخر لينسجه بنصفه، أو استأجر بغلاً ليحمل طعامه ببعضه". الدر المختار (۳)۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الإجارة: ۴۱۱/۴، الباب الأول في تفسير الإجارة، مطلب أنواع الإجارة وحكمها وكيفية انعقادها وصفتها، شرائط الإجارة، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار: ۵/۶، كتاب الإجارة، سعيد)

(وكذا في بدائع الصنائع: ۵۳۹/۵، باب شرائط الإجارة، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) (الدر المختار: ۴۶/۶، باب الإجارة الفاسدة، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۵۳۹/۳، باب الإجارة الفاسدة، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(وكذا في البزازية على هامش الفتاوى العالمكيرية: ۳۵/۵، النوع الثالث في المتفرقات، الإجارة الفاسدة، رشيديه)

(۳) (الدر المختار، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۵۶/۶، سعيد)

کمیشن پر چندہ کرنا

سوال [۸۱۹۱]: ایک دینی مدرسہ میں سفیر مقامی اور بیرونی مقرر ہیں، ان کی تنخواہوں کے سلسلہ میں بہت سی صورتیں پیش آرہی ہیں جس میں اب تک یہ کیا جو رہا ہے کہ سفیر کی تنخواہ ماہانہ مقرر کی جاتی ہے اور بیرونی سفیر کو ایام سفر میں یومیہ ۴ یا ۵/ روپے سلسلہ خوراک علاوہ تنخواہ مقرر کر دیا جاتا ہے۔ اب چونکہ دوسری صورت میں یہ کہا جارہا ہے کہ بجائے خوراک معہ تنخواہ مقرر کرنے کے یہ مقرر کیا جائے کہ مدرسہ کے چندہ کے سلسلہ میں زکوۃ، فطرہ، چرم قربانی، نذر، ایصال ثواب وغیرہ کی رقم کو بعینہ مدرسہ میں داخل کر دی جائے اور ان کے علاوہ وصول شدہ رقم مثلاً عطیہ، چندہ، ممبری فنڈ، ٹوکن فنڈ، میں سفر خرچ جیسے سواری، ریل، بس، رکشہ، تانگہ وغیرہ (جو مدرسہ کے ذمہ رہے گا) کے علاوہ جو رقم بھی چندہ کی رہے اس میں سفیر کا حصہ تہائی یا نصف یا جو بھی مقرر کیا جائے، اس طریقہ سے سفیر مقرر کرنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

سفیر کے لئے اس طرح مقرر کرنا کہ زکوۃ، صدقۂ فطر، نذر، ایصال ثواب کی رقموں کے علاوہ جو کچھ وصول ہو اس میں سے ریل، بس وغیرہ کے خرچ سے جو کچھ بچے اس کا نصف یا تہائی وغیرہ بطور تنخواہ دیا جائے گا غلط اور خلاف شرع ہے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۸/۱۰/۹۲ھ۔

---

(۱) قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالى: "وشرطها كون الأجرة والمنفعة معلومتين، لأن جهالتهما تفضي إلى المنازعة" (الدر المختار: ۶/۵، كتاب الإجارة، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۴/۱۱۱، الباب الأول في تفسير الإجارة، شروط الإجارة، رشيديه)

"ولو دفع غزلاً لآخر لينسجه له بنصف الغزل، أو استأجر بغلاً ليحمل عليه طعامه ببعضه، أو ثوراً ليطحن برّه ببعض دقيقه، فسدت في الكل، لأنه استأجره بجزء من عمله، والأصل في ذلك نهيه صلى الله عليه وسلم عن قفيز الطحان" (الدر المختار: ۶/۵۶، ۵۷، باب الإجارة الفاسدة، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۶/۱۲۴، باب الإجارة الفاسدة، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في البحر الرائق: ۸/۳۲، باب الإجارة الفاسدة، رشيديه)

اصل ملازم کی جگہ دوسرے کو رکھوا کر اس سے کمیشن لینا

سوال [۸۱۶۲]: زید ایک جگہ ملازم ہے وہ رخصت پر جاتا ہے اور اپنی جگہ پر بکر کو ملازم رکھوادیتا ہے۔ زید بکر کے ساتھ ایک معاہدہ کرتا ہے، وہ یہ کہ جب تم کو تنخواہ ملے اس میں سے اتنے روپے ماہوار تم مجھ کو دیا کرو اور ساتھ ہی زید بکر کو یہ نصیحت کرتا ہے کہ یہ راز کسی پر ظاہر نہ کیا جائے۔ بکر کو یہ خطرہ لاحق ہوتا ہے کہ اگر اس کو معاہدے کے مطابق ماہوار روپیہ نہ دوں گا تو یہ بجائے میرے کسی اور کو نوکر رکھوا دے گا، جو اس کو کچھ ماہوار ادا کرے، یہ مقررہ رقم بکر دیتا رہتا ہے تاکہ نوکری بحال رہے۔ اب دریافت طلب امور یہ ہیں:

۱... کیا زید کو ایسا معاہدہ بکر کے ساتھ کرنا جائز ہے؟

۲... کیا بکر زید سے یہ روپیہ واپس لے سکتا ہے جبکہ زید واپس کرنے کے لئے رضامند ہو چکے۔

۳... بکر جبکہ بوقتِ معاہدہ کچھ رقم ماہوار ادا کے لئے راضی ہو گیا تھا اور ادا کرتا رہا، اب یہ روپیہ واپس لینا بکر کو جائز ہے؟

۴... بکر اس معاہدہ کو پورا کرتا رہا مگر دل اس کا بہت دکھتا تھا کہ کام میں کرتا ہوں اور زید کو خواہ مخواہ تنخواہ میں سے رقم دیتا ہوں، اب زید رقم واپس دینے کے لئے تیار ہے، کیا بکر واپس لے سکتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱... زید کا بکر سے یہ معاہدہ خلافِ شرع ہے(۱)۔

۲... لے سکتا ہے۔

۳... جائز ہے۔

---

(۱) "وإذا شرط عمله بنفسه بأن يقول له: اعمل بنفسك أو بيدك، لا يستعمل غيره، لأن المعقود عليه العمل من محل معين، فلا يقوم غيره مقامه". (الدر المختار: ۱۸/۶، كتاب الإجارة، سعيد)

(وكذا في شرح المجلة لسليم رستم باز: ۱/۳۰۶، رقم المادة: ۵۷۱، كتاب الإجارة، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۶/۳۵، ۳۶، باب ضمان الأجير، كتاب الإجارة، دار الكتب العلمية بيروت)

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿یٰأیها الذین اٰمنوا أطیعوا اللہ وأطیعوا الرسول وأولی الأمر منکم﴾ (سورة النساء: ۵۹)

"فقال عرباض: صلی بنا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم الصبح ذات یوم، ثم أقبل علینا، فوعظنا موعظةً بلیغةً ذرفت منها العیون ووجلت منها القلوب. فقال قائل: یا رسول اللہ! کأن هذه موعظة مودع، فماذا تعهد إلینا؟ فقال: "أوصیکم بتقوی اللہ والسمع والطاعة وإن کان عبداً حبشیاً". (مسند أحمد بن حنبل، (رقم الحدیث: ۱۶۶۹۵): ۵/۱۰۴، دار إحیاء التراث العربي بیروت)

"(ومن دعاه الإمام إلی ذلک) أي قتالهم (افترض علیه إجابته)؛ لأن طاعة الإمام فیما لیس بمعصیة فرض، فکیف فیما هو طاعة بذاتها". (رد المحتار، کتاب الجهاد، باب البغاة: ۴/۲۶۴، سعید)

بابٌ في فسخ الإجارة

(اجارہ کو فسخ کرنے کا بیان)

کرایہ دار کے مرنے سے عقدِ اجارہ کا فسخ ہونا

سوال [۸۱۶۳]: السلام علیکم! کیا فرماتے ہیں علماءِ دین اس مسئلہ میں کہ:

بکر کے بزرگان ایک اراضی کرایہ چار آنہ لیکر اپنے لئے مکان رہائش تیار کرتے ہیں جس کو عرصہ تخمیناً چند سالہ ہو جاتا ہے، آج کل وہی زمین قیمتی ہوگئی ہے، مالکان موجودہ یہ خواہش کرتے ہیں کہ بکر زمین کو چھوڑ دے یا چار آنہ سے زیادہ سالانہ کرایہ مقرر کرے، مگر بکر نہ زمین چھوڑتا ہے نہ کرایہ بڑھاتا ہے، بلکہ یہی کہتا ہے کہ میرے بزرگوں سے طے ہو چکا ہے اسی کرایہ پر قابض رہوں گا۔ بلکہ بعض سال اس کرایہ کو بھی ادا نہیں کرتا اور خلافِ مرضی مالکان بلا دریافت زمین، مکان کو پختہ بکر نے بنالیا ہے اور بکر ایک مسجد کا امام بھی ہے۔

۱... کیا بکر بصورتِ مندرجہ غاصب ہے؟

۲... اگر غاصب ہے تو کیا بکر کے پیچھے نماز جائز ہے؟ فقط۔

۱۹/نومبر/۱۹۳۵ء۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

بکر کے بزرگوں نے وہ زمین جو کرایہ پر باقاعدہ لی تھی اس طرح پر کہ اصل مالک سے کرایہ اور مدت کرایہ داری طے کرلیا تھا تب تو یہ اجارہ صحیح تھا (۱)۔ وہ عقدِ اجارہ مالک یا کرایہ دار کے مرنے سے فسخ ہو

---

(۱) "ومنها بيان المدة في الدور والمنازل والحوانيت". (الفتاوى العالمكيرية: ۴/۱۱۴، كتاب الإجارة، الباب الأول، شرائط الإجارة، رشيديه)

"وشرطها كون الأجرة والمنفعة معلومتين؛ لأن جهالتهما تفضي إلى المنازعة".

(الدر المختار: ۶/۵، كتاب الإجارة، سعيد) .... =

ہو جاتا ہے، پس اگر اصل کرایہ کا معاملہ کرنے والا مر چکا ہے تو یہ معاملہ فسخ ہو گیا، اب از سر نو بکر سے یا جس سے دل چاہے معاملہ کرنا چاہے، جس کرایہ پر بھی فریقین رضامند ہوں معاملہ کیا جائے، پہلے معاملہ کا اب کوئی اعتبار نہیں۔

اور جو مکان بکر نے بنایا ہے وہ بکر کا ہے، اس کو حق ہے خواہ کرایہ کا سامان اٹھا لے خواہ مالک کے ہاتھ فروخت کردے، اور مالک اگر خریدنا چاہے تو اس کی قیمت دے دے اور قیمت گرے ہوئے مکان یعنی چھت وغیرہ کی معتبر ہوگی قائم اور تعمیر شدہ مکان کی قیمت معتبر نہ ہوگی، اور جو بکر کی اصل مالک سے وہ زمین از سر نو کرایہ پر لے لے تو مکان توڑنے کی ضرورت نہیں۔

"(وتنفسخ) أي الإجارة (بلا حاجة إلى الفسخ بموت أحد العاقدين" درمختار (۱)۔

"وتصح إجارة أرض للبناء والغرس ... محض المدة، فعليه ... ويسلمها فارغة بعدم نهايتهما، إلا أن يغرم له المؤجر قيمته، أي البناء والغرس مقلوعاً الخ". درمختار مختصراً ۵/۱۹ (۲)۔

اور اگر بکر کے بزرگوں نے اول مدت کرایہ داری متعین نہیں کی تھی تو یہ اجارہ فاسد تھا جس کا فسخ کرنا واجب ہے۔

=(وكذا في تبيين الحقائق: ٦/٩٥، كتاب الإجارة، دار الكتب العلمية بيروت)

(١) وقال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالى: "وتنفسخ بموت أحد العاقدين عند ... عقدها لنفسه". (الدر المختار: ٦/٨٣، باب فسخ الإجارة، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق: ٦/١٥٥، باب فسخ الإجارة، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في المبسوط للسرخسي: ١٦/٤٧، باب نقض الإجارة، دار الكتب العلمية بيروت)

(٢) "أو يتملكه، فأفاد أنه لا يجبر القلع لو رضي المؤجر بدفع القيمة، أو يرضى المؤجر بتركه، فيكون البناء والغرس لهذا، والأرض لهذا". (الدر المختار: ٦/٣٠، باب ما يجوز من الإجارة، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ٤/٤٢٩، الباب الثاني، كتاب الإجارة، رشيدية)

(وكذا في الدر المختار: ٦/٥، كتاب الإجارة، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق: ٦/٩٥، كتاب الإجارة، دار الكتب العلمية بيروت)

ایضاً

سوال[۸۱۰۵]: ایک عرصہ کے بعد استفتاء پیش ہوا جس کا نمبر ۲۱۱۷۷ ہے اور فتویٰ نمبر ۹۹۷ ہے دریافت طلب جواب میں استفتاء حسب ذیل ہے، اس کا جواب بیان فرمایئے، اللہ تعالیٰ آپ کو اجر خیر عطا فرمائے گا۔

صورتِ سوال: بکر کے بزرگوں نے اپنی رہائش گاہ کے لئے زمین سفید جو غرض بنانے مکان رہائش خود مالکان زمین سے بلا تقرر میعاد، بیع قلیل رقم بصورت نذرانہ یا ۱۸/ سالانہ پر زمین حاصل کی (۱) اور اس پر مکان خام تیار کیا، معلوم ہوا ہے کہ اس زمین کو حاصل کرنے والا بکر مذکور کا دادا، پردادا تھا، آج تک بکر اور اس کے بزرگان اس میں آباد رہے، علاوہ نذرانہ سالانہ چار آنہ یا آٹھ آنہ سالانہ کے بکر کے بزرگان کو بحیثیت رعایا حسب رواج قدیم سوائے کچھ حسب ضرورت مالک کا بیگار بھی دینی پڑتی تھی (۲) مثلاً گاڑی اناج، گاڑی گھاس وغیرہ آنے پر اس کا اتروانا، بوقت ضرورت پلنگ (۳) وغیرہ، مکان کو رہن وغیرہ جس کا اب مالک بھی نہیں لے سکتا، نہ اس کی ادائیگی کی جا سکتی ہے۔

اس صورت میں اب بکر کے بعد کہ جس نے زمین سفید مذکور لی تھی مالکان یا جانشین مالکان سے کوئی تجدید معاہدہ نہیں ہوا، بکر ایک مسجد کا امام ہے، عرصہ تین سال سے بکر کو کہا جا رہا ہے باضابطہ حق مالکان کرایہ نامہ اسی کرایہ پر چار آنہ یا آٹھ آنہ سالانہ کا لکھا دیوے، یا جو بکر مناسب تجویز کرے قیمت دیدے اور بعد میں اپنے نام کرا لے مگر بکر دونوں باتوں سے انکاری ہے، کرایہ نامہ باضابطہ اس لئے نہیں تحریر کرواتا کہ کہیں قانوناً بعد ادائیگی

= لأمر دينه، وبيان في تقديمه للإمامة تعظيمه، وقد وجب عليهم إهانته شرعاً" (رد المحتار، كتاب الصلوة: ۱/۵۶۰، باب الإمامة، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلوة: ۱/۸۵، الباب الخامس في الإمامة، الفصل الثالث في من يصلح إماماً لغيره، رشيدية)

(۱) "...: دامائی، کرایہ داری" ۔(فیروز اللغات، ص: ۳۱۷، فیروز سنز لاہور)

(۲) "بیگار: اجرت کے بغیر کام لینا" ۔(فیروز اللغات، ص: ۲۵۷، فیروز سنز لاہور)

(۳) "پلنگ: بڑی چارپائی، مسہری، کھاٹ" ۔(فیروز اللغات، ص: ۳۰۲، فیروز سنز لاہور)

المسئلة: هل تصح هذه الإجارة؟ فقال: لا؛ لأنه لم يبين أول المدة، فكانت مجهولة، فلا بد من أن يقول: من وقت كذا، أو من هذه الساعة إلى وقت كذا، لتصير المدة معلومة". كذا في فتاوى النسفي". عالمگیری: ۴/۴۲۴ (۱)۔

اور اجارۂ فاسدہ کا فسخ کرنا واجب ہے، لہذا فریقین کو ضروری ہے کہ اس اجارہ کو فسخ کریں (۲)۔ اور مالک کو اختیار ہے کہ خواہ بکر کو کرایہ پر دے یا کسی اور کو۔ البتہ جو مکان بکر نے بنایا ہے وہ بکر کا ہے، اگر بکر کو زمین کرایہ پر دی جائے تو کچھ اور کرنے کی ضرورت نہیں، صرف فریقین کرایہ اور مدتِ کرایہ کو ازسرِ نو متعین کرلیں۔

اگر کسی اور کو کرایہ پر دی جائے تو بکر کو چاہیے کہ اپنا مکان گرا کر اس کا ملبہ اٹھالے، یا مالکِ زمین کے ہاتھ فروخت کرے اور ان سے ملبہ کی قیمت لے لے۔ اگر وہ مکان خریدنا چاہیں تو زمین کے علاوہ (کیونکہ وہ زمین تو مالکان ہی کی ہے) اس ملبہ کی قیمت دے دیں۔ جو جو چیز مکان میں: اینٹ، لکڑی، چھت، کواڑ وغیرہ لگائی ہے، ان کی قیمت بکر کو دی جائے (۳)۔

اگر مسئلہ معلوم ہونے کے بعد بھی بکر اس معاملہ کو شریعت کے موافق نہ کرے اور اپنی ضد سے تو یہ ضد

---

(۱) (الفتاوى العالمكيرية: ۴/۴۲۳، ۴۳۰، ما يجوز من الإجارة وما لا يجوز، رشيدية)

"ويعلم النفع ببيان المدة كالسكنى والزراعة مدة كذا أي مدة كانت". (الدر المختار: ۶/۹، كتاب الإجارة، سعيد)

(۲) "لكل من المتعاقدين فسخ البيع الفاسد ...... وكذا لو استأجر إجارة فاسدة ودفع الأجرة، أو ارتهن رهناً فاسداً ودفع المال إلى الراهن، ثم فسخ العقد، كان له أن يحبس المأجور أو الرهن حتى يقبض ما دفع". (شرح المجلة لسليم رستم: ۱/۲۰۸، ۲۰۹، مكتبه حنفيه كوئته)

(۳) قال العلامة الحصكفي: "وتصح إجارة أرض للبناء والغرس، فإن مضت المدة، قلعهما وسلمها فارغة، إلا أن يغرم له المؤجر قيمته: أي البناء والغرس مقلوعاً بأن تقوم الأرض بهما وبدونهما، فيضمن ما بينهما اختيار ويملكه .... فأفاد أنه لا يلزمه القلع لو رضي المؤجر بدفع القيمة .... أو يرضى المؤجر بتركه .... فيكون البناء والغرس لهذا، والأرض لهذا". (الدر المختار: ۶/۳۰، باب ما يجوز من الإجارة وما يكون خلافاً فيها، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۴/۴۲۹، ۴۳۰، الباب الثامن، كتاب الإجارة، رشيدية)

کریں تو بکر کو امام بنانا مکروہ تحریمی ہے، دوسرا اہل امام موجود ہوتے ہوئے جو لوگ بکر کو امام بنائیں گے وہ گناہگار ہوں گے۔ اگر بکر اس معاملہ کو شریعت کے موافق کرلے تو اس کی امامت درست ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم وعلمہ اتم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۵/ ۹/ ۵۵ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ　　صحیح: عبد اللطیف، ۲۲/ رمضان/ ۵۵ھ۔

اصل مالک کے انتقال کے بعد کیا وارث کو اس کے معاہدہ کی پابندی ضروری ہے؟

سوال [۸۱۶۰]: زید نے عمر سے ایک مکان دو منزلہ عرصہ تین سال سے کرایہ پر لے رکھا ہے، شرائط کرایہ داری یہ ہیں:

مبلغ چار روپیہ ماہانہ جس کا سالانہ کرایہ مبلغ اڑتالیس روپیہ ہوتا ہے، زید سے عمر وصول کرتے رہیں۔

کرایہ داری استقراری رہے گی اور عمر زید سے کبھی کوئی کرایہ نہ خود بڑھائے گا اور نہ اس کا پسر و وارث و قائم مقام بڑھائے گا۔

بعدہ عمر کا انتقال ہوگیا، اس کے بیٹے نے دو روپیہ ماہوار کرا استحصال بالجبر کیا اور اس کے بعد بھی ان کی ہوس پوری نہ ہوئی، پھر دوبارہ چار روپیہ بڑھا کر دس روپیہ ماہوار بالجبر وصول کیا، اس طرح انھوں نے اپنے والد صاحب کے کیے ہوئے وعدے کو پس پشت ڈالا اور اس کے خلاف کیا۔ اور دوسری آمدنی میں کہ منزل بالائی بے گانہ رسید قطع کرنی شروع کردی، یہ استحصال بالجبر کے قانونی جواز کی صورت نکالنے کے لئے ایسا کیا، حالانکہ میرے پاس دو منزلہ مکان چار روپیہ ماہوار پر ہے، جب کہ معاہدہ مذکورہ بالا ان کے باپ کی طرف سے استقراری کرایہ پر تھی۔

۱　کیا عمر کے بیٹے کو زید سے چھ روپیہ ماہوار کرایہ کی بجائے اپنے باپ کے معاہدہ کے خلاف چھ

---

(۱) "قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالى: "ويكره إمامة عبد وأعرابي وفاسق وأعمى". (الدر المختار) "وقال ابن عابدين رحمه الله تعالى: "وأما الفاسق فقد عللوا كراهة تقديمه بأنه لا يهتم لأمر دينه، وبأن في تقديمه للإمامة تعظيمه، وقد وجب عليهم إهانته شرعاً". (رد المحتار، كتاب الصلاة: ۱/ ۵۶۰، باب الإمامة، سعيد)

روپیہ ماہوار دینا شرعاً درست ہے یا نہیں؟

۲ پھر چار روپیہ سے دس روپیہ کر دینا اپنے باپ کے معاہدہ کی خلاف ناجائز طریقہ پر وصول کرنا شرعاً درست ہے یا نہیں؟

۳ اپنے باپ کے معاہدہ کے خلاف جو بیٹے نے زید سے زائد رقم بڑھا کر اس کی طرف ۷۶ / ۱۹ روپیہ نکال دیا، اس کو شرعاً زید کے بیٹے کو دینا درست ہے یا نہیں؟

۴ … بیٹے کو اپنے باپ مرحوم کے خلاف کرایہ دار سے مکان خالی کرانا درست ہے یا نہیں؟ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

عمر کو اپنی ملک میں تصرف کا پورا اختیار تھا، جس کرایہ پر انہوں نے چاہا دے دیا اور جو معاہدہ چاہا کر لیا، اس کے انتقال کے بعد اس کی ملک ختم ہو کر وارث کی ملک ہوگئی، وارث کو اختیار ہے کہ کرایہ سابق پر سابق کرایہ دار کو برقرار رکھیں، یا کسی سے جدید معاملہ کر لے، یا کرایہ سابق پر راضی رہیں، یا اضافہ کریں، والد صاحب کے معاہدے کی پابندی ان کے ذمہ لازم نہیں(۱)۔ والد صاحب کے تعلقات کا لحاظ کرنا ان کے لئے بہتر ہے کہ یہ بھی والد مرحوم کے اکرام واحترام میں داخل ہے، لیکن کرایہ وغیرہ کے معاملات میں ان کو مجبور نہیں کیا جا سکتا، مکان کی حیثیت اور گرانی کے پیش نظر کرایہ میں مناسب اضافہ کرنا گناہ نہیں ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/ ۸/ ۹۰ھ۔

---

(۱) قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالى: "وتنفسخ بموت أحد العاقدين عند لا عقدها لنفسه".

(الدر المختار: ۶/ ۸۳، باب فسخ الإجارة، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۶/ ۱۴۵، باب فسخ الإجارة، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في المبسوط للسرخسي: ۱۶/ ۸، باب انتقاض الإجارة، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۲) "وإذا زاد الآجر أو المستأجر في المعقود عليه أو في المعقود به، إن كانت الزيادة مجهولةً، لا تجوز الزيادة، سواء كانت من الآجر أو من المستأجر، وإن كانت معلومةً من الآجر تجوز، سواء كانت من جنس ما آجر أو من خلاف جنس ما آجر". (الفتاوى العالمكيرية: ۴/ ۴۳۹، كتاب الإجارة، الباب الرابع عشر في تجديد الإجارة والزيادة فيها، رشيديه)

کرایہ دار کے انتقال کے بعد کیا دوسرے کی طرف کرایہ داری منتقل کی جا سکتی ہے؟

سوال [۸۱۶۷]: میرے شوہر نے ایک دکان مسجد کے قریب ۲۲/ سال قبل پانچ روپیہ ماہوار کرایہ پر لی تھی اور اس میں اپنا کاروبار کرتے تھے اور کرایہ ماہ بماہ ادا کرتے تھے۔ اب ۳/ مارچ/ ۱۹۷۳ء کو ان کا انتقال ہوگیا، انھوں نے چار بچے چھوڑے جو کہ سات برس سے سب کم سن ہیں اور ایک میں خود اور میری ساس ہیں۔ ان کے انتقال کے بعد متولی صاحب نے کرایہ لینے سے انکار کردیا اور کہتے ہیں کہ دکان خالی کرو، ایک طرف دوسرے صاحب کہتے ہیں کہ روپے لے کر مجھے دکان کا قبضہ دے دو۔ اب معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ دکان پر کرایہ لے کر قبضہ دے سکتے ہیں یا نہیں؟ اور یہ رقم ہمارے لیے جائز ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

آپ کو حق نہیں کہ روپے لے کر کسی کو دکان پر قبضہ دیں، بلکہ متولی کے کہنے کے موافق خالی کردیں، وہ جس کو چاہیں گے کرایہ پر دیں گے اور جو کرایہ مسجد کے لئے مناسب ہوگا مقرر کرلیں گے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/ ۲/ ۹۳ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/ ۲/ ۹۳ھ۔

مکان یا دکان کو کرایہ دار سے خالی کرانا

سوال [۸۱۶۸]: آیا کرایہ دار مکان یا دکان سے زائد کرایہ شرعاً وصول کیا جا سکتا ہے یا مکان اور

☆ (وكذا في الدر المختار: ۶/ ۲۰، ۲۲، كتاب الإجارة، سعيد)

(۱) قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالى: "آجر داره كل شهر بكذا، فلكل الفسخ عند تمام الشهر"

(الدر المختار، ۶/ ۴۵، كتاب الإجارة، سعيد)

"وإن كان استأجرها كل شهر، فلكل واحد منهما أن ينقض الإجارة عند رأس الشهر".

(المبسوط للسرخسي، ۱۵/ ۱۳۶، باب إجارة الدور والبيوت، مكتبه غفاريه كوئته)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۶/ ۱۱۲، باب الإجارة الفاسدة، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۴/ ۴۱۰، كتاب الإجارة، رشيديه)

دکان کرایہ دار سے خالی کرائی جاسکتی ہے؟ کیونکہ آج کل قانون سرکار ہے کہ دکان یا مکان خالی کرایا جاسکتا ہے اور کرایہ میں اضافہ ہوسکتا ہے۔ اگر مسلمان کرایہ دار سے یہ چاہے اور وہ خالی نہ کرے تو عند اللہ ماخوذ ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

دکان ومکان کے مالک کو اختیار ہے کہ جتنی مدت کے لئے کرایہ کا معاملہ کیا گیا تھا اس کے گزر جانے پر کرایہ دار سے خالی کرالے، یہ بھی اختیار ہے کہ زائد کرایہ کا معاملہ کرے(1)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفی عنہ دارالعلوم دیوبند۔

کرایہ کا مکان خالی کرنا

سوال[8119]: میں تقریباً پندرہ سولہ برس سے ایک کرایہ کے مکان میں 35/ روپے ماہوار پر رہ رہا ہوں۔ آج سے تین سال قبل معلوم ہوا کہ مکان مذکورہ فروخت ہونے والا ہے، چنانچہ میں نے بچنے کے لئے ایک دوسرے مکان کا بندوبست کرلیا اور جانے کا ارادہ کرلیا، تب مالک مکان نے ضمانت دی کہ آپ پڑے رہیں، آپ کو نہیں نکالا جائے گا۔ اس کے بعد پھر مکان مالک نے اس کو فروخت کرنے کی بات چیت شروع کی۔ میں نے خود مکان کو لینے کا ارادہ ظاہر کیا اور مالک مکان سے گفتگو کی اور پچیس ہزار روپے میں بات چیت طے ہوگئی۔ وہ فوری طور پر روپیہ چاہتے تھے، میرے پاس جتنا ضرورت تھی انتظام نہ ہوسکا، دو تین ماہ کی مہلت چاہی۔ مالک مکان نے اپنی ضرورت ظاہر کی تو میں نے ان سے کہہ دیا کہ آپ مالک ہیں جو چاہیں کریں۔

اس درمیان میں انہوں نے ایک تیسرے آدمی سے گفتگو کرکے اٹھائیس ہزار روپے میں فروخت کردیا، فروخت کرنے سے دو روز قبل مالک میرے پاس آیا اور کہا کہ میں ایک تیسرے آدمی کو فروخت کررہا ہوں، آپ

---

(1) "ثم إذا تم الشهر، كان لكل واحد منهما نقض الإجارة لانتهاء العقد الصحيح، بشرط أن يكون الآخر حاضراً". (تبيين الحقائق: 6/ 130، باب الإجارة الفاسدة، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في المبسوط للسرخسي: 15/ 140، باب إجارة الدور والبيوت، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(وكذا في الفتاوى العالمگيرية: 4/ 429، كتاب الإجارة، رشيديه)

قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالى: "آجر داره كل شهر بكذا، فلكل الفسخ عند تمام الشهر". (الدر المختار: 6/ 45، كتاب الإجارة، سعيد)

چاہیں تو خود لے سکتے ہیں۔ میں نے ان سے کہا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ نے نو ہزار تین سو روپے میں بات طے کی ہے جب کہ مجھ کو دس ہزار تین سو دے رہے تھے، بہر کیف میرے پاس نقد روپیہ فوری طور پر نہیں ہیں، چنانچہ میں نے ایک تیسرے آدمی کو تیار کیا اور انہوں نے جا کر مالک مکان کے بھتیجے - جو بظاہر ان کے کار پرداز تھے ان - سے براہِ راست گفتگو کر کے آٹھ ہزار چھ سو میں طے کر لی۔ اور مالک وغیرہ نے فریب دے کر نو ہزار تین سو روپے میں ایک طوائف کے ہاتھ فروخت کر دیا۔

مکان فروخت ہونے سے ایک روز قبل میں نے مالک سے کہا کہ آپ کو جتنا روپیہ دوسرے سے مل رہا ہے میں انہیں حضرات سے آٹھ ہزار سوا چھ سو میں بات طے ہوئی ہے دلا دوں گا، آپ کسی غیر کو نہ دیں، لیکن انہوں نے خاموشی سے طوائف کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ میں نے مالک سے ہمیشہ یہ کہا کہ آپ کا مکان خالی کر دوں گا، سہولت سے کہیں پر انتظام ہو جائے۔ اب طوائف کا اصرار ہے کہ مکان جلد خالی کر دو۔ مالک مکان فروخت کر کے پاکستان چلے گئے، میں جس محلہ میں ہوں وہاں سے ایک دو فرلانگ پر طوائف آباد ہیں۔

میرا محلہ پاک صاف ہے، میں اپنے محلہ کی مسجد میں بغیر تنخواہ کے امام ہوں، محلے کے سارے لوگ کہہ رہے ہیں کہ آپ مکان خالی نہ کریں، اس محلہ میں بھی اگر طوائف آباد ہو گئیں تو سب کی عزت ختم ہو جائے گی۔ اور محلہ کی مسجد بالکل ویران ہو جائے گی۔ میری وجہ سے اللہ تعالیٰ نے محلہ کے لوگوں کو دین کی طرف ابھارا ہے اور بہت سے لوگ نمازی ہو چکے ہیں، تبلیغی جماعت اور تفسیر سے بھی لوگوں کو بعد نماز عرصہ دراز سے روشناس کراتا ہوں۔

نیز یہ کہ یہ مالک مکان کے خالہ زاد بھائی کا مکان ہے۔ وہ مکان اور جائیداد خالہ زاد بھائی کے نام وقف علی الاولاد ہے۔ خالہ زاد بھائی نے مالک مکان کی والدہ یعنی اپنی بیوہ خالہ کو رہنے کی غرض سے اپنے مکان کا تھوڑا سا حصہ مبلغ دو ہزار روپے لے کر دے دیا تھا اور ان کے نام لکھ دیا تھا اور اس خیال سے کہ ہم لوگ ان سے کوئی تنازعہ نہ کر سکیں، جائیں اور وقف علی الاولاد کا جھگڑا نہیں اٹھے گا۔ بیوہ خالہ کے لڑکے اس مکان میں ایک دن بھی نہ رہے اور جوان ہونے پر فریب دے کر فروخت کر دیا۔

اب پرانے مکان مالک یہ کہہ رہے ہیں کہ میں نے اپنی خالہ کو دیا تھا، اگر بچوں نے بیچ دیا تو میں تیسرے شخص طوائف کو نہیں رہنے دوں گا اور دعویٰ کر کے بیع نامہ منسوخ کرا دوں گا اور روپیہ ادا نہیں کروں گا۔

اب سوال یہ ہے کہ میں کرایہ دار کی حیثیت سے ہوں، اگر میں چھوڑ دوں تو برائیاں پھیل جائیں گی۔ میرے لئے شرعی حکم کیا ہے، کرایہ دار کی حیثیت سے برقرار رہوں، خرید سکتا ہوں، یا چھوڑ دوں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

فروخت کرنے والا اگر مالک مکان نہیں ہے اور جو شخص مالک ہے وہ آپ سے خالی نہیں کراتا تو آپ خالی نہ کریں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/۱۱/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

وقف کی دوکان میں خنزیر کا گوشت فروخت کرنے سے اس کو خالی کرانا

سوال [۷۷۰۱]: ایک باغ جو قبرستان کے نام وقف ہے اور زید اس کا متولی ہے جس کے دو نمبر ہیں: ایک خسرہ نمبر: ۳۱۸، دوسرا نمبر: ۳۱۹ (۲)۔ نمبر: ۳۱۸ میں قبریں ہیں اور نمبر: ۳۱۹ میں ابھی تک قبریں نہیں بنی ہیں۔ نمبر ۳۱۹ کے ایک کنارے پر چار گز لمبی اور چار گز چوڑی ایک دوکان کرایہ پر دیدی ہے جس میں کرایہ دار خنزیر کے گوشت کی دوکان کرتا ہے، وہاں تو کیا باغ شہر سے کافی فاصلہ پر واقع ہے۔

یہ باغ کا تقریباً آٹھ سال سے مقدمہ چل رہا ہے اور زید مقدمہ بازی میں کافی مقروض ہوچکا ہے، جس قرض کا سود قریب ایک سو روپے سے زائد بیٹھتا ہے۔ اور چونکہ مذکورہ باغ سے کوئی خاص آمد بھی نہیں ہے،

---

(۱) "الفضولي من يتصرف في حق غيره بغير إذن شرعي وكل تصرف صدر منه وله مجيز: أي لهذا التصرف حال وقوعه، انعقد موقوفاً على إجازة من يملك ذلك العقد". (الدر المختار، كتاب البيوع، فصل في الفضولي: ۵/۱۰۶، ۱۰۷، سعيد)

(وكذا في شرح المجلة لسليم رستم، كتاب البيوع: ۱/۲۲۲، (رقم المادة: ۳۷۸)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب البيوع، فصل في الفضولي: ۳/۹۵، دار المعرفة بيروت)

(۲) "خسرہ: گاؤں کے کھیتوں کی فہرست جس میں ہر نمبر کے مقابل کھیت کا رقبہ کاشتکار کا نام، قسم زمین اور جنس درج کی جاتی ہے"۔ (فیروز اللغات، ص: ۵۹۰، فیروز سنز لاہور)

لہٰذا زید اس دوکان کے کرایہ سے سودا کرتا ہے اور اپنے نجی خرچ میں ایک پیسہ تک خرچ نہیں کرتا۔ سوال طلب بات یہ ہے کہ کیا زید اس دوکان کو بدستور رکھتے ہوئے سودا کر سکتا ہے یا نہیں؟ اگر زید اس دوکان کو ختم کرتا ہے تو بہت مشقت میں پڑ جائے گا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب دوکان کرایہ پر دی ہے اور یہ شرط نہیں کی کہ اس میں خنزیر کا گوشت فروخت کیا جائے، پھر کرایہ دار جو بھی فروخت کرے وہ خود اس کا اپنا عمل ہے(۱)، نیز غیر مسلم تو اس سے روکا بھی نہیں جا سکتا ہے کیونکہ اس کے مذہب میں خنزیر کے گوشت کی خرید و فروخت صحیح ہے(۲)، اس لئے متولی کو مجبور نہیں کیا جا سکتا کہ اس کو خالی کرائے، خاص کر ایسی حالت میں کہ کوئی دوسرا کرایہ دار بھی شہر سے باہر میسر نہیں آتا، اور اس کی آمدنی مقدمہ وقف میں خرچ بھی ہو رہی ہے، ان حالات میں مجبوراً اس کو برداشت کیا جا سکتا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیوبند، ۹/۷/۹۲ھ۔

قرض ادا نہ کرنے کی صورت میں مقروض کا سامان اٹھا کر بطور کرایہ استعمال کرنا

سوال[۸۱۰۱]: ایک شخص نے اپنے بھائی کو کھیتی کے لئے روپیہ قرض دیا تھا کہ وہ آہستہ آہستہ

---

(۱) قال العلامة الحصكفي: "وجاز إجارة بيت بسواد الكوفة، لا بغيرها على الأصح ... وخص سواد الكوفة؛ لأن غالب أهلها أهل الذمة ليتخذ بيت نار، أو كنيسة، أو بيعة، أو يباع فيه الخمر، هذا عنده أيضاً؛ لأن الإجارة على منفعة البيت، ولهذا يجب الأجر بمجرد التسليم، ولا معصية فيه، إنما المعصية بفعل المستأجر، وهو مختار، فينقطع نسبته عنه ... والدليل عليه أنه لو آجره للسكنى، جاز". (الدر المختار مع رد المحتار: ۳۹۲/۶، فصل في البيع، كتاب الحظر والإباحة، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمگيرية: ۴۵۰/۴، الفصل الرابع في فساد الإجارة، رشيديه)

(وكذا في المبسوط للسرخسي: ۳۳/۱۶، باب الإجارة الفاسدة، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۲) "وإذا استأجر ذمي ذمياً لينقل الخمر جاز عندهم؛ لأن الخمر عندهم كالخل عندنا، كذا في المحيط". (الفتاوى العالمگيرية: ۴۴۹/۴، كتاب الإجارة، الفصل الرابع في فساد الإجارة، رشيديه)

"لأن الخمر والخنزير مال متقوم في حقهم بمنزلة الشاة والبعير في حقنا". (المبسوط للسرخسي: ۳۳/۱۶، باب الإجارة الفاسدة، مكتبه غفاريه كوئٹه)

دیتا رہے گا، لیکن چار ماہ بعد جب قرض ادا نہ ہوا تو وہ کھڈی (۱) اٹھا کر لے گئے، دو چار مہینہ کا کرایہ بھی ان سے وصول کیا۔ تو یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

صرف اپنا قرض دیا ہوا روپیہ وصول کرنے کا حق ہے، اس سے زائد وصول کرنا جائز نہیں، وہ سود ہے، خواہ کسی نام سے ہو (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیوبند، ۲۱/۳/۸۹ ھ۔

(۱) "کھڈی: فرش پر اینٹوں یا پتھروں کا وہ چوکھا سا جس پر بیٹھ کر پاخانہ پھرتے ہیں۔ جولاہوں کے کام کرنے کا گڑھا"۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۰۵۷، فیروز سنز لاہور)

(۲) قال اللہ تعالیٰ: ﴿ولا تأكلوا أموالكم بينكم بالباطل﴾ الآية. (سورة البقرة: ۱۸۸)

"كل قرض جر منفعة فهو ربا". (رقم الحديث: ۶۳۳۶). (فيض القدير: ۹/۴۷۸۴، مكتبه نزار مصطفى الباز الرياض)

"كل قرض جر نفعاً حرام". (الدر المختار: ۵/۱۶۶، فصل في القرض، مطلب في كل قرض جر نفعاً، سعيد)